قل هو للذين آمنوا هدى وشفاء

ہادی برحق شافی مطلق کا احسان کہ نسخہ دافع زلل صوری رافع علل معنوی نافع مومنین

جلد اول

مذاق العارفین

ترجمہ

احیاء علوم الدین

مصنفہ

اکمل کاملاں افضل دوراں عالم المعی فاضل لوذعی مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی ادامہ اللہ العلی القوی

مطبع نامی منشی نولکشور میں طبع ہوا

فدا حسین

تکلف ظاہری بار پا علاوہ ازیں اتنی بڑی کتاب میں اُسکا التزام دشوار اور بہ نظر غور قابل مخل مطلب فہمی اور درازئ کار ہی چھٹے یہ کہ آیات قرآنی کا ترجمہ شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمہ سے لکھا گیا ہو الا ماشاء اللہ اور جن احادیث کی عبارت تیمن و تبرک کے لیے نقل کی ہو انکا ترجمہ حاشیہ پر لکھ دیا ہو ساتویں یہ کہ بعض ارباب علم کی صلاح یہ ہوئی کہ جو احادیث احیاء العلوم میں ہیں اُنکا حوالہ بھی لکھا جائے کہ کس کتاب میں کیسی سند سے مذکور ہیں اور میں نے بھی خیال کیا کہ کچھ اہل علم اسکی احادیث قابل اعتبار نہیں جانتے اسلیے میں نے تخریجات عراقی سے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھ دیا اور جسطرح عراقی نے صرف نام کتاب اور راوی اعلی کے ذکر پر اکتفا کیا تھا میں نے بھی اسکی تبعیت سے ویسا ہی کیا مثلاً اگر اُسمیں لکھا ہو مسلم من حدیث ابی ہریرۃ یا الترمذی فی الشمائل من حدیث علی۔ تو میں نے حاشیہ پر یوں لکھا ہو مسلم۔ روایت ابی ہریرہ ترمذی در شمائل روایت علی مرتضیٰ۔ مگر افسوس کہ تخریجات عراقی ہر چند لکھی ہوئی سنہ ۹۲۱ ہجری کی تھی مگر اسقدر غلط نکلی کہ بعض احادیث کی سند بالکل فروگذاشت کردی۔ اور باب النکاح کی دوسری فصل سے اگلے باب کی تیسری فصل تک کی تخریج یکقلم نہیں لکھی اور دوسرا نسخہ ملا نہیں کہ اُسمیں دیکھ لیا جاتا ایسی حدیثوں میں سے جسقدر کا نشان مجکو روا روی میں ملگیا میں نے لکھ دیا اور جن کا نشان جلد نہیں ملا انکے لیے حاشیہ پر جگہ چھوڑ دی۔ اور عراقی نے ہر سند کے بعد اسکی کیفیت لکھی ہو کہ صحیح ہو یا ضعیف وغیرہ میں نے حاشیہ پر صحیح الاسناد کے بعد کچھ نہیں لکھا الا بعض جگہ کسی مصلحت خاص کے لیے سند صحیح یا جید لکھا ہو اور جہاں کہیں عراقی نے سند میں علت بیان کی ہو اُسکو میں نے بعینہا نقل کر دیا ہو تو جس تخریج کے بعد حاشیہ پر کوئی علت ؞ اُسکو ناظرین صحیح تصور فرمائیں۔ اور جن احادیث کی سند میں عراقی نے کئی کئی طریق لکھے ہیں بعضے صحیح اور بعضے معلل تو ایسی صورت [illegible] صحیح طریق کو لکھا ہو معلل کو چھوڑ دیا ہو اور بعض جا کلمات حدیث کے اختلاف کو نقل کیا ہو نوائس جگہ میں نے بادنیٰ اختلاف لکھ دیا ہو عرضیکہ حوالہ [illegible] عراقی نے بہت تفصیل و تطویل کی ہو میں نے اختصار کی راہ اختیار کی اور یہ بھی التزام کیا ہو کہ جس مخرج کے الفاظ ہوں اُسکا نام راوی اعلی کے نام کے پاس لکھا جائے اور ایک یہ کہ اگر حدیث اوپر کسی باب میں گزری ہو تو لفظ بیشتر وغیرہ لکھا ہو اور اگر اُسی باب میں ہو چکی ہو تو اوپر گذری لکھا ہو۔ اور عراقی نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہو کہ میں نے اس بات کا التزام نہیں کیا کہ حدیث کو مخرج نے بھی اُنھیں الفاظ سے نقل کیا ہو جو احیاء العلوم میں ہیں بلکہ اگر روایت بالمعنی ہوئی ہو تب بھی میں نے لکھ دیا ہو کہ فلاں مخرج نے اسکو نقل کیا ہو۔ آٹھویں یہ کہ اس ترجمہ میں اشعار کا ترجمہ اشعار میں کیا ہو اور یہ التزام نہیں کہ اشعار اُردو ہی ہوں بلکہ بعض جا فارسی بھی ہیں جہاں بندش فارسی کے الفاظ کی اچھی بن پڑی ہو اور یہ ترجمہ سب ایسی طرح لکھا ہو کہ نوبت مسودہ کی نہیں ہوئی فکر اول ہی میں جو عبارت ذہن میں گذری قلم برداشتہ لکھ دی اور یہی وجہ جو اشعار کہ کتاب میں مکرر واقع ہوئے ہیں اُنکا ترجمہ جگہ جگہ مختلف ہوا ہو اور باایں ہمہ میں اپنی کم استعدادی اور قلت بضاعت کا معترف ہو کر اقرار کرتا ہوں کہ نہ میں ناظم ہوں نہ ناثر نہ مقرر نہ فصیح گفتار مگر اپنی جانفشانی اور سردردی کی داد منصفوں سے چاہتا ہوں اور سہو و خطا سے اغماض اور اغلاط کی اصلاح کے لیے التماس کرتا ہوں شعر پوش گر بخطائے رسی و طعنہ مزن ٭ کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود ٭ اور نام اس ترجمہ کا بہ نظر تاریخ مذاق العارفین رکھا گیا۔ اب میں اللہ تعالی سے امیدوار ہوں کہ اسکو قبول فرماوے اور مجکو اور دوسرے طالبان آخرت کو اس سے دارین میں نفع عنایت فرماوے جیسے اسکی اصل سے اُسنے فائدہ مرحمت کیا اور جس جا میں نے مطلب نہ سمجھا ہو یا اور کسی قسم کی لغزش عمداً یا خطأ ہوئی ہو اُسکو اپنے فضل عمیم سے معاف فرماوے وہو حسبی و نعم الوکیل وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔ بعض اقسام احادیث کے جو اس کتاب کے حاشیہ میں متفرق واقع ہیں اُنکی تصریح کر دی جاتی ہو کہ ناظرین کو دقت نہو

قسم حدیث	تعریف
صحیح	وہ حدیث ہو جسکی سند راوی سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو اور اُسکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد صفوۃ الموجودات وعلی آلہ وصحبہ الاطہرین الطیبین لاحیاء علوم الدین
المشمرین للطاعات بعد حمد وصلوٰۃ کے بندۂ ضعیف محمد احسن صدیقی نانوتوی عفی اللہ ولوالدیہ برادران [illegible] سے یہ عرض کرتا ہے
کہ اس ہیچمدان نے بغرض خیرخواہی اہل اسلام کے کتاب احیاء العلوم امام محمد غزالی کا ترجمہ زبان اردو میں [illegible] کیا اور امور مفصلہ ذیل کی
رعایت اسمیں رکھی اول یہ کہ ترجمہ محاورۂ اردو کے موافق ایسا کیا ہے کہ اول نظر میں یہ گمان نہیں ہوتا [illegible] کتاب کا ترجمہ ہے بلکہ
معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اردو ہی میں کتاب تالیف ہوئی ہے اسلیے پابندی ترجمہ لفظی کی نہیں رہی بہت سی تقدیم وتاخیر الفاظ کی وقوع میں آئی کیونکہ
مقصود مطالب کی تفہیم ہے نہ عبارت عربی کی تعلیم دوسرے یہ کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب موصوف کی چار جلدیں کرکے ہر جلد کو
دس دس کتابوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر کتاب پر دیباچہ جدا لگایا ہے اور بعض جا دیباچہ میں فہرست اس کتاب کی بھی لکھ دی ہے مترجم نے رواج
حال کی رو سے زبان اردو میں اس ڈھنگ کا باقی رکھنا مناسب نہ جانا اسلیے شروع جلد کے دیباچہ کے سوا اور دیباچوں کو ترک کر دیا ہے
اور ہر دیباچہ کی جگہ ایک رباعی مضمون لاحق کے مناسب لکھ دی ہے اور کتاب کو باب سے اور باب کو فصل سے بدل دیا ہے تیسرے یہ کہ
مذہب مصنف مغفور کا شافعی تھا مسائل عبادات ومعاملات اپنے مذہب کے طور پر لکھے ہیں میں نے صرف انکا ترجمہ کر دیا ہے مذہب
حنفی کی تصریح نہیں کی ناظرین اگر حنفی مذہب کے موافق کسی مسئلہ کو دریافت کرنا چاہیں تو کتب متداولہ مذہب کی طرف رجوع فرمائیں چوتھے
یہ کہ اس کتاب میں ہر مضمون اس بسط وتفصیل کے ساتھ ہے کہ گویا کتاب خود اپنی شرح ہے اسلیے میں نے اپنی طرف سے کسی مضمون میں کچھ
زیادتی نہیں کی الا جہاں کچھ لکھا ہے تو اسی جگہ اشارہ بھی کر دیا ہے خواہ ف لکھ دی ہے یا لفظ یعنی کرکے اپنی عبارت پہلے [illegible] سے جدا کر دیا ہے ہاں
[illegible] اردو کا شعر مضمون سابق کے مناسب لکھ دیا یا ربط کلام یا تتمہ عبارت مقدم کے لیے کسی جملہ کا کم و بیش [illegible] پانچویں یہ
[illegible] خیال سے کہ زیادہ کار آمد وہی مضامین ہیں ایسا ہو کہ اگر [illegible]
[illegible] جلدیں [illegible] تو جلد اولین کا ترجمہ کیا گیا [illegible] دوسری جلد [illegible] ہوتی
اس [illegible] قصص وحکایات میں خوشنما ہو اور [illegible] صحائف

اصول اور فروع کے حافظ تھے ابتداے حال میں آپ طوس میں رہے پھر امام الحرمین ابوالمعالی کے پاس مقام نیشاپور میں تشریف لائے اور یہ کتاب احیاء العلوم ایک ہزار پچیس دن میں تالیف کی اور اسکی تحسین واتقان غایت درجہ کو کی اور ہر روز ایک ختم کرکے دعا مانگا کرتے کہ الٰہی جو اس کتاب کی عزت کرے اسکی تو عزت کر اور جو اسکی حقارت کرے اسکو تو حقیر فرما آپ کی تصنیفات کا مجموعہ چارسو جلدیں ہیں جن میں سے تفسیر یاقوت التاویل چالیس جلدوں میں ہے اور کیمیاے سعادت اور وسیط اور وجیز اور خلاصہ اور مستصفی اور تہافۃ الفلاسفہ اور محک النظر اور معیار العلم اور مقاصد اور مضنون بہ علی غیر اہلہ اور المقصد الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی اور جواہر القرآن اور مشکوٰۃ الانوار اور منخول اور احیاء علوم وغیرہا ہیں اور اگر آپ کی تالیف بجز اس کتاب احیاء العلوم کے اور ہوتی تب بھی آپ کے فضل و تقدم پر یہ ایک ہی دلیل کافی و وافی تھی سبحان اللہ عجب کتاب ہے کہ سلوک آخرت کے فن میں اس سے بڑھکر اور کامل تر نہ دیکھی نہ سنی اگر اسکو غذاے روح کہیے تو بجا ہے یا نور بصر نام رکھیے تو زیبا ہے آب زر سے صفحۂ قرطاس پر لکھنا اسکی کسر شان سے ہے ہاں سواد چشم سے سویداے دل پر نقش کرنا اسکے حال کے شایاں ہے جزاہ اللہ المولف احسن الجزاء کہتے ہیں کہ جب آپنے کتاب منخول تالیف کی اور اسکو اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں لے گئے تو انھوں نے فرمایا کہ تمنے مجکو زندہ ہی دفن کردیا یعنی تمھاری تصنیف کے سامنے میری مصنفات کی قدر جاتی رہی۔ بعد اسکے مدرسہ نظامیہ بغداد میں کچھ دنوں آپنے درس دیا آپ کا درس ایسا مقبول عام ہوا کہ جب مدرسے سے مکان کو آتے تو پانسو فقیہ دہنے بائیں پس وپیش آپ کے گرد ہوتے پھر آپ نے زہد اختیار کیا اور درس وغیرہ کو ترک کرکے حج کو تشریف لے گئے اور وہاں سے بیت المقدس میں پہونچکر عبادت میں مشغول ہوئے پھر چندروز دمشق میں رہکر اپنے وطن مالوف طوس میں رونق افروز ہوئے اور آخر عمر تک اسی جگہ مقام فرمایا اور ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ بنواکر اپنے اوقات کو تعلیم اور امور خیر میں تقسیم کیا یہانتک کہ دوشنبہ کے روز چودھویں جمادی الاخری سنہ پانسو پانچ ہجری میں پچپن برس کے ہوکر راہگراے علیین ہوئے رضی اللہ عنہ

وارضاہ وجعل الجنۃ مثواہ فقط

اصطلاح	تعریف
	سب راوی سچے اور یاد کے پکے ہوں اور روایت کا خلاف اور پوشیدہ اسباب طعن کے نہ رکھتے ہوں ◆
حسن	وہ حدیث ہے جسکے راویوں میں کسی پر جھوٹ کی تہمت نہ ہوئی ہو نہ روایت کا خلاف ہوا اور وہی حدیث دوسری طرح سے مروی ہوا سکا رتبہ صحیح کے رتبے سے کم ہے ◆
مرفوع	وہ ہے جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل یا تقریر یعنی مقرر رکھا ہو ◆
متصل	وہ ہے جسکی سند برابر ملی ہو کوئی راوی چھوٹا نہو ◆
مسند	وہ حدیث ہے جسکے راویوں کے نام مذکور ہوں ◆
مشہور	وہ حدیث ہے کہ خاص اہل حدیث کے نزدیک شائع ہو یعنی ہر زمانے میں بہت سے راویوں سے روایت کیا ہو ◆
ضعیف	وہ حدیث ہے جسکے راویوں میں سے کوئی دروغگو یا فاسق یا کسی اور طرح سے مطعون ہو ◆
موقوف	وہ قول و فعل ہے جو کسی صحابی سے روایت کیا جائے ◆
مرسل	وہ حدیث ہے جو تابعی آنحضرت سے روایت کرے کہ آپ نے ایسا کہا یا ایسا کیا یعنی ذکر صحابی کا نہ کرے ◆
منقطع	وہ حدیث ہے جسکے اسناد برابر نہوں شروع میں سے خواہ بیچ میں سے خواہ اوپر سے کوئی راوی چھوٹ گیا ہو مگر اکثر اُس روایت پر بولتے ہیں جو تبع تابعی صحابی سے روایت کرے اور تابعی کا ذکر نہ کرے ◆
معضل	وہ حدیث ہے جسکی سند میں سے دو یا زیادہ راوی چھوٹے ہوں ◆
مضطرب	وہ حدیث ہے جس میں روایت مختلف ہو کوئی کسی طرح روایت کرے کوئی دوسری طرح ◆
غریب	وہ حدیث صحیح ہے جسکی روایت میں کسی جگہ ایک راوی اکیلا ہوا اور اگر ہر زمانے میں اکیلا ہوگا تو وہ فرد کہلاتی ہے اور اگر راوی ہر جگہ دو ہوں تو اسکو عزیز کہتے ہیں ◆
متواتر	وہ حدیث ہے کہ اسکے راوی کثرت سے ہر زمانے میں ہوں کہ انکا اتفاق جھوٹ پر عادۃً محال ہو ◆
منکر	اُس حدیث کو کہتے ہیں جو کوئی ثقہ اور معتبر شخص لوگوں کی روایت کے خلاف بیان کرے اسی کو شاذ بھی کہتے ہیں ◆
معلق	اُس حدیث کو کہتے ہیں جسکے اسناد کے شروع میں سے ایک یا دو راوی چھوڑ دیے جائیں اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں ◆
تدلیس	حدیث میں اُس فعل کو کہتے ہیں کہ راوی جس شخص سے روایت کرے اُس سے ملاقات کی ہو یا وہ اُسکا ہمعصر ہو مگر اُس سے اُس روایت کو سنا نہو اور ایسی لفظوں سے بیان کرے جس سے یہ وہم ہو کہ سنا ہوا کہتا ہے ◆
معلل	وہ حدیث ہے کہ ظاہر میں تو عیوب سے پاک معلوم ہوتی ہو مگر اُسمیں پوشیدہ سبب طعن کے پائے جاتے ہوں ◆
مدرج	وہ ہے کہ حدیث میں کسی راوی کا کلام درج ہو جائے اور یہ گمان ہو کہ یہ کلام بھی حدیث ہی ہے یا دو متن کہ دو اسناد سے مروی ہوں انکو ایک اسناد سے روایت کیا جائے ◆
موضوع	وہ حدیث ہے جو کسی نے خود بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا صحابہؓ کی طرف منسوب کر دی ہو ◆

حال مختصر مصنف قدس سرہ العزیز کا

لقب آپ کا امام حجۃ الاسلام زین الدین ہے اور کنیت ابو حامد اور نام محمد بن محمد اور وطن شریف غزالہ ہے جو طوس کے دیہات میں سے ہے پیدائش آپ کی طوس میں سنہ چار سو پچاس ہجری میں ہوئی تحصیل علوم ابو حامد اسفرائنی اور ابو نصر [illegible]

وشوار ہے کیونکہ اس راستے کے راہنما وہ عالم ہیں جو انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں ایسے دنیا خالی ہے بجز رسمی لوگوں کے اور کوئی نہیں
رہا اور اکثر پر انہیں سے شیطان غالب ہے اور سرکشی نے انکو گمراہ کر رکھا ہے اور ہر ایک انہیں سے اپنے سردست کے فائدہ میں مصروف ہے
اسی وجہ سے یہ حال ہوا ہے کہ اکثر اچھی بات کو بُری اور بُری کو اچھی جانتے ہیں یہانتک کہ علم دین بُرا نام ہوگیا اور ہدایت کے نشان روے
زمین پر مٹ گئے اور ان لوگوں نے خلق کو یہ بات سمجھا دی کہ علم یا تو حکومت کا فتوی ہے جس سے حاکم کمینوں کے جھگڑے فیصل
کرنے میں مدد لیں یا بحث و مناظرہ کا علم ہے کہ فخر اور بڑائی کے چاہنے والے اسکو اپنے غالب ہونے اور طرف ثانی کے ساکت کرنے کا
وسیلہ کریں یا علم وہ جسکی مقفے باتیں ہیں جنکو واعظ عوام کے پھسلانے کا ذریعہ ٹھہرا دیں اسلیئے کہ انھوں نے سوا ان تین قسموں کے
اور کوئی دام حرام کا اور جال دنیا کے مال کا نہ پایا اور طریق آخرت کا اور وہ راستہ جس پر اگلے نیک بخت چلتے تھے اُسکا علم لوگوں میں سے
جاتا رہا اور اُسکا نام تک نہ رہا حالانکہ اس علم کو خداے تعالے نے اپنی کتاب مجید میں فقہ اور حکمت اور علم اور روشنی اور نور اور ہدایت اور راہ یابی سے
تعبیر فرمایا ہے۔ اور چونکہ یہ امر دین میں رخنہ عظیم اور مصیبت جسیم ہوا اسلیئے میں نے اس کتاب کے لکھنے میں مصروف ہونا نہایت ضروری جانا
تاکہ دین کے علوم زندہ ہوں اور اگلے پیشواؤں کے راستے کھل جاویں اور وہ علوم جو انبیا علیہم السلام اور اکابر سلف رحمہم اللہ کے نزدیک
مفید ہیں معلوم ہو جاویں اس کتاب کی بنا میں نے چار جلدوں میں رکھی ہے۔ اوّل جلد میں عبادات ہیں۔ دوّم میں عادات یعنی معاملات اور
آداب ہیں۔ سوّم میں مہلکات یعنی وہ امور ہیں جو سب سے کوتاہ کرنے والے ہیں۔ چہارم میں منجیات یعنی بندے کو نجات دینے والی چیزیں ہیں
اور ان سب کتابوں میں سے باب علم لکھا ہے اس لئے کہ وہ اہم ضروری ہے اور اسکے مقدم کرنے سے یہ غرض ہے کہ اول وہ علم واضح
کر دوں جسکی طلب ہر ایک شخص پر اللہ تعالے نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی عبادت مقرر کی جنانچہ آپ نے ارشاد
فرمایا ہے کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم اس باب میں علم نافع کو علم مضر سے علیحدہ کر دونگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں نعوذ باللہ
من علم لا ینفع اور بیان کرونگا کہ اس زمانہ کے لوگ سیدھی راہ سے کیسے پھر گئے اور چمکتے سراب کو دیکھکر دھوکا کھایا اور علوم میں سے مغز کو چھوڑ کر پوست پر قانع
ہوئے اس باب میں ... لگا اسلئے کہ ... پر مشتمل ہیں یعنی عبادات کی جلد میں
دس باب ہیں۔ باب علم۔ باب عقائد کے قواعد کا۔ طہارت کے اسرار کا۔ باب نماز کے اسرار کا۔ باب زکوۃ کے اسرار کا۔ باب روزہ کے
اسرار کا۔ باب حج کے اسرار کا۔ باب تلاوت قرآن کے آداب کا۔ باب ذکر اور دعاؤں کا۔ باب وقتوں میں وظیفہ کی ترتیب کا اور
عادات کی جلد میں دس باب ہیں اوّل کھانے پینے کے آداب میں دوّم نکاح کے آداب میں سوّم کسب کے احکام میں چہارم
حلال اور حرام میں پنجم صحبت کے آداب اور اقسام خلق کے ساتھ معاملہ کرنے میں ششم گوشہ نشینی میں ہفتم آداب سفر میں ہشتم راگ کے سننے اور
حال میں نہم اچھی بات کے کہنے اور بری بات سے منع کرنے میں دہم زندگی کے آداب اور نبوت کے اخلاق میں اور مہلکات کی
جلد بھی منقسم ہے اوپر دس بابوں کے پہلے میں بیان قلب کے عجائبات کا ہے دوسرے میں ریاضت نفس کا تیسرے میں شہوت شکم
اور شرمگاہ کی آفتوں کا چوتھے میں زبان کی آفتوں کا پانچویں میں غصے اور کینے اور حسد کی آفتوں کا چھٹے میں دنیا کی برائی کا ساتویں
میں مال اور بخل کی برائی کا آٹھویں میں جاہ اور ریا کی برائی کا نویں میں تکبر اور خود پسندی کی مذمت کا دسویں میں مغالطہ کھانے کی برائی کا
اور منجیات کی جلد میں بھی دس باب ہیں اوّل توبہ کا دوّم صبر اور شکر کا سوّم خوف اور توقع کا چوتھا فقر اور ترک دنیا کا پانچواں
توکل اور خداے تعالے کو ایک جاننے کا چھٹا محبت اور شوق اور انس اور رضا کا ساتواں نیت اور صدق اور اخلاص کا آٹھواں
مراقبہ اور محاسبہ یعنی نفس کی نگرانی اور حساب لینے کا نواں فکر کرنے کا دسواں موت کے یاد کرنے کا۔ جلد عبادات میں ہم عبادات
کے پوشیدہ آداب اور انکی سنتوں کی باریکیاں اور انکے معانی کے اسرار وہ لکھینگے جنکی طرف عمل کرنے والا عالم مضطر ہوتا ہے بلکہ

[illegible]

قطعہ

پادشاہا ترے دروازے پہ میں سائل ہوں
مدعا میرا تو کر فضل سے اپنے پورا
دے طبیعت کو مری اور قلم کو تیزی
تا لکھوں ترجمہ اچھا سے علوم دیں کا

دیباچہ کا ترجمہ

اول میں خداے تعالی کی بہت سی تعریفیں بیان کرتا ہوں اگرچہ اسکے حق جلال کے آگے تعریف کرنے والوں کی تعریف ذلیل و حقیر ہو دوم درود اور سلام ایسی طرح بھیجتا ہوں کہ سب پیغامبروں کو شامل ہو بہمراہی ہمارے سید المرسلین کے جنکا نام نامی محمد ہے سوم اللہ تعالی سے اس امر کی بہتری چاہتا ہوں جسکے لیے میرا ارادہ علوم دین کے زندہ کرنے میں ایک کتاب کے لکھنے کا ہوا ہے چہارم تیرے تعجب دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اے ملامت گریں ملامت کرنے والے اور غافل منکروں کے زمروں میں زیادہ سرزنش اور انکار کرنے والے اسلیے کہ اب اللہ تعالی نے میری زبان سے سکوت کی گرہ اٹھا دی اور گفتگو اور کلام کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا مجکو وہ بات کہ تجھے بڑی حیرت ہوئی مواظبت کرتا ہے یعنی حق صریح سے آنکھیں بند کرکے باطل کی نصرت اور جہل کی تعریف میں اصرار کرتا ہے اور اگر کوئی شخص خلق کی رسموں سے تھوڑا سا نکلنا چاہتا ہے یا رسم کی پابندی کو چھوڑ کر علم کے بموجب عمل کرنے پر راغب ہوتا ہے اس غرض سے کہ نفس کی صفائی اور قلب کی درستی جسکو اللہ تعالی نے عبادت مقرر کیا ہے حاصل ہو اور تمام عمر کے رایگاں جانے کی تلافی سے ناامید ہوکر اپنے تئیں کیا ہوں کی تدارک کرے اور ان لوگوں کے گروہ سے منحرف ہو جنکے حق میں صاحب شریعت جناب فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ تو تو اس شخص پر شور اور فتنہ اٹھاتا ہے او مجکو یقین ہے کہ انکار پر تیرے اصرار کا باعث یہی اس مرض کے سبب ہے جو اکثر لوگوں میں پھیل گیا ہے بلکہ عالمگیر ہو رہا ہے یعنی امر آخرت کی بزرگی کے ملاحظے سے قاصر ہیں اور اس بات کو نہیں جانتے کہ معاملہ خوفناک ہے اور ہم نزدیک ہے آخرت سامنے چلی آتی ہے اور دنیا پشت پھیرے جاتی ہے اور موت قریب ہے اور سفر بعید ہے توشہ تھوڑا ہے اور اندیشہ بڑا راستہ بند اور [illegible] ہے اور جو علم و عمل کہ خدا کی ذات کے سوا ہو وہ پرکھنے والے عاقل کے نزدیک مردود ہے اور راہ آخرت کا چلنا باوجود بہت سی مہلک چیزوں کے [illegible] بغیر راہنما اور رفیق کے نہایت [illegible] اور

فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن مسیب کے پاس گیا وہ روتے تھا حاصل ہو اور دوسری صنعتوں کے آلات بھی اس سے بنتے ہیں اور
کہ مجھسے کوئی کچھ پوچھتا نہیں۔ اور بعضوں کا قول ہے کہ علما زمانوں کے پیغمبر سے وہ اعمال ہیں کہ اصول کو پورا کرتے ہیں [illegible] ہوتا ہے کہ اُس سے
اسکے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر علما نہ ہوتے تو آدمی مثل چارپایوں کے ہو جاتے
یعنی علما لوگوں کو تعلیم کی جہت سے حالت بہیمی سے نکالکر حد انسانیت پر پہنچا دیتے ہیں۔ اور عکرمہ یہ فرماتے ہیں کہ اس علم کا
کچھ مول ہے کسی نے پوچھا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ اسکو ایسے کو سکھا جو اچھی طرح یاد کرے اور ضائع نکرے۔ اور یحییٰ ابن معاذ
فرماتے ہیں کہ علماے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ماں باپ سے زیادہ رحیم ہیں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس طرح ہے انھوں نے فرمایا کہ اسلیے
کہ ماں باپ تو لوگوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور علما آخرت کی آگ سے بچاتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ ابتداے علم سکوت ہے
پھر سننا پھر یاد کرنا پھر عمل کرنا پھر اُسکو لوگوں میں پھیلانا اور بعض یون فرماتے ہیں کہ اپنا علم ایسے کو سکھاؤ جو اُس سے جاہل ہو اور ایسے
شخص سے سیکھو کہ جو چیز تمکو نہ آتی ہو اُسکو وہ جانتا ہو جب ایسا کروگے تو جو کچھ نہ آتا ہوگا اُسکو جان جاؤگے اور جو جانتے ہوگے
وہ یاد رہیگا۔ اور حضرت معاذ بن جبل کا قول ہے اور میں نے اُسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی پایا کہ علم کو سیکھو اسلیے
کہ اسکا سیکھنا خوف الٰہی ہے اور اُسکی جستجو عبادت اور اُسکا درس دینا تسبیح اور اُسکی بحث کرنی جہاد اور جو شخص نہ جانتا ہو اُسکو اُسکی
تعلیم کرنی خیرات اور جو اُسکا اہل ہو اُسپر اُسکا خرچ کرنا قرب منزلت ہے یہی علم تنہائی میں انیس اور سفر میں جلیس اور خلوت میں گفتگو کرنے والا
اور دین کا راہ نما اور حالت تونگری اور افلاس میں چراغ اور دوستوں کے سامنے زینت اور اجنبی شخصوں میں قریب کرنے والا
اور دشمنوں کے حق میں ہتھیار اور راہ جنت کا منار ہے اس علم کی بدولت اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو بلند رتبہ عنایت فرماتا ہے کہ انکو امور
خیر میں سردار پیشوا ہادی بناتا ہے اُنکی دیکھا دیکھی اوروں کو خیر نصیب ہوتی ہے اُنکے قدموں پر لوگ چلتے ہیں اور اُنکے افعال کو تاکتے ہیں
فرشتے اُنکی دوستی کے خواہاں ہوتے ہیں اور اپنے بازوؤں سے اُنکو پونچھتے ہیں اور تمام خشک و تر اُنکے لیے بخشش چاہتے ہیں
یہانتک کہ سمندر کی مچھلیاں اور کیڑے اور خشکی کے درندے اور چارپائے اور آسمان اور اُسکے ستارے سب دعاے مغفرت کرتے ہیں
اسلیے کہ علم دل کی زندگی ہے اُسکے باعث جہالت نہیں رہتی اور نور ہے کہ جسکے سامنے تاریکی باقی رہتی ہے اُس سے بدن کو قوت آتی ہے
اور ضعف دور ہوتا ہے اُسکے باعث بندہ نیک لوگوں کے مراتب اور بلند درجے حاصل کرتا ہے علم میں فکر کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے اور
اُسکے درس میں مشغول رہنا شب بیداری کے مساوی ہے اور اُسی کے باعث خداتعالیٰ کی اطاعت اور توحید اور عبادت اور تمجید
ہوتی ہے اُسی سے [illegible] اور صلہ رحم اور معرفت حلال اور حرام حاصل ہے علم امام ہے اور عمل اُسکا تابع ہے نیک بختوں ہی
کے دل میں اُسکی [illegible] ہوتی ہے اور بدبخت اُس سے محروم رہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کے خواہاں ہیں +

یہ بیان دلائل عقلی کے ذکر میں +

اب دلائل عقلی اسباب میں سنی چاہییں کہ غرض اس جا علم کی فضیلت اور نفاست کے معلوم کرنے سے ہے اور جب تک کہ خود
فضیلت کو نہ سمجھو اور جو اس سے غرض ہے اسکو نہ معلوم کرو تو علم وغیرہ اشیا کی فضیلت کا جاننا ناممکن ہے جیسے کوئی یہ معلوم کیا چاہے کہ یہ
حکیم ہے یا نہیں اور اُسکو حکمت کے معنی اور اُسکی حقیقت معلوم نہو تو بجز راہ بھٹکنے کے اور اُسکو کیا حاصل ہوگا پس واضح ہو کہ فضیلت
فضل سے نکلی ہے جسکے معنی زیادتی کے ہیں تو جب دو چیزیں کسی بات میں شریک ہوں اور ایک میں کوئی بات زیادہ ہو تو اُسکو کہینگے کہ یہ
دوسرے سے زیادہ اور افضل ہے لیکن زیادتی ایسی چیز میں ہونی چاہیے جو اُس چیز کا کمال ہو مثلاً گھوڑے کو جو گدھے سے افضل کہتے
ہیں تو اسی لیے [illegible] شریک ہے مگر [illegible] اور رنگ [illegible] میں اور خوبصورتی میں اُس سے بڑھکر ہے اب اگر کسی

جو شخص اُنپر واقف نہو وہ آخرت کے علما میں سے نہیں اور یہ وہ باتیں ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں اکثر متروک ہیں کسی نے انکو نہیں لکھا اور عادات کی جلد میں اُن معاملات کے اسرار لکھینگے جو خلق میں جاری ہیں اور اُنکے طریقوں کی باریکیاں اور جہان جہاں وہ جاری ہیں اُن جگہوں کے پوشیدہ ورع مذکور کرینگے اسلیے کہ ایسی چیزین ہیں کہ انکی حاجت ہر متدین کو ہوتی ہو۔ اور مہلکات کی جلد میں ہم وہ بُری عادتیں لکھینگے جسکا دور کرنا نفس کو اُن سے پاک کرنا اور دل کو صاف کرنا قرآن مجید میں وارد ہی اور ان عادتوں میں سے ہر ایک کی تعریف اور حقیقت بیان کرینگے پھر وہ سبب لکھینگے جس سے وہ عادت پیدا ہوتی ہو پھر وہ آفتیں بیان کرینگے جو اُس عادت پر مترتب ہوتی ہیں پھر اُس عادت کی علامتیں پھر طریق علاج کا جسکے باعث اُس عادت سے آدمی نجات پاوے ذکر کرینگے اور ہر ایک امر کی دلیل آیتوں اور حدیثوں اور آثار سے لکھتے جاوینگے اور منجیات کی جلد میں ہر ایک عمدہ عادت اور ایسی خصلت جسمیں رغبت ہو اور مقربوں اور صدیقوں کے عادات میں سے ہو اور جس سے بندہ پروردگار عالم کے نزدیک ہو ذکر کرینگے اور ہر ایک خصلت کی تعریف اور ماہیت اور سبب جس سے وہ حاصل ہو۔ اور ثمرہ جو اُس سے پیدا ہو اور علامت جس سے وہ جانی پڑے اور فضیلت جسکے باعث اُسکی طرف رغبت ہو مع دلائل شرعی اور عقلی کے جو اُسکے باب میں وارد ہیں ذکر کرینگے۔ اور لوگوں نے ان باتوں میں سے بعض امور میں کتابیں لکھی بھی ہین مگر یہ کتاب اُنکی تصانیف سے پانچ باتوں میں علیحدہ ہو اول جس چیز کو اُنھوں نے مجمل اور بے سمجھائے چھوڑا ہو اسکو ہمنے کھول کر مفصل لکھا ہو دوم جن باتوں کو اُنھوں نے متفرق اور پریشان لکھا ہو اُسکو ہمنے ترتیب وار منتظم بیان کیا ہو سوم جن امور کو اُنھوں نے طویل تقریر میں لکھا ہو اُسکو ہمنے مختصر طور پر ضبط کیا ہو چوتھے اُنھوں نے جو امر مکرر لکھے ہیں اُنکو ہمنے حذف کیا ہو صرف مطلب ثابت رکھا ہو پانچویں ہمنے باریک باتوں کی تحقیق کی ہو جنکا سمجھنا فہموں پر دشوار ہوا ہو اور اُنکے ذکر کے درپے کتابوں میں کوئی نہیں ہوا اس جہت سے کہ ہر چند سبھوں نے ایک ہی طرح لکھا ہو مگر کچھ بعید نہیں کہ ہر ایک سالک ایسے امر خفی پر مطلع ہو جاوے جس سے اُسکے ساتھ والے غافل رہیں یا اُنپر آگاہ کرنے سے غفلت تو نہ کرے مگر کتابوں میں اُسکو لکھنا بھول جاوے یا بھولے بھی نہیں لیکن حقیقت واقعی لکھنے سے اسکو کوئی مانع ہو غرض کہ اس کتاب کے خواص یہ ہیں اور بہذا یہ کتاب ان علوم پر مفصلاً حاوی ہو۔ اور ہمنے جو اس کتاب کی چار جلدین کی تو اُسکی دو وجہیں ہیں وجہ اول جو باعث اصلی ہو یہ ہو کہ یہ ترتیب تحقیق اور سمجھانے کے باب میں گویا کہ ضروری ہو اسلیے کہ جس علم سے آخرت کی طرف توجہ کیجاتی ہو اُسکی دو قسمیں ہیں ایک علم معاملہ دوم علم مکاشفہ اور علم مکاشفہ سے ہماری غرض وہ علم ہو کہ جس سے معلوم کے کھلجانے کی طلب کیجاوے۔ اور علم معاملہ سے وہ غرض ہو کہ معلوم کے کشف ہونے کے ساتھ اُسپر عمل کرنا مطلوب ہو اور اس کتاب میں مقصود صرف علم معاملہ ہو نہ مکاشفہ جسکو کتابوں میں لکھنے کی اجازت نہیں ہر چند غایت مقصود طالبوں کا اور صدیقوں کی تاک کا مقام علم مکاشفہ ہی ہو اور علم معاملہ اُسکا ذریعہ ہو مگر انبیا علیہم السلام نے خلق کے ساتھ صرف علم معاملہ ہی میں گفتگو کی ہو اور اسی کی طرف راہ بتایا علم مکاشفہ میں کچھ کلام نہیں کیا مگر رمز واستعارہ کے ساتھ تمثیل و اجمال کے طور پر بایں وجہ کہ اُنکو معلوم تھا کہ خلق کی فہمیں اُسکے ادراک اور برداشت سے قاصر ہیں اور چونکہ علما انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں تو اُنکو بھی انبیا کی پیروی سے عدول کرنے کی صورت نہیں۔ پھر علم معاملہ کی دو قسمیں ہین ایک علم ظاہر یعنی اعضا کے ظاہری کے اعمال کا علم دوسرا علم باطن یعنی دلوں کے اعمال کا علم اور جو عمل کہ اعضا پر جاری ہوتے ہین وہ یا عبادات ہیں یا عادات اور دل جو کہ حواس سے پردہ ہونے کے حکم میں ہین اُنپر جو عالم ملکوت سے احوال وارد ہوتے ہیں وہ یا اچھے ہیں یا بُرے غرضکہ اس علم کی تقسیم دو حصوں میں ضروری ہوئی ظاہر دوسرا باطن اور ظاہر جو متعلق اعضا سے ہو وہ عبادات و عادات میں اور باطن جو دل کے احوال سے اور نفس کی عادتوں سے متعلق ہو وہ بھی منقسم ہوا دو قسموں اچھی اور بری [illegible] ہم نے طالب علموں کی

مہیا کرتے ہیں اور انکے خادم کی طرح ہیں مثلاً آہنگری کہ زراعت کی خادم خاصکر ہے اور دوسری صنعتوں کے آلات بھی اس سے بنتے ہیں اور
دھننا اور کاتنا دونوں نوربافی کے خادم ہیں کہ سوت وغیرہ کا ہونا اسپر موقوف ہے تیسرے وہ اعمال ہیں کہ اصول کو پورا کرتے ہیں اور انکو زینت
دیدیتے ہیں مثلاً سینا اور پکانا زراعت کے لیے اور دھونا اور سینا نوربافی کے لیے اور ان تین طرح کے اعمال کو عالم کے قیام میں ایسا ہی علاقہ ہے
جیسے آدمی کے اجزا کو اسکے تمام وجود کے قیام میں ہے یعنی آدمی کے اجزا بھی تین طرح کے ہیں ایک اصول ہیں جیسے دل اور جگر اور دماغ ہیں
دوسرے وہ اعضا ہیں جو اصول کے خادم ہیں جیسے معدہ اور رگیں اور شریانیں اور پٹھے اور نسیں ہیں تیسرے وہ اجزا ہیں جو زینت کے لیے ہیں
مثلاً ناخن اور انگلیاں اور بھویں اور بال وغیرہ ہیں اور ان صنعتوں میں سے اشرف اور افضل اصول ہیں اور اصول میں سے افضل سیاست
ہے جسپر کہ مدار اس مانوس رہنے اور آپسمیں اچھی طرح بسر کرنے کا ہے اور اسی لیے اس خدمت کے بجالانے والے کو وہ کمال ہونا چاہیئے جو
اور صنعتوں میں درکار نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس خدمت والا اور صنعتوں والوں سے خدمت لیا کرتا ہے اور سب کو اپنا تابع جانتا ہے۔ اور
خلق کی درستی کے لیے اور دنیا اور آخرت میں انکو راہ راست بتانے کے لیے سیاست کے چار مرتبے ہیں۔ اول سیاست جو سب میں برتر ہے سیاست
انبیا علیہم السلام کی ہے اور انکا حکم خاص اور عام سب پر ظاہر اور باطن ہر حال میں ہے دوسری سیاست خلفا اور ملوک اور سلاطین کی ہے اور انکا
حکم بھی خاص اور عام سب پر ہے مگر صرف ظاہر پر ہے باطن پر نہیں تیسری سیاست ان علما کی ہے جو اللہ تعالی اور اسکے دین کے عالم ہیں اور
یہی علما انبیا کے وارث ہیں انکا حکم صرف خاص لوگوں کے باطن پر ہے عوام کی سمجھ کا اتنا رتبہ نہیں جو انسے مستفید ہو اور نہ انکو یہ قوت کہ
لوگوں کے ظاہر پر کسی بات کے لازم کرنے خواہ روک دینے کا تصرف کریں چوتھی سیاست واعظوں کی ہے انکا حکم صرف عوام کے باطنوں
پر ہے۔ اب ان سب سیاستوں میں نبوت کے بعد اشرف اور افضل علم کی تعلیم اور لوگوں کے نفس کو مہلک عادتوں اور بری خصلتوں سے بچانا
اور عمدہ اخلاق اور سعادت کی طرف راہ بتلانا ہے۔ اور تعلیم سے مراد بھی یہی ہے اور تعلیم کو جو ہمنے اور اعمال کی نسبت کہ افضل بتایا اسکی وجہ یہ ہے
کہ کسی پیشہ کا شرف تین باتوں سے جانا جاتا ہے یا تو اس قوت کے لحاظ سے جو اس صنعت کے پہچاننے کا ذریعہ ہو مثلاً عقلی علوم لغوی علوم
سے افضل ہیں اسلیے کہ حکمت تو عقل سے معلوم ہوتی ہے اور لغت کان کے سننے سے اور عقل سننے کی نسبت کہ افضل ہے تو جو چیز عقل سے
معلوم ہوگی وہ بھی افضل ہوگی۔ یا شرف باعتبار فائدے کے عام ہونے کے ہوتا ہے جیسے کھیتی بہ نسبت زرگری کے ہے کہ اول کا فائدہ انسانوں
اور حیوانوں کو عام ہے بخلاف زرگری کے کہ اسکا فائدہ سب انسانوں کے لیے نہیں یا شرف باعتبار محل کے ہوتا ہے جسمیں اس پیشہ کا اثر ہو جیسے زرگری
چمڑا پکانے کی نسبت کہ افضل ہے اسلیے کہ زرگر تو سونے پر اپنا عمل کرتا ہے اور چمڑا پکانے والا مردار کی کھال پر کام کرتا ہے اب تعلیم کو دیکھتے ہیں
تو یہ تینوں وجہیں شرف کی اسمیں موجود ہیں اسلیے کہ علوم دینی یعنی سمجھنا طریق آخرت کا ظاہر ہے کہ عقل کی خوبی اور ذکا کی تیزی اور صفائی سے
ہوتا ہے اور عقل تمام صفات انسانی سے اشرف ہے جیسا کہ اسکا بیان عنقریب آویگا اسلیے کہ عقل ہی کے باعث خدائے تعالی کی امانت
مقبول ہوتی ہے اور اسی کی جہت سے قرب الہی تک پہونچا جاتا ہے اور فائدہ کا عام ہونا تعلیم میں خود ظاہر ہے کہ مقام شبہ نہیں کیونکہ اسکا فائدہ اور ثمرہ
سعادت آخرت ہے اور تعلیم کے محل کی شرافت میں بھی کچھ شک نہیں کیونکہ تعلیم کرنے والا آدمی کے دلوں اور نفسوں پر تصرف کرتا ہے اور ظاہر ہے
کہ زمین پر موجود چیزوں میں سب سے اشرف انسان کی جنس ہے اور انسان کے اجزا میں سے عمدہ اور اشرف جزو انسان دل ہے اور تعلیم کرنے والا
دل کی تکمیل اور جلا دینے اور پاک کرنے اور اسکو قرب الہی تک پہونچانے میں مشغول رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علم کا تعلیم کرنا ایک طور سے تو
اللہ تعالی کی عبادت ہے اور ایک طرح سے اسکی خلافت اور یہ خلافت اللہ تعالی کی نہایت بڑھکر ہے کیونکہ اللہ تعالی نے عالم کے دل پر وہ صفت
جو اسکی صفات میں سے خاص تر ہے مفتوح فرمائی تو گویا عالم کا دل خدائے تعالی کے عمدہ خزینوں کا خزانچی ہوا پھر اسکو اجازت ہے کہ جو اس چیز کا
محتاج ہو اسکو یہ خیر [illegible] اب غور کرو کہ اس سے زیادہ کونسا رتبہ ہوگا کہ آدمی اللہ تعالی اور اسکی مخلوق میں واسطہ ہو کہ انکو خدا تعالی

گھوڑے کو بہت سا زیور پہنا دیں تو یہ نہ کہینگے کہ یہ افضل ہے کیونکہ یہ زیادتی صرف ظاہر کی ہے باطن کی نہیں یہ کمال میں اُسکو کچھ دخل ہے اور
جانوروں سے غرض اُنکے صفات اور امور باطنی ہیں نہ ظاہر کا جسم جب یہ معلوم کر چکے تو اب تمہیں ظاہر ہو گیا ہوگا کہ اگر علم کو اور اوصاف
کے لحاظ سے دیکھو تو اس میں ایک طرح کا تفضیل ہے جیسے گھوڑے کو بہ نسبت اور حیوانات کے فضیلت ہے بلکہ تیزی تگ و دو جو گھوڑے
میں ہے وہ مطلق فضیلت نہیں اضافی ہے اور علم کو بالذات اور مطلق فضیلت ہے خواہ کسی کی نسبت کر ہو یا ہو اسلیے کہ یہ خدا تعالیٰ کی
صفت کمال ہے اور اسی سے فرشتوں اور انبیا کا شرف ہے بلکہ گھوڑوں میں سے جسکو تیزی ہوتی ہے وہ احمق اور کم فہم سے اچھا ہوتا ہے
اس سے معلوم ہوا کہ علم کو فضیلت مطلق ہے خواہ کسی کی نسبت کر ہو یا ہو اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ نفیس چیز کی رغبت جو ہوتی ہے
اُسکی تین قسمیں ہیں ایک وہ کہ غیر کے لیے مطلوب ہو اور ایک وہ کہ بالذات مطلوب ہو اور ایک وہ کہ بالذات اور غیر کے لیے دونوں
طرح مطلوب ہو ان تینوں قسموں میں سے جو بالذات مطلوب ہوتی ہے وہ اول کی نسبت کر اشرف اور افضل ہے اور اول قسم یعنی جو
چیزیں غیر کے لیے مطلوب ہیں وہ روپیہ اشرفی ہیں کہ دونوں خود پتھر ہیں اُن خود سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اگر بالفرض خداوند کریم آدمیوں
کی حاجتیں پوری کرنی اُنسے سہل نہ فرماتا تو اُنکا اور کنکروں کا ایک سا حال ہوتا اور مطلوب بالذات آخرت کی سعادت اور لذت دیدار
الٰہی ہے اور جو چیز کہ بالذات بھی اور غیر کے لیے بھی مطلوب ہوتی ہے اُسکی مثال بدن کی سلامتی ہے مثلاً پاؤں کی سلامتی اس جہت سے
بھی مطلوب ہے کہ بدن درد سے سلامت رہے اور اسلیے بھی مطلوب ہے کہ اُس سے چل کر اپنے مطالب اور حاجات پورے کریں اب
اس اعتبار سے اگر علم کو دیکھو تو اُسکو خود بھی لذیذ پاؤ گے اور وسیلۂ آخرت اور سعادت اخروی اور قرب الٰہی کا ذریعہ بھی پاؤ گے کہ بدون
اُسکے خدائے تعالیٰ کی طرف وصول نہیں ہوتا اور آدمی کے حق میں سب رتبوں میں بڑھکر سعادت ابدی ہے اور سب چیزوں میں
افضل وہ ہے جو سعادت ابدی کا وسیلہ ہو اور ظاہر ہے کہ اُسکا ملنا بدون علم و عمل کے ہرگز نہیں ہو سکتا اور عمل بھی بدون اُسکے کہ کیفیت
عمل کا علم ہو نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا اور آخرت میں سعادت کی اصل علم ہی ہے اسلیے ثابت ہوا کہ سب اعمال سے افضل
علم ہے اور کیوں نہو کہ فضیلت کسی چیز کی اُسکے نتیجہ سے بھی معلوم ہوا کرتی ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ علم کا نتیجہ قرب الٰہی اور وصول
بزمرۂ ملائکہ اور نزدیکی ملاءِ اعلیٰ کی ہے یہ امور تو آخرت میں ہونگے اور دنیا میں عزت اور وقار اور سلاطین پر حکم کرنا اور طبیعتوں میں عالم کی
قدر و منزلت کا لازم ہونا ہے یہاں تک کہ ترکوں میں عجمی اور عرب کے کم رتبہ لوگ اپنی طبیعتوں کو اس بات پر مخلوق پاتے ہیں کہ اپنے
بزرگوں کی توقیر کیا کریں اسلیے کہ اُنکو تجربہ کرتے کرتے کچھ علم زیادہ ہو جاتا ہے بلکہ چوپایوں کو دیکھو تو وہ بھی اپنی طبیعت سے انسان کی
توقیر کرتے ہیں اسلیے کہ اُنکو اس بات کا شعور ہے کہ جو درجہ ہمکو ہے اُس سے کمال میں انسان بڑھا ہوا ہے یہ فضیلت علم کی مطلق ہے
پھر علوم مختلف ہیں چنانچہ اُنکا بیان عنقریب آویگا اور جیسے علوم میں اختلاف ہے اُسی طرح اُنکے فضائل میں تفاوت ہے اور فضیلت
تعلیم اور تعلم کی بھی وجہ مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے اسلیے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ سب باتوں سے افضل علم ہے تو اُسکا سیکھنا افضل بات کا
حاصل کرنا ہوگا اور اُسکا سکھانا افضل امر کی تعلیم ہوگی اور اُسکی تقریر اسطرح ہے کہ خلق کے مقاصد دین اور دنیا میں آ جاتے ہیں اور
دین کا انتظام بدون دنیا کے انتظام کے نہیں ہو سکتا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جو شخص دنیا کو آلۂ آخرت اور فرودگاہ جانے اُسکے
حق میں دنیا ذریعۂ وصول الی اللہ [illegible] اُسکو اپنا وطن اور قرارگاہ کر لے اور دنیا کا انتظام آدمیوں کے اعمال سے ہے اور آدمیوں
[illegible] عالم کا قیام نہیں اور اصول چار چیزیں ہیں ایک
[illegible] سیاست آپس میں [illegible]
[illegible] دوسرے وہ اعمال ہیں جو ان چاروں امور کو

شخص روزہ رکھیگا اسلیے وقت سے پہلے ہی اُسکو سیکھنا واجب ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ علم کا واجب ہونا جو عمل کے لیے شرط ہو وہ عمل کے واجب
ہونے کے بعد ہوا کرتا ہے پس پہلے وقت سے اُسپر سیکھنا واجب نہیں اور اسی طرح باقی نمازوں میں حال ہے پھر اگر وہ رمضان تک زندہ رہیگا تو
رمضان کے سبب سے اسپر روزہ کا سیکھنا ایک نیا واجب ہوگا یعنی یہ جاننا کہ روزہ کا وقت صبح صادق سے لیکر آفتاب کے ڈوبنے تک ہے
اور روزہ میں واجب نیت ہے اور کھانے اور پینے اور صحبت سے بند رہنا اور یہ بات عید کے چاند دیکھنے یا دو گواہوں کی گواہی گذرنے تک
قائم رہتی ہے اب اگر اسکے پاس مال ہو جاوے یا بالغ ہونے کے وقت ہی مال ہووے تو اُسکو مقدار واجب زکوٰۃ کا معلوم کرنا لازم ہوگا مگر
اسوقت لازم ہوگا بلکہ وقت اسلام سے ایک برس پورا ہونے پر لازم ہوگا اور اگر اسکے پاس اونٹوں کے سوا اور کچھ نہو تو صرف انھیں کی
زکوٰۃ کا سیکھنا بھی لازم ہوگا اسی طرح تمام اقسام مال میں تصور کرنا چاہیے جب اُسپر حج کے مہینے آویں تو اُسپر حج کا علم اُسی وقت جاننا
ضروری نہیں اسلیے کہ اسکا ادا عمر بھر میں ہوتا ہے تو سیکھنا بھی فورا واجب نہوگا ہاں علماے اسلام کو چاہیے کہ اگر اُسکے پاس جمعیت بقدر زاد و
راحلہ کے ہو تو اُسکو آگاہ کردیں کہ حج اُس شخص پر عمر بھر میں فرض ہے جو مالک سامان سفر اور سواری کا ہو تاکہ شاید وہ اپنے نفس پر احتیاط ضروری
جانکر جلدی ادا کرے پس جسوقت وہ قصد حج کرے اُسوقت اُسکو حج کی کیفیت کا سیکھنا لازم ہوگا اور صرف اُسپر ارکان حج اور اُسکے واجبات
کا سیکھنا واجب ہوگا نوافل کا سیکھنا واجب نہوگا اسلیے کہ جس چیز کا کرنا نفل ہے اُسکا سیکھنا بھی نفل ہے تو نفل کا سیکھنا فرض عین نہوگا۔ رہی یہ بات کہ
اصل حج کے واجب ہونے پر اسکو اُسی وقت آگاہ کردینے سے سکوت کرنا حرام ہے یا نہیں یہ امر متعلق فقہ سے ہے غرض کہ سب اعمال جو فرض عین ہیں
اُنکا جاننا تدریج اسی طرح ہے۔ اور ترک عمل کا معلوم کرنا بھی حسب جیسا حال پیش آتا جاویگا اُسی طرح واجب ہوگا یہ امر آدمی کے حال کے
مناسب مختلف ہوا کرتا ہے مثلاً گونگے پر واجب نہیں کہ جو کلام حرام ہے اُسکو معلوم کرے یا اندھے پر ضرور نہیں کہ نظر ناجائز کے مسئلے سیکھے یا
جنگل کے رہنے والے پر واجب نہیں کہ جن مکانات میں بیٹھنا حرام ہے اُنکو معلوم کرے حاصل یہ کہ اگر معلوم ہو کہ ان اشیا کی ضرورت اس
شخص کو نہ پڑیگی تو اُنکا سیکھنا اُسپر واجب نہیں بلکہ جن امور میں وہ مبتلا ہے اُنپر سکھلا دینا واجب ہے مثلاً اگر مسلمان ہونے کے وقت
ریشمی کپڑا پہنے ہو یا غصب کی زمین میں بیٹھا ہو یا غیر محرم کی طرف دیکھ رہا ہو تو اُسکو اطلاع ان امور کے ترک کی کردینی ضرور ہے اور جن امور کا مرتکب
نہو لیکن عنقریب اُنمیں مبتلا ہوا چاہتا ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں ہیں تو اُنکا تعلیم کردینا واجب ہے مثلاً اگر کسی شہر میں شراب کا پینا اور سور کے
گوشت کا کھانا رائج ہے تو اُسکو انکا ترک سکھانا اور آگاہ کردینا واجب ہے اور جن چیزوں کا سیکھنا واجب ہے اُنکا سکھانا بھی واجب ہے اور اعتقادات اور
دلوں کے اعمال کا علم بھی موافق خطروں کے واجب ہے مثلاً اگر اُسکے دل میں اُن معنوں میں شک پیدا ہو جنپر کہ دونوں کلمے شہادت کے دلالت
کرتے ہیں تو اس صورت میں اُسکو ایسی چیز سیکھنی چاہیے جس سے وہ شک دور ہو جاوے پس اگر یہ شک اُسکو نہوا اور مر جاوے اور اُسکو
اس بات کا اعتقاد نہ کیا ہو کہ خداے تعالیٰ کا کلام پاک قدیم ہے اور وہ قابل رویت ہے اور اسمیں تبدیل کو گنجایش نہیں اور سوا اُسکے اور باتیں جو
اعتقادات میں مذکور ہیں کسی کا معتقد نہوا ہو تو ایسا شخص سب کے نزدیک اسلام ہی پر مریگا۔ لیکن یہ خطرے جو موجب اعتقادوں کے
ہوتے ہیں بعضے تو خود آدمی کی طبیعت سے اٹھتے ہیں اور بعضے اپنے شہر والوں کی گفتگو سننے سے دل میں آتے ہیں پس اگر یہ شخص ایسے
شہر میں ہو کہ اسمیں گفتگو اور کلام بدعت کے شائع ہوں تو چاہیے کہ اُسکو ابتداے بلوغ میں امر حق سکھلا کر بدعت سے محفوظ کردیا جاوے
تاکہ امر باطل پہلے نہ جم جاوے اسلیے کہ اگر امر باطل اسکے سینے میں آجاویگا تو اُسکا دور کرنا اُسکے دل سے واجب ہوگا اور بعض اوقات
اُسکا دور کرنا دشوار پڑجاتا ہے مثلاً اگر یہ مسلم تاجر ہو اور اُس شہر میں معاملہ سود کا رائج ہو تو اُسپر سود سے بچنے کا سیکھنا واجب ہوگا تو جو علم فرض عین
ہے اُسمیں بھی امر حق ہے جو ہم نے لکھا یعنی عمل واجب کی کیفیت کا جاننا فرض عین ہے پس جو شخص کہ عمل واجب کو جان لیگا اور اُسکے واجب
ہونے کے وقت کو معلوم کریگا تو وہ علم جو اُسپر فرض عین تھا اُسکو سیکھ لیگا اور صوفیوں نے جو فرمایا ہے کہ اُس علم سے غرض شیطان کے

کی نزدیکی اور جنت فردوس کی طرف بڑا رکھتا ہے **دوسری فصل علم محمود اور مذموم کی قسموں اور حکموں کے بیان میں اور اسمیں بیان ہیں**

بیان اول اس علم کا جو فرض عین ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے ہر مسلمان پر اور یہ بھی فرمایا کہ علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو پس جو علم کہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے اسمیں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس بات میں بیس سے زیادہ فرقے ہو گئے ہیں ہم سب کی تفصیل نہیں لکھتے مگر حاصل اختلاف یہ ہے کہ ہر فرق نے واجب ہونا اسی علم کا کہا ہے جسکے درپے وہ خود تھا مثلاً کلام کرنے والے کہتے ہیں کہ اس علم سے غرض علم کلام ہے اسلیے کہ توحید اسی سے معلوم ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم اسی سے آتا ہے اور فقہا کہتے ہیں کہ وہ علم فقہ اس جہت سے کہ اس سے عبادات اور حلال اور حرام اور معاملات میں سے جائز اور ناجائز معلوم ہوتے ہیں اور علم فقہ سے انکی غرض وہ ہے جسکی طرف ہر ایک کو حاجت ہے یعنی وہ معاملات جو کثرت وقوع ہوتے ہیں اور مفسر اور محدث فرماتے ہیں کہ وہ علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے کہ انہیں دونوں سے اور تمام علوم آتے ہیں اور اہل تصوف کہتے ہیں کہ اس علم سے غرض ہمارا علم ہے پس انمیں سے بعض یوں کہتے ہیں کہ بندہ کو اپنے حال کا اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اپنے مقام کا علم مراد ہے۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ وہ علم اخلاص کا اور نفس کی آفتوں کا اور شیطان کے خطروں اور فرشتے کے الہام میں تمیز کرنے کا ہے اور بعض کا ارشاد ہے کہ وہ علم باطن ہے اور چند خاص لوگوں پر واجب ہے جو اسکے اہل ہیں ان لوگوں نے لفظ کے عموم کو بدل ڈالا اور اسکو خاص کر لیا۔ اور ابو طالب مکی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ علم ہے جسکو وہ حدیث متضمن ہے جسمیں بنائے اسلام کا مذکور ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ الحدیث اسلیے کہ واجب یہی پانچوں چیزیں ہیں اسی سلیے انکے عمل کی کیفیت اور واجب ہونے کی کیفیت کا علم بھی واجب ہونا چاہیے۔ اور جس امر پر طالب کو یقین کرنا چاہیے اور شک نہ کرنا چاہیے وہ وہ ہے جسکو ہم ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جیسا ہمنے اس باب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ علم کی دو قسمیں ہیں اول علم معاملہ دوم علم مکاشفہ اور جو علم کہ حدیث میں ہر مسلمان پر فرض مذکور ہوا ہے اس سے مراد علم معاملہ ہے اور جو معاملات کہ عاقل اور بالغ شخص کو انکا حکم ہوا ہے وہ تین ہیں ایک اعتقاد اور ایک کرنا اور نا ایک کرنا۔ اگر فرض کرو کہ کوئی عاقل آدمی احتلام سے یا عمر کی راہ سے دن کو چاشت کے وقت مثلاً بالغ ہو تو اول واجب اسپر یہ ہوگا کہ شہادت کے دونوں کلموں کو سیکھے اور ان دونوں کے معنی سمجھے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سیکھنا اور انکے معنی کا سمجھنا واجب ہے یہ امر واجب نہیں کہ اس بات میں بحث و تکرار کرے اور دلیلوں کو لکھ کر اسکا یقین کرے مگر اسی قدر کفایت کرتا ہے کہ ان کلموں کی تصدیق اور اعتقاد ایسی طرح کرے کہ اسمیں شک کا خلجان اور نفس کا تردد نہ رہے اور یہ بات بعض اوقات صرف تقلید اور سننے سے بھی بدون بحث اور دلیل کے حاصل ہو جایا کرتی ہے اور بحث و دلیل کے واجب نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اجلاف سے صرف تصدیق اور اقرار بدون دلیل جاننے کے کفایت فرمائی غرضکہ اگر آدمی اسقدر جان لیگا تو واجب وقت ادا کریگا اور اسوقت جو علم کہ اسپر فرض عین تھا وہ کلموں کا سیکھنا اور ان دونوں کو سمجھنا تھا اسوقت میں اسکے سوا اور کوئی چیز اسکو لازم نہ تھی اسوجہ سے کہ مثلاً اگر بعد ان دونوں کلموں کی تصدیق کے مر جاوے تو بلاشبہ خدا تعالیٰ کا مطیع مریگا اور نافرمان نہ ہوگا اور دوسری چیزیں بعد کلموں کے جو اسپر واجب ہوتی ہیں وہ عوارض کے باعث ہوتی ہیں وہ ہر شخص کے حق میں ضروری نہیں ایسے بعض آدمی جدا بھی ہو سکتے ہیں اور یہ عوارض اور اسباب خواہ فعل میں ہوتے ہیں خواہ ترک میں خواہ اعتقاد میں فعل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً شخص مذکور چاشت کے وقت سے ظہر تک زندہ رہے تو ظہر کے وقت کے داخل ہونے سے ایک نیا واجب اسپر یہ ہوگا کہ طہارت اور نماز کے مسائل سیکھے پس اگر شخص مذکور وقت بلوغ میں تندرست ہوا اور ایسا ہو کہ اگر زوال کے وقت تک کچھ نہ سیکھے اور بعد زوال کے سیکھنا شروع کرے تو عین وقت [illegible] کے عمل پورا کر سکیگا بلکہ اگر سیکھنے میں مشغول رہیگا تو وقت جاتا رہیگا تو ایسی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ظاہر حال یہی ہے کہ یہ

طریق ہدایت فرمایا اور انکے اسباب مقرر فرمائے پس ان اسباب کو بیکار چھوڑ کر آپ سے مر جانا درست نہیں۔ اور جو علوم کہ فرض نہیں صرف بہتر
ہیں وہ یہ ہیں کہ مثلاً حساب کے دقائق اور طب کے حقائق میں مشغول ہونا وغیرہ کہ جنکی حاجت نہیں پڑتی مگر جسقدر کی ضرورت پڑتی ہے
اُس سے قوت اور ملکہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور غیر شرعی علوم میں سے بُرے ایسے ہیں جیسے سحر اور طلسمات اور شعبدے اور بہت کھڈے
ہیں۔ انمیں سے مباح یعنی جائز ایسے ہیں جیسے اشعار جنمیں کچھ نقصان نہو اور علم تاریخ اور جو اُسکے قائم مقام ہو۔ اور علوم شرعی جنکا
بیان کرنا مقصود ہے وہ سب اچھے ہی ہیں لیکن چونکہ کبھی دھوکا ہو جاتا ہے کہ انکو علوم شرعی جانتے ہیں اور واقع میں بُرے ہوتے ہیں
اسلیے انکی دو قسمیں ہوئیں ایک اچھے اور ایک بُرے جو علوم اچھے ہیں وہ کچھ تو اصل ہیں اور کچھ فرع اور کچھ مقدمات اور کچھ تتمہ
و تکملہ کے طور پر یعنی چار طرح کے ہیں اول وہ جو اصول ہیں اور وہ چار ہیں ایک کتاب اللہ دوم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سوم اجماع امت چہارم آثار صحابہ اور اجماع اس جہت سے اصل ہے کہ وہ سنت پر دلالت کرتا ہے مگر اسکا درجہ سنت کے بعد ہے اور
اسی طرح آثار صحابہ کا حال ہے کہ وہ بھی سنت پر دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ صحابہ نے وحی کا مشاہدہ فرمایا اور احوال کے قرینوں
سے انھوں نے وہ باتیں معلوم کیں جنکا دیکھنا دوسروں سے غائب رہا جو باتیں کہ قرینوں سے معلوم ہوئی ہیں اگر لکھی جاویں تو کیا
عجب ہے کہ تحریر میں گنجایش انکی نہو اور اسی وجہ سے علمائے رح نے انکی پیروی کی اور اُنکے آثار کو تمسک گردانا مصلحت جانا ہے
اور یہ پیروی ایک شرط خاص سے بوجہ خاص ہے جسکا بیان کرنا اس جگہ مناسب نہیں۔ دوسری قسم علوم شرعی کے فروع ہیں اور وہ
ایسے علوم ہیں کہ ان چاروں اصول سے مفہوم ہوتے ہیں یہ نہیں کہ مقتضائے الفاظ سے سمجھے جاتے ہوں بلکہ معانی اور علتوں
کی وجہ سے جنسے عقلوں کو آگاہی ہو گئی اور انکی وجہ سے احکام کو وسعت ہو گئی حتی کہ لفظ ملفوظ سے اور باتیں بھی سمجھ لی جنکے لیے وہ ملفوظ
نہ تھا مثلاً آپ کا ارشاد جو یہ ہے لا یقضی القاضی وہو غضبان اس سے یہ بھی سمجھا گیا کہ جس وقت قاضی کو پیشاب کا دباؤ ہو یا بھوک کا ہو یا کچھ
مرض سے دردناک ہو اسوقت بھی حکم نہ دیوے۔ اور یہ علم فروع دو طرح پر ہے ایک وہ کہ دنیا کی بہتری سے متعلق ہے اس علم کو کتب فقہ
شامل ہے اور اسکے کفیل فقہا ہیں اور وہ دنیا کے عالم ہیں اور دوسرے وہ کہ جس سے آخرت کی بہتری علاقہ رکھتی ہے اور وہ دل کے
حالات اور اسکی اچھی بُری عادات کا معلوم کرنا اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک انمیں سے کون بات پسند ہے اور کونسی ناپسند اور اس
کتاب کا نصف اخیر اسی علم کے بیان میں ہے۔ اور وہ بات کہ دل سے اعضا پر عبادات اور عادات میں سرایت ہوتی ہے اسکا جاننا بھی اسی
علم میں داخل ہے اور وہ اس کتاب کے نصف اول میں مذکور ہے تیسری قسم علوم شرعی کے مقدمات ہیں اور یہ وہ علوم ہیں کہ علوم شرعی
کے لیے بمنزلہ آلات کے ہیں مثلاً علم لغت اور علم نحو کہ دونوں کلام مجید اور حدیث شریف کے لیے آلہ ہیں حالانکہ لغت اور نحو خود علم شرعی
نہیں مگر انمیں خوض کرنا بوجہ شریعت کے لازم ہے اسلیے کہ شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام لغت عربی میں آئی ہے اور ہر ایک شریعت
کا حال اُسکی زبان سے ظاہر ہوتا ہے اس وجہ سے لغت عربی کا سیکھنا آلہ ٹھہر گیا۔ اور آلات میں علم کتابت بھی ہے مگر یہ علم ضروری نہیں اس
وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اگر فرض کیا جاوے کہ جتنی باتیں سنی جاویں انکا یاد کر لینا ممکن ہے تو لکھنے کی کچھ حاجت
نہ رہے مگر چونکہ غالباً لوگ اس طرح کے نہیں ہوتے اسلیے کتابت بھی سیکھنی ضروری ہے چوتھی قسم علوم شرعی کے متممات ہیں اور وہ قرآن
میں ہیں اسلیے کہ متممات میں سے بعض تو متعلق الفاظ سے ہیں جیسے قرات اور حروف کے مخارج کا سیکھنا اور بعض متعلق معنی سے ہیں
جیسے علم تفسیر کہ اُسکا مدار بھی نقل پر ہے صرف لغت اُسکو کافی نہیں اور بعض متعلق قرآن کے احکام سے ہیں جیسے ناسخ اور منسوخ اور
عام اور خاص کا جاننا اور انکا ایک دوسرے کے ساتھ جن استعمال معلوم کرنا ہے اور یہ وہ علم ہے جسکو اصول فقہ کہتے ہیں اور اسمیں
حدیث بھی شامل ہے اور جو متمم حدیث اور آثار میں ہیں وہ یہ ہیں کہ راویوں کے نام اور نسب اور صحابہ کے اسما اور انکی صفات جاننا

لا یحکم کوئی قاضی جس حالت میں کہ غصہ میں ہو ۱۲۹۲ اور مسلم نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

حضوروں اور فرشتے کے الہام کے جانب سے ہے تو وہ بھی حق ہے لیکن اُسی شخص کے حق میں جو اُسکا درپے ہوا اور چونکہ عالبًا انسان اسباب شر اور ریا اور حسد سے خالی نہیں ہوتا اسلیے اُسکو لازم ہے کہ جلد سوم مہلکات میں سے وہ باتیں معلوم کرے جنکی طرف اپنے نفس کو محتاج دیکھے اور یہ باتیں کیسے واجب ہونگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مہلک ہیں بخل اطاعت کیا ہوا اور خواہش جسکی پیروی کی جاوے اور آدمی کو اپنے نفس کو بُرا جاننا اور ان باتوں سے کوئی آدمی خالی نہیں اور دل کے بُرے حالات میں سے جنکا ہم آگے ذکر کرینگے مثل کبر اور عجب اور اُنکے مثل سب کے وہ اُن تینوں مہلکات کے تابع ہیں اور اُنکا دور کرنا فرض عین ہے اور جب تک اُن مہلکات کی تعریف اور اسباب اور علامات کو نہ جان لیا جاوے اور اُسکے علاج کو نہ معلوم کر لیا جاوے تب تک اُنکا دور کرنا ممکن نہیں اسلیے کہ جو شخص بدی کو نہیں جانتا وہ اُسمیں مبتلا ہو جاتا ہے اور علاج اسطرح ہے کہ ہر ایک سبب کے مخالف سے اُسکا مقابلہ کیا جاوے اور یہ امر دون سبب اور سبب کے جاننے کے ممکن نہیں آخر جلد سوم مہلکات میں جو کچھ ہمنے لکھا ہے وہ اکثر فرض عین ہیں کہ سب لوگوں نے نے جائزہ امور میں مشغول ہونے کی جہت سے اُنکو چھوڑ رکھا ہے اور اگر نو مسلم شخص کسی اور مذہب سے بدل کر آیا ہو تو اُسکو جنت اور دوزخ اور مرنے کے بعد جینے اور قیامت پر ایمان جلدی سکھانا چاہیے تاکہ ان چیزوں پر ایمان لاوے اور اُنکی تصدیق کرے یہ امر بھی دونوں شہادت کے کلموں کا تتمہ ہے اسلیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لا چکا تو اُسکے بعد یہ چاہیے کہ جو کچھ آپ سے پہونچایا ہو اُسکو سمجھے اور وہ یہ کہ جو اطاعت کرے اللہ اور رسول کی اُسکو جنت ہے اور جو اُن دونوں کی نافرمانی کرے اُسکو دوزخ ہے جب اس تدریج کو معلوم کر چکے تو اب جان لیا ہوگا کہ مذہب حق یہی ہے اور یہ بھی تحقیق ہو گیا ہوگا کہ ہر شخص پر اُسکے رات دن کے حالات میں کچھ واقعات عبادتوں اور معاملات کے سبب لازم سے آتے رہتے ہیں اسی لیے جو عجیب بات اُسپر واقع ہو اُسکا پوچھنا اُسکو لازم ہے اور جس چیز کے واقع ہونے کی عنقریب توقع غالب ہو اُسکا سیکھنا جلد ضروری ہے پس جب یہ بات ظاہر ہو چکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد فیض بنیاد میں طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم اس علم معرفت سے اُس عمل کا علم مراد لیا ہے جسکا واجب ہونا مسلمانوں پر مشہور ہے اور کوئی علم مراد نہیں لیا تو اس سے صاف وجہ اس بات کی معلوم ہو گئی کہ عمل کے واجب ہونے کے وقت میں تدریج علم واجب ہوتا جاوے گا واللہ اعلم

دوسرا بیان اُس علم کا جو فرض کفایہ ہے

واضح ہو کہ جبتک علوم کے اقسام ذکر نکئے جاوینگے تب تک فرض اور غیر فرض میں تمیز نہوگی اور جس فرض کے ہم درپے بیان کے ہیں اُسکے اعتبار سے علوم کی دو قسمیں ہیں ایک شرعی دوسری غیر شرعی اور شرعی علوم سے ہم وہ علوم مراد لیتے ہیں جو انبیا علیہم السلام سے حاصل ہوے ہوں عقل اور تجربہ اور سننا اُنکی طرف ہدایت نکرتا ہو جیسے علم حساب مثلاً کہ عقل سے معلوم ہوتا ہے اور علم طب تجربہ سے اور علم لغت سننے سے اور جو علم کہ شرعی نہیں اُنکی تین قسمیں ہیں ایک اچھے اور ایک بُرے اور ایک مباح اچھے اُنمیں سے وہ علم ہیں جنسے دنیا کے امور کی مصلحت وابستہ ہو جیسے طب اور حساب ہیں اور ان اچھے علوم میں سے بعض فرض کفایہ ہیں اور بعضے فقط بہتر ہیں مگر فرض نہیں فرض کفایہ وہ علوم ہیں جنکی حاجت امور دنیا کے قائم رہنے میں پڑے جیسے طب ہے کہ بدنوں کے تندرست رہنے کے لیے ضروری ہے اور اسطرح حساب کہ معاملات میں اور وصیتوں اور ترکوں کے تقسیم وغیرہ میں ضروری ہے اور یہ اسطرح کے علوم ہیں کہ اگر شہر میں کوئی نہ جانتا ہو تو شہر والے نہایت دقت اُٹھاویں اور جب ایک بھی اُنکو جان جاوے تو کافی ہے اور دوسرے شخصوں سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اب اس بات میں تعجب مت کرنا کہ ہمنے طب اور حساب کو فرض کہدیا اسلیے کہ اس اعتبار سے تو اصل صنعتیں بھی فرض کفایہ ہیں مثلاً زراعت اور درزی کا کام اور سیاست بھی فرض کفایہ ہیں بلکہ پچھنے لگانا اور سینا بھی ضروری ہے کہ اگر مثلاً کسی شہر میں خون لینے والا نہو تو جلد ہلاکت ہو اور اپنی جانوں کو ہلاکت پر پیش کریں گے کیونکہ وقت اُٹھانا پڑیگا اسلیے کہ جسنے بیماری بھیجی ہے اُسی نے دوا بھی اُتاری ہے اور اُسکے استعمال کا

نظر کو سوچو تو جان لوگے کہ اُسکی نظر دنیا کے حدود سے آخرت کی طرف تجاوز نہیں کرتی اور جب انھیں تینوں چیزوں میں یہ حال ہو تو اور چیزوں میں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ دنیا ہی کے امور میں مثلاً اسلام میں اگر فقیہ کچھ کہیگا تو یہ بیان کریگا کہ اُسکا اسلام درست ہوا اور یہ اسلام نادرست ہوا اور شرطیں مسلمان ہونے کی یہ ہیں مگر اس بیان میں اُسکا التفات بجز زبان کے اور طرف ہوگا دل اسکی حکومت سے باہر ہو اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبان سیف اور سلطنت کو دل کی حکومت سے معزول کر دیا ہو چنانچہ جس شخص نے لا اُس آدمی کو مار ڈالا تھا جو زبان سے کلمۂ اسلام کہہ چکا تھا اور یہ عذر آپ کی خدمت میں کیا کہ مقتول نے تلوار کے خوف سے کلمہ کہا تھا اُسکو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہلا شققت عن قلبہ یعنی تو نے اُسکا کیا دل چیر کر معلوم کیا تھا کہ دل سے نہیں کہتا۔ بلکہ فقیہ اسلام کی صحت کا حکم تلواروں کے سایہ تلے کرتا ہو باوجودیکہ جانتا ہو کہ تلوار سے اُسکا شبہہ دور نہیں ہوا اور دل سے پردۂ جہالت نہیں اُٹھا تاہم وہ تلوار والے پر حکم کرتا ہو یعنی تلوار مقتول کی گردن پر کھنچی ہو اور ہاتھ اُسکے مال پر دراز ہو مگر زبان سے اس کلمہ کے کہنے سے بحکم فقیہ وہ اپنی گردن اور مال کو بچالیگا جبتک اُسکی حیات اور مال ہو اس کلمہ کی بدولت دنیا میں کوئی اُسکا معترض ہوگا اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوہا فقد عصموا منی دماءہم واموالہم اس حدیث میں آپ نے اثر اس کلمۂ زبانی کا صرف جان اور مال میں ارشاد کر دیا لیکن آخرت میں زبانی اقوال کارآمد نہیں بلکہ دلوں کے انوار اور اسرار اور اخلاق مفید ہیں اور یہ امور فن فقہ میں سے نہیں اور اگر فقیہ انکا بیان کرے تو ایسا ہو جیسے علم کلام اور طب بیان کرنے اور اُسکا بیان خارج از علم فقہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نماز کوئی شخص ظاہر کی سب شرطوں سے ادا کرے اور تکبیر اولی کے سوا ساری نماز میں شروع سے آخر تک غافل رہے اور بازار کے معاملات و داد و ستد کو سوچتا رہے تو فقیہ یہی حکم کریگا کہ نماز درست ہوگئی حالانکہ یہ نماز آخرت میں کچھ بہت کارآمد نہیں جیسے زبان سے کچھ صرف کلمہ کا ادا کر لینا اسلام کے باب میں زور جز مفید ہوگا لیکن فقیہ اسلام کی درستی کا فتوی دیگا اس معنی کر کہ جو کچھ اس شخص نے کیا ہو اُس سے تعمیل صیغۂ امر کی ہوگئی اور قتل اور تعزیر اُسپر سے دور ہوگئی باقی رہا خشوع اور دل کا حاضر کرنا جو آخرت کا کام ہو اور جس سے ظاہری عمل مفید ہوتا ہو اُسکے درپے فقیہ نہیں ہوا کرتا اور اگر بالفرض ہو تو علم فقہ سے علیحدہ ہوگا اور زکوٰۃ کے باب میں بھی فقیہ کی نظر اسی صورت پر ہوتی ہو جس سے مطالبہ سلطان کا اُسکے ذمہ نہ رہے یعنی ایسی صورت ہو کہ اگر مالک زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرے اور بادشاہ اُسکو زبردستی گرفتار کرے تو اُسپر یہ حکم ہو کہ یہ شخص بری الذمہ ہو اسکے ذمہ زکوٰۃ نہیں۔ اور روایت ہو کہ قاضی ابو یوسف آخر برس میں اپنا مال اپنی بی بی کو ہبہ کر دیا کرتے تھے اور اُسکا مال اپنے نام اُس سے ہبہ کرا لیتے تھے تاکہ زکوٰۃ ساقط ہو جاوے یہ بات کسی نے حضرت ابو حنیفہؒ سے نقل کی آپ نے فرمایا کہ یہ امر اُنکی فقہ کی جہت سے ہو اور درست فرمایا اس لیے کہ یہ حیلہ صرف دنیا کی فقہ کا ہو مگر اُسکا ضرر آخرت میں ہر گناہ سے بڑھکر ہو اور ایسے ہی علم ضرر کرنے والا کہلاتا ہو۔ اور حلال و حرام کا حال یہ ہو کہ یہ صحیح ہو کہ حرام سے بچنا دین کی بات ہو مگر ورع یعنی حرام سے بچنے کے چار مرتبے ہیں اول وہ ہو جو گواہ کے عادل ہونے میں شرط ہو اور اگر وہ نہ ہو تو آدمی گواہی دینے اور قاضی ہونے اور حاکم ہونے کی لیاقت نہ رکھے اس طرح کا ورع تو صرف یہ ہو کہ ظاہر کے حرام سے بچا رہے دوسرا ورع نیک بختوں کا ہو یعنی ان شبہات سے بچنا جن میں احتمالوں کی مساوات ہو حلت اور حرمت دونوں کے پائے جاتے ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دع ما یریبک الی ما لا یریبک اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ الاثم حزاز القلوب یعنی گناہ دلوں میں کھٹکنے والا ہوتا ہو تیسرا درجہ ورع متقیوں کا ہو اور وہ خالص حلال کو اس وجہ سے چھوڑ دینا ہو کہ اُس سے خوف حرام تک پہونچنے کا ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا یکون الرجل من المتقین حتی یدع ما لا باس بہ مخافۃ مما بہ باس اور اس ورع کی مثال یہ ہو کہ مثلاً کوئی شخص لوگوں کے حالات بیان کرنے سے بچے اس خوف سے کہ کہیں غیبت ہو جائے یا خواہش کی چیزوں کے کھانے سے پرہیز کرے

رح مسلم میں روایت اسامہ [illegible] سے [illegible]

ف آدمی منقصود پر ابھی پہونچا ہے جب تک کہ جس چیز کو بھی چھوڑ دے اور کچھ مضائقہ نہیں ہو، مضائقہ کی چیز کے اور اس یا حصہ اور حاکم، علیہ سعودی ۱۲

اور راویوں کی راستی اور حالات کا معلوم کرنا ہے تاکہ حدیث ضعیف کو قوی سے جدا کیا جاوے اور راویوں کی عمر کا حال معلوم کرنا کہ تمیز ہو
کہ حدیث مرسل مسند سے علیحدہ ہو جاوے غرض اسی طرح کے امور جو اس فن سے متعلق ہوں وہ سب تتموں میں داخل ہیں۔ یہ چاروں
قسمیں علوم شرعیہ کی ہیں اور یہ سب اچھے ہیں بلکہ فرض کفایہ میں سے ہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ تم نے فقہ کو علم دنیا میں اور فقہا کو دنیا کے
عالموں میں کیوں شامل کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے نکالا اور انکی اولاد کو چھنی ہوئی مٹی اور
اچھلتے پانی سے پیدا کر کے باپ کی پشتوں میں سے ماں کے رحموں میں اور وہاں سے دنیا میں نکالا اور دنیا سے قبر میں اور وہاں سے
حساب کتاب کی پیشی میں پھر جنت یا دوزخ میں ڈالیگا غرض آدمیوں کی ابتدا اور انتہا اور منزلیں یہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو آخرت
کے لیے توشہ بنایا ہے کہ اسمیں جو چیز قابل توشہ کرنے کے ہو اسکو توشہ کر لیا جاوے پس اگر انسان انصاف سے دنیا کو لیویں تو سب
جھگڑے مٹ جاویں اور فقہا بیکار رہ جاویں مگر وہ تو نفس کی خواہش سے اسکو لیتے ہیں اسی لیے اسمیں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور
اسی وجہ سے ایک سلطان کی حاجت ہوئی تاکہ وہ لوگوں کو ڈانٹے رکھے اور سلطان کو ایک قانون کی ضرورت ہے جس سے کہ خلق کو
ڈانٹے پس فقیہ یعنی فقہ کا عالم قانون سیاست کا ماہر اور در صورت نزاع خلق کو برابر رکھنے کے طریق سے واقف ہوتا ہے غرض
کہ فقیہ سلطان کو وہ راہ بتاتا ہے جس سے کہ سلطان خلق کو ڈانٹے اور انکو پریشان نہونے دے تاکہ انکی راستی سے دنیا میں اسکے کام منتظم
رہیں ہاں اسمیں بھی شبہہ نہیں کہ فقہ دین سے بھی متعلق ہے لیکن متعلق خود دین سے نہیں بلکہ بواسطہ دنیا کے ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے
اور دین بدون دنیا کے کامل نہیں ہوتا اور سلطنت اور دین دونوں جوڑواں یعنی ایک ساتھ ہیں تو دین اصل ہے اور سلطان اسکا نگہبان
اور جس چیز کی جڑ نہیں ہوتی وہ منہدم ہو جاتی ہے اور جس چیز کا نگہبان کوئی نہیں ہوتا وہ تلف ہو جاتی ہے اور سلطنت اور انتظام بدون
سلطان کے کامل نہیں ہوتا اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے میں انتظام فقہ سے ہوا کرتا ہے اور جس طرح سے کہ سلطنت سے خلق پر سیاست
کرنی علم دین اول درجہ کا نہیں بلکہ جن امور سے کہ دین پورا ہوتا ہے اسکی تکمیل پر یہ سلطنت مددگار ہوتی ہے اسی طرح اس سیاست کے
طریق کو جاننا یعنی علم فقہ بھی اول درجہ کا علم دین نہیں مثلاً ظاہر ہے کہ حج بدون ایسے آدمی کے ساتھ لیے جو راہ میں بدووں سے بچاوے
پورا نہیں ہوتا لیکن حج اور چیز ہے اور چلنا حج کی راہ میں دوسری چیز اور حفاظت کرنی راہ کی جس سے حج پورا ہوتا ہے وہ تیسری چیز ہے اور
جاننا طریق حفاظت اور اسکی تدبیروں اور قانونوں کا چوتھی چیز اور علم فقہ کا حاصل طریق سیاست اور حفاظت کا معلوم کرنا ہے اور اس
امر پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ آدمیوں میں حکم نہ کرتے مگر تین شخص امیر یا مامور یا متکلف اس حدیث
میں امیر سے مراد امام ہے کہ اول امام ہی مفتی ہوا کرتے تھے اور مامور اسکا نائب ہے اور متکلف وہ ہے جو نہ امام ہو اور نہ اسکا نائب
اور وہ وہی شخص ہے جو اس عہدہ کو بدون حاجت اختیار کر لے۔ اور صحابہؓ کا دستور تھا کہ وہ حکم دینے یعنی فتویٰ دینے سے بہت
بچتے تھے یہاں تک کہ ہر ایک ایک دوسرے پر ٹالدیا کرتا تھا مگر جب کوئی علم قرآن اور طریق آخرت کا حال پوچھتا تھا تو احتراز نہ فرماتے
اور بتا دیتے اور بعض روایات میں متکلف کی جگہ مرائی یعنی ریاکار آیا ہے اسلیے کہ جو شخص فتویٰ دینے کو اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کام
کے لیے کچھ وہی معین نہیں تو اسکا ارادہ بجز طلب جاہ و مال کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اب اگر یہ کہو کہ یہ تقریر تمھاری اگر درست
بھی ہو تو زخموں اور حدود اور قصاص کے احکام اور تاوانات اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے میں بن سکتی ہے مگر جن امور پر کہ جلد اول
[illegible] کتاب کی شامل ہے یعنی عبادات مثل نماز اور روزہ کے اور عادات مثل بیان حرام اور حلال معاملات کے اسکو تمھاری
[illegible] ان امور میں بھی فتویٰ دیتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ واقع میں اعمال آخرت میں سے جن اعمال کا فقیہ ذکر
[illegible] ہو سکتے ہیں ایک اسلام دوم نماز اور زکوٰۃ سوم حلال اور حرام لیکن انکے باب میں بھی اگر فقیہ کے نہایت

جنکا پہلے نام سنا کرتا تھا اور اسکے لیے کچھ معنی مجمل وہم کرلیتا تھا معنی واضح معلوم ہوتے تھے اب اس نور کے باعث ان سب کے
معنی واضح ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ اس وقت میں خدائے پاک کی ذات کی معرفت حقیقی حاصل ہوتی ہے اور اسکے صفات کاملہ دائمی
کی اور اسکے افعال کی اور دنیا اور آخرت کے پیدا کرنے میں حکمت کی اور وجہ آخرت کو دنیا پر مرتب کرنے کی معرفت واقعی آجاتی ہے اور
نبوت اور نبی کے معنی اور وحی اور ملائکہ اور شیاطین کے معنی اور انسانوں سے شیطانوں کی عداوت کی کیفیت اور نبیوں کو فرشتوں کے
معلوم ہونے کی صورت اور انکے پاس وحی پہونچنے کی حقیقت اور آسمانوں اور زمین کے ملکوت کی حالت اور دل کی معرفت اور اسکے
اندر فرشتوں اور شیطانوں کے لشکروں کے مقابلے کی کیفیت اور فرشتے کے اثر اور شیطان کے خطرہ میں فرق کی شناخت اور
آخرت اور جنت اور دوزخ اور عذاب قبر اور پل صراط اور میزان اور حساب کی پہچان اور اس آیت کریمہ کے معنی اقرأ کتابک کفی بنفسک
الیوم علیک حسیبا اور اس آیت کے معنی ان الدار الآخرة لہی الحیوان لو کانوا یعلمون اور خدائے تعالی کی لقا اور اسکی ذات کریم کو دیکھنے
کے معنی اور اس سے نزدیک ہونے اور اسکے ہمسایہ میں جا اترنے کی غرض اور ملاء اعلی کی رفاقت اور ملائکہ کی نزدیکی سے سعادت
حاصل ہونے کی مراد اور بہشت والوں کے درجوں میں جتنا فرق ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو ایسے دیکھینگے جیسے چمکتا ستارہ آسمان میں
معلوم ہوتا ہے اس فرق سے مقصود اور سوا اسکے اور باتیں جنکی تفصیل طویل ہے اس نور کے سبب معلوم ہوجاتی ہیں اور اس نور کے
پہلے ان امور کے معنوں میں لوگ مختلف رہتے ہیں اسکے اصول کی تصدیق تو کرتے ہیں مگر اسی غرض کے باب میں کچھ کا کچھ کہتے ہیں
بعضوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں مثالیں ہیں اور اللہ تعالی نے جو چیزیں اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ نہ
کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی آدمی کے دل پر گذری اور یہ کہ خلق کے لیے جنت میں سے بجز صفتوں اور ناموں کے اور
کچھ نہیں اور بعضوں کا اعتقاد یہ ہے کہ اس سے بعض باتیں تو مثالیں ہیں اور بعض امور ایسے کہ جو حقیقت انکے لفظوں سے سمجھ میں آتی ہے
اسی کے موافق ہیں اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ انجام اور کمال خدائے تعالی کی معرفت کا اسکی معرفت سے عاجز ہونے کا اقرار کرنا ہے اور
بعض شخص خدا تعالی کی معرفت میں بڑی بڑی باتوں کا دعوی کرتے ہیں۔ اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالی کی معرفت کی انتہا عوام کے
اعتقاد کی حد ہے یعنی خدا تعالی موجود جاننے والا قدرت والا سننے والا دیکھنے والا کلام کرنے والا ہے۔ ہماری غرض علم مکاشفہ سے یہ ہے
کہ ان امور پر سے پردۂ شبہہ برطرف ہوجاوے اور صاف حق واضح ہوجاوے اس طرح کہ گویا آنکھ سے دیکھ لیوے اور شک کی گنجائش
اسکے بعد نہ رہے اور یہ امر انسان کے جوہر میں ہوسکتا ہے بشرطیکہ آئینۂ دل پر دنیا کی خباثتوں کے زنگ کی تہیں جم گئی ہوں اور علم طریق
آخرت سے ہماری غرض یہ ہے کہ آئینۂ دل کی جلا کی کیفیت کا علم ان خباثتوں سے جو اللہ تعالی سے اور اسکے صفات اور افعال کی معرفت
سے روکتی ہیں اور اسکی صفائی اور جلا کی تدبیر بجز اسکے نہیں کہ شہوتوں سے باز رہے اور انبیا علیہم السلام کا اقتدا انکی سب حالتوں میں کرے
اس تدبیر سے جسقدر دل صاف ہوتا جاویگا اور اسکے مقابل امر حق کا حصہ واقع ہوگا اسی قدر اسمیں اسکی حقیقتوں کی جھلک واقع ہوگی اور اس
جلا کی سبیل بجز ریاضت کے جسکی تفصیل اپنے موقع پر مذکور ہوگی اور بندوں کے سیکھنے کے اور کچھ نہیں اور یہ وہ علوم ہیں کہ کتابوں میں نہیں لکھے جاتے
اور جس شخص کو خدا تعالی یہ علم کچھ بھی عنایت کرتا ہے وہ اسکا ذکر دوسروں سے نہیں کرتا صرف جو اسکے اہل ہیں ایسے البتہ کہتا ہے اور وہی
اسکے شریک مذاکرہ اور اسرار کے طور پر ہوتے ہیں اور یہ وہی علم پوشیدہ ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مراد لیا ہے
کہ بعض علم مثل ہیئت مکنون کے ہیں کہ انکو سوائے خدا کے عارفوں کے اور کوئی نہیں جانتا جب وہ اسکو بولتے ہیں تو بجز اللہ تعالی پر مغالطہ
کھانے والوں کے اوسکو کوئی [illegible] جاہل نہیں رہتا پس جس عالم کو خدا تعالی نے اسمیں سے علم دیا ہو اسکو حقیر مت جانو کیونکہ خدا تعالی
نے اسکو حقیر نہیں کیا اسلیے کہ اسکو علم عنایت فرمایا اور قسم دوم یعنی علم معاملہ وہ دل کے حالات کا معلوم کرنا ہے جو اچھے حالات

اس خوف سے کہ کہیں سرور زیادہ ہو کر سرکشی ہو جاوے جس سے اور ممنوعات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ چوتھا مرتبہ صدیقوں کے ورع کا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ماسوا سے منہ پھیر اس ڈر سے کہ کہیں کوئی ساعت زندگی کی ایسی نہ کٹ جاوے کہ جسمیں خدا و نزدیکی کی نزدیکی زیادہ ہو گو یہ یقیناً معلوم اور ثابت ہو کہ اسمیں نوبت حرام تک نہ آویگی پس سوائے درجۂ اول کے سب درجے فقیہ کی نظر سے علیحدہ ہیں اسکا التفات صرف گواہوں اور قاضیوں کے ورع پر اور اُن امور پر ہے جو عادل ہونے کے مزاحم ہیں اور ایسے ورع پر قائم رہنا اس بات کا منافی نہیں کہ آخرت میں گناہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وابصہ کو ارشاد فرمایا کہ تو اپنے دل سے فتویٰ لے اگرچہ لوگ تجھکو فتویٰ دیں اور پچھلے جملہ کو تین بار ارشاد فرمایا۔ فقیہ دل کے خلجانوں کا حال بیان نہیں کرتا نہ اُنکے ہوتے ہوئے عمل کی کیفیت کو بتاوے بلکہ صرف وہ چیزیں ذکر کرتا ہے جسمیں عدالت جاتی رہتی ہے حاصل اس سب کلام کا یہ ہوا کہ فقیہ کی تمام نظر اُس دنیا سے وابستہ ہوتی ہے جس سے کہ طریق آخرت کی بہتری ہو اور اگر دل کے صفات اور آخرت کے احکام کہتا ہے تو یہ ذکر اُسکے کلام میں بطفیل دوسرے ذکر کے آجاتا ہے جس طرح کہ طب اور حساب اور نحو اور علم کلام کا ذکر کبھی آجاتا ہے اور جس طرح کہ حکمت علم نحو اور شعر میں کبھی آجاتی ہے اور اسی وجہ سے حضرت سفیان ثوری جو علم ظاہر کے امام ہیں فرمایا کرتے تھے کہ اس علم کی طلب زاد آخرت میں سے نہیں ہے اور یہ بات ویسے بھی اس لیے کہ سبکا اتفاق ہے کہ علم میں شرف اسی سے ہے کہ اسکے موجب عمل کیا جاوے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ علم ظہار اور لعان اور سلم اور اجارہ اور صرف کا ہو اور جو کوئی ان امور کو اس لیے سیکھے کہ اُنکے سبب دین سے اللہ تعالیٰ کی طرف نزدیکی ہوگی تو وہ مجنون ہے طاعت تو یہی عمل ہو دل اور اعضا دونوں سے ہوتا ہے اور اسی عمل کا علم شریف ہے۔ اگر یہ کہو کہ تم نے فقہ اور طب کو برابر کیسے کر دیا کیونکہ طب بھی متعلق دنیا سے یعنی بدن کی صحت سے ہے اور اسپر بھی دین کی درستی کا مدار ہے اور یہ برابری اجماع کے خلاف ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں برابری لازم نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے اس لیے کہ فقہ تین وجہوں کے باعث طب سے اشرف ہے اوّل یہ کہ فقہ علم شرعی ہے یعنی نبوت سے حاصل ہوا ہے بخلاف طب کے کہ وہ علم شرعی نہیں دوسرے یہ کہ آخرت کے طریق چلنے والوں میں سے ایسا کوئی نہیں جسکو فقہ کی حاجت نہ ہو کیا بیمار اور تندرست دونوں اُسکی حاجت رکھتے ہیں بخلاف طب کے کہ اُسکی حاجت بیماروں کو ہوتی ہے اور وہ کمتر ہوتے ہیں تیسرے یہ کہ علم فقہ علم طریق آخرت کا ساتھی ہے اس لیے کہ اُسکا حاصل اعضا کے اعمال میں نظر کرنا اور اعضا کے اعمال کا منشا دلوں کے صفات ہیں کیونکہ اچھے اعمال اچھی عادتوں سے صادر ہوتے ہیں اور بُرے اعمال بُرے صفات سے اور اعضا کا دل سے ملا رہنا صاف ظاہر ہے اور صحت اور بیماری کا منشا مزاج اور خلطوں کے صفات ہیں جو بدن کے اوصاف میں سے ہیں نہ دل کے صفات سے تو جب فقہ کو طب کی طرف اس نسبت کر دیکھا جاوے تو فقہ کا شرف ظاہر ہوگا اور جب اُسکو علم طریق آخرت کی طرف نسبت کر کے دیکھا جاوے تو طریق آخرت اُس سے شریف معلوم ہوگا تیسرا بیان علم طریق آخرت کی تفصیل اجمالی کے ذکر میں جس سے اسکے سب عنوانوں پر اشارہ ہو جاوے گو سب تفصیلوں کو ذکر کرنا ممکن نہیں۔ واضح ہو کہ علم طریق آخرت کی دو قسمیں ہیں ایک علم مکاشفہ دوم علم معاملہ قسم اول کا نام علم باطن ہے اور وہ سب علوم کی انتہا اور علت غائی ہے چنانچہ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس شخص کو اس علم سے بہرہ نہ ہو مجھکو اُسکے خاتمہ کے برے ہونے کا خوف ہے اور ادنیٰ بہرہ اس علم کا یہ ہے کہ اُسکی تصدیق کرے اور جو لوگ اسکے اہل ہیں اُنکے لیے اس علم کا ہونا مانے اور ایک اور شخص نے کہا ہے کہ جسمیں دو خصلتیں ہوں اُسکے لیے اس علم میں سے کوئی بات معلوم نہ ہوگی وہ دونوں خصلتیں بدعت اور غرور ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہو یا خواہش نفس پر اصرار کرتا ہو اُسکو یہ علم حاصل نہ ہوگا گو اور سب علموں کا محقق ہو جاوے اور ادنیٰ عذاب اس علم کے منکر کا یہ ہے کہ اس علم میں سے اُسکو کچھ نہیں ملتا حالانکہ یہ علم مکاشفہ صدیقوں اور مقربوں کا علم ہے اور وہ ایک نور ہوتا ہے کہ جب دل صفات مذمومہ سے پاک و صاف ہوتا ہے تو اُسمیں ظاہر ہوتا ہے اور اس نور سے آدمی کو بہت سی باتیں منکشف ہوتی ہیں

سوا اور کچھ نہیں کہ طب پڑھنے کی جہت سے اوقاف اور وصیتوں کا متولی ہونا اور یتیموں کے کا محافظ ہونا اور عہدۂ
قضا اور حکومت کا ملنا اور ہمسروں پر اُسکی جہت سے مقدم ہونا اور دشمنوں پر غالب ہونا میسر نہیں افسوس صد افسوس کہ بڑے عالموں کے
دھوکے سے دین مٹ گیا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمکو اس مغالطے سے بچا دے جس سے اُسکی خفگی اور شیطان کی ہنسی ہو
علمائے ظاہر میں سے جو اہل ورع تھے وہ علمائے باطن اور صاحب دلوں کی فضیلت کے مقر تھے مثلاً امام شافعی رح شیبان چرواہے
کے سامنے ایسے بیٹھے جیسے لڑکا مکتب میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اور ایسے پوچھتے کہ فلاں فلاں امر میں ہم کیا کریں لوگ امام شافعی
سے کہتے کہ آپ جیسا شخص اس جنگلی آدمی سے پوچھتا ہے آپ فرماتے کہ جو ہمنے سیکھا ہے اُسکی اس شخص کو توفیق ملی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل
اور یحییٰ بن معین رح معروف کرخی رح کے پاس آیا جایا کرتے حالانکہ علم ظاہر میں وہ ان دونوں کے پلے کے نہ تھے اور دونوں ایسے پوچھا
کرتے تھے کہ ہم کیسے کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جب پوچھا گیا کہ جب ہمکو ایسا امر پیش ہو کہ اُسکو قرآن اور حدیث میں
نہ پاویں تو کس طرح کریں آپنے فرمایا کہ نیکبختوں سے سوال کرو اور اُسکو انکے مشورہ پر منحصر کر دو۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ علمائے
ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور علمائے باطن آسمان اور ملکوت کی ۔ اور جنید رح فرماتے ہیں کہ مجھسے ایک روز میرے مرشد سری رح
نے فرمایا کہ جب تم میرے پاس سے اُٹھتے ہو کسکے پاس بیٹھتے ہو میں نے کہا کہ محاسبی رح کے پاس فرمایا کہ بہتر اُنکا علم و ادب اختیار کرنا
اور وہ جو کلام اور متکلموں کا خلاف اور رد کرتے ہیں وہ مت سیکھنا پھر جب میں آپ کے پاس سے اُٹھا تو سنا کہ یہ فرمایا کہ تمکو خدا علم اور
حدیث والا صوفی کرے صوفی حدیث والا نہ کرے اس قول سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص حدیث اور علم کو حاصل کرکے
صوفی بنا ہے وہ فلاح پاتا ہے اور جو پہلے علم سے صوفی بنتا ہے وہ اپنے نفس کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اب اگر یہ کہو کہ تمنے علوم کے اقسام
میں کلام اور فلسفہ کو کیوں نہیں ذکر کیا اور اُنکے اچھا ہونے یا بُرا ہونے کا بیان کیوں نہ کیا تو اُسکے لیے جان لو کہ جس قدر دلیلیں مفید
علم کلام میں پائی جاتی ہیں انکا حاصل قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور جو امور ان دونوں سے خارج ہیں وہ یا تو بڑے جھگڑے ہیں
جو بدعتوں میں سے ہیں چنانچہ عنقریب اُسکا ذکر ہوگا یا فرقوں کے خلافیات کی متعلق تقریریں لمبی چوڑی یا اُنکی اُن مردوں کے نقل کرنے
سے طول کلام ہے تو یہ سب باطل اور بیہودہ امر ہیں جنکو طبع سلیم معیوب جانتی ہے اور گوش حق نیوش اُنکو اپنے اندر جگہ نہیں دیتا اور بعض باتیں
اس قسم کی ہیں کہ وہ دین سے متعلق نہیں اور نہ اُنکا وجود قرن اول یعنی صحابہؓ کے وقت میں تھا اسوقت اُنمیں خوض کرنا بدعت تھا مگر
اب اُسکا حکم بدل گیا اسلیے کہ بدعتیں اس طرح کی بہت ہو گئیں جو قرآن اور حدیث کے مقتضا سے منحرف کر دیں اور کچھ لوگ ایسے ظاہر
ہو گئے جنھوں نے بدعتوں کے شبہات کو چکنا دیا اور اُنمیں تقریریں بنائیں اسلیے گو پہلے اُن امور کے جواب میں خوض کرنا منع تھا مگر
ضرورت کے باعث سے اب جائز بلکہ فرض کفایہ ہو گیا لیکن اتنی قدر کہ اگر بدعتی اپنی بدعت کی طرف میل کرانے کا قصد کرے تو اُسکے
مقابل ہو سکے اور اسکے لیے ایک حد معین ہے جسکو ہم فصل آئندہ یعنی تیسری فصل میں بیان کرینگے۔ اور فلسفہ کا حال یہ ہے کہ وہ علیحدہ علم
نہیں ہے بلکہ اُسکے چار حصے ہیں اول اقلیدس اور حساب اور یہ دونوں جائز ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور بجز ایسے شخص کے کہ جسپر یہ خوف
ہو کہ اُنکے پڑھنے سے بُرے علموں کی طرف میل کر جاویگا اور شخص کو اُنسے منع نہ کیا جاویگا اور جسپر خوف ہو اُسکو منع کیا جاوے اسلیے
کہ اُنکے ماہر جو انمیں کثرت سے مہارت کرتے ہیں وہ بدعتوں کی طرف میل کر جاتے ہیں تو ضعیف الایمان کو ان دونوں سے بچانا چاہیے
جیسے چھوٹے بچے کو نہر کے کنارہ پر نہیں کھڑا ہونے دیتے کہ کہیں نہر میں نہ جا پڑے یا نو مسلم کو کفار کے میل جول رکھنے سے بچاتے ہیں
کہ کہیں اُنکی صحبت اُسمیں اثر نہ کر جاوے بخلاف قوی کے کہ اُسکو کچھ حرج نہیں دوسرا حصہ فلسفہ کا منطق ہے جسمیں دلیل کی کیفیت اور
شرطیں اور حد کی وجہ اور شرطیں مذکور ہوتی ہیں اور یہ علم دونوں باتیں علم کلام میں داخل ہیں تیسرا حصہ الٰہیات ہیں یعنی ذات خدا کے

ہوں جیسے صبر اور شکر اور خوف ورجا اور رضا اور زہد تقویٰ اور قناعت اور سخاوت اور سب حالات میں خدا تعالیٰ کے احسان کو پہچاننا
اور لوگوں سے سلوک پیش آنا اور خدا تعالیٰ پر گمان اچھا رکھنا اور حسن خلق اور حسن معاشرت اور صدق اور اخلاص اور انکے مثل ہیں پس انکی
حقیقتوں اور تعریفوں اور ان اسباب کو جاننا جن سے یہ حاصل ہوتے ہیں اور انکے ثمروں اور علامتوں کو پہچاننا اور جو انمیں سے ضعیف ہو انکے قوی
ہو جانے کا علاج اور جو حال جاتا رہا ہو اسکے پیدا کرنے کا طریق معلوم کرنا علم آخرت میں سے ہے۔ خواہ دل کے بُرے حالات ہوں جیسے مفلسی
کا خوف اور تقدیر پر خفا ہونا اور کینہ رکھنا اور حسد کرنی اور نفاق اور برتری کی طلب اور خواہش ثنا اور دنیا میں مزہ اڑانے کو زیادہ جینے کی محبت
اور کبر اور ریا اور غصہ اور بیجی اور عداوت اور بغض اور طمع اور بخل اور حرص اور تکبر اور اترانا اور توانگروں کی تعظیم کرنی اور فقیروں کی اہانت کا خواہاں
ہونا اور فخر اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑائی کسی امر میں کرنی اور حق بات سے تکبر کرنا اور بیفائدہ امر میں خوض کرنا اور زیادہ گفتگو کرنے کی محبت اور
دوسرے کی گفتنی بات کہنی اور لوگوں کے لیے بن سنور کر رہنا اور دین میں سستی کرنا اور اپنے نفس کو بڑا جاننا اور اپنی برائیوں سے غافل ہو کر لوگوں
کی عیب جوئی کرنی اور دل میں سے فکر کا دور ہونا اور خوف الٰہی کا اسمیں سے جاتا رہنا اور جب نفس کو ذلت پہونچے تو اسکا بدلہ سختی سے لینا
اور حق بات کے انتقام میں ضعف ہونا اور باطن کی عداوت کے لیے ظاہر کے یار بنانے اور عذاب خدا سے بے خوف ہونا کہ جو کچھ اسنے دیا ہے
کہیں چھین نہ لے اور طاعت پر بھروسا کرنا اور مکر اور خیانت اور فریب اور توقع زیادہ جینے کی اور سخت دلی اور سخت کلامی اور دنیا سے خوش
رہنا اور اسکی جدائی سے رنج کرنا اور مخلوق سے انس کرنا اور انکی علیحدگی سے وحشت کرنی اور ظلم کرنا اور ہلاکیں اور جلدی کرنی اور حیا اور رحم کا
کم ہونا اور جو ایسی چیزیں ہوں سب بُری ہیں یہ سب عادتیں دل کے صفات میں سے سب برائیوں کی اور اعمال بد کی جڑ ہیں اور انکے مقابل
یعنی اچھی عادتیں وہ طاعتوں اور ثوابوں کی اصل ہیں غرض کہ ان صفات کی تعریفوں اور حقیقتوں اور سببوں اور ثمروں اور علاجوں کو معلوم
کرنا علم آخرت ہے اور علماء آخرت کے حکم کے رو سے علم فرض عین ہے پس جو شخص اس سے منہ پھیریگا وہ آخرت میں قہر بادشاہ حقیقی سے ہلاک
ہوگا جس طرح کہ اعمال ظاہری سے روگردانی کرنے والا بادشاہان دنیا کی تلوار سے فقہاء دنیا کے فتوی کے موجب ہلاک ہوتا ہے۔
حاصل یہ کہ فقہا کی نظر فرض عین چیزوں میں دنیا کی بہتری کی نسبت کر ہوتی ہے اور یہ علم جو ہمنے ذکر کیا آخرت کی بہتری کی نسبت کر ہے اگر
کسی فقیہ سے ان باتوں میں سے ایک بھی بات مثلاً توکل یا اخلاص کو پوچھو یا یہ سوال کرو کہ ریا سے بچنے کی کیا صورت ہے تو اس سوال
کے جواب میں توقف کریگا حالانکہ یہ بات خود اسپر فرض عین ہے کہ اسکے نہ معلوم کرنے میں آخرت میں اسکی بربادی ہے اور اگر اس سے لعان
اور ظہار اور گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی کا مسئلہ دریافت کرو تو تمہارے سامنے انکے فروعات دقیق کے دفتر کے دفتر بیاں کر دیگا کہ قرنوں تک
انمیں سے کسی کی حاجت نہو اور اگر حاجت بھی پڑے تو شہر انکے بتانے والے سے خالی نہوگا اور فقیہ مذکور کی محنت کو بجا دیگا کہ رات
دن ان فروعات میں اور انکے یاد کرنے اور پڑھانے میں مشقت اٹھاتا ہے۔ اور جو امر خاص اسکے لیے ضروری ہے اور دین میں اہم ہے
اس سے غافل ہے اور اگر اسپر کوئی اس باب میں اعتراض کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس علم میں اسلیے مشغول ہوا ہوں کہ یہ علم دین اور فرض کفایہ
ہے اسی وجہ سے میں اس فقہ کو سیکھتا ہوں اور دوسروں کو دھوکا دیتا ہے عاقل شخص جانتا ہے کہ اگر غرض اسکی یہی ہوتی کہ فرض کفایہ میں حق ادا
کرے تو فرض کفایہ پر فرض عین کو مقدم کرتا بلکہ فرض کفایہ تو اور چیزیں بھی ہیں انکو فقہ پر مقدم کرتا کیونکہ بعض شہر ایسے ہیں کہ انمیں
طبیب بجز کفار ذمی کے نہیں اور جو احکام فقہی کہ متعلق طبیبوں سے ہیں انمیں کفار کی شہادت مقبول نہیں مگر باوجود اسکے طب کو نہیں سیکھتا
[illegible] سے سیکھنے میں مبالغہ کرتے ہیں حالانکہ شہر میں فقہا اس قسم کے جو فتوی دیتے ہیں اور
[illegible] ہیں تو اب ہمکو کوئی یہ بتاوے کہ جب کچھ لوگ اس فرض کفایہ کی بجا آوری پر مستعد ہیں تو
[illegible] ہم کوئی نہیں جانتا چھوڑنے کا حکم کرینگے [illegible] اسکا سبب اسکے

ہوں اور تعظیم کرتے ہوں اسکو جانے دو اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہزاروں صحابہؓ چھوڑے جو عالم باللہ تھے انکی تعریف
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی انہیں سے کوئی ایسا نہ تھا جو فن کلام سے اچھا واقف ہوا اور سوائے کچھ اوپر دس شخصوں کے اور
کسی نے اپنے آپ کو فتوی دینے کے لیے مقرر نہ کیا حضرت ابن عمرؓ بھی صحابہ کبار میں سے تھے جب ان سے کوئی فتوی پوچھتا تو فرماتے کہ فلاں
حاکم کے پاس جاؤ جسنے ان لوگوں کے کام اپنے ذمے لے رکھے ہیں اور اس سوال کو اسکی گردن پر رکھو اس جواب میں یہ اشارہ تھا کہ
مقدمات اور احکام میں فتوی دینا ولایت اور سلطنت کا تابع ہے۔ اور جبکہ حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ علم کے
نو دسویں حصے مر گئے لوگوں نے اُنسے عرض کیا کہ آپ یہ قول کیوں فرماتے ہیں ہم میں تو بڑے بڑے صحابی موجود ہیں انھوں نے فرمایا کہ
میری غرض علم فتوی اور حکم سے نہیں میرا مقصود علم خدائے تعالی کا ہے بھلا بتاؤ تو کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فن کلام وغیرہ مراد لی تھی اگر
یہ مراد نہ تھی تو پھر تمکو کیا ہوا ہے کہ اس علم کی معرفت پر حرص نہیں کرتے کہ حضرت عمرؓ کے مرنے سے اسکے نو دسویں حصے مر گئے حالانکہ حضرت
عمرؓ وہ تھے جنھوں نے کلام اور جدل کا باب مسدود فرمایا اور جب صبیغ نے آپکے سامنے قرآن کی دو آیتوں کے ایک دوسرے کے
مخالف ہونے کے باب میں سوال پیش کیا تو آپنے اسکو درہ سے مارا اور ملنا چھوڑ دیا اور اُن لوگوں کو فرمادیا کہ اسکو چھوڑ دیں اور
یہ تو جو تم کہتے ہو کہ علما میں سے مشہور فقہا اور اہل کلام ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے خدا تعالی کے نزدیک فضیلت ہوتی ہے وہ اور چیز ہے اور جس سے
لوگوں میں شہرت ہوتی ہے وہ دوسری چیز ہے چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی شہرت تو خلافت کی جہت سے تھی اور فضیلت اس راز کی جہت سے جو انکے دل میں منقش
تھا اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہرت سیاست کے سبب تھی اور فضیلت اس علم کی جہت سے جسکے نو دسویں حصے آپ کی موت پر جاتے رہے اور اسی حکومت
میں جو قصد خدا تعالی کی نزدیکی کا اور خلق پر عدل و شفقت کا کرتے تھے اسکی جہت سے بزرگی تھی اور وہ ایک امر خفیہ آپکے دل کے اندر تھا آپکے
اور افعال ظاہری جو تھے وہ تو اور لوگوں سے بھی سرزد ہونے ممکن ہیں جو جاہ اور شہرت اور نام کے طالب ہوں غرضکہ شہرت ایسے امر میں ہوتی ہے جو مہلک
ہو اور فضل ایسی بات میں ہوتا ہے جو چھپی ہو کسی کو اسپر اطلاع نہو اب فقہا اور اہل کلام مثل حکام اور قاضیوں کے ہیں اور کئی طرح کے ہیں بعض ایسے
تو ایسے ہیں کہ انھوں نے اپنے علم اور فتوی سے خدا تعالی کا قصد کیا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کو بچانا منظور ہے نمود اور شہرت انکو
مطلوب نہیں ان لوگوں سے اللہ تعالی راضی ہوا اور انکی فضیلت خدا تعالی کے نزدیک اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے عمل اپنے علم کے
موجب کیا اور اپنے فتوی اور دلیل سے اسی کی ذات مراد لی اسلیے کہ ہر ایک علم عمل ہے کیونکہ علم بھی ایک فعل کسبی ہے اور ہر ایک عمل علم نہیں ہے
اور طبیب بھی اپنے علم سے خدائے تعالی کے تقرب پر قادر ہے تو اسکو بھی ثواب اسی اعتبار سے ہوگا کہ اپنے علم سے خدا تعالی کے لیے کام کرتا ہے
اسی طرح اگر سلطان خلق کا معاملہ خدا کے واسطے کرے تو خدا تعالی کے نزدیک پسندیدہ اور قابل ثواب ہوگا نہ اس جہت سے کہ وہ علم دین کا
ذمہ دار ہے بلکہ اس سبب سے کہ اُسنے اس کام کا ذمہ لیا ہے جس سے قصد خدا تعالی کی نزدیکی کا رکھتا ہے۔ اور جن چیزوں سے کہ خدا تعالی کی
نزدیکی ہو سکتی ہے وہ تین قسم ہیں ایک صرف علم وہ تو علم مکاشفہ ہے۔ دوم صرف عمل جیسے بادشاہ کا عدل کرنا اور لوگوں کو صحیح انتظام سے رکھنا
سوم مرکب عمل اور علم سے اور وہ طریق آخرت کا علم ہے جو اس علم کا ہے وہ عالم اور عامل دونوں ہے پس اب تم اپنے لیے تجویز کرلو کہ قیامت میں خدا تعالی
کے عالموں میں ہوگے یا عمل کرنے والوں میں یا دونوں جماعتوں میں ہو کر ہر ایک کے ساتھ اپنا حصہ لگاؤ گے یہ بات تمہارے حق میں زیادہ
ضروری اور اہم ہے بنسبت محض شہرت کے تقلید کے جیسا کہ کسی کا شعر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے شعر لو اُسے جو کچھ کہ دیکھو جو سنو دو اُسکو چھوڑ ۞ ہے زحل
کی کیا ضرورت شمس گر ہو سامنے ۞ علاوہ اسکے ہم یہاں اگلے فقہا کا وہ حال لکھتے ہیں جس سے تمکو معلوم ہو کہ جو لوگ اُنکے مذہب میں
اپنے آپ کو بتاتے ہیں وہ اُنپر ظلم کرتے ہیں اور قیامت کو اُنکے بڑے دشمن وہی ہونگے اسلیے کہ فقہائے سلف نے اپنے علم سے بجز رضائے
خدا کے اور کچھ قصد نہیں کیا اور اُنکے احوال سے علمائے آخرت کی علامتیں دیکھی گئی ہیں چنانچہ اُنکا بیان علمائے آخرت کی علامتوں

پاک اور اسکے صفات کو بیان کرنا اور یہ بھی کلام میں داخل ہے فلسفیوں نے اس باب میں کوئی علم نئے طور کا ایجاد نہیں کیا بلکہ اُنکے مذہب
جداگانہ ہیں کہ بعضے کفر ہیں اور بعضے بدعت اور جسطرح کہ معتزلی ہوجانا ایک علم جدا نہیں بلکہ کلام والوں ہی میں سے کچھ لوگوں نے بحث
ودلیل کرکے مذہب باطل علیحدہ کر لیے ہیں اسی طرح فلسفیوں کا حال جانو۔ چوتھا حصہ طبیعیات ہیں کہ بعض تو شریعت اور دین حق کے
مخالف ہیں وہ سرے سے علم نہیں کہ اقسام علوم میں بیان کیے جاویں بلکہ جہل ہیں اور بعض میں اجسام کی صفات اور خواص اور
انکا تغیر اور تبدل اور ایک دوسرے سے بدل جانا مذکور ہوتا ہے انکا حال طب کے مشابہ ہے فرق یہ ہے کہ طبیب کی نظر خاص بدن انسان
میں باعتبار مرض اور صحت کے ہوتی ہے۔ اور طبیعیات والوں کی نظر سب اجسام میں باعتبار تغیر اور حرکت کے ہوتی ہے مگر طب کو طبیعیات
پر فضیلت ہے یعنی طب کی طرف حاجت ہوتی ہے اور طبیعیات کی طرف کچھ حاجت نہیں پڑتی۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ علم کلام
ان چیزوں میں سے ہے کہ جنکا سیکھنا فرض کفایہ ہے تاکہ عوام کے دلوں کو بدعتیوں کے خیالات سے بچائے اور اس علم کا وجوب
بدعتوں کے پیدا ہونے سے واقع ہوا جیسے راہ حج میں عرب کے ظلم اور رہزنی کے باعث محافظ کی پناہ کی ضرورت ہوگئی ہے اگر یہ
عرب کے لوگ اپنی تعدی چھوڑ دیں تو پھر راہ حج کی شرطوں میں سے نگاہبانی محافظین کی نہوگی اسی طرح اگر بدعتی اپنی بک سے باز آویں
تو پھر علم کلام کی بھی اس مقدار سے زیادہ حاجت نہ رہے جو زمانہ صحابہؓ میں تھی۔ پس کلام سیکھنے والے کو معلوم کرنا چاہیے کہ علم کلام
کی حد دین میں یہانتک ہے اور متکلم کا درجہ دین میں ایسا ہے جیسے راہ حج میں محافظ کا تو اگر محافظ محافظت کے سوا اور کچھ نہ کرے تو وہ ظاہر
ہے کہ حاجیوں میں نہوگا بلکہ حج کے اعمال ادا کرنے سے حاجی ہوگا اسیطرح اگر متکلم صرف مناظرہ اور بدعتیوں کی روک ہی میں مشغول رہیگا
اور طریق آخرت طے نہ کریگا اور اپنے دل کی خبرگیری اور درستی میں مصروف نہوگا تو وہ بھی دین کے عالموں میں سے ہرگز نہوگا اسکے پاس
بجز عقیدہ کے جسمیں سب عوام شریک ہیں اور کیا ہے اور عقیدہ اعمال ظاہری دل اور زبان سے متعلق ہے ہاں عوام سے اسقدر تمیز اسکو ہوگی
کہ بدعتیوں سے لڑ سکتا ہے اور عوام کی حفاظت کرتا ہے لیکن معرفت خداتعالی کی اور اسکے صفات اور افعال کی اور ان امور کی جنکا بیان ہم نے
علم مکاشفہ میں کیا ہے وہ علم کلام سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ کیا عجب ہے کہ یہ علم انکا حجاب اور مانع ہو اور ان تک رسائی تو مجاہدہ سے ہے جسکو
اللہ تعالی نے ہدایت کا مقدمہ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔ اب اگر یہ کہو کہ تم نے
متکلم کی تعریف بھی کہدی کہ عوام کے عقیدہ کو بدعتیوں کے اُچکاؤ سے محفوظ رکھے جیسے محافظ کا حال ہے کہ حاجیوں کے کپڑے عرب کی لوٹ
سے بچاتا ہے اور فقیہ کی تعریف یہ بیان کی کہ اسکو وہ قانون یاد ہو جس سے بادشاہ ایک دوسرے کی تعدی کو روک سکے اور علم دین کی نسبت
گو یہ دونوں مرتبے کم ہیں حالانکہ علماے امت جو اہل فضل مشہور ہیں وہ فقہا اور اہل کلام ہیں اور وہ لوگ خداتعالی کے نزدیک افضل ہیں
تو تم اُنکے درجوں کو کس طرح علم دین کی نسبت کر ایسے پست درجے میں ڈالے دیتے ہو تو اُسکا جواب یہ ہے کہ جو شخص حق کو آدمیوں سے
پہچانتا ہے وہ گمراہی کے جنگلوں میں خاک چھانتا ہے تمکو چاہیے کہ اول حق کو جانو تب اسکے اہل کو پہچانو بشرطیکہ طریق حق کے سالک ہو اور
اگر تقلید پر قانع ہو اور جو درجے فضیلت کے لوگوں میں مشہور ہیں انھیں پر تاک رکھتے ہو تو صحابہؓ کے حالات اور مراتب بلند سے غفلت
نہ کرو جن لوگوں کا ذکر تم نے کیا اُن سب کا اتفاق ہے کہ صحابہؓ سب سے بڑھکر ہیں اور دین میں کوئی انکی چال نہیں چل سکتا نہ انکی گرد کو
پہونچ سکتا حالانکہ انکی فضیلت علم کلام اور علم فقہ سے نہ تھی بلکہ علم آخرت اور اسکے طریق کے اختیار کرنے سے تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جو اور لوگوں پر
فضیلت تھی وہ [illegible] نماز پڑھنے اور بہت سی روایت کرنے سے نہ تھی نہ فتوی دینے اور علم کلام کی [illegible]
[illegible] شہادت [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لیے فرمائی ہیں تم کو اس راز کی جستجو میں
[illegible] اسباب کی جہت سے جنکی تفصیل [illegible]

دیکھتا ہے اُسکو چاہتا ہے کہ تمھارے منہ میں لوٹ دے اگر اُسکا قول اسی پر لوٹا دیا جاوے یعنی اُسکو کانوں میں جگہ نہ دی جاوے تو اُسکا سننے والا
بیکھٹ ہوگا جیسے بولنے والا بدبخت ہوا۔ اور آپ کا ارشاد ہے کہ ایک حکیم نے دوسرے کو خط لکھا کہ تجکو خدا تعالیٰ نے علم دیا ہے اپنے علم کو گناہوں
کی تاریکی سے ظلمت کر دو رنہ جس روز کہ اہل علم اپنے علم کے نور میں چلینگے تو اندھیرے میں رہیگا۔ اور آپ کا یہ حال روایتوں سے معلوم ہوتا ہے
کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص دعویٰ کرے کہ میرے دل میں محبت دنیا کی اور محبت اُسکے خالق کی ایک ساتھ ہے وہ جھوٹا ہے۔ اور حمیدی کہتے ہیں کہ آپ
ایکبار بعض حکام کے ساتھ مکہ کو گئے اور وہاں سے دس ہزار درم لیکر مکے کو پھرے کہ مکۂ معظمہ کے باہر ایک گاؤں میں آپ کے لیے خیمہ کر دیا گیا
لوگ آپ سے ملنے آتے گئے آپ نے جبتک وہ سب مال تقسیم نہ کر دیا وہاں سے نہ چلے۔ اور ایک روز آپ حمام سے نکلے تو حمام والے کو
بہت سا مال دے ڈالا۔ اور ایک دفعہ آپ کا کوڑا ہاتھ سے گر پڑا ایک شخص نے اُٹھا دیا اُسکو آپ نے اُسکے عوض میں پچاس اشرفیاں دیں
اور سخاوت آپ کی مشہور ہے بیان کرنے کی حاجت نہیں اور زہد کی اصل سخاوت ہے اسلیے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اُسکو روک رکھتا ہے
اور جدا نہیں کرتا اس صورت میں مال وہی جدا کریگا جسکی نظروں میں دنیا حقیر ہو اور یہی معنی زہد کے ہیں۔ اور آپ کے زہد اور خدا تعالیٰ سے
زیادہ خوف رکھنے پر اور اپنی ہمت کو آخرت میں مشغول رکھنے پر یہ روایتیں بھی دال ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے آپ کے سامنے ایک حدیث
رقت قلب کے بیان میں روایت کی آپ کو غش آگیا لوگوں نے سفیان سے کہا کہ آپ مر گئے انھوں نے فرمایا کہ اگر مر گئے تو اپنے زمانے کے
لوگوں سے افضل مر گئے۔ اور عبداللہ بن محمد بلوی کہتے ہیں کہ میں اور عمر بیٹھے ہوئے عابدوں اور زاہدوں کا ذکر کر رہے تھے مجھسے
عمر نے کہا کہ میں نے پرہیزگار اور فصیح محمد بن ادریس شافعی رح سے کسی کو زیادہ نہیں دیکھا کہ میں اور آپ اور حارث بن لبید صفا کی طرف
نکلے اور حارث صالح مری کا شاگرد تھا اسنے پڑھنا شروع کیا اور یہ شخص خوش آواز تھا جب یہ آیت پڑھی ہذا یوم لا ینطقون ولا یؤذن لہم فیعتذرون
میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا رنگ بدل گیا اور بدن پر بال اٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے تڑپ کر بیہوش ہو گئے جب آپکو ہوش آیا تو یوں
کہنا شروع کیا الٰہی میں تجھسے پناہ مانگتا ہوں جھوٹوں کے مقام اور غافلوں کے اعراض سے الٰہی تیرے ہی لیے عارفوں کے دل اٹکے ہیں
اور تیرے ہی لیے مشتاقوں کی گردنیں جھکتی ہیں الٰہی اپنی سخاوت مجھکو عنایت کر اور مجھکو اپنے پردۂ کرم میں چھپا اور اپنی ذات کے کرم کے طفیل
سے میری تقصیر سے درگذر کر۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر وہاں سے اٹھکر ہم سب چلے آئے جب میں بغداد میں پہنچا آپ ان دنوں عراق میں تھے
میں نہر کے کنارے نماز کے لیے وضو کرتا تھا ایک شخص میرے پاس گذرا اور کہا کہ بیٹا اپنا وضو اچھی طرح کر خدا تعالیٰ دنیا اور آخرت
میں تیرے ساتھ اچھی طرح پیش آویگا میں نے جو پھر کر دیکھا تو معلوم کیا کہ ایک مرد جسکے پیچھے بہت لوگ ہیں جھٹ پٹ وضو کرکے اُسکے
پیچھے ہوا میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تجھے کچھ کام ہے میں نے کہا کہ ہاں یہ مطلب ہے کہ جو علم خدا تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اُسمیں سے مجکو بھی
کچھ سکھلا دیجیے آپ نے فرمایا کہ جان رکھ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہے وہ چھٹی پاتا ہے اور جو شخص اپنے دین کا خوف رکھتا ہے وہ
تباہی سے بچا رہتا ہے اور جو شخص دنیا میں زہد کرتا ہے قیامت کو اللہ تعالیٰ کے ثواب کو دیکھکر اُسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوںگی۔ اب اور کچھ زیادہ بتاؤں
میں نے کہا بہتر آپ نے فرمایا کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہیں اُسنے اپنا ایمان پورا کر لیا ایک یہ کہ اچھی بات کا دوسرے کو حکم کرے اور پہلے
آپ مانے دوم یہ کہ برائی سے اوروں کو منع کرے اور پہلے آپ باز رہے تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو حدیں مقرر کی ہیں اُنکی نگاہداشت کرے
اور اُنسے کسی طرف تجاوز نہ کرے۔ اب اور کچھ بتاؤں میں نے کہا بہتر فرمایا کہ دنیا میں زاہد رہ اور آخرت کا راغب ہو اور سب باتوں میں
خدا تعالیٰ کو سچا جان اس سے تو اور نجات پانے والوں کے ساتھ میں نجات پاویگا یہ کہکر آپ تشریف لے گئے میں نے لوگوں سے
پوچھا کہ یہ کون ہیں کہا کہ شافعی رح ہیں اس روایت سے آپ کے بیہوش ہو جانے کو سوچو پھر نصیحت فرمانے کو خیال کرو کہ اُسمیں سے
آپ کا زہد اور شدت خوف کتنا معلوم ہوتا ہے اور یہ خوف اور زہد بدون معرفت اللہ تعالیٰ کے حاصل نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے

کے ذکر میں آویگا کیونکہ وہ لوگ صرف علم فقہ ہی کے لیے نہ تھے بلکہ دلوں کے علم میں مشغول تھے اور اُنکے نگراں رہتے تھے اور اس علم
میں جو انھوں نے کچھ تصنیف نہیں کیا اور اسکی تدریس نہ کی تو اسکی وجہ وہی تھی جو صحابہ کو فقہ کے باب میں تدریس اور تصنیف کی مانع تھی
حالانکہ سب صحابہؓ علم فتوی میں خداگانہ فقیہ تھے اور وجہیں مانع یقینا ہوئی ہیں اُنکے ذکر کی کچھ حاجت نہیں تاہم اب کچھ حالات اسلام کے
فقہا کا ذکر کرتے ہیں جس سے تم جان لوگے کہ جو کچھ ہمنے لکھا ہے وہ فقہاے سلف کے باب میں طعن نہیں بلکہ وہ ان لوگوں پر طعن ہے جو انکی پیروی
ظاہر کرتے ہیں اور اُنکے مذہبوں سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ عمل میں اُنکے مخالف ہیں۔ پس فقہاے سلف جو فقہ کے
رئیس اور خلق کے پیشوا جنکے پیرو اکثر ہیں وہ پانچ ہیں امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رح انمیں
سے ہر ایک عابد اور زاہد اور علوم آخرت کا ماہر اور دنیا میں خلق کی بہتری کا سمجھنے والا تھا اور اپنی فقہ سے خدا تعالی کی رضا کا خواہاں تھا تو یہ پانچ
خصلتیں ہیں جن میں سے اس زمانے کے فقیہوں نے صرف ایک خصلت میں اُنکا اتباع کیا ہے یعنی فروعات فقہ میں استعداد اور مبالغہ اسلیے
کہ چار خصلتیں باقی صرف آخرت ہی کے قابل ہیں اور پانچویں خصلت دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ہو سکتی ہے اگر اس سے آخرت کا ارادہ کیا جائے
مگر دنیا کی بہتری کے لیے اُسپر جھک پڑے ہیں اور اس ایک خصلت کے سبب سے دعوی اُن اماموں کی مشابہت کا کرتے ہیں بھلا لوہار فرشتوں
سے مشابہ کیسے ہو سکتے ہیں اب ہم ان اماموں کے حالات وہ بیان کرتے ہیں جس سے وہ چاروں خصلتیں ان میں معلوم ہوں اور پانچویں خصلت یعنی
فقہ کی مہارت تو ظاہر ہے حضرت امام شافعی رح کے عابد ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آپ رات کے تین حصے کیا کرتے تھے ایک
علم کے لیے دوم نماز کے لیے سوم سونے کے لیے۔ ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ رمضان میں ساٹھ قرآن ختم کیا کرتے تھے اور سب نماز ہی میں ختم کیا کرتے تھے اور
بویطی جو انکے شاگردوں میں سے ہیں رمضان میں ایک ختم ہر روز کیا کرتا تھا اور حسن کرابیسی کہتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کے ساتھ بہت دفعہ رات کو
رہا ہوں آپ کا دستور تھا کہ مقدار سوم حصہ شب کی نماز پڑھا کرتے تھے میں نے آپکو دیکھا کہ پچاس آیتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور
بہت زیادہ کرتے تو سو آیتیں پڑھتے تھے اور جب کسی آیت رحمت پر گزرتے تو اللہ تعالی سے اسکی دعا اپنے لیے اور سب مسلمانوں اور
ایمانداروں کے لیے مانگتے تھے اور جب آیت عذاب پڑھتے تو اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو اس سے نجات پانے کا سوال کرتے گویا
رجا اور خوف دونوں اُنکے لیے ایک ساتھ تھے اس روایت سے سمجھو کہ پچاس آیتوں پر آپ کا اکتفا کرنا اسرار قرآنی کو سمجھنے اور انمیں
غور ہونے پر کیسی دلالت کرتا ہے اور خود انکا ارشاد ہے کہ میں سولہ برس سے شکم سیر نہیں ہوا اسلیے کہ شکم سیری بدن کو گراں کرتی ہے اور دل کو
سخت اور دانائی کو کھوتی ہے اور نیند لاتی ہے اور آدمی کو عبادات کم کر دیتی ہے تو اس قول سے آپ کی حکمت کو دیکھنا چاہیے کہ شکم سیری
کی آفتوں کو ذکر کیا پھر عبادت میں کوشش کو لحاظ کرنا چاہیے کہ اُسکے واسطے شکم سیری ترک کر دیا اور ظاہر ہے کہ عبادت کی اصل کم کھانا ہے۔
اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے اللہ کی قسم نہ سچی کھائی نہ جھوٹی اس قول سے خیال کرو کہ آپ حرمت اور توقیر خداے تعالی کی کتنی کرتے تھے
اور جلال خداوندی کا کس قدر علم رکھتے تھے۔ ایک بار آپ سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا آپ چپ ہو رہے سائل نے کہا کہ آپ پر خدا تعالی
کی رحمت ہو آپ جواب نہیں دیتے فرمایا کہ جب تک مجھکو یہ نہ معلوم ہو کہ سکوت میں میری بہتری ہے یا جواب دینے میں تب تک میں کچھ جواب
نہ دونگا اس روایت سے تامل کرو کہ آپ اپنی زبان کی نگہداشت کتنی کرتے تھے حالانکہ فقہا پر سب اعضا سے زیادہ زبان مسلط ہے اور اُنکے
ضبط اور قابو سے باہر اور اسی روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا بولنا اور چپ رہنا فضیلت اور ثواب کے حاصل کرنے کے لیے ہوا
کرتا تھا اور احمد بن یحیی بن وزیر روایت کرتے ہیں کہ ایکبار آپ قندیلوں کے بازار سے نکلے اور ہم آپ کے پیچھے ہو لیے دیکھا تو ایک شخص
کسی عالم سے الجھ رہا ہے اور اسکو بیہودہ کہتا ہے آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اپنے کانوں کو فحش کے سننے سے صاف رکھو جیسے
زبانوں کو فحش بکنے سے صاف کرتے ہو اسلیے کہ سننے والا کہنے والے کا شریک ہے اور کم عقل آدمی اپنے منہ میں جو سب سے زیادہ بری

کر کے تحت توڑتا ہے یہ وہ میری نظروں سے گر جاتا ہے اور اسے بالکل چھوڑ دیتا ہوں۔ تو یہ علامات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے آپ کی غرض فقہ سے
اور اسمیں مناظرہ کرنے سے خداتعالیٰ کی رضا جوئی تھی اب دیکھو کہ زمانہ حال کے لوگوں نے آپ کا اتباع ان پانچ باتوں میں صرف ایک
بات میں کس طرح کیا ہے اور پھر اسمیں بھی اُنکے خلاف کرتے ہیں اور اسی لیے ابو ثور رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اور دیکھنے والوں نے
کوئی شخص شافعی رح کے مثل دیکھا ہے۔ اور احمد بن حنبل رح نے فرمایا کہ چالیس برس سے میں نے ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی جسکے بعد امام شافعی
کے لیے دعا نہ مانگی ہو اس روایت سے دعا مانگنے والے کے انصاف کو اور جسکے لیے دعا کی اُسکے درجے کو خیال کرو اور اُسپر اُس زمانے کے
علما کے حالات کو مطابق کرو کہ اُنکے دلوں میں آپس میں کتنا بغض اور عناد ہے تاکہ تمکو معلوم ہو کہ یہ لوگ جو دعوی سلف کی پیروی کا کرتے
ہیں اس دعوی میں قصور رکھتے ہیں امام احمد رح نے زیادہ دعا مانگنے کی جہت سے اُنکے لڑکے نے اُنسے کہا کہ شافعی کون شخص تھے
جنکے لیے تم اسقدر دعا مانگتے ہو انھوں نے فرمایا کہ شافعی رح دنیا کے حق میں مثل آفتاب کے تھے اور لوگوں کے حق میں مثل تندرستی
کے تو اب تم دیکھو کہ ان باتوں میں سے کوئی انکی نیابت کرتا ہے۔ اور امام احمد رح فرمایا کرتے کہ جو کوئی اپنے ہاتھ سے دوات چھوے اُسکی گردن پر
شافعی کا احسان ہے۔ اور یحیی بن سعید قطان کہتے ہیں کہ میں نے چالیس برس سے جو نماز پڑھی اُسمیں شافعی رح کے لیے دعا مانگی اسلیے
کہ اللہ تعالیٰ نے انکو علم عنایت فرمایا اور اسمیں طریقہ راستی کی ہدایت کیا۔ اب ہم آپ کے حالات کو اسیقدر مختصر پر کفایت کرتے ہیں اسلیے کہ سب
حالات خارج از حد شمار ہیں اور یہ مناقب جو ہمنے لکھے ہیں اکثر اُس کتاب سے نقل کیے ہیں جو نصر بن ابراہیم مقدسی رح نے مناقب شافعی رح
میں لکھی ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان پانچوں خصلتوں کے ساتھ موصوف تھے چنانچہ اُنسے کسی نے کہا کہ اے مالک طلب
علم میں آپ کیا فرماتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ بہتر اور اچھا ہے بلکہ جو شخص صبح سے لیکر شام تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑے اُسکا ساتھ تم بھی نہ چھوڑو
اور آپ علم دین کی تعظیم میں بہت مبالغہ فرماتے یہانتک کہ جب حدیث بیان کیا چاہتے تو وضو کرتے اور اپنے فرش کے صدر مقام میں بیٹھتے
اور داڑھی میں کنگھی کرتے اور خوشبو لگاتے اور بیٹھنے میں وقار اور ہیبت کو ملحوظ رکھتے پھر حدیث ارشاد کرتے لوگوں نے جو اس بات میں
آپ سے کچھ کہا تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت کروں۔ اور آپ کا ارشاد ہے کہ
علم ایک نور ہے اُسکو خداتعالیٰ جہاں چاہتا ہے وہاں کر دیتا ہے کثرت روایت سے نہیں ہوتا اور یہ حرمت اور توقیر اس بات پر دال ہے کہ آپکو
اللہ تعالیٰ کے جلال کی معرفت نہایت قوی تھی۔ اور علم سے آپ کی غرض خداتعالیٰ کی رضا ہوتی آپ کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے کہ
فرمایا دین کے باب میں جدل کرنا کچھ بھی نہیں اور اس امر پر امام شافعی رح کا قول بھی دلالت کرتا ہے کہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا اُسوقت
آپ سے اڑتالیس مسئلے پوچھے گئے تھے اُنمیں سے بتیس کے جواب میں آپنے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں تو جسکو اپنے علم سے خداتعالیٰ کے
سوا اور کچھ غرض ہوتی ہے اُسکا نفس کبھی نہیں مانتا کہ یوں اقرار کر دے کہ میں نہیں جانتا اور اسی لیے امام شافعی رح نے فرمایا ہے کہ جب عالموں کا
ذکر ہو تو امام مالک اُنمیں نجم ثاقب ہیں اور امام مالک سے بڑھکر میرے اوپر کسی کا احسان زیادہ نہیں ہوا۔ اور روایت ہے کہ ابو جعفر منصور
نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ مکرہ کے طلاق کے باب میں حدیث مت بیان کرنا پھر ایک شخص کو خفیہ کہہ دیا کہ تم اُنسے اُس طلاق کا مسئلہ پوچھے
جب اُس شخص نے دریافت کیا تو آپ نے سب لوگوں کے سامنے کہہ دیا کہ جس شخص سے زبردستی طلاق کہلائی گئی ہو وہ طلاق نہیں ہے
ابو جعفر نے آپ کے کوڑے لگائے مگر آپ نے حدیث بیان کرنا ترک نہ کیا۔ اور امام مالک رح کا ارشاد ہے کہ جو شخص حدیث میں سچا ہوتا ہے
اور جھوٹ نہیں بولتا اُسکی عقل سے اُسکو نفع دیا جاتا ہے اور بڑھاپے میں آفت اور فساد عقل طاری نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں آپ کا زہد
اُس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین مہدی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی مکان ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن اس بات
میں تمسے ایک حدیث بیان کرتا ہوں کہ میں نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ آدمی کا نسب ہی اُسکا مکان ہے

انہا یخشی اللہ من عبادہ العلماء امام شافعی رح نے یہ خوف اور یہ فقہ کے مسلے اجارہ اور حیض وں سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ آخرت کے علوم جو قرآن اور حدیث سے نکلے ہیں اُنسے پیدا کیا تھا کیونکہ تمام اولین اور آخرین کی حکمتیں قرآن و حدیث مین بھری ہیں۔ اور دل کے اسرار اور علوم آخرت سے آپ کا واقف ہونا اُن حکمتوں سے تمکو معلوم ہوگا جو آپ سے منقول ہیں مثلاً کسی نے آپ سے پوچھا کہ ریا کیا ہے آپ نے بلا تامل فرمایا کہ ریا ایک فتنہ ہے جسکو خواہش نفس نے علما کے دلوں کے سامنے لا کھڑا کیا انھوں نے اُسکی طرف اس وجہ سے کہ نفس بری بات اختیار کرتا ہے دیکھا اسلیے اُنکے عمل برباد ہوگئے۔ اور یہ آپ کا قول ہے کہ جب تمکو اپنے عمل میں عجب کا خوف ہو تو سوچو کہ تم کسکی رضا چاہتے ہو اور کس ثواب کے راغب اور کس عذاب سے ترساں اور کونسی عافیت کے شکر گزار اور کونسی مصیبت کو یاد کرتے ہو جب تم ان باتوں میں سے ایک میں بھی فکر کروگے تو تمھارا عمل تمھاری نظروں میں حقیر ہو جاویگا عجب سے مامون رہیگا پس تامل کرو کہ آپنے کسطرح ریا کی حقیقت اور عجب کا علاج ذکر فرمایا اور یہ دونوں دل کی بڑی آفتوں میں سے ہیں۔ اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو محفوظ نہ رکھا اُسکے علم نے اُسکو فائدہ نہ دیا۔ اور فرمایا کہ جو شخص علم سے خدا تعالی کی اطاعت کرتا ہے وہ اُسکے راز کو سمجھتا ہے۔ اور فرمایا کہ ہر ایک آدمی کے لیے دوست اور دشمن ضرور ہوتے ہیں جب یہ حال ہے تو تم انھیں لوگوں کے ساتھ رہو جو خدائے تعالی کے اہل طاعت ہیں۔ اور روایت ہے کہ عبد القاہر بن عبد العزیز ایک مرد نیکبخت پرہیزگار تھے وہ آپ سے پرہیزگاری کے باب میں مسائل پوچھا کرتے اور آپ اُنکے ورع کی جہت سے اُنکے پاس تشریف لیجایا کرتے تھے ایک روز انھوں نے شافعی رح سے کہا کہ صبر اور امتحان اور تمکین میں سے کون چیز بہتر ہے آپ نے فرمایا کہ تمکین انبیا کا درجہ ہے اور وہ بعد آزمایش کے ہوتا ہے پس جب امتحان ہوتا ہے تو صبر ہوتا ہے اور صبر کے بعد تمکین دیکھو خدا تعالی نے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا پھر اُنکو وقار عنایت کیا۔ اور حضرت موسی اور حضرت ایوب علیہما السلام کا اول امتحان لیا پھر وقار عنایت فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اول امتحان لیا پھر اُنکو تمکین اور ملک عطا کیے اور تمکین سب درجوں سے افضل ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے وکذلک مکنا لیوسف فی الارض اور حضرت ایوب علیہ السلام کو بعد بہت بڑی آزمایش کے تمکین دی اور فرمایا واٰتیناہ اہلہ ومثلہم معہم رحمۃ من عندنا وذکری للعٰبدین تو یہ جواب امام شافعی رح کا دلالت کرتا ہے کہ آپکو اسرار قرآنی پر خوب عبور تھا اور جو لوگ انبیا اور اولیا اللہ تعالی کی طرف کے سالک ہیں اُنکے مقامات سے خوب واقف تھے اور یہ سب باتیں آخرت کے علوم میں سے ہیں۔ اور آپ سے کسی نے سوال کیا کہ آدمی عالم کب ہوتا ہے فرمایا کہ جس علم کو جانتا ہے اُسمیں جب محقق ہوکر دوسرے علموں کے درپے ہوتا ہے اور جو بات اُس سے رہگئی ہے اُسمیں تامل کرتا ہے تو اُسوقت عالم ہوتا ہے چنانچہ جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم ایک مرض کے لیے بہت سی دوائیں مرکب لکھتے ہو اُسنے جواب دیا کہ مقصود ایک ہی دوا ہے دوسری اُسکے ساتھ اسلیے ہیں کہ اُسکی تیزی کم ہو جاوے اسلیے کہ مفرد دوائیں قاتل ہوتی ہیں اسطرح کی بہت سی باتیں اور علوم آخرت میں آپکی معرفت الہی علو مرتبت پر دلالت کرتی ہیں رہی یہ بات کہ آپ خاص فقہ سے اور اُسمیں مناظرہ کرنے سے خدا تعالی کی رضا کے خواہاں تھے اس امر پر یہ روایتیں دال ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس علم سے لوگ مستفید ہوں اور اُسمیں سے میری طرف کوئی چیز منسوب ہو تو دیکھو کہ آپ کو علم کی آفت اور طلب شہرت کی برائی کتنی معلوم تھی اور اس باب میں خالص نیت خدا تعالی کی رضا جوئی کی کرکے شہرت کی طرف دل کی توجہ سے مبرا تھے اور آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے کبھی کسی سے مناظرہ اس طور سے نہیں کیا کہ یہ چاہا ہو کہ وہ خطا کرے۔ اور فرمایا کہ جب میں نے کسی سے گفتگو کی ہے تو یہ چاہا ہے کہ اُسکو توفیق راستی کی اور اعانت ملے اور اُسکے اوپر خدا تعالی کی حمایت اور حفاظت رہے اور جب میں نے کسی سے کلام کیا ہے تو یہ پروا نہیں کی ہے کہ امر حق میری زبان خواہ اُسکی زبان سے نکلے۔ اور فرمایا کہ جب میں نے امر حق اور حجت کو کسی شخص پر پیش کیا اور اُسنے حق بات کو قبول کیا تو میں اُس سے ہیبت رکھتا ہوں اور اُسکی محبت کا معتقد ہوتا ہوں اور جو کوئی امر حق پر مجھ سے زبردستی

کہ انھوں نے فرمایا کہ تم ایسے شخص کا کیا ذکر کرتے ہو کہ جسپر تمام دنیا پیش کی گئی اور اُس سے گریز کی اور محمد بن شجاع آپ کے بعض شاگردوں سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے کسی نے کہا کہ آپ کے لیے امیر المومنین ابوجعفر منصور نے دس ہزار درم دینے کو کہا ہے آپ راضی ہوئے اور جب وہ دن ہوا جس میں توقع اس مال کے آنے کی تھی آپ نے صبح کی نماز پڑھی اور منہ لپیٹ لیا اور کسی سے کچھ کلام نہ کیا پھر حسن بن قحطبہ کا قاصد وہ مال لیکر آپ کے پاس آیا آپ اُس سے کچھ نہ بولے بعض حاضرین نے کہا کہ آپ ہم سے بھی ایک آدھ بات کبھی کرتے ہیں یعنی آپ کی عادت ایسی ہی ہے کہ کلام نہیں کرتے اس مال کو تم اس تھیلی میں مکان کے گوشے میں رکھدو پھر مدت کے بعد امام صاحب نے اپنے اسباب البیت کی وصیت کی اور اپنے لڑکے سے کہا کہ جب میں مرجاؤں اور مجھکو دفن کرچکو تو اس تھیلی کو حسن بن قحطبہ کے پاس لیجانا اور کہنا کہ یہ تمہاری وہ امانت ہے جو تمنے ابوحنیفہ کو سپرد کی تھی آپ کے صاحبزادے نے وصیت کے موجب تعمیل کی حسن نے فرمایا کہ رحمت ہو خدا کی تیرے باپ پر اسلیے کہ وہ اپنے دین پر نہایت حریص تھے۔ اور روایت ہے کہ آپسے عہدۂ قضا کے لیے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ میں اسکی لیاقت نہیں لوگوں نے پوچھا کہ کس وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تب تو واقع میں اسکے لائق نہیں اور اگر اس قول میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا شخص عہدۂ قضا کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اور آپ کا طریق آخرت سے ماہر ہونا اور امور دینی کے راہ سے واقف ہونا اور خداتعالی کا عارف ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداتعالی سے بہت ڈرتے تھے اور دنیا میں زاہد تھے چنانچہ ابن جریج نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھکو یہ خبر پہونچی ہے کہ یہ تمہارا کوفی نعمان بن ثابت خداتعالی سے بہت ڈرتا ہے۔ اور شریک نخعی کہتے ہیں کہ امام اعظم رح سکوت بہت رکھتے اور ہمیشہ فکر میں مستغرق رہتے لوگوں سے کلام کم کرتے تو یہ امور صاف دلیل ہیں باطن کے علم اور دینی مہمات میں مشغول رہنے کی اس لیے کہ جسکو سکوت اور زہد عنایت ہوا اُسکو علم کامل عطا ہوا یہ ہے مختصر بیان تینوں اماموں کے احوال کا۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری رح کا حال یہ ہے کہ انکے تابع بہ نسبت اُن تین اماموں کے کم ہیں اور سفیان ثوری کے تابع امام احمد رح کی نسبت کم ہی کم ہیں لیکن یہ دونوں ورع اور زہد میں زیادہ مشہور ہیں اور یہ ساری کتاب ان دونوں کے اعمال اور اقوال سے بھری ہے اسلیے اسوقت کچھ ضرورت تفصیل کی نہیں۔ پس اب تم ان تینوں اماموں کی سیرتوں میں غور کرو اور سوچو کہ یہ حالات اور اعمال اور اقوال دنیا سے اعراض کرنے کے اور خالص خدا کے لیے ہو رہنے کے بھلا علم فقہ کی فروعات یعنی سلم اور اجارہ اور ظہار اور ایلا اور لعان کے جاننے سے ہوتے ہیں یا یہ دوسرے ہی علم سے پیدا ہوتے ہیں جو فقہ سے اعلی اور اشرف ہے اور تامل کرو کہ جو لوگ انکی پیروی کا دعوی کرتے ہیں وہ سچے ہیں یا جھوٹے

تیسری فصل اُن علوم کے بیان میں جنکو لوگ اچھے علوم میں شمار کرتے ہیں اور واقع میں وہ علوم ان میں نہیں

اور اس فصل میں تین بیان ہیں

بیان اول اس بات کی وجہ میں کہ بعض علم بُرے کیوں ہوتے ہیں۔ شاید تم یہ اعتراض کرو کہ علم کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی چیز کو جیسی وہ ہے اسی طرح پر جاننا اور علم خداتعالی کے صفات میں سے بھی ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز علم ہو کر مذموم اور بُری ہووے تو اسکا جواب یہ ہے کہ علم کی بُرائی خود علم ہونے کی جہت سے نہیں ہوتی بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں میں سے کسی کے پائے جانے سے بُرا کہا جاتا ہے اول یہ کہ وہ علم خواہ عالم کے حق میں یا دوسرے کے حق میں انجام کو مضر ہوتا ہو جیسے علم سحر اور طلسمات کو بُرا کہتے ہیں حالانکہ علم سحر حق ہے اسلیے کہ قرآن اُسکا شاہد ہے کہ سحر ایک سبب ہے جس سے خاوند بی بی میں جدائی ڈالنے کا ذریعہ کرتے ہیں اور صحیحین میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کسی نے کردیا تھا اور اُسکے سبب سے آپ بیمار ہوگئے تھے یہانتک کہ جبرئیل علیہ السلام نے اُسکی خبر آپ کو دی اور وہ جادو ایک کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے سے نکالا گیا اور جادو ایک علم کی قسم ہے کہ جواہر کے خواص اور ستاروں کے مطلعوں میں حسابی امور کے جاننے سے حاصل ہوتا ہے اس طرح کہ اُن جواہر سے ایک پتلی اُس شخص کی صورت پر بناتے ہیں جسپر جادو کرتے ہیں اور ایک خاص

اور ہارون رشید نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کا مکان ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں پس رشید نے تین ہزار دینار آپ کو دیئے آپ نے انکو لیکر رکھ چھوڑا
خرچ نہ کیا جب رشید نے مدینہ منورہ سے چلنا چاہا تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہیے اسلیے کہ میں نے
قصد کیا ہے کہ لوگوں کو مؤطا کی ترغیب دوں جیسے حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو قرآن پر ترغیب دی تھی آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کو موطا کی
ترغیب دینے کی کوئی سبیل نہیں اسلیے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد حضرت کے شہروں میں چلے گئے ہیں اور حدیثیں روایت
کی ہیں اسی لیے ہر ایک شہر کے پاس علم حدیث موجود ہے اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ باقی رہا تمھارے ساتھ چلنا تو وہ بھی
نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المدینۃ خیر لہم لو کانوا یعلمون اور یہ بھی ارشاد ہے المدینۃ تنفی خبثہا کما ینفی الکیر خبث الحدید
اور یہ تمھارے دینار جوں کے توں رکھے ہیں چاہو لے لو چاہو چھوڑ جاؤ یعنی تم جو مجھسے مدینہ چھوڑایا چاہتے ہو تو اسلیے کہ تمنے مجھپر احسان کیا ہے
پس میں دینار کو حضرت کے مدینہ طیبہ پر ترجیح نہیں دیتا ہوں عرض کہ دنیا میں آپ کے زہد کی یہ صورت تھی اور جب آپ کے علم اور شاگردوں
کے منتشر ہونے کی جہت سے سب طرف سے مال آپ کے پاس آنے لگا آپ اسکو امور خیر میں خرچ کر دیا کرتے آپ کی سخاوت سے آپکا
زہد اور دنیا کی محبت کی کمی معلوم ہوتی ہے اور زہد یوں نہیں ہوتا کہ آدمی کے پاس مال ہو بلکہ یہی صورت ہے کہ مال سے دل نے پروا ہو جیسا کہ حضرت
سلیمان علیہ السلام اپنی سلطنت میں زہد کرتے تھے۔ اور اس روایت سے حضرت مالک رح کا دنیا کو حقیر جاننا اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ
سے نقل ہے کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر ایک گلہ خراسان کے گھوڑوں اور مصر کے خچروں کا ایسا دیکھا کہ اُس سے عمدہ میں نے
نہیں دیکھا تھا میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کیا عمدہ ہیں آپ نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ یہ میری طرف سے تمکو تحفہ ہے میں نے
کہا کہ آپ ایک اُن میں سے اپنی سواری کے لیے رہنے دیجیے آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ جس زمین میں اُسکا پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم ہو اُس زمین کو سواری کے سُم کا پامال کروں اس روایت سے خیال کرو کہ سخاوت آپ میں اسقدر تھی کہ سب گھوڑے جو ایکبارگی
دیدیئے اور پھر خاک پاک مدینہ طیبہ کی توقیر کا لحاظ کرو۔ اور آپ کی غرض علم سے خدا تعالیٰ کی رضا ہونی اور دنیا کو حقیر جاننا آپ کی اس حکایت
سے ثابت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں ہارون رشید کے پاس گیا رشید نے مجھسے کہا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لایا کیجیے تاکہ ہمارے لڑکے آپ سے
موطا سنیں میں نے کہا کہ خدا تعالیٰ امیر کی ترقی کرے یہ علم تمھیں لوگوں سے نکلا ہے اگر تم اُسکی عزت کرو گے تو عزیز ہوگا اور اگر ذلت کرو گے
تو ذلیل ہوگا علم کے پاس لوگ جایا کرتے ہیں علم نہیں آیا کرتا رشید نے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں اور لڑکوں کو حکم دیا کہ مسجد میں جاؤ تاکہ
اور لوگوں کے ساتھ موطا سنو اور حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رح بھی عابد اور زاہد اور خدائے تعالیٰ کے عارف اور اُس سے ڈرنے والے
اور اپنے علم سے اُسکی رضا کے خواہاں تھے۔ آپ کی عبادت اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جو ابن مبارک سے مروی ہے آپ صاحب مروت
تھے اور نماز بہت پڑھتے تھے اور حماد بن ابی سلیمان روایت کرتے ہیں کہ آپ تمام شب عبادت کرتے تھے اور روایت یوں ہے کہ آپ نصف شب
عبادت کیا کرتے تھے ایک روز آپ چلے جاتے تھے ایک شخص نے آپ کی طرف اشارہ کیا دوسرے نے کہا کہ یہ وہ ہیں جو تمام شب عبادت
کرتے ہیں اُس روز کے بعد سے پھر امام صاحب نے تمام شب عبادت کرنی شروع کر دی اور فرمایا کہ مجکو خدا تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اُسکی عبادت
جتنی میں نہ کرتا ہوں اسقدر لوگ مجھ میں بتادیں اور آپ کا زہد ان روایتوں سے ثابت ہے کہ ربیع بن عاصم کہتے ہیں کہ مجکو یزید بن عمر و بن ہبیرہ
نے بھیجا میں حضرت امام ابو حنیفہ رح کو اُسکے سامنے لیگیا اُسنے چاہا کہ آپ بیت المال کے حاکم ہوں آپ نے انکار کیا اُسنے آپ کے بیس کوڑے
مارے تو دیکھا حکومت سے کیسے انکار کیا اور مار کو برداشت فرمایا۔ اور حکم بن ہشام ثقفی نے کہا ہے کہ مجھسے شام میں امام صاحب کے باب میں
ایک روایت کسی نے کی کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ امین تھے اور بادشاہ نے یہ چاہا کہ انکو اپنے خزانوں کی کنجیاں سپرد کر دے ورنہ انکو
پٹوا دے آپ نے دنیا کا عذاب اختیار کیا اور خدا تعالیٰ کے عذاب کی جرأت نہ کی۔ اور ابن مبارک کے سامنے جو آپ کا ذکر ہوا تو کہتے ہیں

ف: امتی کی رحمت کا اختلاف رحمت ہے ۱۲ بیہقی تعلیقاً
۱۷ رح مدینہ لوگوں کیلئے بہتر ہے اگر وہ سمجھتے ہوں ۱۲ بخاری و مسلم روایت سفیان
۱۲ رح مدینہ اپنے میل کو ایسا نکالتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا میل دور کرتی ہے ۱۲ بخاری و مسلم روایت جابرؓ ۱۲

کشتی سلامت رہیگی یعنی ہمیشہ سے ہواؤں کا عادی ہو اسی پر اعتماد کرکے کہدیتا ہو حالانکہ اُن ہواؤں کے اور سبب خفیہ بھی ہیں کہ انپر اُسکو
اطلاع نہیں اسی لیے کبھی تو اُسکا کہا ٹھیک ہوتا ہو اور کبھی اٹکل غلط ہوتی ہو اور اسی وجہ سے قوی شخص کو بھی نجوم کی ممانعت ہوتی تیسری
وجہ یہ ہو کہ اس علم سے کچھ فائدہ نہیں اسلیے کہ ادنی مرتبہ یہ ہو کہ امر فضول میں خوض کرتا ہو جسکی حاجت نہیں اور ایک امر بیفائدہ میں عمر جیسی چیز کو
جو ہر زیادہ نفیس سرمایۂ انسان کا تلف کرتا ہو اور یہ بات نہایت درجے کے نقصان کی ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گذرے
کہ لوگ اُسکے گرد جمع تھے آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہو لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بڑا عالم ہو آپ نے فرمایا کہ کس چیز کا عرض کیا کہ شعر کا اور عرب کے
نسبوں کا آپ نے فرمایا کہ یہ علم ہو کہ مفید نہیں اور جہل ہو کہ مضر نہیں اور فرمایا انما العلم آیۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ اس سے ثابت ہوا
کہ نجوم میں اور اس جیسے علوم میں خوض کرنا خطر میں پڑنا اور جہالت میں بیفائدہ مصروف ہونا ہو اسلیے کہ جو کچھ تقدیر میں ہو وہ ہونا ہو اس سے
بچنا ممکن ہو بخلاف طب کے کہ اُسکی طرف ضرورت داعی ہو اور اُسکی اکثر دلیلیں ایسی ہیں جنپر اطلاع ہوجایا کرتی ہو اور بخلاف تعبیر کے
کہ ہر چند وہ قیاسی ہو مگر نبوت کے حصوں میں سے چھیالیسواں حصہ ہو اور اُسمیں کچھ اندیشہ نہیں تیسری وجہ یہ ہو کہ آدمی اگر ایسی بات
میں خوض کیا کرتا ہو جسکا تحمل اُسکو نہیں ہوتا تو وہ اُسکے حق میں مضر ہوتی ہو مثلاً باریک اور خفیہ علوم کا سیکھنا مبتدی آدمی اور ظاہر علموں کے
جسطرح اسرار الٰہی میں بحث کرنی کہ حکما اور اہل کلام نے اُنپر اطلاع چاہی حالانکہ اُنکے حوصلے سے یہ اسرار زائد تھے اُنکی تاب اور اُنمیں سے
بعض کے طریقوں پر اطلاع بجز انبیا اور اولیا کے اور کسی کو نہیں ہوسکی اسلیے اُنکی بحث سے لوگوں کو روکنا اور جسقدر شرع میں وارد ہو اُسکا
اسقدر کرنا ضرور ہو کہ توفیق یافتہ شخص کے لیے اُسقدر کافی ہو اسلیے کہ اکثر ایسا ہوتا ہو کہ ایک آدمی علوم میں خوض کرتا ہو اور اُسسے ضرر پاتا ہو
اگر وہ اُنمیں خوض نہ کرتا تو اُسکا حال دین میں اُس سے اچھا ہوتا جو علوم میں خوض کرنے سے ہوگیا اور علم کا مضر ہونا بعض لوگوں کے حق میں
یقینی ہو اسمیں انکار نہیں ہوسکتا جیسے پرند کا گوشت اور لطیف حلوے شیر خوار بچہ کو مضر ہیں بلکہ بعض باتوں آدمیوں کو بعض باتوں سے جاہل ہی
رہنا مفید پڑجاتا ہو چنانچہ مروی ہو کہ کسی شخص نے بی بی کے بانجھ ہونے کی شکایت طبیب سے کی طبیب نے اُس عورت کی نبض دیکھی اور کہا
کہ تجھکو اب بچہ پیدا ہونے کی دوا کرنی ضرور نہیں کیونکہ تیری نبض سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ چالیس دن میں تو مرجاویگی عورت کو نہایت خوف
معلوم ہوا اور زندگی تلخ ہوگئی اور اپنا مال سب تقسیم کردیا اور وصیت کی اور دانہ پانی سب چھوڑ دیا یہانتک کہ مدت گذر گئی اور نہ مری اُسکا شوہر
طبیب کے پاس آیا اور کہا کہ وہ تو نہیں مری طبیب نے کہا کہ مجھے بھی یہ بات معلوم تھی اب تو اُس سے صحبت کر کہ تیرے اولاد اُس سے ہوگی
اُسنے پوچھا کہ یہ کیسے کہا کہ میں نے اُس عورت کو موٹی دیکھی کہ چربی اُسکے بچہ دان کے منہ پر جم رہی ہو میں نے سمجھا کہ یہ بدوں موت کے خوف
کے دُبلی نہوگی اسلیے میں نے اُسکو موت سے ڈرادیا تھا اب کہ وہ دُبلی ہوگئی تو بچہ جننے کی روک جو تھی جاتی رہی اس حکایت سے تمکو معلوم ہوگا
کہ بعض علوم کے واقف ہونے میں خطرہ ہوتا ہو اور اسی سے تمکو معنی اس حدیث شریف کے معلوم ہوجاوینگے نعوذ باللہ من علم لا ینفع تو اس
حکایت کا اعتبار کرو اور جن علوم کی مذمت شریعت نے کی ہو اور اُنسے منع فرمایا ہو اُنکا حال مت دریافت کرو اور صحابہؓ کی پیروی کو لازم کرلو
اور اتباع سنت پر کفایت کرو کہ سلامتی اتباع میں ہو اور اشیا کی بحث و تحقیق میں خطرہ ہو اور اپنی رائے اور عقل اور دلیل و برہان پر مت
پھولو کہ ہم اشیا کی بحث اسلیے کرتے ہیں کہ چیزیں جوں کی توں معلوم ہوجاویں اور علم میں فکر کرنے سے ضرر کیا ہو کیونکہ اس علم کا ضرر تمکو فائدہ
سے زیادہ ہوگا اور اکثر چیزیں جنپر تم واقف ہوئے ہو ایسی ہیں کہ اُنپر تمہارا واقف ہونا اتنا ضرر کریگا کہ آخرت میں اگر خدا تعالی نے اپنی رحمت
سے تدارک نفرمایا تو تمکو تباہ کر ڈالیگا۔ اور واضح ہو کہ جسطرح علاج کے اسرار کو طبیب حاذق جانا کرتا ہو اور ناواقف اُس علاج کو بعید سمجھتا ہو
اسی طرح انبیا علیہم السلام دلوں کے طبیب ہیں اور آخرت کی زندگی کے اسباب سے واقف ہیں اُنکے طریق پر اپنی عقل کو فائق نہ کرنا چاہیے
ورنہ ہلاک ہوجاؤگے دیکھو بعض دفعہ کسی شخص کی انگلی میں کوئی مرض ہوتا ہو تو اُسکی عقل اس بات کو چاہتی ہو کہ انگلی پر لیپ کرے مگر طبیب

ف ابن عبد البر
روایت ابوہریرہ
ح بد علم نسب
آپ نے بھی کہا
کہ سیکھو
نسب کو
کتاب و
سنت ظاہر
۱۲ ابوداؤد ابن ماجہ
عبداللہ بن عمر ۱۲
ح پناہ مانگو
میں تمام ایسے
اُس علم سے
جو مفید نہ ہو
ابن عبد البر
روایت جابر
۱۲

وقت کے منتظر رہتے ہیں جب وہ وقت ستارے کے نکلنے کا آتا ہے تو اس تیلی پر حد کلمات کفر اور فحش خلاف شرع بولتے ہیں اور اسکے
ذریعے سے شیطانوں سے مدد چاہتے ہیں ان سب تدبیروں سے بحکم عادت جاریہ خدا تعالیٰ کے مسحور شخص میں عجیب حالات پیدا ہوتے ہیں
اور معرفت ان اسباب کی اس اعتبار سے کہ معرفت ہے بری نہیں مگر چونکہ سحر خلق کے ضرر کرنے کے اور برائی کا وسیلہ ہونے سے اور کسی
بات کی اسمیں لیاقت نہیں اس سبب سے اُسکے جانے کو علم مذموم کہتے ہیں بلکہ اگر کوئی ظالم کسی ولی کے قتل کا درپے ہوا اور وہ اس سے
ڈر کر کسی محفوظ جگہ میں جا چھپے تو ظالم اگر اُسکا حال پوچھے تو اُسکی جگہ بتانی برا ہے اور جھوٹ اس موقع میں واجب ہے حالانکہ اُسکی جگہ کا
ذکر کرنا تا ہے اور حقیقی حال کا بتا دینا لیکن برا اسی وجہ سے ہے کہ انجام کو مضر ہے دوم یہ کہ وہ علم غالباً عالم کے حق میں مضر ہو مثلاً علم نجوم
کہ وہ خود اپنی ذات سے برا نہیں کیونکہ وہ یا تو حساب کے متعلق ہے اور قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے کہ آفتاب اور چاند کی چال حساب سے
ہے چنانچہ ارشاد فرمایا الشمس والقمر بحسبان اور فرمایا والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم یا احکام ہیں جنکا ماحصل سببوں سے
واقعات کا بتانا ہے یہ ایسا ہے جیسے طبیب نبض سے بتا دیتا ہے کہ یہ مرض عنقریب پیدا ہوگا غرض کہ اسکا جاننا خلق میں خدا تعالیٰ کی عادت
کا معلوم کرنا ہے مگر شرع نے اسکو برا کہا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تقدیر کا ذکر ہو تو چپ ہو جاؤ اور جب
نجوم کا ذکر ہو تو چپ ہو رہو اور جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو سکوت کرو اور فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین باتوں سے ڈرتا ہوں ایک
اماموں کا ظلم کرنا دوم نجوم کا معتقد ہونا سوم تقدیر کا نہ ماننا اور حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نجوم کو اسقدر سیکھو کہ اس سے خشکی اور
تری میں تم کو راہ ملے پھر رک رہو اور اس سے منع کرنے کی تین وجہیں ہیں اول یہ کہ اکثر خلق کو یہ مضر ہے یعنی جب یہ بات دل میں پڑتی ہے کہ
حالات ستاروں کے چال کے بعد اسطرح ہوتے ہیں تو اُسکے دلوں میں بھی جمتا ہے کہ تاثیر کرنے والے ستارے ہی ہیں اور یہی معبود ہیں جو انتظام
کرتے ہیں اسلیے کہ یہ اجسام شریف اور جواہر لطیف آسمان پر ہیں اور اُنکی عزت دل میں بڑھ جاتی ہے اور توجہ دلی انہیں کی طرف رہتی ہے
خیر کی توقع اور شر سے بچاؤ انہیں کی جہت سے معلوم ہونے لگتی ہے اللہ پاک کا ذکر دل سے مٹ جاتا ہے اسلیے کہ ضعیف آدمی کی نظر
وسیلوں تک ہی رہتی ہے اور پکا عالم البتہ واقف ہوتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے سب خدا تعالیٰ کے امر سے مطیع ہیں ضعیف آدمی کہ سورج
کی جوت سورج نکلنے کے باعث دیکھتا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے چیونٹی کہ بالفرض اسکو عقل ہو اور کاغذ پر موجود ہو اور دیکھ رہی ہو کہ قلم کی
سیاہی سے کاغذ سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے تو وہ یہی اعتقاد کریگی کہ لکھنا قلم ہی کا فعل ہے اسکی نظر قلم سے انگلیوں پر اور اُسکے ہاتھ پر اور ہاتھ سے
ارادے پر اور ارادے سے کاتب پر جو ارادہ کر رہا ہے اور کاتب سے اسکی قدرت اور ہاتھ کے بنانے والے پر ہرگز ترقی نہ کرے گی غرض
کہ خلق کی نظر اکثر قریب اور نیچے کے ذریعوں پر رہ کر مسبب الاسباب تک ترقی سے باز رہتی ہے اسی لیے نجوم کے سیکھنے کی ممانعت کی گئی
دوسری وجہ ممانعت کی یہ ہے کہ نجوم کے احکام صرف اٹکلی ہیں ہر فرد خاص کے باب میں نہ یقینی معلوم ہوتے ہیں نہ ظنی تو اسکے ذریعے سے
حکم کرنا جہالت پر حکم کرنا ہے اس صورت میں اسکی برائی اس اعتبار سے ہے کہ وہ جہل ہے علم ہونے کی جہت سے نہیں کیونکہ یہ تو معجزہ حضرت
ادریس علیہ السلام کا ہے چنانچہ مروی ہے اور یہ علم جاتا رہا اور مٹ گیا اور اگر منجم کی کوئی بات سچی بھی ہوتی ہے تو وہ اتفاقی ہے اسلیے کہ منجم بعض
اوقات کسی سبب پر واقف ہوتا ہے اور مسبب اسکے بعد بدون بہت سی شرطوں کے ہو جانے کے نہیں ہوتا اور ان شرطوں پر واقف
ہونا طاقت سے آدمی کے اختیار میں نہیں پس اگر اتفاقاً خدا تعالیٰ باقی شرطوں کو بھی مقدر فرما دیتا ہے تب تو منجم کا قول درست ہو جاتا ہے
اور اگر باقی سبب نہیں ہوتے تو اسکا کہنا غلط ہوتا ہے اور اسکا حال ایسا ہے جیسے کوئی شخص دیکھے کہ پہاڑوں پر سے بادل اُٹھا اُٹھکر
[illegible] اور چلتے پھرتے ہیں تو وہ اٹکل سے کہدے کہ آج مینہ برسیگا حالانکہ اکثر ابر ایسے ابر کے بھی آفتاب نکل آتا ہے اور ابر جاتا رہتا ہے
اور کبھی مینہ بھی برستا ہے تو صرف ابر کا ہونا ہی مینہ کے آنے میں کافی نہیں جبتک اور اسباب کا علم نہ ہو اسی طرح ملاح کا قیاس کرنا کہ

ہیں اور استعمال کی رو سے بیشتر اور حال میں اُنھیں معنوں میں بولے جاتے تھے جو ہمنے لکھے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لانتم اشد
رہبۃ فی صدورہم من اللہ ذلک بانہم قوم لایفقہون اسمیں خدا تعالیٰ سے لوگوں کے کم ڈرنے اور خلق کا ڈر بڑھ جانے کو فقہ کی کمی پر حوالہ
فرمایا ہے تو تامل کرو کہ یہ بات فروعات فتاوی کی یاد رکھنے کا ثمرہ ہے یا جن باتوں کو ہمنے لکھا ہے اُنکے ہونے کا نتیجہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے اُن لوگوں کو جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے فرمایا تھا علماء حکماء فقہاء یعنی یہ لوگ دانا اور حکیم اور فقیہ ہیں حالانکہ وہ لوگ
فتاوی کے فروعات کو نہ جانتے تھے۔ اور سعد بن ابراہیم زہری رح سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے کون زیادہ
فقیہ ہے اُنھوں نے کہا کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتا ہے گویا اُنھوں نے فقہ کے ثمرہ کو بتا دیا اور خوف خدا علم باطن کا ثمرہ ہے نہ
فتووں اور مقدمات کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کیا میں تمکو پورا فقیہ نہ بتا دوں لوگوں نے عرض کیا کہ ارشاد ہو آپنے
فرمایا کہ پورا فقیہ وہ ہے کہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ کرے اور اُسکے عذاب سے اُنکو بے خوف نہ کرے اور اُسکے فیض سے اُنکو
یاس نہ دلاوے اور قرآن کے سوا دوسری چیز کی رغبت میں قرآن کو ترک نہ کرے۔ اور جب انس بن مالک رض نے اس حدیث کو بیان
فرمایا کہ لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ تعالیٰ من غدوۃ الی طلوع الشمس احب الی من ان اعتق اربع رقاب تو یزید رقاشی اور زیاد نمیری کی
طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ ذکر کی مجلسیں پیشتر ایسی نہ تھیں جیسے یہ تمہاری مجلسیں ہیں کہ تم میں سے ایک قصہ کہتا ہے اور وعظ کہتا ہے اور
خطبہ لوگوں کے سامنے پڑھتا ہے اور حدیث پیہم بیان کر دیتا ہے ہم تو یوں کرتے تھے کہ بیٹھکر ایمان کو ذکر کرتے اور قرآن کو سمجھتے اور دین میں
فہم لگاتے اور اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر شمار کرتے اس روایت میں حضرت انس نے قرآن کے سمجھنے اور نعمتوں کے شمار کرنیکو دین کی سمجھ یعنی
فقہ فرمایا۔ اور ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ آدمی پورا فقیہ نہیں ہوتا یہانتک کہ خدا تعالیٰ ذات پاک میں لوگوں کو اپنے اوپر ناخوش نہ کرلے اور
قرآن کے لیے بہت سی وجہیں نہ اعتقاد کرے یہ روایت ابو درداء پر موقوف بھی مروی ہے اور اُسمیں اتنا جملہ اور ہے کہ پھر وہ اپنے نفس پر متوجہ ہو اور سب سے
زیادہ اُس سے ناخوش رہے اور فرقد سبخی نے حسن بصری رح سے کوئی بات پوچھی آپنے اُسکا جواب دیا اُنھوں نے کہا کہ فقہا آپکے خلاف کہتے ہیں
حسن رح نے فرمایا کہ ای فریقد تو نے فقیہ اپنی آنکھ سے کہیں دیکھا ہے فقیہ تو وہ ہے جو دنیا میں زاہد اور آخرت کا راغب اور اپنے دین میں عقل رکھنے والا اور اپنے
رب کی عبادت پر مداومت رکھنے والا اور پرہیزگار اور اپنے نفس کو مسلمانوں کی اعراض سے بچانے والا اور اُنکے مال کی طرف
رخ نہ کرنے والا اور اہل اسلام کی جماعتوں کا خیرخواہ ہو یہ ساری باتیں آپنے فرمائیں لیکن یہ نہ فرمایا کہ فروعات فتاوی کا حافظ ہو۔ اور ہم
یہ نہیں کہتے کہ لفظ فقہ احکام ظاہری کے فتاوی کو شامل نہ تھا مگر یہ کہتے ہیں کہ بطریق عموم یا تبعیت کے اُسپر بھی بولا جاتا تھا اور اکثر سلف
صالحین فقہ کو علم آخرت پر ہی بولا کرتے تھے اب جو اُسکو خاص کر دیا ہے تو اُس خصوصیت سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا اور صرف فتاوی
کے احکام ہی کے ہو رہے اور علم آخرت کو اور دلوں کے احکام سے روگردانی کرلی اور اپنی اس تجویز پر طبیعت کی طرف سے ایک سہارا پایا
کیونکہ علم باطن تو باریک ہے اور اُسپر عمل کرنا مشکل اور اُسکے باعث اور عہدوں اور جاہ و مال کا ملنا دشوار ہے اسلیے شیطان نے اس فقہ
ظاہری کی دلوں میں جمانے کا خوب ہی موقع پایا کہ وہ فقہ جو شرع میں عام علم تھا اُسکو خاص اس علم فتاوی کے لیے کر دیا دوسرا لفظ علم
ہے کہ بیشتر خدا تعالیٰ کی معرفت اور اُسکے آیات کے جاننے اور بندوں میں اور مخلوقات میں اُسکے افعال کو پہچاننے کے لیے بولتے تھے
حتی کہ جب حضرت عمر رض کی وفات ہوئی تھی تو حضرت ابن مسعود رض نے فرمایا تھا مات تسعۃ اعشار العلم اس علم کے نو دسویں حصے جاتے رہے
آپنے علم کو معرفت کہا پھر خود اُسکی تفسیر کردی کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس سے مراد ہے اس لفظ میں بھی لوگوں نے خصوصیت کا تصرف کیا ہے
یعنی اکثر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ جو شخص طرف مقابل سے مسائل فقہیہ وغیرہ میں خوب مناظرہ کرے اور اسی میں مصروف رہے حقیقت
میں عالم وہی ہے فضیلت کی پگڑی اُسی کے سر ہے اور جو مناظرہ میں مہارت نہ رکھتا ہو یا اُسمیں پہلو تہی کرے اُسکو ضعیف جانتے اور

البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے اُنکے دلوں میں اللہ سے اس سبب سے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں
ابن ابی وہیم روایت
ابن السکاری
مسند ضعیف ۱۲
ابن عبد البر
روایت ابن ابی عاصم
البتہ بیٹھوں ساتھ لوگوں کے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں صبح سے سورج نکلنے تک پسند ہے مجھے اس سے کہ آزاد کروں ۱۲
ابو داؤد
ابن عبد البر
روایت شداد بن اوس اور کہا کہ مشہور موقوف ہے نہیں ۱۲

حاذق اُسکا علاج بعض اوقات بتاتا ہو کہ دوسری طرف کے شانے پر لیپ کرو وہ اس بات کو نہایت بعید جانتا ہو اسلیے کہ اُسکو پھوڑے کے
پھوٹنے کی کیفیت اور اُسکے نکلنے کی اور بدن پر پھیلنے کی معلوم نہیں اور اسی طرح کا حال آخرت کی راہ کا اور شرع کی سنتوں اور مستحبات کے
دقائق کا ہو۔ اور شرع نے جو عقیدے لوگوں کے عبادات کے مقرر کیے ہیں اُنمیں وہ اسرار اور لطیف باتیں ہیں کہ عقل کا حوصلہ نہیں کہ اُنکو معلوم
کر سکے جیسے کہ پتھروں کے خواص میں بعض عجیب باتیں ہیں کہ اہل فنون سے اُنکا علم پوشیدہ ہو مثلاً آج تک کسی کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ مقناطیس
لوہے کو کیوں کھینچتا ہو اور دواؤں اور پتھروں کی نسبت عجائب اور غرائب عقیدوں میں اور اُن عملوں میں بہت زیادہ اور بڑھکر ہیں جنسے
دلوں کی صفائی اور طہارت اور اصلاح ہوتی ہو اور خدا تعالیٰ کے قرب کی طرف ترقی اور اُسکے فضل کے نفحات کی سیر نصیب ہوتی ہو اور جس طرح
کہ دواؤں کے کل فائدوں کے معلوم کرنے سے عقلیں قاصر ہیں باوجودیکہ تجربہ ہو سکتا ہو اسی طرح جو باتیں کہ آخرت کی زندگی کے لیے مفید ہیں
اُنکے معلوم کرنے سے بھی عقلیں عاجز ہیں اور اُسپر طرہ یہ ہو کہ اُنکا تجربہ بھی نہیں ہو سکتا ہاں تجربہ کی صورت ممکن تھی اگر بالفرض کچھ مردے دنیا میں
آکر کہا کرتے کہ جو عمل مقبول اور خدا تعالیٰ کے قرب کے مفید ہو وہ یہ ہیں اور خواص سے دور کرتے ہیں وہ یہ ہیں اسی طرح عقائد کا حال
کہدیا کرتے مگر اس طرح کے تجربے کی طمع نہیں ہو سکتی اس صورت میں عقل کا نفع اسقدر تمکو بس ہو کہ وہ تمکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے سچا جاننے کی طرف ہدایت کرے اور آپکے اشاروں کے منشا اور مورد سمجھا دے پس جب یہ صورت ہو جاوے تو اُسکے بعد عقل کو
معزول کر دو کہ کچھ تصرف نہ کرے اور اتباع کو اپنے اوپر لازم کر و کیونکہ تمھاری سلامتی اتباع ہی سے ہوگی اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ان من العلم جهلا وان من القول عيا اور ظاہر ہو کہ علم تو جہل نہیں ہوا کرتا مگر اُسکی تاثیر ضرر پہونچانے میں جہل کی طرح ہوتی ہو
اور نیز ارشاد فرمایا کہ تھوڑی سی توفیق بہت سے علم سے بہتر ہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہو کہ درخت بہت سے ہیں مگر
سب بار آور نہیں اور پھل بہت سے ہیں مگر سب بہتر نہیں اور علوم بہت سے ہیں الا سب مفید نہیں **دوسرا بیان** اُن علوم کے ذکر میں
جنکے لفظ بدل گئے ہیں۔ واضح ہو کہ برے علم جو شرعی علوم میں مل جل گئے اُسکا سبب یہی ہو کہ لوگوں نے عمدہ ناموں کو اپنی فاسد
غرضوں کی جہت سے اور معنوں میں بدل ڈالا ہو اور جو غرض اُن الفاظ سے پہلے پاک بحث اور قرن اول کے لوگ لیا کرتے تھے اُس سے
اُن الفاظ کو تحریف کرکے اور مقصود ٹھہرا لیا ہو اور وہ پانچ لفظ ہیں فقہ اور علم اور توحید اور تذکیر اور حکمت یہ الفاظ عمدہ ہیں اور جو لوگ
اُنکے ساتھ موصوف تھے وہ دین کے رکن ہوتے تھے مگر اب الفاظ برے معنوں میں منقول ہو گئے ہیں اسی لیے جو ان سے موصوف
ہوتا ہو اُسکی مذمت کرنے سے دلوں کو نفرت ہوتی ہو کیونکہ یہ اول عمدہ لوگوں پر بولے جاتے تھے مثلاً **اول** لفظ فقہ ہو اسمیں لوگوں
نے خصوصیت لگانے کا تصرف کیا ہو نقل و تبدیل نہیں کی یعنی فقہ کو اس معنی میں خاص کر دیا کہ فتووں کے عجیب فروعات اور اُنکی
علتوں کے دقائق کو جاننا اور اُنمیں بہت سی گفتگو کرنی اور جو اقوال اُنسے متعلق ہوں اُنکو یاد کرنا فقہ کہلاتا ہو تو جو شخص ان باتوں میں خوب
غور کرتا ہو اور زیادہ مشغول ہو وہ بڑا فقیہ کہلاتا ہو حالانکہ پہلے زمانے میں لفظ فقہ کے یہ معنی نہ تھے بلکہ مطلق طریق آخرت اور نفسوں کی آفتوں
کے دقائق اور مفسدات عماون کے جاننے اور دنیا کی حقارت کو خوب طرح حاوی ہونے اور لذت آخرت سے اچھی طرح واقف ہونے
اور دل پر خوف چھا جانے کا نام فقہ تھا اور اُسکی دلیل یہ ارشاد خداوندی ہو لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم تو جس
فقہ سے کہ ڈرانا اور خوف دلانا ہوتا ہو وہی فقہ ہو جو ہمنے بیان کی نہ طلاق اور عتاق کے مسئلے اور لعان اور سلم اور اجارہ کے فروعات کہ
اُنسے ڈرانا اور خوف دلانا کچھ بھی نہیں بلکہ اگر ہمیشہ اُنھیں کا ہو رہے تو دل کو سخت کرتے ہیں اور خوف کو دل سے نکال لیتے ہیں چنانچہ جو لوگ
اب اُنھیں کے درپے ہو رہے ہیں اُنکا حال دیکھتے ہی ہو اور اللہ جل شانہ نے بھی ارشاد فرمایا ہو لهم قلوب لا یفقهون بها اس سے ایمان
کی باتیں نہ سمجھنے سے مراد ہو فتووں کے نہ سمجھنے سے غرض نہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ فقہ اور فہم ایک ہی معنی کے لیے دو لفظ

عرض کرتے تھے اس مقام کو توحید کہا کرتے تھے اور یہ مقام صدیقوں کا ہے تو دیکھو کہ لوگوں نے اسکو کس چیز کی طرف بدل ڈالا اور کون سے
پوست پر اکتفا کر لیا اور اسکو مدح اور فخر کے باب میں کیسے تمسک ٹھہرا لیا باوجودیکہ جو اصل تعریف کی بات تھی اس سے بالکل خالی ہیں اور
اسکا حال ایسا ہی ہے جیسا کوئی صبح کو اٹھکر قبلہ رخ ہو کر کہے وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا کہ اگر اسکے دل کی توجہ خاص
خدائے تعالی کی طرف نہ ہوگی تو ہر روز اول ہی اول خدائے تعالی سے جھوٹ بولا کریگا اسلیے کہ منہ سے مراد اگر ظاہر کا رخ ہے تو اسکا رخ تو
کعبے کی طرف ہے اور اسکو صرف اور جہتوں سے پھیر کر کعبے کی طرف کیا ہے اور کعبہ آسمان و زمین بنانے والے کی طرف نہیں کہ جو کعبہ
کی طرف متوجہ ہو جاوے وہ تو جہتوں کے احاطے سے برا ہے اور اگر منہ سے مراد دل کی توجہ ہے جو مقصود عبادت ہے تو جس صورت میں
کہ دل دنیاوی حاجات اور اغراض میں مبتلا ہے اور مال اور جاہ کے جمع کرنے کے حیلے بنا رہا ہے اور بالکل اسی کی طرف متوجہ ہے اس صورت
میں یہ قول کیسے سچا ہوگا کہ میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جسنے آسمان و زمین بنائے یہ جملہ اصل حقیقت توحید سے خبر دیتا ہے واقع میں
توحید والا وہی ہے کہ سوائے واحد حقیقی کے اور کسی کو نہ دیکھے اور اپنے دل کے رخ کو بجز اسکے اور طرف نہ پھیرے اور یہ توحید اس ارشاد کا
ماننا ہے کہ قل اللہ ثم ذرہم فی خوضہم یلعبون اور اس سے مراد زبانی قول سے نہیں اسلیے کہ زبان تو دل کے حال سے خبر دیتی ہے کبھی سچی
ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی اور اللہ تعالی کے دیکھنے کی جگہ دل ہے جو توحید کا معدن اور منبع ہے چوتھا لفظ ذکر و تذکیر ہے جسکے باب میں اللہ تعالی
فرماتا ہے وذکر فان الذکری تنفع المومنین اور ذکر کی مجلسوں کی تعریف کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں مثلا ارشاد فرمایا اذا مررتم بریاض
الجنة فارتعوا قیل وما ریاض الجنة قال مجالس الذکر اور دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے ان اللہ تعالی ملائکة سیاحین فی الهواء سوی ملائکة الخلق
اذا راوا مجالس الذکر ینادی بعضهم بعضا الا هلموا الی بغیتکم فیاتونهم ویحفون بهم ویستمعون الا فاذکروا الله وذکروا انفسکم اس ذکر و تذکیر کو لوگوں
نے بدل کر ان باتوں کا نام رکھ دیا جنکو ہمارے زمانے کے واعظ عام بیان کرتے ہیں یعنی قصے اور اشعار اور شطح اور طامات حالانکہ قصے بدعت
ہیں اور اکابر سلف نے قصہ گو کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ قصے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے وقت میں نہ تھے نہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے وقت میں تھے یہانتک کہ فتنہ پیدا ہوا اور قصہ گو نکل کھڑے ہوئے۔ اور ابن عمرؓ
سے مروی ہے کہ ایک روز وہ مسجد سے نکلے اور فرمایا کہ مجکو قصہ گو ہی نے مسجد سے نکالا اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ نکلتا۔ اور وہ ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے
سفیان ثوری رح سے کہا کہ ہم قصہ گو کی طرف اپنے منہ کریں انہوں نے فرمایا کہ بدعتوں کی طرف سے اپنی پیٹھ پھیر لیا کرو۔ اور ابن عون
کہتے ہیں کہ میں ابن سیرین کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آج کچھ اچھا ہوا کہ امیر نے قصہ گوؤں کو قصہ کہنے سے منع کر دیا آپنے فرمایا کہ امیر کو
بہتر توفیق ملی۔ اور اعمش رح بصرہ کی جامع مسجد کے اندر تشریف لیگئے دیکھا کہ ایک شخص بیان کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہمسے اعمش نے روایت
کی کہ آپ حلقے کے اندر گھس گئے اور اپنی بغل کے بال اکھاڑنے لگے واعظ نے کہا کہ میاں تمہیں شرم نہیں آتی اعمش نے فرمایا کہ میں کیوں
شرم کروں میں تو امر مسنون کر رہا ہوں اور تو جھوٹا ہے کہ کہتا ہے اعمش نے ہمسے کہا ہے میں اعمش ہوں میں نے تجھسے نہیں کہا۔ اور احمد رح کا
ارشاد ہے کہ سب لوگوں میں زیادہ جھوٹے قصہ گو اور بھیک مانگنے والے ہیں۔ اور حضرت علیؓ نے بصرہ کی جامع مسجد میں سے قصہ گو کو
نکلوا دیا اور جبکہ حضرت حسن بصری رح کا کلام سنا تو انکو نہ نکالا اسلیے کہ وہ علم آخرت اور موت کے یاد دلانے اور نفس کے عیوب اور آفتوں
کے عمل پر متنبہ کرنے اور شیطانوں کے وسوسے اور انسے بچنے کی تدبیر کے باب میں گفتگو کرتے تھے اور خدائے تعالے کی نعمتوں کا اور
انکی شکر گزاری سے بندہ کا قاصر ہونا ذکر کرتے تھے اور دنیا کی حقارت اور عیب اور ناپائداری اور بیوفائی اور آخرت کا خطرہ اور اسکے
احوال کا اندیشہ بتاتے تھے حاصل یہ کہ عمدہ تذکیر شرعی یہی ہے جسکے لیے اس حدیث میں ترغیب وارد ہے جو ابو ذر رض سے مروی ہے کہ مجلس ذکر
میں حاضر ہونا ہزار رکعت کے پڑھنے سے بہتر ہے اور مجلس علم میں آنا ہزار بیماروں کی عیادت سے اور ہزار جنازہ کے ساتھ ہونے

اہل علم میں شمار نہیں کرتے حالانکہ علم کے یہی پہلے نہ تھے یہ انھیں لوگوں کا تصرف ہی بلکہ جو کچھ علم اور علما کی فضیلت میں وارد ہوا ہی
وہ انھیں علما کی صفت ہی جو خدا تعالی اور اُسکے احکام اور افعال اور صفات کو جانتے ہوں اب عالم اُسکو کہنے لگے کہ علم شرع سے
تو کچھ بھی نہ جانتا ہو صرف مسائل خلافی میں لڑنے جھگڑنے کا طریق یاد ہو اسی سے یکتا عالموں میں گنے جاتے ہیں گو تفسیر اور حدیث
اور مذہب وغیرہ کو خاک نہ جانتے ہوں اور یہی امر بہت سے طالب علموں کے حق میں سب مہلک ہو گیا ہی تغییر لفظ توحید ہی جسکے
معنی اب یہ ٹھہرے ہیں کہ فن کلام اور طریق جدل سے واقف ہونا اور طرف ثانی کی مخالف باتوں پر حاوی ہونا اور اُن باتوں کے
باب میں بہت سے سوال باندھ لینے اور کثرت سے اعتراض نکال لینے اور طرف ثانی کو الزام دینا یہانتک کہ اکثر حدیث فرقوں نے ایسے
لوگوں میں سے اپنا لقب اہل عدل و توحید ٹھہرایا ہی اور کلام والوں کا نام توحید کے عالم رکھا ہی باوجودیکہ جو باتیں خاص اس فن کی ہیں انمیں
سے کوئی بھی قرن اول میں نہ تھی بلکہ وہ لوگ اُس شخص پر جو جدل اور خصومت کا باب کھولتا تھا سخت انکار سے پیش آتے تھے اور جن
باتوں پر کہ قرآن مجید شامل ہی یعنی دلیلیں صاف صاف کہ ذہن اُنکے ماننے کو مبادرت کرتے ہیں اور سنتے ہی قبول کرتے ہیں انکو انمیں
سے ہر ایک شخص جانتا تھا اور قرآن مجید کا علم پورا علم تھا اور اُنکے نزدیک توحید امر آخرت کو کہتے تھے جسکو اکثر کلام والے نہیں سمجھتے اور اگر
سمجھتے ہیں تو اُسپر عمل نہیں کرتے اور وہ یہ ہی کہ سب کاموں کا خدا تعالی کی طرف سے اعتقاد کرے اس طرح کہ پھر توجہ اسباب اور ذریعہ
کی طرف نہ رہے یعنی خیر اور شر کو بجز خداوند کریم کے اور کسی طرف سے اعتقاد نہ کرے اور یہ توحید ایک بڑا مرتبہ ہی جسکا ایک ثمرہ توکل ہی جسکا
بیان باب توکل میں آویگا اور اسکا ایک ثمرہ خلق کی شکایت نہ کرنی اور اُن پر غصہ نہ کرنا اور خدا تعالی کے حکم پر راضی رہنا اور سب کام اُسی
کے حوالہ کر دینے ہیں اور اسی توحید کا ایک ثمرہ یہ تھا کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ بیمار ہوے اور لوگوں نے کہا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلا دیں
تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ طبیب ہی نے مجھے بیمار کیا ہی۔ اور ایک روایت یوں ہی کہ جب آپ بیمار ہوے اور لوگوں نے کہا کہ طبیب نے آپکے
مرض کے باب میں کیا کہا ہی تو آپ نے فرمایا کہ طبیب نے کہا ہی انی فعال لما یرید یعنی میں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔ اور عنقریب باب توکل
اور توحید میں انشاء اللہ اسکے دلائل مذکور ہونگے۔ اور توحید ایک جوہر نفیس ہی اور اُسکے دو پوست ہیں کہ ایک مغز سے نسبت دوسرے کے
دور ہی لوگوں نے لفظ توحید پوست کے لیے اور اُس مغز کے لیے جس سے پوست کی حفاظت ہو خاص کر دیا اور مغز کو بالکل چھوڑ دیا پس
توحید کا اول پوست تو یہ ہی کہ اپنی زبان سے کہو لا الہ الا اللہ اور یہ توحید وہ ہی جو تثلیث کے خلاف ہی جسکے قائل نصاری ہیں مگر یہ توحید کبھی
منافق سے بھی سرزد ہوتی ہی جسکا باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہی۔ اور دوسرا پوست توحید کا یہ ہی کہ جو قول زبان سے کہا ہی دل میں اُسکے
مضمون کا خلاف اور انکار نہو بلکہ ظاہر قلب میں اُس مضمون کا اعتقاد اور تصدیق موجود ہو اور یہ توحید عوام کی ہی اور کلام والے اسی
توحید کو اہل بدعت سے بچاتے ہیں جیسا پہلے گذرا۔ اور مغز توحید یہ ہی کہ سب امور کو خدا تعالی کی طرف اس طرح اعتقاد کرے کہ بیچ کے
واسطوں پر التفات نہ رہے اور اُسکی عبادت ایسی طرح کرے کہ اُس سے خاص اُسی کو معبود ٹھہراوے دوسرے کی عبادت نہ کرے اس
توحید سے جو خواہش نفس کے پیرو ہیں وہ خارج ہیں اسلیے کہ جو شخص اپنی خواہش کی اتباع کرتا ہی وہ اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیتا ہی
چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہی افرایت من اتخذ الہہ ہواہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ بڑا
معبود جسکی پرستش زمین میں کیجاوے وہ خواہش نفس ہی اور واقع میں اگر کوئی تامل کرے تو جانے کہ بت پرست بت کی عبادت نہیں
کرتا بلکہ اپنی خواہش نفس کی عبادت کرتا ہی اسلیے کہ اُسکا نفس اپنے باپ دادوں کے دین طرف مائل ہی اور وہ اُسی میل کا اتباع کرتا ہی
اور نفس کا میل کرنا جو گرفتہ چیزوں کی طرف انھیں باتوں میں سے ہی جنکو خواہش نفس کہتے ہیں اور اُس توحید سے خلق پر غصہ کرنا اور
اُنکی طرف التفات کرنا بھی خارج ہی اسلیے کہ جو شخص سب باتوں کو خدا تعالی کی طرف سے اعتقاد کریگا وہ دوسرے پر کیسے غصہ کریگا

شعر استعمال نہ کرنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً اور اگر مجلس میں دین کے خواص جمع ہوں
اور معلوم ہو کہ انکے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انکے ساتھ کوئی اور نہو تو ایسے لوگوں کے حق میں وہ شعر مضر نہیں
کرتا جو ظاہر میں خلق کی طرف معلوم ہوتا ہو اسلیے کہ سننے والا جو کچھ سنتا ہے اسکو اسی چیز پر ڈھال لیتا ہے جو اسکے دل پر غالب ہوتی ہے جنانچہ
اسکی تحقیق باب السماع میں مذکور ہوگی اور اسی وجہ سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اوپر دس آدمیوں میں وعظ کہا کرتے اور اگر زیادہ ہوتے
تو کچھ نہ کہتے اور آپکی مجلس میں کبھی پورے بیس آدمی نہوے اور ایکبار ابن سالم کے مکان کے دروازے پر کچھ لوگ جمع ہوئے آپسے کسی نے
کہا کہ آپ بیان فرمائیے آپکے یار موجود ہیں انھوں نے فرمایا کہ یہ میرے یار نہیں یہ تو مجلس کے لوگ ہیں میرے اصحاب خاص لوگ ہیں اور
شطح سے ہماری غرض کلام کی ان دو قسموں سے ہے جسکو بعض صوفیوں نے گڑھا ہے ایک تو عشق الٰہی میں اور وصال ہونے میں بڑے
لمبے چوڑے دعوے جنکے بعد اعمال ظاہری کے کچھ حاجت نہ رہی یہانتک کہ بعض لوگ اتحاد کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
حجاب اُٹھ گیا اور دیدار کا مشاہدہ ہوتا ہے اور خطاب حضوری حاصل ہے اور کہتے ہیں کہ ہمکو یہ حکم ہوا اور ہمنے یہ کہا اور اس بات میں حسین
بن منصور حلاج کی مشابہت کرتے ہیں جو اسی طرح کے چند کلمات کے بولنے سے سولی دیا گیا تھا اور اسکے انا الحق کہنے کو اور حضرت ابو یزید
بسطامی کے قول کو سند لاتے ہیں یعنی آپ سے بھی منقول ہے کہ آپ نے سبحانی سبحانی کہا تھا اور یہ قسم کلام کا ایسا ہے کہ جسکا ضرر عوام میں بہت
ہوا ہے یہانتک کہ بعض کسانوں نے اپنا کام چھوڑ کر اسی طرح کے دعوے کرنے شروع کر دیے اسلیے کہ یہ کلام طبیعت کو اچھے معلوم ہوتے ہیں
کہ اسمیں کچھ ظاہری عمل نہیں کرنا پڑتا نہ مقامات اور احوال کے لیے نفس کا تزکیہ کرنا پڑے تو پھر کم فہم اپنے لیے ایسا دعویٰ کیوں نہ کریں اور
کلمات خبط اور مہمل کیوں نہ بکیں اور اگر کوئی انپر اس بات میں انکار کرے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس انکار کا منشا علم اور مناظرہ ہے اور
علم حجاب ہے اور مناظرہ نفس کا عمل ہے اور یہ بات جو ہمکو حاصل ہے بذریعہ مکاشفہ نور حق کے صرف باطن سے معلوم ہوا کرتی ہے غرضکہ
اس طرح کے امور جہاں میں پھیل گئے اور انکا ضرر عوام کو اتنا پہنچا کہ اگر انمیں سے کوئی اسطرح کی کچھ بات کہے تو اسکا مار ڈالنا دین میں
آدمیوں کے زندہ رکھنے کی نسبت زیادہ اچھا ہو۔ اور حضرت ابو یزید سے جو قول منقول ہے اول تو اسکی صحت میں کلام ہے اور اگر بالفرض آپسے
وہ الفاظ کسی نے سنے تو غالبًا بر سبیل حکایت خدا تعالیٰ کے ارشاد کو اپنے جی میں مکرر کہتے ہوں گے جیسے مثلًا یہ آپ کہتے ہوئے اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ
لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ تو اس سے یہ سمجھنا نہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنا حال بیان کرتے ہیں بلکہ بطور حکایت ہی جاننا چاہیے تھا۔ دوسری قسم
شطح کی وہ کلمات ہیں کہ سمجھ میں نہ آویں ظاہر کے تو اچھے ہوں اور انکے معانی ہولناک اور فائدہ کسی طرح کا انسے متعلق ہو اور یہ کلمات یا تو
خود کہنے والے کے بھی سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اپنی عقل کے خبط اور خیال کی پریشانی کے باعث کہتا ہے اور اس خبط کی وجہ یہ ہے کہ جو کلام
اسکے کان میں پڑتا ہے اسکے معنی کم یاد کرتا ہے اور اکثر تو ایسا ہی ہے یا خود تو سمجھتا ہے لیکن انکو دوسروں کو نہیں سمجھا سکتا اور ایسی عبارت
نہیں لا سکتا جس سے اسکا مافی الضمیر معلوم ہو اس جہت سے کہ علم کی مہارت کم ہے اور طریق معانی کو الفاظ میں ادا کرنے کا نہیں سیکھتا
اور اس طرح کے کلام سے کچھ فائدہ نہیں مگر اسکے کہ دلوں کو پریشان اور عقلوں اور ذہنوں کو حیران کرے یا اس سے وہ معنی سمجھ لیے جاویں
جو اس سے مقصود نہیں اور اس صورت میں ہر ایک شخص اسکو اپنی خواہش اور طبیعت کے موجب سمجھیگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی تم میں سے کسی قوم سے ایسی حدیث بیان کریگا جسکو وہ نہ سمجھیں تو وہ انپر ایک بلا ہوگی اور فرمایا لوگوں
سے وہ باتیں کرو جنکو وہ جانتے ہوں اور جنکو نہ جانتے ہوں انکا ذکر نہ کرو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی تکذیب ہو اور یہ
بات جب کلام کے باب میں ہے کہ کہنے والا تو اسکو سمجھتا ہو مگر سننے والے کی عقل اسکو نہ پہنچتی ہو کہ ایسے کلام کا کہنا جائز ہوگا اس سے معلوم
ہوا ہے کہ جس کلام کو خود کہنے والا بھی نہ سمجھے اسکو کہنا کیسے درست ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حکمت ایسے لوگوں کو

لح بخاری
روایت ال
ن کعب ۱۲
ت ۲ شکر
پہلی اللہ
موں کسی کو
مدگی نہیں
سوا سیکڑ
سو بری
مدگی کرے
اپ سورۂ کلا
کی ورانح
ان کسی اور
او ضمیر روایہ

اچھا ہے کسی نے پوچھا کہ یا حضرت قرآن مجید کی تلاوت سے بھی افضل ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن کا پڑھنا بھی علم ہی سے مفید ہے اور عطا کا قول ہے کہ ایک مجلس ذکر کی ستر لہو کی مجلسوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ ان چکنی باتیں ماننے والوں نے ان باتوں کو اپنے نفسوں کی صفائی کے لیے ٹھہرا لیا ہے اور ایسی خرافات کا نام تذکیر رکھ لیا ہے حالانکہ عمدہ ذکر کی راہ بھول کر قصوں میں مصروف ہیں جس میں کمی اور بیشی اور اختلاف کو دخل ہے اور جو قصے کہ قرآن میں وارد ہیں اُنسے خارج اور زائد ہیں اسلیے کہ قصے بعضے ایسے ہیں جن کا سننا مفید ہوتا ہے اور بعضوں کا سننا مضر ہوتا ہے اگرچہ سچے ہوں اور جو شخص اس امر کو اپنے لیے اختیار کرتا ہے اسمیں سچ اور جھوٹ ملاتا ہے اور مفید اور مضر میں اختلاط ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس سے منع کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ لوگوں کو سچے حالات بیان کرنے والے کی بڑی ضرورت ہے پس اگر قصہ کسی نبی کا انبیا علیہم السلام سے ہو اور وہ لوگوں کے دین سے متعلق ہو اور کہنے والا بھی سچا ہو تو ایسے قصے کے سننے میں تو ہمکو کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا مگر بیان کرنے والے کو چاہیے کہ جھوٹ سے احتراز کرے اور نیز ان احوال کی حکایتوں سے جن میں لغزشوں اور سستیوں اشارہ پایا جاوے جنکے دریافت کرنے سے عوام کی فہم قاصر ہو اور ایسی لغزش نادر کو بھی ذکر نہ کرے جسکے پیچھے لغزش کرنیوالے نے بہت سی نیکیاں کی ہوں جیسے وہ لغزش چھپ گئی ہو اسلیے کہ عامی شخص اس سے اپنی لغزش اور خطا پر تمسک کیا کرتا ہے اور اپنے واسطے عذر کی تمہید کرنیکے بعد یوں کہا کرتا ہے کہ فلاں مشائخ کے حال میں یوں بیان کرتے ہیں اور ہم سب گناہوں کے درپے رہتے ہیں اگر میں نے خطا کی تو کیا عجب ہے فلاں شخص جو ایسا بزرگ اور مجھ سے افضل تھا اس سے بھی یہ خطا ہو گئی تھی اور اس بات سے اسکو دون حاصل خدا تعالی پر جرأت ہو جاتی ہے پس ان دونوں امر سے اگر قصہ گو بچا رہے تو قصہ بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور ان قیدوں کے ساتھ بھی عمدہ قصے وہی رہینگے جنکو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ شامل ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ طاعتوں کے باب میں رغبت کی حکایتیں گڑھ لینی درست جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا قصد اُنسے خلق کو حق کی طرف بلانے کا ہے اور یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے اسلیے کہ سچ میں بہت گنجایش ہے وہ کیا تھوڑا ہے کہ جھوٹ کی حاجت ہو اور جو چیزیں کہ اللہ تعالی اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمائی ہیں اُنکے ہوتے ہوئے وعظ میں نئی بات اختراع کی ضرورت نہیں اور کہنے سے کہ قافیہ کا تکلف مکروہ ٹھہرا ہے اور بناوٹ میں شمار کیا گیا چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عمر اُنکے پاس کسی کام کے لیے آئے تھے آپ نے سنا کہ مقفی عبارت سے حاجت بیان کرتے ہیں آپ نے کہا کہ اسی سے میں تجھکو برا جانتا ہوں تیری حاجت کبھی ادا نہ کرونگا جب تک کہ تو توبہ نہ کریگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن رواحہ سے تین کلمے مقفی سنکے ارشاد فرمایا کہ اے ابن رواحہ اپنے آپ کو سجع سے دور رکھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سجع دو کلموں سے زیادہ ہو وہ داخل تکلف اور ممنوع تھا اور اسی جہت سے جب ایک شخص نے جنین کے خونبہا میں یہ الفاظ کہے کیف ندی من لا شرب ولا اکل ولا صاح ولا استہل ومثل ذلک یطل یعنی ہم ایسے کی دیت کیسے دیں جسنے نہ پانی پیا نہ کھایا نہ چیخا نہ چلایا اس جیسا تو معافی میں ہوتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ عرب کے سجع کے موافق سجع کرے اور اشعار کا حال یہ ہے کہ وعظوں میں اُنکی کثرت بُری ہے اللہ تعالے فرماتا ہے والشعراء یتبعھم الغاوون الم تر انھم فی کل واد یھیمون اور فرمایا وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ اور جن شعروں کی عادت واعظوں کو ہے وہی ہے اُنمیں سے اکثر وہی ہوتے ہیں جن میں عشق کا وصف اور معشوق کی خوبصورتی اور وصال کی راحت اور جدائی کا درد مذکور ہوتا ہے اور مجلس واعظ میں عوام اور اجلاف ہی بھرے رہتے ہیں اور اُنکے باطن شہوات سے پر ہوتے ہیں اور اُنکے دل بھی خوبصورتوں کی طرف التفات کرنے سے خالی نہیں ہوتے پس اشعار اُنکے دلوں میں سے اس چیز کو ابھارتے ہیں جو اُنمیں چھپی رہتی ہے اسی لیے شہوات کی آگ اُنمیں بھڑک اٹھتی ہے اور چیختے ہیں اور حال کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ شعروں میں سے اکثر یا سب کا انجام ایک طرح کی خرابی ہوتا ہے ان نظر سے بجز ان اشعار کے جنمیں نصیحت اور حکمت ہو اور وہ بھی دلیل اور دانش دلانے کے طور پر مذکور ہوں اور کسی قسم کا

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا تھا اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل اور جو شخص طامات والوں میں کا اس جیسے تاویلات کو درست
کہتا ہے یا خود یقیناً اُسے معلوم ہے کہ یہ معنی اُن لفظوں سے مقصود نہیں اور پھر کہتا ہے کہ میرا ارادہ اِس سے لوگوں کو خدای تعالیٰ کی طرف بلانے کا ہے
تو اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسے امر میں جو واقع میں حق ہو مگر شریعت میں اُسکا ذکر نہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیث
باندھے یا ہر ایک مسئلہ میں کہ حق سمجھے ایک حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے موضوع کر لے تو یہ امر ظلم اور گمراہی اور اس حدیث
شریف کے مضمون میں داخل ہوتا ہے من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار بلکہ الفاظ کی تاویل کرنی اس سے بھی بڑھکر ہے اسلیے کہ
اُس سے تو الفاظ کا اعتبار ہی بیکار ہوتا ہے اور قرآن کے سمجھنے اور اس سے فائدہ لینے کے طریق کو بالکل برہم کرتا ہے سو تمکو معلوم ہوا کہ
شیطان نے لوگوں کے ارادہ کو اچھے علموں کی طرف سے کس طرح بُرے علموں کی طرف پھیر دیا اور یہ ساری باتیں علماے بد کے
نام بدلنے کی بدولت ہیں پس اگر تم اُنکا اتباع صرف شہرت کے اعتبار پر کروگے اور جو معانی کہ اول قرن میں معروف تھے اُنکی طرف
توجہ نہ کروگے تو تمہارا حال وہ ہوگا کہ حکمت کے سبب سے شرف کی طلب میں کسی نام کے حکیم کا اس زمانے میں اتباع کرو اور یہ خبر نہو
کہ حکمت پہلے کیا تھی اور اب کیا ہے پانچواں لفظ حکمت ہے کہ حکیم کا لفظ طبیب اور شاعر اور منجم پر بولتے ہیں بلکہ جو شخص سڑکوں پر
عوام کے ہاتھوں میں قرعہ ڈالتا ہے اُسکو بھی حکیم کہتے ہیں حالانکہ حکمت وہ ہے جسکی خداے تعالیٰ تعریف بیان فرماتا ہے یؤتی الحکمۃ من یشاء
ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے باب میں فرمایا کہ حکمت کا ایک کلمہ اگر آدمی سیکھے تو اُسکے حق میں
دنیا وما فیہا سے بہتر ہے اب تامل کرو کہ پہلے حکمت کیا تھی اور بالفعل کس طرف منقول ہوگئی اور اسی پر باقی الفاظ کو قیاس کرلو اور علماے بد کے
دھوکے اور فریب میں نہ آؤ اسلیے کہ دین پر اُنکی خرابی بہ نسبت شیطانوں کے بڑھکر ہے کیونکہ شیطان اُنہیں کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں
میں سے دین کو نکالتے ہیں اور اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ بدترین خلق کون ہیں تو آپ نے
انکار کیا اور فرمایا کہ الٰہی مغفرت کر یہانتک کہ مکرر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ علماے بد ہیں۔ پس اچھے اور بُرے علم کو تم جان چکے اور
یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دونوں ایک دوسرے میں کس وجہ سے ملتبس ہوجاتے ہیں تو اب تمہیں اختیار ہے کہ اپنے نفس کی بھلائی چاہو تو سلف
کا اقتدا کرو اور اگر چاہو فریب میں گرنا ہو تو پچھلوں کی مشابہت اختیار کرو جتنے علوم کہ سلف کو پسند تھے وہ سب مٹ گئے اور جن پر کہ اب
لوگ اوندھے منہ گرتے ہیں وہ اکثر بدعت اور نوپیدا ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا سچا ہے کہ بدا الاسلام غریبا وسیعود غریبا کما
بدا فطوبی للغرباء، قیل ومن الغرباء، قال الذین یصلحون ما افسدہ الناس من سنتی والذین یحیون ما اماتوہ من سنتی اور دوسری روایت
میں ہے کہ وہ لوگ اُس چیز پر تمسک رکھنے والے ہونگے جس پر تم آج متمسک ہو اور ایک اور حدیث ہے کہ غربا کمتر نیکبخت لوگ ہیں بہت سے
لوگوں میں اور خلق میں اُنسے بغض رکھنے والے بہت ہوتے ہیں بہ نسبت دوستی رکھنے والوں کے اور یہ علوم اس طرح کے غریب ہوگئے
کہ جو کوئی انکا ذکر کرتا ہے اُسکے لوگ دشمن ہوجاتے ہیں اور اسی لیے سفیان ثوری نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی عالم کے دوست بہت دیکھو تو
جان لو کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے والا ہے اسواسطے کہ اگر حق ہی کہتا تو لوگ اُس سے عداوت رکھتے۔ تیسرا بیان
عمدہ علموں میں سے مقدار محمود کے ذکر میں۔ واضح ہو کہ علم اس اعتبار سے تین قسم پر ہے ایک تو وہ کہ اُسمیں سے تھوڑا اور بہت
بُرا ہی ہو دوم وہ کہ اُسکا قلیل اور کثیر اچھا ہو اور جسقدر زیادہ ہووے اسی قدر بہتر اور عمدہ ہے سوم وہ کہ اُسمیں سے بقدر کفایت تو
اچھا ہو اور مقدار کافی سے زائد قابل تعریف نہو اور یہ تینوں قسمیں مثل بدن کے حالات کے ہیں کہ اُن میں سے بعض حالت خواہ تھوڑی
ہو یا بہت اچھی گنی جاتی ہے جیسے تندرستی اور خوبصورتی اور بعض حالات بُری گنی جاتی ہے کم ہو یا زیادہ جیسے بدصورتی اور بدخلقی اور بعض
حالتیں ایسی ہیں کہ میانہ روی اُنمیں محمود ہوتی ہے جیسے مال کا دینا کہ اسراف قابل تعریف نہیں گو وہ بھی خرچ کرنا ہے جیسے

[illegible]

جو لوگ کہ میرے پیچھے کسی سنت کو
بگاڑ ڈالیں لوگوں نے آپ نے فرمایا وہ
اصلاح کرتے ہیں میری سنت
کی کہ اُسکو لوگوں نے بگاڑ دیا
ہو اور جس سنت کو لوگوں نے
فنا کردیا ہو اُسکو قائم کرتے ہیں
۱۲ ترمذی روایت عوف ۱۲
ع اُنکی اصل ہیں کی ۱۲
ع احمد نے روایت عبداللہ
بن عمر اور اُسکے اسناد میں
ایک راوی ابن لہیعہ ہیں ۱۲

مت سناؤ جو اسکے لائق ہوں ورنہ حکمت پر تمہاری زیادتی ہوگی اور جو اسکے اہل ہوں انسے حکمت کو مت روکو کہ ان پر ظلم ہوگا ایسا حال تم
دل طبیب کی طرح کرلو کہ جہاں مرض دیکھے وہاں دوا لگا دے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص حکمت نا اہلوں میں بیان کرے وہ
جاہل ہے اور جو حکمت کے اہل سے اسکو روکے وہ ظلم کرتا ہے حکمت کا ایک حق ہے اور کچھ لوگ اسکے اہل ہیں پس ہر ایک اہل حق کو اسکا حق دینا
چاہیے۔ اور طامات میں وہ امور بھی داخل ہیں جو ہمنے شطح میں ذکر کیے ہیں اور ایک امر اسکے علاوہ ہے کہ وہ خاص طامات میں ہے یعنے
شریعت کے ظاہر الفاظ سے جو مراد مفہوم ہوتی ہے اسکو نہ لینا اور ایسے امور باطنی ایسے نکال لیے کہ ذہن میں انکا فائدہ نہ آتا ہو جیسے فرقہ باطنیہ
قرآن مجید میں تاویلیں کرتے ہیں تو یہ بھی حرام ہے اور اسکا نقصان بہت زیادہ ہے اسلیے کہ جب الفاظ کے ظاہری معنی بدون دلیل نقلی شارع
کے اور بدون کسی حاجت و ضرورت عقلی کے چھوڑ دیے گئے تو اس سے الفاظ پر اعتماد جاتا رہیگا اور اس سے کلام خدا اور کلام رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کا نفع ساقط ہوگا کیونکہ جو کچھ لفظوں سے سمجھا جاتا ہے اسپر تو اعتماد نہ رہا اور باطن سب کا ایک طرح کا نہیں ہوتا انمیں خطرے
ایک دوسرے کے خلاف ہوا کرتے ہیں اور مختلف طور پر الفاظ کو ڈھال سکتے ہیں یہ امر بھی بڑے عام بدعتوں میں سے ہے جسکا ضرر زیادہ
ہوتا ہے اور طامات والوں کا مقصود ایک امر عجیب نکالنا ہے اسلیے کہ عجیب کی طرف نفس مائل ہوتا ہے اور اس سے لذت پاتا ہے اس تدبیر
سے باطنیہ فرقہ نے ساری شریعت کو برباد کر دیا کہ ظاہر الفاظ کو تاویلیں کرکے اپنی رائے کے موافق بنالیا چنانچہ انکے مذہب ہمنے
کتاب مستظہری میں جو اس فرقہ کے رد میں بنائی ہے لکھے ہیں۔ اور طامات والوں کی تاویل کرنے کی یہ مثال ہے کہ بعض اس آیت کے
معنی اذهب الی فرعون انه طغی یوں کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ دل کی طرف ہے اور فرعون سے مراد وہی ہے اور سرکش بھی ہر ایک انسان
پر وہی ہے اور وان الق عصاک کے معنی یہ کہتے ہیں کہ بجز خدا تعالیٰ کے جس چیز پر بھروسا اور اعتماد ہو اسکو ڈالدینا چاہیے اور اس حدیث
میں کہ تسحروا فان فی السحور برکۃ یہ کہتے ہیں کہ مراد سحر کے وقت استغفار سے ہے اور اسی طرح تاویلات کرتے ہیں یہانتک کہ قرآن کو اول سے
آخر تک ظاہری معنی اور اس تفسیر سے جو حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے علما سے منقول ہے بدل دیتے ہیں اور ان تاویلوں میں سے
بعض کا باطل ہونا تو یقینا معلوم ہو جاتا ہے مثلا فرعون سے دل کو مراد لینا اسلیے کہ فرعون ایک شخص محسوس تھا کہ اسکا ہونا اور حضرت
موسیٰ کا اسکو اسلام کی طرف بلانا متواتر ہمکو پہونچا ہے اور جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہما کافروں میں سے کہ موجود شخص تھے اور شیطانوں
اور فرشتوں میں سے نہ تھے جو حس سے معلوم نہیں ہوتے تاکہ ان لفظوں کو ڈھال لیا جاوے ایسا ہی حال سحر کے لفظ سے استغفار
مراد لینے کا ہے اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا اسوقت نوش فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہلموا الی الغذاء المبارک یعنی اس برکت
والے کھانے کی طرف آؤ تو اس طرح کی تاویلیں خبر متواتر اور حس سے باطل ٹھہرتی ہیں اور بعضی تاویلیں غالب ظن سے معلوم ہوتی ہیں اور
وہ ایسے امور ہیں کہ حواس یعنی دیکھنے وغیرہ سے متعلق نہوں بہرحال یہ سب تاویلیں حرام اور گمراہی اور لوگوں کے دین کا خراب کرنا
ہیں اور انمیں سے کچھ بھی نہ صحابہؓ سے منقول ہوا نہ تابعین سے نہ حضرت حسن بصریؓ سے باوجودیکہ وہ خلق کو اسلام کی طرف بلاتے اور
انکو نصیحت کرنے کے عاشق تھے اور یہ جو حدیث میں ارشاد ہے من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار اس کی مراد بھی کچھ اسی طرح
کی تاویل کرنے سے ہے یعنی آدمی کی غرض اور رائے ایک امر کے ثابت اور مقرر کرنے کی ہو اور اپنی غرض کے ثبوت کے لیے قرآن کو
شاہد بنالے اور اسکے لفظوں سے اپنی غرض نکالے بدون اسکے کہ کوئی دلالت لفظی لغت کی راہ سے یا دلالت نقلی موجود ہو۔ اور اس
حدیث سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن کی تفسیر استنباط اور فکر سے کرنی نہ چاہیے اسلیے کہ بہت سی آیتیں ہیں جنکی صحابہؓ اور مفسرین سے
پانچ اور چھ اور سات معنی منقول ہیں اور معلوم ہے کہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے نہیں کیونکہ وہ معانی بعض اوقات
ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں کہ جمع نہیں ہو سکتے تو ضرور ہے کہ فہم کی خوبی اور طول فکر سے نکلے ہونگے اور اسی لیے آنحضرت

ہوتی ہے اور جب تک تمکو اس فرض عین سے فراغت نہو تب تک فرض کفایہ میں مصروف نہو خصوص اُسوقت میں کہ کوئی دوسرا
اُسکو جانتا ہو اور تعمیل کرتا ہو اسلیے کہ جو شخص اپنی جان کو ہلاک کرے اسلیے کہ دوسرے کی اصلاح شاید ہو جاوے تو وہ بیوقوف ہے مثلاً
اگر سانپ اور بچھو کسی کے کپڑوں میں گھسے ہوے ہوں اور اُسکے قتل کے درپے ہوں اور وہ ایک پنکھا ڈھونڈھتا پھرتا ہو جس سے
کہ دوسرے کی مکھی دور کرے اور وہ دوسرا ایسا ہو کہ اگر سانپ اور بچھو اوں کو درد و رنج پہونچاویں تو وہ اُسکے کام نہ آوے اور نہ اُسکی مصیبت
سے چھڑاوے تو بھلا اُس سے بڑھکر کون احمق ہوگا کہ اپنی جان کی فکر تو نہ کرے دوسرے کے لیے بیفائدہ کاوش کرے اور اگر تمکو اپنے
نفس کی صفائی سے فراغت ملے اور ظاہر اور باطن کے گناہ چھوڑنے پر قدرت ہو جاوے اور یہ امر ایک عادت دائمی کے طور پر تم میں
حاصل ہو جاوے اور ایسا ہونا کچھ بعید نہیں تو اُسوقت البتہ فرض کفایہ میں مشغول ہونا چاہیے اور اُسمیں ترتیب اور درجہ کا لحاظ رکھنا
چاہیے یعنی اول کلام مجید پھر حدیث شریف پھر علم تفسیر اور علوم قرآنی ناسخ اور منسوخ اور مفصول اور موصول اور محکم اور متشابہ پہچاننے
اور اسی طرح حدیث کے علوم سیکھنے چاہییں پھر اُسکے فروع میں مشغول ہونا یعنی علم فقہ کے مذہب معتبرہ جاننا چاہییے نہ خلاف کو پھر اصول
فقہ کو اور اسی طرح باقی اور علموں کو جہانتک کہ عمر میں گنجایش ہو اور وقت یاری دے مگر اپنی عمر کو ایک فن خاص میں مستغرق مت کرو اس
لحاظ سے کہ اسمیں کمال پیدا کرو اسلیے کہ علوم بہت ہیں اور عمر تھوڑی اور یہ علوم دوسرے مقصود کے لیے آلات اور مقدمات ہیں خود
مطلوب بالذات نہیں اور جو چیز کہ غیر کے لیے مطلوب ہوتی ہے اُسمیں یہ نہیں چاہییے کہ اصل مقصود بھلا دیا جاوے اور ذریعہ کی کثرت
کیجا رہے پس علم لغت مروج سے اسی قدر پر اکتفا کرو جس سے کہ تم عربی زبان کو سمجھ سکو اور بول سکو اور جو لغت کم رائج ہوں اُنمیں سے بقدر
جان لو کہ قرآن اور حدیث کے سب الفاظ پر وقوف ہو جاوے اس سے زیادہ میں خوض کرنا کچھ ضرور نہیں اسی طرح نحو سے اُسی قدر پر
اکتفا کرو جو قرآن اور حدیث سے متعلق ہے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ علم کے تین مراتب ہیں ایک بقدر کفایت دوم متوسط سوم درجہ کمال تو ہم
حدیث اور تفسیر اور فقہ اور کلام میں اُن تینوں مراتب کو بتائے دیتے ہیں تاکہ اور علوم کو تم اُنھیں پر قیاس کر لو پس علم تفسیر میں بقدر کفایت
یہ ہے کہ حجم قرآن کی دونی ہو جیسے علی واحدی نیشاپوری کی تفسیر ہے جسکا نام وجیز ہے اور متوسط درجہ یہ ہے کہ قرآن کے حجم سے تگنی ہو جیسے تفسیر
نیشاپوری جسکو وسیط کہتے ہیں اور درجہ کمال اس سے زائد ہے جسکی کچھ حاجت نہیں اور عمر بھر تک اُسکا انجام بھی نہیں ہوتا۔ اور حدیث میں
مقدار کفایت یہ ہے کہ مضمون بخاری اور مسلم کا کسی شخص فاضل اور متین حدیث کے واقف سے سمجھ لو اور راویوں کے نام کا یاد کرنا ضرور نہیں
اسلیے کہ یہ کام تم سے پہلے لوگ کر چکے ہیں اور سب کچھ لکھ گئے ہیں تمکو اسا ہی چاہیے کہ اُنکی کتابوں کو معتبر سمجھو اور یہ بھی ضرور لازم نہیں کہ بخاری
اور مسلم کے الفاظ حدیث کو حفظ کرو بلکہ اس طرح تحصیل کرو کہ ضرورت کے وقت جس مسئلہ کی ضرورت تمکو پڑے اُن میں سے نکال سکو
اور متوسط درجہ یہ ہے کہ جتنی کتابیں حدیث کی صحیح ہیں اُن سبکو صحیحین کے ساتھ پڑھ لو اور درجہ کمال یہ ہے کہ جو کچھ حدیثیں منقول ہوں
خواہ ضعیف ہوں یا قوی اور صحیح ہوں یا معلل سبکو پڑھو اور اُستاد کے بہت سے طریق اور راویوں کے حالات اور اُنکے نام
اور اوصاف معلوم کرو اور فقہ میں مقدار کفایت اسقدر ہے کہ جیسے مختصر مزنی رح کی ہے جسکو ہمنے خلاصۃ المختصر میں لکھا ہے اور متوسط وہ ہے جو مختصر کی
تگنی ہو یعنی اتنی بڑی ہو جتنی بڑی ہماری کتاب فقہ کی وسیط ہے اور درجۂ غایت اُسکو سمجھو جو ہمنے بسیط میں لکھا ہے مع اور بڑی بڑی کتابوں کے
اور علم کلام کا مقصود صرف اتنا ہے کہ جو عقیدے اہل سنت نے سلف صالحین سے نقل کیے ہیں وہ محفوظ رہیں اور کچھ مطلب نہیں
اور اگر ہے تو امور کے حقائق کا کشف ہو جانا مروں طریق کشف کے اُس سے کچھ غرض متعلق نہیں ہاں مقصود حفظ سنت کے لیے مقدار کافی
علم کلام کی ضرور ہونی چاہیے اور وہ ایک مختصر رسالۂ عقائد سے ہو سکتی ہے جسکے مضمون کو باب قواعد العقائد اس جلد کا حاوی ہے اور متوسط
درجہ کی مقدار یہ ہے کہ سو ورق کا رسالہ ہو جیسا کہ ہمنے کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد لکھی ہے اور حاجت علم کلام کی اس وجہ سے ہے کہ اس سے

شجاعت کہ تہور کی تعریف نہیں اگرچہ وہ بھی شجاعت کی جنس ہے اسی طرح علم کا حال ہے اُسکی اول قسم جو تھوڑا ہو یا بہت بُرا ہی گنا جاتا ہے
ایسا علم ہے کہ جسمیں نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا یا اُسکا نقصان بہ نسبت فائدہ کے زیادہ ہو جیسے علم سحر اور طلسمات اور نجوم میں کہ بعضوں
میں تو کچھ فائدہ نہیں اور عمر سی نفیس چیز جو عمدہ سرمایہ انسانی ہے اُسمیں صرف کرنی مفت برباد کرنی ہے اور نفیس چیزوں کا برباد کرنا بُرا ہے اور
بعض ایسے ہیں کہ بہ نسبت اُس فائدے کے جو اُس علم سے مقصود ہوتا ہے یعنی دنیاوی حاجت کبھی کوئی نکل جاتی ہے اُنکا نقصان زائد ہوتا ہے
بلکہ وہ فائدہ بہ نسبت نقصان کے ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ اور جو علم اس سرے سے اُس سرے تک اچھا ہی ہے وہ علم خدا تعالی کی معرفت اور اُسکے
صفات اور افعال کا اور خلق میں اُسکی عادت جاری کا اور دنیا پر آخرت کی ترجیح کی حکمت کا ہے اسلیے کہ یہی علم مطلوب بالذات اور وسیلۂ
سعادت اخروی ہے اور اسمیں جسقدر کوشش کیجاوے وہ مقدار واجب سے کم ہی ہوگی کیونکہ یہ دریا وہ ہے کہ جسکی تھاہ نہیں معلوم ہوتی تمام گھوسنے
والے اسکے کناروں پر ہی پھرتے ہیں جتنا جس سے ہو سکتا ہے اُتنی گردش کرتا ہے اُسکے اندر بجز انبیا اور اولیا اور مضبوط عالموں کے اور کوئی نہیں
جاتا وہ البتہ موافق اختلاف اپنے درجوں اور قوتوں کے جسقدر کہ تقدیر الہی نے اُنکے حق میں لکھدیا ہے اُسمیں غوص کرتے ہیں یہ وہی علم
پوشیدہ ہے کہ کتابوں میں لکھا نہیں جاتا۔ اس علم پر تنبیہ ہو جانے کے لیے علم سیکھنا اور علماے آخرت کے حالات دیکھنے مفید ہوتے ہیں یہ
تو ابتدا میں چاہیے اور انجام کے لیے اس علم میں مجاہدہ اور ریاضت اور قلب کے صاف کرنے اور دنیا کے علاقوں سے اُسکو خالی
کرنے اور دنیا میں انبیا اور اولیا کی مشابہت پیدا کرنے سے ملتی ہے جو کوئی اس علم کے لیے اسطرح سعی کریگا تو اُسکو جتنا اُسکے نصیب
میں ہے ملجاویگا بقدر کوشش نہیں ملیگا ہاں مجاہدہ کی حاجت اسمیں ضرور ہے بدوں مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا کہ ہدایت کی کنجی سوا اُسکے اور کوئی نہیں
اور تیسری طرح کے علوم جو ایک مقدار خاص تک اچھے ہیں وہ وہ ہیں جنکو ہم فرض کفایہ میں لکھ آئے ہیں کہ اُنمیں ہر علم کے تین درجے
ہیں ایک بقدر کفایت و حاجت وہ تو ادنی ہے اور ایک متوسط سے زائد کہ آخر عمر تک اُسکی انتہا ہو تو آدمی کو چاہیے کہ دو باتوں میں سے
ایک اختیار کرے یا تو اپنے نفس کی فکر کرے یا جب اپنے نفس سے فارغ ہو جاوے تو دوسرے کی فکر کرے مگر ایسا ہرگز نہ کرے
کہ اپنے نفس کی اصلاح سے پیشتر دوسرے کی اصلاح میں مشغول ہو اب اگر تمکو اپنے نفس کا قصد کرنا ہو تب تو اُسی علم میں مشغول ہو
جو تمپر فرض عین بحسب اقتضاے حالات ہوتا جاوے اور جو اعمال ظاہر کے متعلق ہو مثلا نماز اور روزہ اور طہارت لیکن بڑا ضروری
اور اہم جسکو سب لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے وہ دل کی صفتوں کا علم ہے اور یہ کہ اُنمیں سے کونسی اچھی ہے اور کونسی بُری اسواسطے کہ کوئی آدمی
ایسا نہیں جو بُری صفتوں سے مبرا ہو اور حرص اور حسد اور ریا اور کبر اور عجب وغیرہ اُسکے اندر نہوں اور یہ صفات سب ہلاک کرنے والے
ہیں اور اُنکو ویسے ہی چھوڑ دینا اور صرف اعمال ظاہری میں مشغول رہنا ایسا ہے کہ آدمی خارش یا پھوڑوں کی تکلیف میں ظاہر بدن پر لیپ
کرلے اور اندر کا مواد فصد اور سینگی سے نکالنے میں سستی کرے اور نام کے علما اور کٹھ ملا اعمال ظاہری ہی بتاتے ہیں جیسے سڑکوں کے
طبیب ظاہر بدن پر لیپ کرنے کو کہتے ہیں اور آخرت کے علما بجز باطن کی صفائی اور دور کرنے مواد شر کے اسطرح کہ اُنکی جڑیں اُکھاڑ
ڈالی جاویں اور کچھ نہیں بتاتے اور اُنکی جڑیں دل کے اندر ہیں۔ اور اکثر لوگ جو اعمال ظاہری کے پابند ہیں اور دلوں کی صفائی نہیں
کرتے اسکی وجہ یہ ہے کہ ظاہر اعضا کے اعمال آسان پڑتے ہیں اور دل کے اعمال مشکل جیسے کوئی شخص کڑوی اور بدمزہ دوا پینے کو سخت
جانکر ظاہر بدن پر لیپ کر لیتا ہے اور اسی دردسری میں مبتلا رہتا ہے اور مواد بڑھتا جاتا ہے اور اُسکے سبب سے اور روگ دونے ہوتے جاتے ہیں
پس اگر تمکو قصد آخرت اور طلب نجات اور ہلاک ابدی سے گریز منظور ہے تو باطن کے روگوں اور اُنکے علاج کے علم میں مشغول ہو جسطرح
کہ ہمنے جلد ثالث میں اُسکی تفصیل کی ہے اُسکے جاننے سے تم اُن عمدہ مقامات پر بالضرور پہونچ جاؤگے جو جلد چہارم میں مذکور ہیں کیونکہ
دل جب بُری باتوں سے خالی ہوتا ہے تو اچھی بات سے بھرتا ہے اور زمین جب گھاس سے خالی ہو جاتی ہے تب اُسمیں کھیتی اور [illegible]

سو اسکو ترک کردو والسلام۔ بعض مشایخ نے کسی عالم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جن علوم سے تم جھگڑا کیا کرتے تھے اور اُنکے باب میں مناظرے
برروے کار لاتے تھے اُنکا احوال کہو عالم نے اپنی ہتھیلی پھیلا کر اُسمیں پھونک ماری اور کہا سب خاک کی طرح اوڑ گئے مجکو صرف دو رکعتیں کام
آئیں جو رات کو میں نے ادا کیں صرف وہی بہری تھیں۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہے ما ضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل ثم قرء
ما ضربوہ لک الا جدلا بل ہم قوم خصمون اور ایک حدیث میں اس آیت کے معنوں میں فاما الذین فی قلوبہم زیغ یہ ارشاد ہے کہ ہم اہل الجدل الذین
عناہم اللہ تعالی بقولہ فاحذرہم ان یفتنوک اور بعض اکابر کا قول ہے کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ہونگے کہ عمل کا دروازہ اُن پر بند کر دیا جاویگا اور جدل
کا دروازہ اُنکے لیے کھل جاویگا اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اُسمیں عمل کا الہام ہوا ہے اور عنقریب ایک قوم ایسی
ہوگی کہ اُنکے دلوں میں جدل ڈالا جاویگا۔ اور حدیث مشہور میں وارد ہے ابغض الخلق الی اللہ تعالی الالد الخصم ایک روایت میں یوں ہے کہ
جس قوم کو گفتگو ملی وہ عمل سے روک دی گئی۔ اور علی بن نصیر جہضمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے خلیل بن احمد کو بعد اُنکی
وفات کے خواب میں دیکھا اور کہا کہ ہمکو خلیل سے زیادہ کوئی عاقل نہیں ملا کہ اُس سے کچھ پوچھیں خلیل نے فرمایا کہ جس بات میں ہم مصروف
تھے اُسکا حال بھی تمہے معلوم کیا ہمکو تو سواے اِن کلمات کے اور کوئی چیز مفید نہوئی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر چوتھی فصل
اس ذکر میں کہ علم خلاف پر خلق کے متوجہ ہونے کا کیا سبب ہے اور مناظرہ کی آفتوں کی تفصیل اور اُسکے جائز ہونے کی شرطوں میں اس فصل
میں تین بیان ہیں بیان اول علم خلاف پر لوگوں کے متوجہ ہونے کے ذکر میں واضح ہو کہ بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر خلافت کے
متکفل خلفاے راشدین جو ہوے یہ لوگ عالم باللہ تھے اور اُسکے احکام سمجھنے والے اور مقدمات کے فتاوی کے ماہر اسی باعث سے
اُن لوگوں کو فقیہوں سے مدد لینے کی بہت ہی کم حاجت ہوتی تھی فقط ایسے معاملات میں کہ جنمیں مشورہ کے بغیر چارہ نہ تھا کسی کی ضرورت پڑتی
تھی اسی سبب سے علما صرف علم آخرت ہی کے ہو رہے تھے اور اُسی میں مشغول رہتے تھے اور فتاوے اور خلق کے احکام دنیاوی کو ایک دوسرے پر
ٹالتے تھے اور ہمہ تن متوجہ الی اللہ تھے جیسا کہ اُنکی سیرت سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے جبکہ بعد خلافت اُن لوگوں پر پہونچی کہ بلا استحقاق
خلافت اور بدون رسوخ علم فتاوے اور احکام کے حاکم ہو گئے تو اُنکو ناچار فقہا سے مدد لینی ہوئی اور سب حالتوں میں اُنکو ساتھ رکھنے کی ضرورت
پڑی تاکہ جو حکم جاری کریں اُسمیں فتوی طلب کریں اور اُسوقت علما تابعین میں سے وہ لوگ باقی تھے کہ طرز اول پر اور دین کے عادی اور دین
خالص کے ملازم تھے اور علماے سلف کے قدم بقدم چلتے تھے اسلیے اُنکا یہ حال تھا کہ اگر حکام اُنکو بلاتے تو وہ بھاگے جاتے تھے اور روگردانی
کرتے تھے لہذا احکام کو اُنکی طلب میں اصرار کرنا پڑا کہ عہدہ قضا اور حکومت دیویں پس اسوقت کے لوگوں نے جو علما کی عزت دیکھی کہ حاکم
اور امام اور والی سب اُنکی طرف متوجہ ہیں اور یہ اُنکو منہ نہیں لگاتے تو علم کے حاصل کرنے پر متوجہ ہوے تاکہ حاکموں کی طرف سے عزت و جاہ
حاصل ہو اسی لیے علم فتاوے پر جھک پڑے اور اپنے آپ کو حاکموں کے سامنے پیش کیا اور اُنسے تقارب بہم پہونچا کر [illegible]
اور بعض تو پھر بھی محروم رہے اور بعض مراد کو پہونچے جو مراد کو پہونچے وہ بھی طلب کی ذلت اور [illegible]
نہ بچے غرض کہ فقہا جو مطلوب رہا کرتے تھے اب طالب ہوگئے اور پیشتر جو سلاطین کو منہ نہ لگاتے تھے اور عزت سے [illegible] اُنکے پاس
آنے سے ذلیل ہیں مگر پھر بھی علماے دین الہی میں سے جنکو توفیق عنایت ہوئی وہ ہر وقت [illegible]
اُس زمانے میں اکثر توجہ لوگوں کی فتاوے اور مقدموں کے علم پر تھی اسلیے کہ عہدوں اور حکومتوں میں اسی کی بڑی ضرورت تھی پھر
اُنکے بعد بعض رؤسا اور امرا ایسے ہوے کہ انھوں نے عقائد کے قواعد میں لوگوں کی گفتگو سنیں اور اسباب میں دلائل سنے کہ اُنکو شوق ہوا
جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان امیروں کو رغبت علم کلام کے مناظرہ اور جھگڑے کی ہے تو اسی کا چرچا شروع کر دیا اور اُسمیں بہت سی تصنیفات کیں
اور طریق جھگڑنے کے [illegible] اقوال پر اعتراضات کے ڈھنگ ایجاد کیے اور یہ خیال کیا کہ ہمکو دین الہی کی طرف سے

بدعتی کا مناظرہ کیا جاوے اور اسکی بدعت کو اثر کرکے عامی کے دل میں سے نکال دیا جاوے اور یہ بات صرف عوام ہی کے ساتھ
میں کارآمد ہے بشرطیکہ اُنکو تعصب نہ بڑھ گیا ہو اور نہ بدعتی اگر تھوڑا سا بھی مناظرہ جان جاتا ہے تو کم ایسا ہوتا ہے کہ اُسکو کلام مفید ہو کیونکہ اگر اُسکو
تقریر میں ساکت بھی کردو تب بھی اپنا مذہب نہ چھوڑیگا اور اپنے نفس کو ناقص سمجھکر فرض کرلیگا کہ اس بات کا جواب ضرور ہوگا مگر مجھکو
نہیں آتا طرف ثانی مجھکو مغالطہ دیتا ہے اور قوت مناظرہ سے حق کو مشتبہ کیے ڈالتا ہے اور عامی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر ذرا سی تقریر میں حق سے
منحرف ہو جاتا ہے تو اُسی قدر تقریر میں پھر درست ہو سکتا ہے بشرطیکہ تعصب نہ بڑھ گیا ہو اور اگر تعصب اور ایسی چاہ کی بیخ پڑ جاویگا تو پھر عامی
سے بھی ناامیدی ہو جاتی ہے اسلیے کہ بیخ ممنوع کرلی نفسوں میں عقیدوں کو پختہ کردیتی ہے اور یہ آفت بڑے علما میں ہے کہ حق
کے لیے تعصب مین مبالغہ کرتے ہیں اور مخالفین کو بچشم حقارت دیکھتے ہیں اور اُسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی مکافات
اور مقابلہ پر آمادہ ہوتے ہیں اور باطل کی مدد زیادہ کرتے ہیں اور جس چیز کا اُنپر الزام لگایا جاتا ہے اُسکو خوب مضبوطی سے تمسک
کرتے ہیں اگر حضرات علما راہ مہر و رحمت اور خیر خواہی سے اُنکو خلوت میں نصیحت کردیتے اور تعصب اور حقارت کے موقع سے
قطع نظر کرتے تو غالبا کامیاب ہوتے لیکن چونکہ جاہ بدون لوگوں کی پیروی کے راست نہیں ہوتا اور پیروی پر میل لوگوں کا بدون
تعصب اور طرف ثانی کے لعن و دشنام کے نہیں آتا اسلیے علما نے تعصب کو اپنی عادت اور حربہ ٹھہرا لیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم دین کی
حمایت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے لڑتے ہیں اور واقع میں اس صورت سے خلق کی بربادی اور نفسوں میں بدعت کا جم جانا
حاصل ہے سو اور امور جدلی جو ان پچھلے زمانوں میں ایجاد ہوئے ہیں اور اُنمیں وہ تحریریں اور تصنیفیں اور مناظرے نکلے ہیں کہ ویسے کبھی
زمانہ سلف میں نہ تھے تو اُنکے تم گرد بھی مت پھرنا اور اُنسے ایسی طرح بچنا جیسے زہر قاتل سے اسلیے کہ وہ مرض لا علاج ہے وہی روگ ہے
جسنے تمام فقیہوں کو آپس کی حرص اور مباہات میں مبتلا کردیا ہے چنانچہ عنقریب اُسکے آفات اور غوائل ہم بیان کرینگے۔ اور کبھی اس تقریر کو
کوئی دنیادار عالم سنتا ہے تو کہتا ہے کہ جس شخص کو کوئی بات نہیں آتی وہ اُسکا دشمن ہوا کرتا ہے تو تم کو اس کہنے سے یہ گمان ہو کہ ہم بھی اس علم سے
ناواقف ہیں بلکہ ہم نے تو اس فن میں ایک عمر صرف کی اور تصنیف اور تحقیق اور جدال اور بیان میں اول لوگوں پر گوے سبقت لیگئے مگر خدا
تعالی نے ہمکو راہ راست الہام کیا اور اس فن کے عیب پر مطلع فرمایا تب ہم اُسکو ترک کرکے اپنے نفس کی فکر میں مشغول ہوئے اس نظر سے
تمکو نصیحت ہماری قبول کرنی چاہیے کہ تجربہ کار کا کہنا ٹھیک ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ فتوی شریعت کا رکن ہے اور اُسکی علتیں بدون علم خلاف
کے معلوم نہیں ہوتیں اسلیے اُنکا جاننا ضروری ہے تو اس قول سے تم مغالطہ میں نہ آنا کیونکہ مذہب کی علتیں خود مذہب مین مذکور ہیں اُنسے جو
باتیں زائد ہیں وہ محض بحث کے جھگڑے ہیں کہ قرن اول کے لوگ اور صحابہ اُنکو نہ جانتے تھے حالانکہ اوروں کی نسبت کہ علم فتوی کو زیادہ جانتے تھے
بلکہ یہ علتیں قطع نظر اس سے کہ علم مذہب میں کچھ مفید نہیں فقہ کے مزہ کو خراب کرتی ہیں اور ضرر ہو جاتی ہیں اسلیے کہ جس شخص کے لیے مفتی کا
فکر بنا یہ ہو جاتا ہے تو اگر مفتی کی طبیعت مین ذوق صحیح فقہ کا ہوتا ہے تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اُس سے جدل کی شرطوں کے موجب حکم کا اجرا نہیں
ہو سکتا اور جس شخص کی طبیعت جدل کی رسموں کی عادی ہوتی ہے اُسکا ذہن جدل کے مقتضیات کو مانتا ہے اور فقہ کے ذوق کے ماننے سے
پہلو تہی کرتا ہے۔ اور اس فن میں وہی لوگ مشغول ہوتے ہین جنکو شہرت اور جاہ کی طلب ہوتی ہے اور بہانہ یہ کرتے ہین کہ ہم مذہب معتبر کی علتیں
تلاش کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات ساری عمر گذر جاتی ہے اور آگے ہمت مذہب کے جاننے پر مصروف نہیں ہوتی علتوں ہی میں بسر ہو جاتی ہے
اسلیے تمکو چاہیے کہ جن کے شیطانوں سے بھی بچو اور انسانوں کے شیطانوں سے بھی احتراز کرو کہ اُن لوگوں نے بہکانے اور گمراہ کرنے میں شیاطین
جن کو راحت دے دی ہے حاصل اس سب تقریر کا یہ ہے کہ تم جہان مین اپنے نفس کو خدائے تعالی کے ساتھ اکیلا فرض کرلو اور جان لو کہ موت اور
پیشی اور حساب اور جنت اور دوزخ سامنے ہین پھر تامل کرو کہ ان سامنے کی چیزوں مین کونسی بات تمکو کام آتی ہے اُسکو تم اختیار کرو اور [illegible]

سکے کہ شہر میں تو سبیلیں لگانے والے بہت ہیں اسیقدر کافی ہیں تو جواب دیتا ہی کہ اس بات سے اس فعل کا فرض کفایہ ہونا تو نہیں گیا غرض کہ جو شخص
ایسا کرے اور جو کام کہ نہایت ضرور ہی اُسکو نہ کرے یعنی پیاسے مسلمانوں کی خبر نہ لے اُسکا حال اُس شخص جیسا ہی کہ مناظرہ میں فرض کفایہ جانکر
مصروف رہے اور شہر میں جن فرضوں کفایہ کو کوئی نہیں کرتا اُنمیں ابتدا نہ کرے مثلاً فتوی ہی ہی کہ اسکے لیے بہت لوگ ہیں اور فروض کفایہ ہر ایک
شہر میں کچھ نہ کچھ چھوٹے ہوئے ہیں کہ انکی طرف فقہا توجہ بھی نہیں کرتے مثلاً اسکے نزدیک طب ہی ہی کہ اکثر شہروں میں مسلمان طبیب نہیں
جنکی گواہی شرعاً امور طبیہ میں درست ہو اور فقہا میں سے کوئی طب کی رغبت نہیں کرتا اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہی اکثر
مناظرہ کرنے والا مجلس مناظرہ میں دیکھتا ہی کہ حریر کا لباس ہی یا فرش بچھا ہی اُسکو چپکا دیکھا کرتا ہی اور ایسے مسئلہ میں مناظرہ کرتا ہی کہ وہ کبھی واقع ہو اور
اگر ہو بھی تو اُسکے بتانے والے بہت سے ہوں پھر یہ کہتا ہی کہ میں فرض کفایہ میں مشغول ہونے سے خدا تعالی کا قرب چاہتا ہوں اور حضرت انس رض
سے روایت ہی کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب ترک ہو جاوینگے آپ نے فرمایا کہ جب تم سے
بہتر لوگوں میں مداہنت پیدا ہوگی اور بڑوں میں بے حیائی اور چھوٹوں میں سلطنت چلی جائیگی اور رذیلوں میں فقہ تیسری یہ کہ مناظرہ کرنے والا مجتہد ہو کہ
اپنی رائے سے فتوی دے مذہب امام شافعی اور امام اعظم وغیرہ کا مقید ہو کر فتوی نہ دے یہانتک کہ اگر اُسکو حق امام ابو حنیفہ کے مذہب سے
معلوم ہوا تو امام شافعی کی تحریر کو ترک کرے اور جو کچھ امر حق معلوم ہوا ہی اُسی کے بموجب فتوی دے جس طرح کہ صحابہ اور امام کیا کرتے تھے اور جس
شخص کو کہ اجتہاد کا رتبہ نہیں جیسا کہ حال سب زمانہ بھر کا ہی اور جب اُس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہی تو اپنے امام کا قول نقل کرکے حکم دیتا ہی اور
اگر اپنے امام کے مذہب میں کچھ ضعف معلوم ہوتا ہی تو اس مذہب کا چھوڑنا اُسکو جائز نہیں تو ایسے شخص کو مناظرہ سے کیا فائدہ ہی مذہب تو اُسکو
معلوم ہی ہی اُسکے سوا اور مذہب پر فتوی دینے کا اُسکو اختیار نہیں اور جو بات اُسکو مشکل پڑے تو اُسکے جواب میں یہ کہنا لازم ہی کہ شاید ہمارے امام کے
یہاں اسکا کچھ جواب ہوگا ہمکو استبداد نہیں اور سوجھ نہیں کہ اصل شرع میں سے بات نکالیں اور اگر اپنے مسائل میں مناظرہ کرتا کہ جنمیں اسکے
امام سے دو صورتیں یا دو قول ہیں تو البتہ مناسب تھا کیونکہ وہ مثلاً اکثر ایک روایت کے موجب حکم دے دیتا ہی تو بحث سے یہ فائدہ ہوگا کہ جونسی
روایت قوی ہوگی وہ معلوم ہو جاویگی حالانکہ ایسے مسائل میں کبھی مناظرے نہیں ہوتے بلکہ جس مسئلہ میں امام سے دو وجہیں یا قول مروی ہوں اُسکو
چھوڑ دیتے ہیں اور ایسا مسئلہ تلاش کیا جاتا ہی جسمیں قطعاً دوسرے امام کا خلاف ہو۔ چوتھی یہ کہ مناظرہ ایسی صورتوں میں کرے جو ہو چکی ہوں
یا عنقریب ہونے کو ہوں اسلیے کہ [illegible] وقائع میں مشورہ فرمایا ہی [illegible] ہیں یا جو اکثر ہوا کرتے ہیں جیسے وراثت کے مسائل
مگر مناظرہ کرنے والوں کو نہ دیکھوگے کہ جن مسائل میں لوگ اکثر مبتلا ہوتے ہیں اور فتوی کی حاجت ہی اُنکی تحقیق کا اہتمام کبھی کرتے ہوں بلکہ
ایسے ہی مسائل کو ڈھونڈھتے ہیں جس میں گنجائش جھگڑے کی کسی صورت سے نکل آوے اور اکثر ایسا ہوتا ہی کہ جو بات اکثر واقع ہوتی ہی اُسکو
چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ حدیث کے متعلق ہی یا مختصر ہی کچھ طویل مسئلہ نہیں پس تعجب کی بات ہی کہ مقصود تو امر حق دریافت کرنا
اور پھر مسئلہ کو یہ کہکر چھوڑ دیں کہ متعلق بہ حدیث ہی آپکے باب میں امر حق حدیثوں سے دریافت ہوتا ہی یا اس وجہ سے ترک کریں کہ مسئلہ طویل نہیں
کہ اسمیں کلام کو طول دیا جاوے حالانکہ امر حق میں مقصود یہی ہوتا ہی کہ کلام مختصر کرکے جلد مطلوب پر پہونچ جاویں یہ نہیں کہ تقریر کو طول دیا جاوے
پانچویں یہ کہ خلوت اور تنہائی میں مناظرہ کرنا اچھا معلوم ہوتا ہو بہ نسبت محفلوں اور امرا اور حکام کے سامنے ہونے کے اسلیے کہ خلوت میں
ہمت مجتمع اور ذہن اور فکر صاف رہتے ہیں اور حق کو جلد سمجھتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ہونے کے لوازم ابھارنے والے ہوتے ہیں اور ہر کسی
کو فریقین میں سے یہی حرص ہوتی ہی کہ میں ہی برتر رہوں اُسکی پروا نہیں کہ حق پر ہوں یا باطل پر اور تمکو معلوم ہی کہ ان مناظرہ کرنے والے
محفلوں اور مجمعوں میں بحث کرنے کے زیادہ حریص ہیں اور ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدتوں رہتا ہی مگر تنہائی میں کچھ تقریر نہیں کرتا بلکہ اگر
ایسا کچھ پوچھتا ہی تو دوسرا جواب نہیں دیتا اور اگر کوئی رئیس وہاں ہو یا مجمع ہو تو پھر کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتا تاکہ کلام میں متفرد ثابت ہو جاوے

بری باتوں کا دفع کرنا اور سنت کی طرف سے لڑنا اور بدعت کا استیصال کرنا مسلوک ہے جیسا اُس سے پیشتر کے فقہا کہتے تھے کہ ہماری غرض دین
کے فتاوے کا اچھی طرح جاننا اور مسلمانوں کے احکام کا متکفل ہونا ہے اور اُسمیں خلق خدا پر شفقت اور انکی خیرخواہی مدنظر ہے۔ پھر کچھ مدت
بعد بعض رؤسا ایسے ہوئے کہ انکو علم کلام میں خوض کرنا اچھا نہ معلوم ہوا اس جہت سے کہ اُسمیں مناظرہ کا باب مفتوح ہونے سے بڑے بڑے
تعصبات اور خصومات پیدا ہوئے جس سے نوبت کشت و خون اور شہروں کی بربادی کی پہونچی مگر انکو فقہ میں مناظرہ ہونے کا اور خاص امام
شافعی اور امام اعظمؒ کے مذہبوں میں اولیٰ کے معلوم کرنے ذوق ہوا اسلیے لوگوں نے علم کلام اور دوسرے فنوں کو ترک کر دیا اور خاص ان دونوں
اماموں کے مسائل خلافی کی طرف میل کیا جو خلاف کہ امام مالک اور احمد اور سفیان ثوریؒ وغیرہم کے ساتھ ہے اسمیں سہولت برتی اور اپنے
خیال خام میں یہ سمجھا کہ ہماری غرض شریعت کی باریک باتوں کا نکالنا اور مذہب کی علتوں کا ثابت کرنا اور فتاوے کے اصول کی بنا ڈالنی ہے
اور اس بات میں بہت سی تصانیف لکھیں اور طرح طرح کے جھگڑے انمیں درج کیے اور ابتک اسی پر چلے جاتے ہیں نہیں معلوم کہ ہمارے بعد
کے زمانوں میں خداے تعالیٰ نے کیا مقدر کر رکھا ہے غرض کہ باعث خلافیات پر جھکنے کا اور مناظروں پر مائل ہونے کا یہی تھا اور کچھ نہ تھا اگر بالفرض
دنیا والوں کے نفس کسی اور امام کے ساتھ خلاف معلوم کرنے کے راغب ہو جاویں یا کسی اور علم کی طرف شائق ہوں تو علما بھی اُنکے ساتھ ہی
جھکینگے اور اس بہانے سے باز نہ آوینگے کہ جس علم میں ہم مشغول ہیں یہ علم دین ہے اور ہمکو مطلب سواے خداے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں

دوسرا بیان اس بات کی غلطی میں کہ یہ مناظرے صحابہؓ کے مشوروں اور اکابر سلفؒ کی تقریروں کے مشابہ ہیں۔ جاننا چاہیے کہ علما
کبھی لوگوں کو یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ ہماری غرض ان مناظروں سے حق بات پر بحث کرنا ہے تاکہ حق کھل جاوے اسلیے کہ امر حق مطلوب ہے اور
فکر کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرنی اور بہت سی رایوں کا متفق ہو جانا مفید ہے اور صحابہؓ کی عادت بھی اپنے مشوروں میں اسی طرح کی تھی
مثلاً دادا کے ساتھ میں بھائیوں کے محروم ہونے کی صورت اور شراب خواری کی سزا میں اور جب امام چوک جاوے تو اُسپر تاوان کے واجب
ہونے میں جیسا اس مسئلہ میں کہ کسی عورت نے باعث خوف حضرت عمرؓ کے اپنا بچہ گرا دیا تھا اور اسی مسائل فرائض وغیرہ میں انکے مشورے
مشہور ہیں اور جو خلاف کہ شافعی اور احمد اور محمد اور مالک اور ابو یوسف وغیرہم رحمہم اللہ سے منقول ہے وہ اسی بات کا مؤید ہے اور ہم تمکو اس مغالطہ
کی تہ بتائے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ طلب حق پر ایک دوسرے کی مدد چاہنی البتہ دین کی بات ہے مگر اُسکے لیے کئی شرطیں اور علامتیں ہیں اول
یہ کہ جب یہ مناظرہ فرض کفایہ ہو تو جو شخص کہ فرض عین سے فراغت نہ کر چکے اُسکو اُسمیں مشغول ہونا نہ چاہیے اور جس شخص پر فرض عین ہے اور وہ
فرض کفایہ میں مصروف ہو جاوے اور کہے کہ میری غرض طلب حق ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اُسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی خود تو نماز ترک کر بیٹھے اور کپڑوں
کے پیدا کرنے اور سینے میں کوشش کرتا پھرے اور کہے کہ میری غرض اس سے یہ ہے کہ جو شخص ننگے بدن نماز پڑھے اور کپڑا نہ میسر ہو اُسکا ستر عورت
کر دوں کیونکہ یہ بات کبھی ہو بھی جاتی ہے اسکا واقع ہونا ممکن ہے جیسا فقیہ کہتا ہے کہ جو امور کہ ایسے خلاف میں بحث ہوتی ہے انکا واقع ہونا ممکن ہے گو کم
ہوتے ہوں۔ اور جو لوگ مناظرہ میں مشغول رہتے ہیں وہ ایسی باتوں کو چھوڑے ہوئے ہیں جو بالاتفاق فرض عین ہیں اور اگر کوئی ودیعت کو فوراً
ادا کرنا چاہتا ہے اور کھڑا ہو کر نماز کی نیت باندھ لے جو سب ثوابوں سے عمدہ ہے اور کسی شرط وغیرہ کا لحاظ نہ کرے تو ظاہر ہے کہ اس نماز سے وہ نافرمان
خداے تعالیٰ کا ہوگا اس سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کے مطیع ہونے میں بھی امر کافی نہیں کہ وہ کوئی عمل طاعت کی جنس کا کرتا ہو جب تک کہ اسمیں وقت
اور شرط اور ترتیب کا لحاظ نہ کرے دوسرے یہ کہ مناظرہ کی نسبت گر کوئی اور دوسرا فرض کفایہ اہم نہ دیکھے اگر اُسکی نسبت اور فرض کفایہ اہم اُسکو
معلوم ہوا اور پھر مناظرہ میں مشغول ہوگا تو نافرمان ہوگا اور اُسکی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص ایک جماعت کو دیکھے کہ پیاس کے مارے
مرے جاتے ہیں اور لوگوں نے انکو چھوڑ دیا ہے خبرگیری نہیں کرتے اور اُسکو انکے جلانے کی یعنی پانی پلانے کی قدرت ہے تو اب یہ پانی پلانا
[illegible] سکھانے لگے اور کہے کہ [illegible] سکتا ہوں کہ یہ فرض کفایہ ہے اگر شہر میں اسکا جاننے والا نہ ہوگا تو لوگ ہلاک ہو جاوینگے اور کوئی [illegible]

علم کی روشنی میں پہونچا وے۔ اور یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ آدمی علوم دین میں سے جو کچھ جانتا ہو اگر کوئی اُس سے پوچھے تو سوال کے بعد اسکو بتانا اور ظاہر کرنا واجب اور لازم ہو جاتا ہے پھر معترض جو یہ کہتا ہے کہ مجکو اسکا بیان کرنا لازم نہیں اس سے یہ غرض ہے کہ اس طریق جدل میں جو سبب موجب خواہش اور بدعت حیلہ جوئی اور تقریر لڑانے کے ایجاد کیا ہے اس شریعت میں لازم نہیں ورنہ شرع محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تو اُسپر بیان کرنا لازم ہے اسلیے کہ بیان نہ کرنے سے یا جھوٹا ٹھہرتا ہے یا فاسق۔ اب صحابہؓ کے مشوروں اور علمائے سلف کی تقریروں کو دیکھو کہ اُنمیں کہیں اس طرح کی بات سنی ہے اور کبھی اُنمیں سے کسی نے ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف جانے سے منع کیا ہے اور قیاس سے قول صحابی کی طرف اور حدیث سے آیت کی طرف میل کرنے سے روکا ہے بلکہ اُنکے تو سب مناظرے اسی طرح کے ہوتے تھے کہ جو اُنکے دل میں گذرا بعینہ اسی طرح ذکر کر دیا اور پھر اُسمیں سب نے تامل کیا آٹھویں یہ کہ مناظرہ ایسے شخص سے کیجیے جس سے کہ توقع فائدہ اُٹھانیکی ہو اور جو کہ علم میں مشغول ہو اور اب غالباً یہ رواج ہے کہ مناظرہ کرنے والے بڑے بڑے علما سے مناظرہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ مبادا حق اُنکی بات سے نہ نکل جاوے اور ہماری قلعی کھل جاوے اور جو لوگ اپنے آپ سے علم میں کم ہیں اُنکے ساتھ مناظرہ کرنے کے راغب ہیں کہ اُنکے سامنے باطل کو رواج دیں۔ یہ شرطیں ہیں مناظرہ کی اور اُنکے سوا اور شرطیں باریک بہت سی ہیں مگر تمکو ان آٹھ شرطوں ہی سے مناظرہ کرنے والے کا حال معلوم ہو جاویگا کہ خدائے تعالیٰ کے واسطے مناظرہ کرتا ہے یا کسی اور سبب کے لیے اور حاصل اسکا یہ ہے کہ جو شخص شیطان سے تو مناظرہ نہ کرے کہ وہ اُسکے دل پہ حاوی اور سب میں بڑا دشمن اور ہمیشہ ہلاک کا خواہاں ہے اور دوسرے شخص سے اُن مسائل اختلافی میں مناظرہ کرے کہ اُنمیں اجتہاد کرنے والا یا مصیب ہی ہے یا ثواب میں مصیب کا شریک ہے تو وہ شیطان کا کھلونا اور اخلاص والوں کے لیے عبرت ہے اور اسی سے شیطان نے اُس سے راضی ہو کر اُسکو اُن آفات کے گرداب میں غوطہ دیا جنکی شمار اور تفصیل بعون اللہ وحسن توفیقہ ہم آگے لکھتے ہیں

تیسرا بیان مناظرہ کی آفتوں اور اُن مہلک عادتوں کے ذکر میں جو مناظرہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ جو مناظرہ اس غرض کے لیے ہو کہ اپنا غالب ہونا اور دوسرے کا ساکت کرنا اور اپنے فضل اور شرف کا اظہار اور لوگوں میں اپنی فصاحت اور خوش تقریری اور فخر کو دکھلانا اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اس سے منظور ہو تو ایسا مناظرہ جتنی عادتیں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مذموم اور اسکے دشمن یعنی شیطان کے نزدیک اچھی ہیں سب کا منبع ہوتا ہے اور باطن کی برائیوں سے یعنی کبر اور حسد اور عجب اور حرص اور تزکیۂ نفس اور محبت جاہ وغیرہ کو اس مناظرے سے وہ نسبت ہے جو ظاہر کی حرامیوں مثل زنا اور گالی اور قتل اور چوری وغیرہ کو شراب پینے سے ہے اور جس طرح کہ کسی شخص کو شراب پینے اور ان ساری حرامیوں کے کرنے میں اختیار دیا جاوے تو وہ شراب پینے کو ادنی جانکر جرأت کر بیٹھے اور پھر نشے کی حالت میں اس سے باقی حرامیاں بھی سرزد ہوں اسی طرح جس کے دل میں محبت دوسرے کی ساکت کرنے اور اپنے علم اور مناظرہ کی اور جاہ و فخر کی طلب غالب ہوتی ہے تو یہ باتیں اسکو اس امر کی مقتضی ہوتی ہیں کہ سب طرح کے خباثتیں اُسکے دل میں مخفی ہوں اور سب عادات مذمومہ اس میں آویں اور ان عادات کی مذمت حدیثوں اور آیتوں سے جلد ثالث میں ہم بیان کرینگے مگر یہاں صرف اُن عادات کو کلیۃً بیان کرتے ہیں جو مناظرے سے اُبھرتی ہیں پس ایک اُنمیں سے حسد ہے جسکے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب اور مناظرہ کرنے والا حسد سے خالی نہیں ہوتا اسلیے کہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے اور کبھی مغلوب اور بعض اوقات اُسکے کلام کی تعریف ہوتی ہے اور بعض اوقات غیر کے کلام کی تو جب تک دنیا میں ایک بھی ایسا شخص ہوگا جو قوت علمی اور مناظرے میں معروف ہو یا مناظرہ کرنے والے کے گمان میں اُسکا مناظرہ اور کلام اُس سے بہتر اور قوی ہو تو بالضرور اُسکی حسد کریگا اور خدائے تعالیٰ کی نعمت کو اُس سے دور ہونا چاہیگا اور یہ پسند کریگا کہ لوگوں کے دل اُن سے پھر کر میری طرف ہو جاویں اور حسد ایک جلتی آگ ہے جو اُسمیں مبتلا ہوتا ہے وہ دنیا میں عذاب الیم میں رہتا ہے اور آخرت کا عذاب سخت [illegible] اسلیے حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ علم کو جہاں پاؤ حاصل کرو اور فقہا کے اقوال جو ایک دوسرے پر ہوں انکو مت مانو

حاشیہ: لع حسد نیکیوں کو ایسا کھاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا جاتی ہے ۱۲ ابوداؤد روایت ابوہریرہ ۱۲

یہ امر حق کی طلب میں ایسا حال ہو جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈھتا ہو کہ اس بات کی تمیز نہ کرے کہ وہ میرے ہاتھوں سے ملے یا دوسرے
کے اور بحث کرنے میں طرف ثانی کو اپنا مددگار جانے مقابل اور خصم نہ سمجھے اگر وہ اُسکی غلطی پر آگاہ کر دے یا حق بات بتا دے تو اُسکا شکرگزار
اور ممنون ہووے جسطرح کہ گم شدہ چیز کی تلاش میں اگر ایک رستہ چلتا ہو اور دوسرا شخص اُسکو وہ چیز دوسری سڑک پر بتا دے تو یہ شخص دوسرے
کا مشکور ہوتا ہے اُسکی برائی نہیں کرتا اور اُس سے خوش ہوتا ہے اُسکو برا نہیں جانتا اور صحابہؓ کے مشوروں کا بھی حال ایسا ہی تھا یہانتک
کہ ایک عورت نے حضرت عمرؓ کو عین خطبہ میں مجمع کے سامنے ٹوکا اور حق پر آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ عورت نے ٹھیک کہا اور مرد نے
غلطی کی سا اور ایک شخص نے حضرت علیؓ سے کچھ پوچھا آپ نے جواب دیا اُسنے کہا کہ یا امیرالمومنین یہ مسئلہ اس طرح نہیں ایسے ہے آپنے فرمایا
کہ تو درست کہتا ہے میں نے خطا کی اور ہر علم والے سے بڑھکر دوسرا علم والا ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو وہ بات یاد دی
جو اُنسے فوت ہو گئی تھی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک یہ عالم تم میں ہے تب تک مجھسے کچھ نہ پوچھا کرو اور وہ حال اس طرح ہے کہ کسی نے حضرت
ابوموسی سے یہ پوچھا کہ ایک شخص نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور مارا گیا اُسکا حال کیا ہے آپنے فرمایا کہ وہ جنت میں ہے اور اُسوقت آپ کوفہ کے
حاکم تھے حضرت ابن مسعودؓ نے سائل سے فرمایا کہ امیر سے دوبارہ پھر پوچھو شاید وہ تمھارا سوال سمجھے نہیں اُسنے دوبارہ وہی سوال کیا آپنے
پھر وہی جواب دیا حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر وہ مارا گیا اور حق کو پہونچا تب جنتی ہے حضرت ابوموسی نے فرمایا کہ حق یہی ہے
جو آپ نے فرمایا اور واقع میں جو طالب حق ہو اُسکو یوں ہی انصاف کرنا چاہیے اگر اسطرح کی بات آج کل کسی ادنی فقیہ کے سامنے کوئی ذکر کرتا
تو وہ نہ مانتا اور بعید جانتا اور کہتا کہ مسئلہ مذکور میں حق کو پہونچنے کی قید کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے غرض کہ اپنے ان زمانے کے
مناظرین کو دیکھو کہ اگر امر حق طرف مقابل کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو اُنکا چہرہ کیسا سیاہ پڑجاتا ہے اور پھر کھسیے کر یہانتک اُسسے لڑتا ہے اُس حق کے
انکار میں کوشش کرتے ہیں اور جو شخص اُنکو الزام دیتا ہے اُسکی برائی عمر بھر کرتے رہتے ہیں اور پھر شرم نہیں کرتے کہ مناظرے میں اپنے آپکو صحابہ
کے مشابہ بتاتے ہیں ساتویں یہ کہ مناظرہ کا شریک اگر ایک دلیل سے دوسری کی طرف آیا ایک اعتراض سے دوسرے پر بدلنا چاہے تو اُسکو
روکنا نہ چاہیے اسلیے کہ سلف کے مناظرے سب ایسے ہی ہوتے تھے اُنکے کلام سے سب جھگڑنے کے دقائق جواب نئے نکلے ہیں خارج
تھے مثلا اس کہنے سے کیا حاصل کہ اس بات کا ذکر مجھپر لازم نہیں اور یہ امر تمھاری پہلی تقریر کے خلاف ہے اسلیے نہیں مانا جاویگا کیونکہ امر
حق کی طرف رجوع کرنا تو ہمیشہ باطل کے خلاف ہوتا ہے مگر حق کا قبول کرنا واجب ہے اور اب مناظرہ کی مجلسوں کو دیکھتے ہو کہ سب ایک دوسرے
کی بات کاٹتے اور لڑائی جھگڑے میں بسر ہو جاتی ہیں مثلا ایک شخص اپنے گمان میں کسی اصل کی ایک علت ٹھہرا کر استدلال کرتا ہے تو دوسرا
اُس سے کہتا ہے کہ اُسکی کیا دلیل ہے کہ اصل میں حکم اسی علت سے ہوا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر تمکو کوئی اور علت
واضح تر اور بہتر معلوم ہوتی ہو تو اُسکو ذکر کرو کہ میں بھی اُسمیں تامل کروں تو معترض اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو علت تمنے ذکر کی اُسکے سوا اور بات ہے
اور میں اُسکو جانتا ہوں مگر کہونگا نہیں اسلیے کہ مجھکو اُسکا کہنا ضروری نہیں اور استدلال کرنے والا کہے جاتا ہے کہ جس امر کو تم علت بتاتے ہو اُسکو
ظاہر کرو اور معترض یہی اصرار کرتا ہے کہ مجھپر تو کہنا لازم نہیں اور اسی طرح کے سوالوں وغیرہ سے مناظروں کی مجلسوں میں شور و غوغا رہتا ہے
اور یہ معترض بیچارہ کو یہ معلوم نہیں کہ اُسکا یہ کہنا کہ میں جانتا ہوں اور علت حکم کو بیان نہیں کرتا اسلیے کہ میرے ذمہ پر بیان کرنا ضروری نہیں
[illegible] جھوٹ بولنا ہے اسلیے کہ اگر واقع میں حکم کی علت کو نہیں جانتا اور طرف اپنے مقابل شخص کے عاجز کرنے کو دعوی جاننے کا کرتا ہے
تو وہ فاسق اور جھوٹا اور خدا تعالی کا نافرمان اور مستحق اُسکی خفگی کا ہے کہ جو بات اُسکو نہیں آتی اُسکے جاننے کا دعوی کرتا ہے اور اگر سچا
[illegible] اسلیے کہ جو امر شرعی اُسکو معلوم ہے اُسکو چھپاتا ہے حالانکہ اُسکا بھائی مسلمان اُس سے پوچھ رہا ہے تاکہ اُسمیں
[illegible] اُسکا اظہار کرے اور اگر ضعیف ہو تو اُسکا ضعف ثابت کرکے معترض کو جہل کی تاریکی سے

اور اس امر کو اور لوگ بھی پسند کرتے ہیں اور جو مناظرہ والا اس بات کو ایک لطیف سبب جانتا ہے اور اگر جو جھگڑالو ہوتا ہے تو کھلا کھلی اور علانیہ
اس عیب کے چھپانے سے نہیں رکتا چنانچہ ایک قوم کا حال اسی طرح کا سنا گیا ہے جو بڑے معتبر مناظرہ کرنے والوں میں ہیں سا اور ایک لوگوں کی
برائی سے خوش ہونا اور انکی خوشی پر رنج کرنا ہے اور جو شخص کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہ بات نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے تو وہ ایمانداروں
کے اخلاق سے مراحل دور ہے تو جو شخص کہ فضل کے جتانے سے فخر کا طالب ہے اسکو بالضرور وہ بات اچھی معلوم ہوگی جو اسکے ہمسروں اور فضل
کے شریکوں کو بری لگے اور انمیں عداوت ایسی ہی ہوگی جیسے سوتوں میں ہوا کرتی ہے جس طرح ایک سوت دور سے دوسری کو دیکھکر کانپ
اٹھتی ہے اور زرد پڑ جاتی ہے اس طرح مناظرہ کرنے والا جب دوسرے کو دیکھتا ہے اسکا رنگ بدل جاتا ہے اور فکر میں پریشانی آجاتی ہے گویا بھوت
سامنے آگیا یا کوئی درندہ بلا کو مقابل ہوا پس ان لوگوں میں وہ الفت و راحت کہاں ہے جو علماء دین میں ملاقات کے وقت ہوا کرتی ہے اور جس
طرح کا بھائی چارہ اور آپسمیں ایک دوسرے کی مدد کرنی اور رنج و راحت میں شریک رہنا انسے مروی ہے وہ ان میں کہاں ہے حتی کہ امام شافعی
فرماتے ہیں کہ فضل اور عقل والوں میں علم ایک قرابت قریبہ ہے اب ہمکو نہیں معلوم کہ جن لوگوں میں کہ علم ایک عداوت قطعی ہو گیا ہے وہ لوگ
امام شافعی کے مذہب کی اقتدا کا کیسے دعوی کرتے ہیں بھلا کہیں ہو سکتا ہے کہ باوجود مباہات اور غلبہ کے طلب کے انمیں انس ثابت ہو یہ ہرگز ہرگز
نہ ہوگا۔ اور اس مناظرہ کی برائی تمکو اتنی ہی کافی ہے کہ تم سے مومنوں کی عادتیں چھوڑا کر منافقوں کی عادتیں تمہارے ساتھ کر دے اور ایک [illegible]
جسکی برائی کی دلیلیں لکھنے کی کچھ حاجت ہی نہیں اور مناظرہ والوں کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ بالضرور طرف ثانی یا اسکے دوستوں اور پیروؤں سے ملتے ہیں
تو بالجبر زبان سے انکی دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور شوق جتاتے ہیں اور انکے رتبے کے قائل ہوتے ہیں حالانکہ کہنے والا اور مخاطب اور
جو کوئی غیر انکی باتیں سنتا ہے سب جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور مکر اور نفاق اور بدکاری ہے کہ ظاہر میں زبان سے تو دوست ہیں اور دل سے
دشمن خدائے تعالی ایسی عادت سے پناہ دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدمی علم سیکھیں اور اسپر عمل کرنا چھوڑ دیں
اور زبان سے دوست بنے رہیں اور دلوں سے ایک دوسرے کے دشمن ہوں اور قرابتوں کو قطع کریں تو اسوقت میں اللہ تعالی انپر لعنت
کرتا ہے پس بہرا کر دیتا ہے انکو اور انکی بینائی کھو دیتا ہے روایت کیا اسکو حسن نے۔ اور اس حال کے تجربہ ہو جانے سے معلوم ہوا کہ یہ مضمون ٹھیک
اور ایک حق بات سے برائی رکھنی اور اس سے نفرت کرنی اور اسمیں لڑنے کی حرص کرنی ہے یہانتک کہ مناظرہ کرنے والے کے نزدیک سب سے
بری بات یہ ہے کہ طرف ثانی کی زبان سے امر حق ظاہر ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو اسکے انکار اور نہ ماننے کے لیے اپنی طاقت کے موافق مستعد ہوتا ہے
اور جتنا کہ اس سے ہو سکتا ہے اسکے دفع کے لیے مکر و فریب و حیلہ کرتا ہے یہانتک کہ امر حق میں جھگڑنا اسکی عادت جبلی ہو جاتی ہے کہ کوئی کلام جہاں
کان میں پڑے اسی وقت طبیعت میں سے اسپر اعتراض کرنے کی سوجھی ہوئے ہوتے یہ امر قرآن مجید کی دلیلوں میں اور شریعت کی لفظوں
میں بھی اسکے دل پر غالب ہو جاتا ہے ایک کا مقابلہ دوسرے سے کرتا ہے اور جھگڑنا ایسا برا ہے کہ باطل کے مقابلہ میں بھی اس سے نہی آئی ہے اسلیے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سے باطل پر جھگڑا کرنے کو برابر فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں یوں فرمایا من ترک المراء وہو مبطل بنی اللہ
له بیتا فی اعلی الجنة اور اللہ تعالی نے جو اپنی ذات پر جھوٹ کا افترا کرنے کو اور امر حق کے جھٹلانے کو برابر فرمایا چنانچہ فرمایا ومن اظلم ممن افتری
علی اللہ کذبا او کذب بالحق لما جاءہ اور فرمایا فمن اظلم ممن کذب علی اللہ وکذب بالصدق اذ جاءہ اور ایک ریا اور خلق کو دکھلانا اور انکے دلوں کے
پھیرنے میں کوشش کرنی ہے اور ریا وہ مرض لاعلاج ہے جس سے سب میں بڑا کبیرہ گناہ سرزد ہوتا ہے چنانچہ اسکا بیان باب الریا میں آویگا اور مناظرہ
کا مقصود صرف خلق میں نمود ہوتی ہے اور اپنی تعریف میں انکی زبان کا گویا ہونا ہے۔ تو یہ سب باطن کی برائیاں دس ہوئیں جو سب حرامیوں کی خرابیاں
اور جڑ ہیں بیان کہ غیر مہذب اور ادنی لوگوں میں جو پایا کرتی ہیں وہ اسکے علاوہ رہیں مثلاً اس طرح جھگڑنا کہ نوبت ہاتھا پائی اور دھول دھپے اور لات
گھونسے اور کپڑے پھاڑنے اور ڈاڑھی پکڑنے اور زبان ماں باپ اور استادوں کو برا کہنے اور صریح گالی دینے کی پہونچے اس طرح کے لوگ

کہ وہ لوگ ریوڑوں کے مکروں کی طرح لڑتے رہتے ہیں اور ایک لوگوں پر تکبر کرنا ہے جسکے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص
تکبر کرتا ہے اللہ تعالی اسکو پست کرتا ہے اور جو شخص فروتنی کرتا ہے اللہ اسکو بلند کرتا ہے اور حدیث قدسی میں یوں ارشاد ہے کہ العظمۃ ازاری والکبریاء ردائی
فمن نازعنی واحدا منہما قصمتہ اور مناظرہ کرنے والے اپنے اقران اور ہمسروں پر تکبر کرنے اور بڑائی ڈھونڈھنے اور اپنی لیاقت سے بڑھکر جگہ
پانے سے خالی نہیں رہتے یہانتک کہ جو مقام صدر مکان کے قریب یا دور ہوتا ہے یا بلندی خواہ پستی میں اسکی رغبت کیجاتی ہے اسمیں بیٹھنے کے
لیے لڑمرتے ہیں اور راستے کی تنگی کی صورت میں پہلے جانے پر کشت و خون کرتے ہیں اور بعض اوقات اسمیں سے جو نا واقف اور مکار ہوتا
ہوتا ہے وہ یہ بہانہ کرتا ہے کہ ہمکو عزت علم کی حفاظت منظور ہے اور ایماندار کو اپنے نفس کو ذلیل بنانا بھی شرعا ممنوع ہے پس اس بہانے سے تواضع
کو جسکی صفت اللہ تعالی نے اور اسکے تمام انبیاء نے فرمائی ہے ذلت بتاتا ہے اور تکبر کو جو خدا تعالی کے نزدیک برا ہے دین کی عزت سے تعبیر
کرتا ہے تاکہ لفظ کو بدل کر خلق خدا کو گمراہ کرے جیسے علم و حکمت کے الفاظ کو بدل کر اور معنی کر لیے اور ایک کینہ ہے کہ مناظرہ کرنے والا اکثر اس سے
خالی ہوتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایماندار کینہ ور نہیں ہوا کرتا اور کینہ کی برائی میں بہت کچھ مروی ہے مگر کسی مناظرہ والے
کو ایسا نہ پاؤگے کہ جب وہ کسی شخص کو دیکھے کہ میرے کلام میں توقف کرتا ہے اور اچھی طرح نہیں سنتا اور طرف ثانی کے کلام پر سر ہلاتا ہے تو پھر
اور اس شخص سے دل میں کینہ نہ رکھے غایت ضبط اگر کریگا تو یہ کہ دل میں نفاق رکھیگا الا کبھی نہ کبھی ظاہر میں بھی غالباً اسکا اثر آجاویگا اور
چونکہ سب سننے والوں کا اتفاق ایک شخص خاص کے کلام کی ترجیح دینے پر ممکن نہیں کہ سب حالات میں اسی کے اعتراض اور جواب کو اچھا
جانا کریں اسلیے ضرور ہوا کہ مناظرہ والے کے کلام کو نہ ماننے والا بھی مجلس میں ضرور ہو اور یہی وجہ اسکے نفاق و عداوت کی ہوتی ہے یعنی جانب
طرف ثانی کی طرف سے کوئی ادنی سبب ہوا جسکے باعث سے کسی نے مناظرہ والے کے کلام کی طرف کم توجہی کی تو اسکے دل میں اسکی طرف
سے عمر بھر کو کینہ جم جاتا ہے اور ایک غیبت ہے جسکو اللہ تعالی نے مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے اور مناظرہ کرنے والا مردار ہی کھانے کا عادی
رہتا ہے کہ ہمیشہ اپنی طرف مقابل کے کلام نقل کرکے اسکی برائی کیا کرتا ہے۔ اور نہایت احتیاط اسکی یہ ہے کہ جس بات کو اسکی نقل کرے سچ سچ
بیان کردے جھوٹ نہ کہے اور اسمیں بھی یہ ہوگا کہ اسکی ایسی باتیں بیان کریگا جس سے اسکی گفتگو میں قصور اور اسکا ہارجانا اور فضیلت میں
بٹہ لگنا پایا جاوے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کا ذکر داخل غیبت ہے اور اگر جھوٹ بولیگا تو بہتان اسکے ذمہ لگا دیگا جو غیبت سے بھی بڑا ہے اسی طرح
مناظرہ والے سے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جو شخص اسکے کلام سے روگردانی کرے اور اسکے طرف مقابل کے کلام سنے اور اسکی طرف متوجہ ہو تو یہ
اسکی ہتک کے درپے ہو اور اسکو جاہل اور احمق اور کم فہم نہ کہے اور ایک تزکیہ نفس ہے جسکے لیے اللہ تعالی فرماتا ہے فلا تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقی
اور کسی حکیم سے سوال کیا گیا کہ برا سچ کونسا ہے اسنے کہا کہ اپنے نفس کی تعریف کرنی اور مناظرہ کرنے والا اپنے نفس کی تعریف قوت اور علم
میں اور ہمسروں پر فضل کی رو سے مقدم ہونے میں کیا ہی کرتا ہے بلکہ درمیان میں مناظرہ کے کہا کرتا ہے کہ میں ایسا نہیں کہ اس جیسی باتیں مجھپر
مخفی رہیں اور یہ باتیں میری ناخنوں میں بھری ہیں میں اصول اور احادیث میں طاق ہوں اور سوا اسکے اسی طرح کی باتیں کبھی تو شیخی کے
طور پر اور کبھی اپنے کلام کے رواج دینے کی ضرورت سے کہا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ شیخی اور لاف مارنی شرعا اور عقلا ممنوع ہیں۔ اور ایک
عیب جوئی اور بھید کا ٹٹولنا ہے جسکے لیے اللہ تعالی فرماتا ہے ولا تجسسوا یعنی بھید مت ٹٹولو اور مناظرہ کرنے والا اپنے ہمسروں کی لغزشیں اور
طرف مقابل کے عیب ڈھونڈھتا رہتا ہے یہانتک کہ جب کسی مناظرہ کرنے والے کو اپنے شہر میں آیا ہوا سنتا ہے تو ایسے شخص کی تلاش کرتا ہے
جو اسکے اندرونی حالات بتاوے اور اسکی سب برائیاں پوچھ پوچھکر نکلواتا ہے تاکہ انکو اپنے لیے ذخیرہ کر رکھے اور وقت ضرورت اسکو فضیحت
اور رسوا کرے حتی کہ اسکے لڑکپن کے حالات اور بدن کے عیب بھی دریافت کرتا ہے کہ شاید کوئی لغزش یا عیب مثل گنج وغیرہ کے دریافت
ہوجاوے پھر مناظرہ کے وقت اگر اسکی طرف سے ذرا سا غلبہ بھی معلوم ہوتا ہے تو خود اگر وہ ضبط کرتا ہے تو اس عیب کو کنایۃ اس سے کہتا ہے

غرض کہ علما تین طرح کے ہیں یا تو وہ کہ آپ بھی ہلاک ہوں اور دوسروں کو بھی ہلاک کریں وہ تو ایسے ہیں جو علانیہ طلب دنیا کی تصریح کرتے ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہیں یا وہ کہ خود بھی سعید ہیں اور دوسروں کو سعید کرتے ہیں وہ ایسے علما ہیں کہ خلق کو ظاہر اور باطن دونوں میں خداے تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں یا وہ کہ خود ہلاک ہونے والے ہیں اور دوسروں کو سعید کرتے ہیں وہ ایسے عالم ہیں کہ آخرت کی طرف بلاتے ہیں اور بظاہر دنیا کے تارک ہیں مگر دل میں یہی مقصود ہے کہ لوگوں میں مقبول ہوں اور جاہ قائم ہو۔ اب تم اپنے حال میں غور کرو کہ تم کونسی قسم سے ہو اور وہ کونسا شخص ہے جسکے لیے تم تیاری میں لگے ہو اور یہ ہرگز مت گمان کرنا کہ خداے تعالیٰ علم و عمل میں سے ایسے کو قبول کریگا جو اسکی ذات پاک کے لیے خالص ہو اور انشاء اللہ ہم باب الریا میں کہ تمام جلد ثالث میں ہے وہ بیان کرینگے جس سے تمکو شک اس بات میں کچھ نہ رہے۔

پانچویں فصل طالب علم اور معلم کے آداب کے ذکر میں اور اسمیں دو بیان ہیں **بیان اول** طالب علم کے آداب میں ہر چند طالب علم کے آداب بہت ہیں مگر وہ سب دس آداب میں آجاتے ہیں **ادب اول** یہ ہے کہ اپنے نفس کو رذیل عادات اور بری صفات سے پاک کرے اسلیے کہ علم دل کی عبادت اور باطن کی درستی اور اسکا نزدیک ہونا خداے تعالیٰ سے ہے اور جس طرح نماز کہ وظیفہ اعضاے ظاہری ہے بدون طہارت ظاہر کے حدث اور نجاست سے درست نہیں ہوتی اسی طرح عبادت باطن یعنی علم کے باعث دل کی عبادت بھی بدون برے اخلاق اور نجس صفات سے پاک ہونے کے درست نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی الدین علی النظافۃ یعنی دین ستھرائی پر مبنی ہوا ہے تو ستھرائی ظاہر و باطن دونوں کی چاہیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما المشرکون نجس یعنی مشرک ناپاک ہیں انہیں عقلوں کو اس بات کی آگاہی ہے کہ طہارت اور نجاست ظاہری ہی پر موقوف نہیں جو آنکھ سے سوجھے بلکہ مشرک بعض اوقات کپڑے بھی صاف پہنے ہوتا ہے اور نہایا ہوا ہوتا ہے مگر باطن اسکا پلیدی میں آلودہ رہتا ہے اور نجاست اسکو کہتے ہیں جس سے احتراز کیا جاوے اور علیحدگی مطلوب ہو اور صفات باطن کی نجاستیں احتراز کیے جانے کے لیے زیادہ اہم ہیں اسلیے کہ وہ سردست تو پلیدی ہی ہیں اور انجام کو مہلک ہیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب اور قلب انسان کا وہ گھر ہے جسمیں فرشتوں کا گذر اور اترنا اور مقام ہوتا ہے اور بری صفتیں مثل غضب اور شہوت اور کینہ اور حسد اور کبر اور عجب وغیرہ کے بھونکنے کتے ہیں تو جب دل میں یہ کتے بھرے ہونگے تو پھر فرشتوں کا گذر اسمیں کہاں ہوگا اور نور علم جو خداے تعالیٰ دل میں پہونچاتا ہے وہ صرف فرشتوں کے ذریعہ سے پہونچاتا ہے چنانچہ خود فرماتا ہے وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء اور اسی طرح علوم کی رحمت جو دلوں پر بھیجتا ہے اسکے کفیل بھی وہ فرشتے ہوتے ہیں جو ان علوم پر مقرر ہیں اور فرشتے پاک اور صاف اور صفات مذمومہ سے بری ہیں تو وہ پاک ہی جگہ دیکھتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے انکے پاس ہیں انکو پاک ہی دل میں بھرتے ہیں۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ حدیث مذکور میں بیت سے مراد دل ہے اور کلب غضب اور صفات مذمومہ ہیں تاکہ فرقہ باطنیہ ہمپر اعتراض کریں کہ جس امر سے ہمکو مانع ہو وہی خود کرتے ہو بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے تنبیہ اس مطلب کی پائی جاتی ہے ظاہر لفظوں کو بدل کر باطن کے معنی لینے اور بات ہے اور ظاہری معنی قائم رکھکر باطنی معنوں کی طرف اس سے تنبیہ پائی جانی اور بات ہے یہ دوسری شق عبرت حاصل کرنے کی ہے اور علما اور نیک بندوں کا طریق یہی ہے اسلیے کہ عبرت اسی کو کہتے ہیں کہ جو غیر کا ذکر ہو اس سے اسی پر کفایت نہ کرے بلکہ خود نصیحت حاصل کرے مثلاً اگر کوئی عاقل غیر پر مصیبت دیکھے تو وہ اپنے لیے اسکو عبرت کر لیتا ہے کہ ہم بھی ہدف مصیبت ہیں اور دنیا میں انقلاب ہوتا ہی رہتا ہے تو دوسرے کا حال دیکھکر اپنے نفس کی طرف خیال کرنا اور نفس سے اصل اصل دنیا کو سوچنا ایک عمدہ عبرت ہے اسی طرح اس سب سے جو خلق کا بنایا ہوا ہے تم بھی دل کی طرف خیال کرو جو خداے تعالیٰ کے گھروں میں سے ایک مکان ہے اور کلب سے جسکی مذمت صفت کے سبب سے یعنی درندگی اور نجاست سے ہوئی ہے نہ صورت کی جہت سے روح سگی کا دھیان کرو جو درندگی ہے اور جان لو کہ جس دل میں غضب اور دنیا کی حرص اور اسپر لپٹنا جھگڑنا اور مال پر حریص ہونا اور لوگوں

زمرۂ انسانیت سے خارج ہیں جو لوگ کہ عاقل اور بزرگ ہیں انمیں یہ دسوں خصلتیں ضرور ہوتی ہیں ہاں بعض اوقات کوئی مناظرے والا ان عادتوں
میں سے بعض سے بچ بھی رہتا ہو بشرطیکہ اسکا مقابل ظاہر اس سے کم رتبہ ہو یا بہت بڑھکر ہو یا اسکے شہر سے اور اسباب معیشت سے دور رہتا ہو اور
جو مناظرہ والے کہ ہمسر اور پاس پاس رہنے والے اور درجے میں مساوی ہوں وہ ان دسوں سے نہیں خالی ہوتے پھر ان دس خصلتوں
سے دس اور باقی حرکات متفرع ہوتی ہیں جنکی تفصیل ایک ایک کی ہم طول سمجھکر قلم انداز کرتے ہیں مثلاً ناک چڑھانی اور غصہ کرنا اور دشمنی اور طمع
اور جاہ و مال کی طلب کی محبت جو غلبہ اور مباہات والے کو ہوتی ہو اور خوش ہونا اور اترانا اور تونگروں اور حکام کی تعظیم اور اُنکے پاس آنا جانا
اور اُنکے مال حرام میں سے لینا اور گھوڑوں اور سواریوں اور ممنوع لباس سے زینت کرنا اور فخر و تکبر سے لوگوں کو حقیر جاننا اور بیفائدہ امر میں
خوض کرنا اور کلام بہت کرنے اور دل میں سے خوف و رجا کا جاتا رہنا اور اُسپر غفلت کا چھا جانا اس درجہ تک کہ انمیں سے نماز پڑھنے والے
کو یہ معلوم ہو کہ کتنی پڑھی اور کیا پڑھتا ہو اور کس سے مناجات کرتا ہو اور اپنے دل سے خشوع کی حرکت ہونا وجودیکہ عمر بھر ان علوم میں گذارتے
جو مناظرہ پر مدد ہوں یہانتک کہ عبارت کا اچھا بولنا اور لفظ مقفی کہنا اور نادر باتوں کا یاد کرنا وغیرہ امور سے تمام میں مصروف رہتا ہو حالانکہ
آخرت میں یہ کچھ کام نہ آوینگے۔ اور مناظرہ کرنے والے مناظرہ میں موافق اپنے درجوں کے مختلف ہوتے ہیں اور اُنکے درجات بہت سے
ہیں اور جو شخص کہ انمیں سے بڑا دیندار اور زیادہ عاقل ہوتا ہو اسمیں بھی ان اخلاق کے مواد مجتمع رہتے ہیں اور غایت اسکی یہ ہو کہ نفس پر مجاہدہ
کرکے انکو پوشیدہ رکھتا ہو۔ اور یہ رذیل عادتیں اُس شخص کے ساتھ بھی رہتی ہیں جو وعظ و نصیحت میں مشغول رہتا ہو بشرطیکہ اسکا ارادہ وعظ
سے لوگوں میں مقبول ہونا اور جاہ و ثروت و عزت کا حاصل کرنا ہو۔ اگر کوئی شخص علم مذہب اور فتاویٰ میں لگا رہے اور اسکی غرض یہ ہو کہ
عہدۂ قضا اور وقفوں کی تولیت ملے اور ہمسروں پر فوقیت ہو تو اسکو بھی یہ عادتیں لازم ہونگی۔ حاصل یہ کہ یہ عادتیں ایسے شخص کے ساتھ
ہونگی جو علم سے سوائے آخرت کے ثواب الٰہی کے غیر چیز کا طالب ہو اور ایسے علم کے ساتھ بھی ہونگی جو عالم کو ویسا ہی نہ رکھے بلکہ ہمیشہ کو ہلاک
کردے یا زندۂ جاوید بنادے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۱] کہ قیامت کو سخت تر عذاب آدمیوں میں اس عالم کو
ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسکو اسکے علم سے نفع نہ دے تو دیکھو کہ علم نے گو نفع نہ دیا مگر نقصان کیا اور کاش اس سے اوروں کے برابر ہی عذاب ہو کر
نجات ملجاوے مگر یہ کہاں ہوسکتا ہو کہ علم کا خطر بہت بڑا ہو اور اسکا طالب ملک دائم اور دولت قدیم کا طالب ہو تو ضرور ہو کہ یا سلطنت ہی ملے
یا ہلاک ہی ہووے کہ طالب علم کا حال مثل اس شخص کے ہو جو دنیا میں سلطنت کا خواہاں ہو کہ اگر اتفاق سے سلطنت نہ ملے تو یہ توقع نہیں
کہ ادنیٰ شخصوں کی طرح بچا رہے بلکہ بڑی بڑی رسوائیاں ہونی ضرور ہیں اب اگر یہ کہو کہ مناظرہ کی اجازت دینے میں یہ فائدہ ہو کہ لوگوں کو طلب علم
کی رغبت ہوتی ہو اسلیے کہ اگر ریاست کی محبت نہو تو علم ہی مٹ جاوے اس شوق میں پڑھتے تو ہیں تو واقع میں یہ تمہارا کہنا ایک طرح سے
درست تو ہو مگر مفید نہیں اسلیے کہ اگر لڑکوں کو گیند بلے اور چڑیوں سے کھیل کا وعدہ نہ کیا جاوے تو اُنکے مکتب کی رغبت نہیں ہوتی اس سے
یہ نہیں نکلتا کہ انمیں رغبت کرنی اچھی ہو اسی طرح اگر محبت ریاست نہو تو علم مٹ جاوے یہ جملہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ جو شخص ریاست
کا طالب ہو وہ نجات کا پانے والا ہو بلکہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہو جنکی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان[۲] اللہ
لیؤید ہذا الدین باقوام لاخلاق لہم اور دوسری جا ارشاد ہو ان[۳] اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر اس سے معلوم ہوا کہ طالب ریاست خود تو ہلاک
ہونے والوں میں ہو مگر کبھی اسکے باعث سے دوسرے کی بہتری ہو جاتی ہو جس صورت میں کہ وہ دوسروں کو ترک دنیا کی طرف بلاتا ہو
اور یہ ایسے شخصوں میں ہوتا ہو جنکا ظاہر حال بظاہر مثل علمائے سلف کے ظاہر حال کے ہوتا ہو مگر باطن میں جاہ کا قصد پوشیدہ
رکھتے ہیں انکی مثال شمع کیسی ہو کہ خود تو جلتی ہو اور دوسرے اُس سے روشنی پاتے ہیں یعنی دوسروں کی بہتری اُنکے ہلاک ہونے سے
ہوا کرتی ہو لیکن اگر کوئی رئیس دنیا کی طلب کی رغبت دلاوے تو اسکو آتش سوزاں کی طرح جانو جو آپ جلتی ہو اور دوسروں کو پھونکتی ہو

[۱] ایجا دیباچہ میں گزری ۱۲ ح ۲ - اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید ایسے لوگوں سے کرتا ہو جنکو دین میں حصہ نہیں ۱۲ نسائی بروایت انس ؓ ۱۲ ح ۳ - اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرتا ہو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی

ہوس

کہ علم پر تکبر کرے مثلاً تکبر علم پر اسطرح بھی ہو سکتا ہے کہ اُسی سے پڑھینگے جو معروف و مشہور عالم ہو دوسرے سے پڑھنے میں کیا وے یہ امر عین
حماقت ہے اسلیے کہ علم نجات اور سعادت کا سبب ہے تو جو شخص کسی درندہ ضرر پہونچانے والے سے مفر اور گریز کا طالب ہو وہ اس بات میں
فرق نہ کریگا کہ اُسکو گریز کی تدبیر کوئی مشہور آدمی بتاوے یا گمنام اور ظاہر ہے کہ درندہائے آتش کا نقصان خدا تعالیٰ کو نہ جاننے والوں پر نسبت
ہر ایک درندہ کے ضرر کے نہایت سخت ہوگا اور حکمت ایماندار کی گم ہوئی چیز ہے جہاں ملجاوے اُسکو غنیمت جانے اور جو کوئی اُسے اُس تک
پہونچادے اسکا احسان مانے خواہ کوئی ہو اور اسی لیے کسی نے شعر کہا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے شعر علم کو اہل تکبر سے تنفر ہے مدام ؛ جیسے رکھتی ہے
مکانوں سے عداوت سیلاب غرض کہ علم بدون انکسار اور کان لگانے کے نہیں آتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ
اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ اور دل والا ہونے سے یہ غرض ہے کہ علم کی قابلیت اور سمجھنے کی استعداد رکھتا ہو پھر سمجھنے پر قادر ہونا ہی کافی نہیں جبتک
کہ کان حضور دل سے نہ لگا دے تاکہ جو کچھ کان میں ڈالا جاوے اُسکو اچھی طرح سنکر انکسار اور شکر اور خوشی اور منت کے ساتھ قبول کر لے
استاد کے سامنے شاگرد کو ایسا رہنا چاہیے جیسے نرم زمین جس پر بہت سا مینہ برسے اور وہ سب پی جاوے کہ جب اُستاد کوئی سا طریق تعلیم کا
اُسکو بتاوے اُسکی پیروی کرے اپنی رائے کو دخل نہ دے اسلیے کہ مرشد اگر خطا پر بھی ہوگا تو وہ خطا خود شاگرد کے صواب سے اُسکے حق میں
زیادہ مفید ہے کیونکہ تجربہ سے ایسی باتیں باریک معلوم ہوتی ہیں جنکے سننے سے تعجب آتا ہے مگر اُنکا فائدہ بہت ہوتا ہے مثلاً بہت سے بیمار گرم مزاج
ہوتے ہیں کہ طبیب اُنکا علاج بعض اوقات میں گرم دواؤں سے کرتا ہے تاکہ حرارت اتنی قوی ہو جاوے کہ علاج کا صدمہ اُٹھا سکے تو جس
شخص کو فن علاج میں وقوف نہیں اُسکو اس علاج سے تعجب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے قصہ سے متنبہ فرما دیا کہ حضرت خضر نے یہ فرمایا
اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَّکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ خُبْرًا پھر شرط کر لی کہ چپ رہنا اور جبتک میں کہوں کچھ مت پوچھنا چنانچہ فرمایا فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْأَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ
حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر نہ کیا اور بار بار اُنکو ٹوکتے رہے یہانتک کہ یہی دونوں میں جدائی کا باعث ہوا حاصل یہ کہ
جو شاگرد اپنے استاد کی رائے کے سامنے اپنی آپ رائے اور اختیار باقی رکھیگا تو وہ اپنی حاجت سے محروم رہیگا - اب اگر یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس سے تو پوچھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ واقع میں پوچھنا درست ہے لیکن
جن چیزوں کے پوچھنے کی اجازت اُستاد دے وہی پوچھے اسلیے کہ ایسی بات پوچھنی جسکی سمجھ کا رتبہ تمکو حاصل نہیں بُری ہے اور یہی وجہ تھی
کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوچھنے سے منع فرما دیا تھا غرض کہ وقت سے پیشتر سوال نہ کرنا چاہیے اسلیے کہ
استاد کو خوب معلوم ہے کہ تمکو کس چیز کی حاجت ہے اور وہ کسوقت بتانی چاہیے اور ہر مقام میں درجات کے مراتب سے جبتک کہ بتانے کا وقت
نہیں آتا تب تک پوچھنے کا وقت بھی نہیں آتا اور حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عالم کا حق یہ ہے کہ اُس سے سوال بہت مت کرو اور جواب میں
اُسکو طعنہ مت دو اور جب وہ تھک جاوے تو اصرار نہ کرو اور جب اُٹھے تو اُسکا کپڑا مت پکڑو اور اُسکے بھید کو ظاہر نہ کرو اور نہ اُسکے پاس کسی کی
غیبت کرو اور نہ اُسکی لغزش کی تلاش کرو اور اگر وہ لغزش کرے تو اُسکا عذر قبول کرو اور اُسکی عزت و توقیر کو خدا کے واسطے اپنے اوپر لازم سمجھو
جبتک کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حکم کی حفاظت کرے اور اُس سے آگے مت بیٹھو اور اگر اُسکو کوئی حاجت ہو تو سب لوگوں سے پیشتر اُسکے لیے اُٹھو
چوتھا ادب یہ ہے کہ طالب علم ابتدائے امر میں لوگوں کے اختلاف کے سننے سے احتراز کرے خواہ علم دنیا کا طالب ہو خواہ علم آخرت کا اسلیے کہ
اختلافوں کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر اور ذہن پریشان اور رائے سست ہو جاتی ہے اور ادراک اور اطلاع سے یاس ہو جاتا ہے بلکہ یوں
چاہیے کہ اول ایک عمدہ طریقہ جو اُستاد کے نزدیک پسندیدہ ہو اُسکا تو تحقیق کرلے پھر اُسکے مذاہب اور مذہبوں اور اُسکے شبہوں کو سنے اور اگر اُسکا اُستاد
ایک مذہب کے اختیار کرنے میں مجتہد نہو اور اُسکی عادت یہی ہو کہ ایک مذہب سے دوسرے میں منتقل رہتا ہو اور اُسکے اقوال کو نقل کرتا ہو تو اُس سے
شاگرد کو بچنا چاہیے اسلیے کہ اُستاد [illegible] ہدایت کرتا ہے اور گمراہ زیادہ تو بھلا مبتدی کو اندھا راہ بتانے کے لائق کب ہے اور اسطرح کا

ہتک کرتا پھرتا ہو وہ دل باطن میں کلب ہو اور ظاہر میں قلب اور نور عقل باطن کو دیکھا کرتا ہو ظاہر کا لحاظ نہیں کرتا اور اس جہان میں معانی پر
صورتیں غالب ہیں اور معانی اُنکے اندر ہیں اور آخرت میں صورتوں کے معانی کارآمد ہونگے اور معانی غالب رہینگے اسی لیے ہر شخص کا
حشر اسکی معنوی صورت پر ہوگا مثلاً جو شخص لوگوں کی ہتک عزت کرتا ہوگا وہ اُس کتے کی شکل پر اُٹھیگا جو شکار پر چھوٹا ہوا اور جو شخص کہ لوگوں
کے مال کا حریص ہوگا وہ ظالم بھیڑیے کی صورت پر اور تکبر کرنے والا چیتے کی صورت پر اور ریاست کا طالب شیر کی صورت پر اُٹھیگا اور
اس امر پر اخبار وارد ہیں اور صاحبان بصیرت و بصارت کے نزدیک عبرت اسپر شاہد ہے پس اگر کوئی کہے بہت سے طالب علم اخلاق بد
رکھتے ہیں اور اُنھوں نے علوم حاصل کیے ہیں تو اسکا جواب یہ ہو کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جو شخص اخلاق بد رکھتا ہو اُسکو علم حقیقی جو آخرت
میں کارآمد موجب سعادت ابدی ہو کبھی نہ آویگا وہ اُس سے مراحل دور ہو اسلیے کہ اُس علم کے آغاز ہی میں یہ ہو کہ طالب کو یہ بات معلوم ہو جاے
کہ گناہ زہر قاتل اور ہلاک کرنے والے ہیں۔ اور تمنے کبھی کسی کو دیکھا ہو کہ زہر کھا لیوے باوجودیکہ جانتا ہو کہ یہ زہر قاتل ہو جس علم کو تمنے
سنا ہو وہ رسمی لوگوں کی ایک بات ہو کہ کبھی اپنی زبان پر اُسکو چکا دیتے ہیں اور کبھی اپنے دلوں میں اُسکو بار بار کہتے ہیں اُسکو علم مین کچھ
دخل نہیں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک نور ہو کہ دل میں ڈالا جاتا ہو۔ اور بعض اکابر کا قول
ہو کہ علم صرف قول الٰہی ہو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء گویا اِن صاحب نے علم کے ثمرات مین جو خاص تر تھا
اُسکی طرف اشارہ کر دیا اور اسی جہت سے بعض محققوں نے اس جملے کے معنی کہ تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی العلم ان یکون الا للہ یعنی ہمنے غیر خدا
کے واسطے علم سیکھا مگر علم نے انکار کیا بجز اُسکے کہ خدا کے لیے ہو اسطرح کہتے ہیں کہ علم ہمکو نہ آیا اور اُسکی حقیقت ہمپر نہ کھلی صرف ظاہری
الفاظ وعبارت حاصل ہوئی اب اگر کہو کہ ہم تو بہت سے علماے محققین اور فقہا کو دیکھتے ہیں کہ فروع و اصول میں فائق اور بڑے
ماہروں میں شمار کیے جاتے ہین مگر اُنکے اخلاق بُرے ہیں اُنسے وہ پاک و صاف نہیں ہوسے تو اسکا جواب یہ ہو کہ جب تم علوم کے
مراتب اور علم آخرت کو جان لوگے تو تمکو ظاہر ہوگا کہ جس علم میں یہ علما مشغول ہیں وہ علم ہونے کی جہت سے کم مفید ہو اُسکا فائدہ صرف
اس جہت سے ہوتا ہو کہ اُسکی طلب اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور مقصود اُس سے خداے تعالیٰ کا قرب ہو چنانچہ اس بات کی طرف ہم اشارہ
کر چکے ہیں اور عنقریب اس باب میں زیادہ بیان اور توضیح کیجاوے گی انشاء اللہ تعالیٰ دوسرا ادب یہ ہو کہ طالب علم دنیا کے شغل
کے علاقے کم کر دے اور اپنے اقارب اور وطن سے دوری اختیار کرے اسلیے کہ علاقے سب حارج اور مانع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی
انسان کے اندر دو دل نہیں بنائے تو جب فکر بٹا رہیگا حقیقتوں کے دریافت سے قصور کریگا اور اسی لیے کسی نے کہا ہو کہ علم تجکو اپنا تھوڑا
حصہ نہ دیگا جبتک تو اُسکو اپنا سب دل و جان حوالہ نہ کرے اور جب تو ایسا کرے گا تو تھوڑا حصہ جو تجکو علم دیگا اُس سے تجکو خطر ہو معلوم نہیں
کہ ملے یا نہ ملے اور جو فکر کہ بہت کاموں میں بٹا رہتا ہو اُسکا حال نالے کا سا ہو جس کا پانی پھیل گیا ہو کہ کچھ تو زمین پی جاتی ہو اور کچھ ہوا اُسکا
دیتی ہو تو اُسمیں اتنا نہیں رہتا کہ اکٹھا ہو کر کھیتی مین پہونچے تیسرا ادب یہ ہو کہ علم پر تکبر نہ کرے اور نہ استاد پر حکومت بلکہ اپنے معاملے کو
ہر حال مین بالکل اُسکے اختیار پر چھوڑ دے اور اُسکی نصیحت کو ایسا مانے جیسے جاہل بیمار طبیب مشفق و حاذق کی مانتا ہو اور چاہیے کہ تواضع
سے انکسار کے ساتھ پیش آوے اور اُسکی خدمت سے ثواب و شرف کا طالب ہو شعبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک
جنازے کی نماز پڑھی پھر اُنکا خچر قریب کر دیا گیا کہ اُسپر سوار ہوں حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور اُسکی رکاب تھام لی زید بن ثابتؓ نے
فرمایا کہ اے چچازاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ رکاب چھوڑ دین آپ نے فرمایا کہ ہمکو یون ہی حکم ہو کہ علما اور بڑے لوگوں سے
اسی طرح پیش آوین اُنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور کہا کہ ہمکو بھی یہی حکم ہو کہ اپنے پیغمبر کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کرین اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایماندار کی عادت میں نہین کہ خوشامد کرے الا علم کی طلب میں پس طالب علم کو چاہیے

ملا علی سے بروایت بزار سند ضعیف سے منقول بالا روایت کیا ہو وات اسقدر [illegible]

بدعت سے کہ دل میں ڈالدیتا ہے جب کہ وہ اپنے باطن کو مجاہدہ کر کے خباثتوں سے پاک کر لیتا ہے یہانتک کہ ہوتے ہوتے حضرت ابو بکرؓ کے ایمان
کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے جسکی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح فرمائی کہ اگر ابو بکر کا ایمان تمام عالم کے ایمان سے
تولا جاوے تو بھی جھکا رہیگا ہمارے نزدیک یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جس بات کا معتقد عامی ہے اور جسکو متکلم بناتا ہے کہ وہ بھی عامی سے صرف
کلام کی صنعت میں بڑھکر ہے اور اسی وجہ سے اُسکے فن کا نام کلام ہوا ہے وہ بات حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم
کو نہ آتی تھی اور حضرت ابو بکر اس میں اُن سے فائق تھے بلکہ آپکی افضلیت کی بات عامی اور متکلم کے عقائد کے سوا تھی یعنی اُس بھید کے
سبب انکو فضل تھا جو انکے سینے میں ڈالا گیا تھا اور تعجب اُس شخص سے ہے کہ اس جیسے اقوال صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے
پھر اُسکے موافق جو کچھ سنے اُسکو حقارت کرے اور کہے کہ یہ صوفیوں کی بیہودہ باتیں ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتیں اس باب میں آدمی
کو تامل کرنا چاہیے کہ اسی جگہ راس المال جاتا رہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمکو اس بھید کی معرفت کا حریص ہونا چاہیے جو فقہا اور متکلمین کے
حوصلہ اور سرمایہ سے خارج ہے اور تمکو اُسکا راستہ بجز اُسکے نہ ملیگا کہ اُسکے طلب کے حریص ہو۔ خلاصہ یہ کہ سب علوم میں اشرف اور سب
کی علت غائی خدا تعالی کی معرفت ہے اور وہ ایک دریا ہے جسکی تھاہ معلوم نہیں ہوئی اس باب میں سب آدمیوں سے بڑھکر انبیا کا درجہ
ہے پھر اولیا کا پھر جو انکے متصل ہوں۔ اور ایک روایت ہے کہ پہلے حکیموں میں سے دو حکیموں کی تصویر کسی مسجد میں نظر پڑی ایک کے ہاتھ میں
ایک پرچہ ہے جسمیں یہ لکھا ہے کہ اگر تم ہر ایک چیز کو درست کرلو تو یہ گمان نہ کرو کہ ایک چیز کو بھی درست کیا ہے جبتک کہ خدا تعالی کو نہ پہچانو اور یہ جانو
کہ مسبب الاسباب اور سببوں کا ایجاد کرنے والا وہی ہے اور دوسرے کے ہاتھ کے پرچے میں یہ ہے کہ خدا تعالی کی معرفت سے پہلے میں پانی
پیتا تھا اور پیاسا رہتا تھا یہانتک کہ جب اُسکو پہچانا تو بدون پئے ہی پیاس بجھ گئی ساتواں ادب یہ ہے کہ کسی فن میں قدم نہ رکھے جبتک کہ
اُس سے پیشتر کے فن کو پورا نہ کرلے اسلیے کہ علوم ایک ترتیب ضروری سے مرتب ہیں اور ایک علم دوسرے کا راستہ ہے تو توفیق یافتہ وہی ہے
جو اس ترتیب اور درجہ کا لحاظ رکھے اللہ تعالی فرماتا ہے الذین اتیناہم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ یعنی ایک فن سے آگے نہیں بڑھتے جبتک
کہ علم و عمل سے اُسکو درست نہ کرلیں اور چاہیے کہ جس علم کا قصد کرے اُسمیں نیت اُس سے اوپر کے علم پر ترقی کرنے کی ہو اور اگر
کسی علم میں لوگوں کا اختلاف واقع ہو یا کہ ایک شخص اُس میں خطا کریں یا اپنے علم کے موجب عمل نہ کریں تو چاہیے کہ ان وجوں سے
اس علم کو نکما نہ کہنے لگے بعض لوگ معقولات اور فقہیات اس وجہ سے نکمے کہتے ہیں کہ اگر انکی کچھ اصل ہوتی تو جو لوگ اسکے ماہر ہیں انکو
ملتی اور کتاب معیار العلم میں ہم اس شبہ کا جواب لکھ چکے ہیں اور بعض لوگ طبیب کی خطا دیکھکر طب کو نکما سمجھتے ہیں اور ایک نجومی کی باتیں
اتفاقا سچ نکلنے سے کچھ لوگ اسکی درستی کے معتقد ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ دوسرے نجومی کی خطا معلوم کر کے اُسکو بیکار بتاتے ہیں حالانکہ
سب غلطی پر ہیں بلکہ یوں چاہیے کہ چیز کو فی نفسہ جان لیں کہ کیسی ہے ہر شخص کسی علم میں اتنا تبحر نہیں رکھتا کہ اُسکی سب جزئیات سے
واقف ہو اور اسی لیے حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق کو مردوں سے مت پہچانو بلکہ حق کو معلوم کرلو پھر حق والوں کو خود جان جاؤ گے
آٹھواں ادب یہ ہے کہ اُس سبب کو معلوم کرے جس سے علوم کا شرف حاصل ہوتا ہے اور شرف دو چیزوں کے باعث سے ہوتا ہے
اول ثمرہ کے شرف سے دوم دلیل کی پختگی اور قوت سے مثلاً علم دین اور علم طب کو جو دیکھتے ہیں تو اول کا ثمرہ زندگی ابدی ہے اور دوسرے
کا ثمرہ زندگانی فانی اسی جہت سے علم دین اشرف ہوگا کہ اسکا ثمرہ اشرف ہے اور علم حساب اور علم نجوم کو اگر دیکھو تو حساب کی دلیلیں پختہ اور قوی
ہیں اسکو علم نجوم پر شرف ہے اور اگر حساب کو علم طب کے لحاظ سے دیکھیں تو اس صورت میں ثمرہ کے اعتبار سے شرف ہے اور حساب کو دلیلوں
کی رو سے اور ثمرہ کا لحاظ کرنا بہ نسبت دلیلوں کے بہتر ہے اسلیے طب حساب سے اشرف ہے اگرچہ علم طب اکثر تخمین اور قیاس سے ہے۔ اور
[illegible] ظاہر ہوا کہ سب علوم سے اشرف علم خدا تعالی اور اسکے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کا ہے اور وہ علم جو ان علوم تک

[illegible]

شخص ہو روادی حیرت اور تیہ نابینائی میں ہو * او خویشتن گم است کرا رہبری کند * اور مبتدی کو شبہات سے منع کرنا ایسا ہی جیسے نومسلم کو کفار کے
ملنے سے اور منتہی کو اختلافوں میں نظر کرنے کی ترغیب ایسی ہو جیسے قوی الایمان کو کفار کے ملنے کی اسلیے کہ ہر کارے و ہر مردے اسی وجہ سے
نامرد کو نہیں کہا کرتے کہ کفار پر حملہ کر بلکہ شجاع آدمی کو اس کام کے لیے بلاتے ہیں۔ اور بعض ضعیفوں نے اس دقیقہ سے غافل ہو کر یہ گمان
کر لیا کہ جو مسامحات قوی لوگوں سے منقول ہیں انکی اقتدا کرنا درست ہو یہ نہ جانا کہ زبردستوں کے معاملات کمزوروں کے معاملوں سے
علیحدہ ہیں اور اس باب میں بعض مشایخ نے فرمایا ہو کہ جس شخص نے مجھکو ابتدا میں دیکھا وہ تو صدیق ہو گیا اور جسنے انتہا میں دیکھا وہ زندیق
ہوا اسلیے کہ انتہا میں اعمال باطن پر جا ٹھہرتے ہیں اور ظاہر کے اعضا بجز فرائض کے اور حرکات سے ساکن ہو جاتے ہیں تو دیکھنے والوں کو یہی
سوجھتا ہو کہ یہ امر سستی اور کسل اور بیکار رہنا ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ تو دل کی نگرانی عین حضوری کے اندر اور دوام ذکر کا ملازم رہنا ہو جو سب اعمال
سے بہتر ہو اور ضعیف آدمی جو قوی کے ظاہر حال کو دیکھکر جانتا ہو کہ یہ لغزش ہو اور جو وہ ویسا کرتا ہو اسکی مثال ایسی ہو کہ کوئی شخص ایک پانی کے
کورے میں تھوڑی سی نجاست ڈالے اور اسکا عذر یہ کرے کہ سمندر میں تو اس سے ہزار گنی نجاست ڈالدیتے ہیں اور وہ کورے سے کہیں بڑا ہو تو جو
بات سمندر کو درست ہو وہ کوزہ کو بطریق اولے ہونی چاہیے اور اس بیچارہ کو یہ معلوم نہیں کہ سمندر اپنی قوت کے باعث نجاست کو پانی بنا لیتا ہو
اور سمندر کے غلبہ سے نجاست بھی اسی طرح کی ہو جاتی ہو اور تھوڑی نجاست کورے پر غالب ہوتی ہو وہ کورہ کو اپنی طرح کر دیتی ہو اور
اسی طرح کی دلیل کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ بات درست کی گئی جو غیروں کے لیے نہ ہوئی مثلاً آپ کے لیے نو بیبیاں
مباح ہوئیں اسلیے کہ آپ میں اتنی قوت تھی کہ انکے باعث عورتوں میں عدل فرماتے تھے گو کتنی ہی بہت ہوں اور دوسرا شخص تھوڑی
پر بھی عدل نہیں کر سکتا بلکہ انکے درمیان کا نقصان جو اس تک بڑھ آویگا کہ انکی رضامندی کی طلب میں نوبت خدا تعالی کی نافرمانی کی پہنچیگی
بھلا جو شخص فرشتوں کو کہاروں پر قیاس کرے کہیں اسکو فلاح ہوگی یا نجات ادب یہ ہو کہ طالب علم عمدہ علوم میں سے کوئی فن اور کوئی
قسم بدون دیکھے نہ چھوڑے اور اس طرح پر دیکھے کہ اسکے مقصود اور علت غائی سے مطلع ہو جاوے پھر اگر زندگی وفا کرے تو اسمیں
کمال پیدا کرنے کا طالب ہو ورنہ جو اہم ہو اسمیں مشغول ہو کر اسکو تو کامل کر لے اور باقی علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کر لے کیونکہ علوم ایک
دوسرے کے مددگار اور آپس میں وابستہ ہیں اور سردست جو اسکو نہیں سیکھتے تو عداوت کی جہت سے ہو کہ جو چیز آدمی کو نہیں آتی اسکا دشمن
ہوا کرتا ہو اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہو واذ لم یہتدوا بہ فسیقولون ہذا افک قدیم اور کسی کا شعر ہو شعر مرہ جس کا ہو مرض سے کڑوا * شیریں پانی
کو وہ جانے کڑوا * غرض کہ عمدہ علوم اپنے مدارج کے موافق یا تو بندہ کو خدائے تعالی کی راہ کا سالک کرتے ہیں یا سلوک میں کسی قسم کی
اعانت کرتے ہیں اور مقصود سے دوری اور نزدیکی میں ہر ایک علم کا ایک مقام خاص ٹھہرا ہوا ہو جو لوگ ان علوم سے آگاہ ہیں وہ ایسے
ہیں جیسے جہاد میں گھاٹیوں اور گھاتوں کے محافظ ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لیے انمیں سے ایک مرتبہ ہو اور اپنے درجہ کے موافق
آخرت میں ہر ایک کو ثواب ہو بشرطیکہ اس علم سے خدا تعالی کی رضا قصد کی ہو چھٹا ادب یہ ہو کہ علم کے فنوں سے کسی فن کو دفعتہً
اختیار نہ کرے بلکہ ترتیب کا لحاظ رکھے اور جو اہم ہو اس سے شروع کرے اس وجہ سے کہ عمر تو اکثر سب علوم کے لیے کافی نہیں ہوا کرتی
اس نظر سے احتیاط کی بات یہ ہو کہ ہر چیز میں سے عمدہ حاصل کرے اور اسمیں سے تھوڑی سی پر قانع ہو اور تھوڑے سے علم کے باعث جتنی
قوت ہوتی ہو وہ سب اس علم کے پورا کرنے میں صرف کرے جو اشرف علوم ہو یعنے علم آخرت کی دونوں قسموں معاملہ اور مکاشفہ میں کہ
علت غائی علم معاملہ کی مکاشفہ ہو اور مکاشفہ کا انجام خدا تعالی کی معرفت ہو اور ہماری غرض علم مکاشفہ سے وہ اعتقاد نہیں جسکو عوام باپ دادا سے
سنتے آتے ہوں یا زبانی یاد کر لیا ہو اور نہ طریق کلام مراد ہو کہ طرف ثانی کے مقابلہ میں عبارت ہی رسے وہ قدح نہ کر سکے چنانچہ
غایت کلام جاننے والے کی اتنی ہی ہو بلکہ علم مکاشفہ سے ہماری غرض ایک قسم کا یقین ہو جو اس نور کا نتیجہ ہوتا ہو جسکو خدائے تعالی

شروع کر دیے کیونکہ وہ دو حالات کو طے کر چکا ہے اور نہایت قریب پہونچ گیا ہے۔ جب یہ مثال معلوم ہو چکی تو اب علوم کی بھی تین قسمیں ہیں ایک وہ علوم ہیں کہ بمنزلہ سامان سفر کے خریدنے کے ہیں اور وہ علم طب اور فقہ اور جو علوم کہ دنیا میں بدن کی مصلحتوں کے متعلق ہوں ہیں اور ایک قسم بمنزلہ جنگل کے چلنے اور گھاٹیوں کے طے کرنے کے ہیں اور وہ صفات کی کدورتوں سے بدن کا پاک کرنا اور ان اونچی گھاٹیوں پر چڑھنا ہے جسے سوائے توفیق یافتہ لوگوں کے اگلے پچھلے سب عاجز ہیں تو یہ امور راہ کے چلنے میں داخل ہیں اور انکے علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے راہ کی طرفوں اور منزلوں کا حال لینا اور جس طرح کہ صرف منزلوں اور جنگل کی راہوں کا جان لینا بدون انکے طے کرنے کے کافی نہیں اسی طرح تہذیب اخلاق کا حال لینا کفایت نہیں کرتا جبتک کہ تہذیب نہ کیجے گو عادتوں کی تہذیب بدون علم کے نہیں ہو سکتی اور تیسری قسم وہ ہے جو بمنزلہ نفس حج اور اسکے ارکان کے ہے اور وہ خدائے تعالیٰ اور اسکے فرشتوں اور صفات اور افعال کا علم اور ان باتوں کا علم ہے جو علم مکاشفہ کے معانی میں ہم لکھ آئے ہیں اس قسم کے بعد رہائی اور سعادت ملا کرتی ہے مگر رہائی یعنی سلامتی تو ہر سالک طریق کو نصیب ہوتی ہے بشرطیکہ اسکی غرض مقصد حق ہو اور سعادت کو پہونچنا بجز خدائے تعالیٰ کے عارفوں کے اور کسی کو نہیں ملتا اور یہی لوگ مقرب ہوتے ہیں اور انہیں پر خدا تعالیٰ کے ہمسایہ میں رحمت و راحت و ریحان و جنت نعیم کا انعام ہوتا ہے اور جو لوگ کمال کے مرتبے سے ادھر رہ گئے ہیں انکو نجات اور سلامتی حاصل ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین اور جو لوگ کہ متوجہ مقصد نہ ہوئے اور اسکی طرف حرکت کی یا حرکت تو کی مگر بغرض فرماں برداری اور بندگی کے نہ کی بلکہ کسی دنیاوی غرض کے لیے کی تو وہ لوگ اصحاب شمال اور گمراہوں میں انکے لیے فنزل من حمیم وتصلیة جحیم اور جان لینا چاہیے کہ مضبوط علما کے نزدیک یہ امر حق الیقین ہے یعنی انھوں نے انکو اپنے باطن کے مشاہدہ سے دریافت کیا ہے جو آنکھوں کے مشاہدہ کی نسبت کہ قوی تر اور ظاہر تر ہے صرف سننے کی پیروی کی حد سے ترقی کر گئے ہیں اور انکا حال ایسا ہے جیسا کوئی شخص کسی خبر سے اور اسکو سچ جانے پھر آنکھ سے دیکھ لے اور یقین کرے اور دوسروں کا حال ایسا ہے کہ خبر کی تصدیق اعتقاد و ایمان کی جھولی کی جو نہ بھر لے مگر آنکھوں سے دیکھنا نصیب نہوا ہو۔ غرضکہ سعادت علم مکاشفہ کے بعد ہے اور علم مکاشفہ علم معاملہ کے بعد ہے یعنی طریق آخرت کے چلنے اور صفات کی گھاٹیوں کے طے کرنے کے بعد ہوتا ہے اور صفات مذمومہ کو مٹانے کی راہ چلنی صفات کے جاننے اور طریق علاج اور چلنے کی کیفیت معلوم کرنے کے بعد ہے اور یہ امر بدن کی سلامتی اور اسباب تندرستی کی موافقت کے جاننے پر منحصر ہے اور بدن کی سلامتی اجتماع اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے جس سے کہ پوشاک اور غذا اور سکونت ملا کرتی ہے و سلطان کے متعلق ہے اور اسکا قاعدہ لوگوں کو عدل و سیاست کے طور پر علم رکھنے کا فقیہ کے ذمہ میں رہتا ہے اور صحت کے اسباب طبیب کے ذمہ ہیں۔ اور جس شخص نے کہ کہا ہے کہ علم دو ہیں علم بدن اور علم دین اور اس سے اشارہ فقہ کا کیا ہے تو اسنے علوم مروجہ ظاہری کو مراد لیا ہے علوم باطنی کا ارادہ نہیں کیا۔ اب ہم اس بات کی وجہ لکھتے ہیں کہ ہمنے علم طب اور فقہ کو بمنزلہ تیاری زاد و راحلہ کے کیوں کہا ہے تو معلوم کرنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کے قرب کے حاصل کرنے کو اسکی طرف چلنے والا دل ہے بدن نہیں اور ہماری غرض دل سے وہ گوشت نہیں جو آنکھ سے سوجھا کرتا ہے بلکہ وہ ایک لطیفہ اور بھید ہے خدا تعالیٰ کے لطیفوں اور بھیدوں میں سے جو حواس سے نہیں معلوم ہوتا اور کبھی اسکو روح کہا کرتے ہیں اور بعض اوقات نفس مطمئنہ بولتے ہیں اور شرع اسکو دل سے تعبیر فرماتی ہے اسلیے کہ دل اس بھید کی اول سواری ہے اسی کے ذریعہ سے تمام بدن اسکی سواری اور آلہ بن رہا ہے اور اس بھید کا حال کھولنا علم مکاشفہ سے معلوم ہوتا ہے اور وہ راز قابل افشا نہیں بلکہ اسکے ذکر کرنے کی اجازت نہیں اور غایت اجازت اسمیں یہ ہے کہ اسقدر کہدیں کہ وہ ایک جوہر نفیس اور گوہر عزیز ہے کہ ان اجسام محسوس کی نسبت کہ اشرف ہے اور ایک امر الٰہی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی اور کل مخلوقات خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں مگر اسکی نسبت تمام اعضائے بدن کی نسبت سے اشرف ہے کیونکہ خلق اور امر دونوں اللہ ہی کے ہیں اور امر خلق کی نسبت کہ اشرف ہے اور یہ جوہر نفیس جو خدا تعالیٰ کی امانت کا اٹھانے والا ہے اور اس رتبہ میں آسمانوں

یہ ہو سکنے کا ذریعہ ہو تو اب تمکو بجز اس علم کے اور علم کی طرف رغبت اور حرص نہ کرنی چاہیئے نواں ادب یہ ہو کہ طالب علم کا قصد علم سے سردست تو یہ ہو کہ اپنے باطن کو آراستہ اور فضیلت سے مزین کرے اور انجام کو یہ ہو کہ خدائے تعالی کا قرب اور فرشتوں اور مقربان ملاء اعلیٰ کی ہمسائیگی حاصل ہو اور علم سے غرض ریاست اور مال وجاہ اور بیوقوفوں سے جھگڑنے اور ہمسروں پر فخر کرنے کی نہو اور جس شخص کی نیت علم سے قرب الٰہی ہو تو بالضرور وہ ایسے علم کو طلب کرے جو اُسکے مقصود سے بہت قریب ہو یعنی علم آخرت کا طالب ہو اور باوجود اسکے اُسکو چاہیئے کہ علم فتاوے اور علم نحو اور علم لغت جو متعلق کتاب اور سنت کے ہیں اور سوا اُسکے اور علوم کو جنکا ذکر ہمنے مقدمات اور متمات میں کیا ہو اور وہ فرض کفایہ علوں کے اقسام مین ہیں انکو حقارت کی آنکھ سے دیکھے۔ اور ہمنے جو علم آخرت کی تعریف مین بہت سا مبالغہ کیا ہی اس سے تم یہ مت سمجھنا کہ یہ علوم بُرے ہیں اسلیئے کہ جو لوگ ان علوں کے عالم ہیں اُنکا حال مثل اُن لوگون کے ہی جو گھاٹیوں کی محافظت اور اللہ تعالی کی راہ مین جہاد کرتے ہیں جیسے اُن مین سے بعض لوگ تو لڑتے ہیں اور بعض لوگ مدد کرتے ہیں اور کچھ اُنکو پانی پلاتے ہیں اور کچھ سواریوں کی حفاظت اور خدمت کرتے ہیں اور اُنمیں سے کوئی شخص ثواب سے خالی نہیں بشرطیکہ اُسکی نیت خدا تعالی کے بول بالا کرنے سے ہو یہ نہو کہ لوٹ ملیگی اسی طرح علما کا حال ہو اللہ تعالی فرماتا ہو یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات اور فرمایا ہم درجات عند اللہ یعنی وہ کئی درجہ ہیں اللہ کے نزدیک غرض کہ اہل علوم کی فضیلت اعتباری اور اضافی ہو کہ کسی کی نسبت اعلیٰ ہین اور کسی کے لحاظ سے ادنی یہ نہیں کہ بذات خود حقیر ہوں مثلاً اگر صرافوں کو بادشاہوں کی نسبت کم رتبہ کہا جاوے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اگر جاروب کشوں کی نسبت کر انکو قیاس کرین تب بھی حقیر ہوں گے پس یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ جو علم اعلیٰ رتبہ سے کم ہو وہ بیقدر ہی بلکہ یون جاننا چاہیئے کہ سب سے اعلیٰ رتبہ انبیا کا ہی پھر اولیا کا پھر اُن علما کا جو علم میں مضبوط ہیں پھر نیک مردوں کا موافق اُنکے درجات کے حاصل یہ کہ جو ذرہ برابر خیر کریگا اسکا ثواب اُسکو ملیگا اور جو شخص علم سے خدا تعالی کی رضا قصد کریگا خواہ کوئی سا علم ہو تو وہ علم اُسکو مفید ہوگا اور بالضرور اُسکا رتبہ بلند کریگا دسواں ادب یہ ہو کہ علم کی نسبت اصلی مقصود کی طرف معلوم کرے تاکہ جو مقصود سے قریب ہو اُسکو بعید پر ترجیح دے اور جو علم مہم ہو اُسکو اختیار کرے اور معنی مہم کے یہ ہیں کہ جو تمکو فکر میں ڈالے اور ظاہر ہو کہ دنیا اور آخرت میں تمکو بجز تمہارے حال کے اور کوئی چیز فکر میں نہیں ڈالتی اور چونکہ تمسے نہیں ہو سکتا کہ دنیا کے مزوں اور آخرت کی راحتوں کو اکٹھا لے سکو چنانچہ قرآن مجید مین اس امر کا ذکر آچکا ہی اور نور بصیرت بھی اسکا شاہد ہی جو مثل آنکھ سے دیکھنے کے ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ اہم وہی ہی جو ابدالآباد تک رہے اور اس صورت میں دنیا ایک منزل ہو جاویگی اور بدن سواری اور اعمال مقصود کی طرف کو چلنا۔ اور مقصود بجز دیدار الٰہی کے اور کچھ نہیں کہ تمام لذت و راحت اُسمیں ہی گو اس جہان میں اُسکی قدر کم لوگ جانتے ہیں اور علوم کو اگر خدائے تعالی کی ملاقات اور اُسکی ذات پاک کی دیدار کی نسبت کر دیکھو تو تین قسم کے ہیں اور دیدار سے وہ غرض ہی جسکے طالب انبیا تھے اور وہی اُسکو سمجھتے تھے وہ دیدار مراد نہیں جو عوام اور کلام والوں کے ذہن میں آتا ہی ان قسموں کو تم ایک مثال سے سمجھ لوگے وہ یہ ہو کہ اگر کسی غلام سے کہا جاوے کہ اگر تو حج کریگا اور اعمال کو کامل طور پر بجا لاویگا تو تو آزاد بھی ہو جاویگا اور سلطنت بھی ملیگی اور اگر تو حج کا راستہ شروع کریگا اور اُسکی تیاری کریگا اور راہ میں کوئی مانع پیش آویگا تو تو آزاد تو ہو جاویگا اور بند غلامی سے رہائی پاویگا مگر سلطنت کی سعادت سے مشرف نہوگا تو غلام مذکور کو تین طرح کے کام پیش آوینگے اول سامان سفر کرنا یعنی اونٹ خریدنا اور مشک سینی اور علہ وغیرہ مول لینا دوم وطن سے جدا ہو کر کعبہ کو منزل بمنزل چلدینا سوم اعمال حج میں مشغول ہونا اور ایک ایک رکن کو بترتیب ادا کرنا ان تینوں حالتون سے اور احرام اور طواف رخصت سے فارغ ہو کر غلام مذکور مستحق آزادی اور سلطنت کا ہوگا اور ہر حال میں بھی غلام مذکور کے بہت سے مراتب ہین جیسے شروع سامان سے اُسکے آخر تک اور آغاز سفر سے اُسکے تمام ہونے تک اور ابتداء ارکان حج سے اُسکے انجام تک بہت سے درجات ہین اب ظاہر ہو کہ جو شخص ابھی زاد راہ اور سواری کی تیاری میں ہو یا چلنا شروع کر دیا ہو وہ سعادت سے اتنا قریب ہوگا جتنا وہ شخص ہوگا جسنے ارکان حج

جو شخص دوسروں کو بتاتا ہے آپ علم کے بموجب عمل نہیں کرتا اُسکا حال دفتر کا سا ہے کہ دوسرے کو اُس سے فائدہ ہوتا ہے اور وہ خود علم سے خالی ہے یا سان کا سا ہے کہ لوہے کو تیز کر دیتی ہے اور خود نہیں کاٹتی یا سوئی کا سا ہے کہ غیروں کے لیے لباس تیار کرتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے یا چراغ کی بتی ہے کہ اوروں کو روشنی دیتی ہے اور اپنے آپ جلتی ہے جیسا کہ کسی شاعر کا شعر ہے ع ما علم ہے فتیلہ شمع ہ خود جلے اور ہوا اس سے روشن جمع اور جب آدمی تعلیم میں مشغول ہوا تو ایک بڑا کام اور نہایت درجہ کا خطرا اپنے ذمے لیا اس لیے اُسکے آداب و قواعد کو یاد کرنا چاہیے ادب اول یہ ہے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور اُنکو اپنے بیٹوں کے برابر جانے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما انا لکم مثل الوالد لولدہ یعنی آخرت کی آگ سے شاگردوں کو بچانے کا قصد کرے اور یہ بات ماں باپ کی اپنے بچے کو دنیا کی آگ سے بچانے کی نسبت بڑا اہم ہے اور اسی لیے استاد کا حق ماں باپ کے حق سے بڑھکر ہے اسلیے کہ باپ اُسکی زندگی اور وجود فانی کا سبب ہے اور استاد زندگانی باقی کا باعث ہے اگر استاد نہ ہوتا تو جو چیز باپ سے حاصل ہوئی تھی وہ ہلاک دائمی کی طرف پہونچاتی استاد ہی کی بدولت زندگانی اخروی ہمیشہ کو ہوتی ہے مگر استاد سے ہماری مراد علوم آخرت کا سکھانے والا یا دنیا کے علوم آخرت کی نیت سے بتانے والا ہے نہ دنیا کے ارادہ سے اسلیے کہ تعلیم کرنا دنیا کے ارادے سے تو خود بھی تباہ ہوتا ہے اور دوسرے کو تباہ کرتا ہے ایسی تعلیم سے خدا پناہ دے اور جسطرح کہ ایک شخص کے بیٹوں کا دستور ہے کہ آپس میں پیار و محبت سے رہتے ہیں اور مقاصد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اسی طرح ایک استاد کے شاگردوں میں دوستی اور یاری ہونی چاہیے اور اگر اُنکا مقصود آخرت ہوتی ہے تب تو ایسے ہی ہوتے ہیں اور اگر دنیا مراد ہوتی ہے تو آپس میں حسد اور بغض ہوتا ہے اسلیے کہ علما اور آخرت کے لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سفر کرنے والے اور دنیا سے اُسکی طرف گذر جانے والے ہیں اور دنیا کے برس اور مہینے اس راہ کی منزلیں ہیں اور جو مسافر شہروں کو جاتے ہیں راہ میں اُنکو رفیق کا ملنا دوستی اور یاری کا سبب ہو جاتا ہے اور جب جنت اعلیٰ کا سفر ہو تو اُسکے راستے میں رفیق کے ساتھ محبت کیسے نہ ہوگی اور سعادت اخروی میں تنگی نہیں ہے کہ ایک کو ملجاویگی تو دوسرا نہ پاویگا تو اسی جہت سے آخرت کے لوگوں میں نزاع اور حسد نہیں ہوتا بخلاف دنیا کی سعادات کے کہ اُنمیں گنجایش نہیں اسی لیے ہمیشہ اُنکے باہم میں لڑائی جھگڑے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ کہ علوم سے طلب ریاست کی طرف مائل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے خارج ہیں کہ انما المومنون اخوۃ اور اس آیت کے مضمون میں داخل الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین دوسرا ادب یہ ہے کہ تعلیم کے باب میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کرے یعنی علم سکھانے پر نہ مزدوری طلب کرے نہ اور کسی طرح کے بدلے کی نیت ہو نہ شکر کا خواہاں ہو صرف خدا تعالیٰ کے واسطے اور اُسکے قرب کے طلب کے لیے سکھاوے اور یہ نہ جانے کہ شاگردوں پر میرا احسان ہوتا ہے بلکہ اُنکا احسان بھی ہونا اور یہ تصور کرنا لازم ہے کہ فضل اُنھیں کے سبب سے ہوا ہے کہ اُنھوں نے اپنے دلوں کی تہذیب کی اور میرے حوالہ کیے کہ میں اُنمیں علوم کو بو کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کروں جیسے کوئی شخص تمکو اپنی زمین عاریت دے دے تاکہ تم اپنے واسطے اُسمیں کھیتی کرو تو ظاہر ہے کہ زمین والے کے فائدے کی نسبت کرانش سے تمکو فائدہ زیادہ ہوگا پس جب استاد کو تعلیم میں شاگرد کی نسبت کر ثواب خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ہوتا ہو تو پھر شاگرد پر احسان رکھنے کے کیا معنی اگر شاگرد نہ ہوتا تو استاد کو یہ ثواب کہاں سے ملتا اسی سبب سے بجز خدائے تعالیٰ کے ثواب کے بدلہ اور کسی سے نہ مانگنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا اسلیے کہ مال اور دنیا کی چیزیں بدن کی خادم ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے اور مخدوم علم ہے کہ اسی کی جہت سے نفس کا شرف ہے تو جو شخص علم کے بدلے میں مال طلب کرے اُسکی مثال ایسی ہے کہ کسی کی جوتی میں نجاست لگ گئی ہے اور وہ اُسکو صاف کرنے کے لیے اپنے منہ سے رگڑ لے تو ظاہر ہے کہ اُس میں مخدوم کو خادم کر دیگا اور خادم کو مخدوم اور یہ کمال درجہ کا انقلاب ہے اور اسی طرح کا شخص قیامت میں مجرموں کے ساتھ اپنا سر اونچا کیے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ حاصل یہ کہ فضل اور منت اُستاد کو ہے اب دیکھو کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد

اور زمین و آسمانوں سے عدم ہی کہ وہ اس بار کے اٹھانے سے ڈر کر انکار کر گئے عالم امر سے ہے اور اس بیان سے تم اسکے قدیم ہونے کا اشتباہ
مت سمجھنا اسلیے کہ جو شخص روح کے قدیم ہونے کا قائل ہے وہ جاہل اور مغالطہ کھانے والا ہے اسکو وقوف نہیں کہ کیا کہتا ہے بات یہ ہے ہم یہاں اسکی
اس شرح سے رکتے ہیں کہ جس بات کے ہم درپے ہیں اس سے یہ شرح خارج ہے مقصود یہ ہے کہ یہ لطیفہ اپنے رب کی طرف سعی کرنے والا ہوتا ہے
اسلیے کہ وہ امر رب سے ہے تو خدا تعالیٰ ہی اسکا مصدر ہے اور اسی کی طرف اسکا رجوع اور بدن اس لطیفہ کی سواری ہے جس پر سوار ہو کر اسکے ذریعہ
سے چلتا ہے تو بدن خدا تعالیٰ کی راہ میں دل کے لیے ایسا ہے جیسے بدن کے لیے راہ حج میں اونٹنی ہوتی ہے یا مشک جسمیں پانی بھرا رہتا ہے اور
بدن کو اسکی حاجت ہوتی ہے غرضکہ جو علم کہ اسکا مقصود بدن کی مصلحت ہے وہ سواری کی مصلحتوں میں داخل ہے اب ظاہر ہے کہ طب سے
بھی بدن کی بہتری مقصود ہے اسلیے کہ بدن کی صحت کی نگاہداشت کے لیے کہیں اسکی ضرورت پڑتی ہے اور اگر انسان بالفرض اکیلا ہوتا تو
طب کی حاجت اسکو ہوتی اور فقہ اور طب میں یہی فرق ہے کہ اگر انسان بالفرض اکیلا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ فقہ کی ضرورت نہ پڑتی لیکن اسکی
پیدائش اسطرح ہوتی ہے کہ تنہا نہیں زندہ رہ سکتا کیونکہ سب کام اکیلے سے نہ ہو سکینگے کہ کھانے کے لیے جوتنا بونا پیسنا پکانا اور لباس اور مکان
کا حاصل کرنا اور ان سب چیزوں کے آلات تیار کرے ایک شخص کسطرح کرے تو اس نظر سے دوسروں میں ملنا اور ان سے مدد چاہنی ضرور
ہوئی اور جب آدمی ملے اور انکی خواہشیں ابھریں تو شہوت کے اسباب کو انھوں نے کھینچا تانی کی اور آپس میں نزاع اور قتال کرنے لگے اور
اس لڑائی جھگڑوں سے برباد ہونے لگے اور سبب ہلاکی کا یہی نزاع و مخالفت ظاہری ہوئی جیسے اندر کی خلطوں کے بگاڑ سے بربادی آ کرتی ہے
اور طب سے جو نزاع اور فساد کی خلطوں میں ہو جاتا ہے اسکا تدارک کیا جاتا ہے اور سیاست اور عدل سے ظاہر کے فساد کو دور کر کے اعتدال حاصل
میں کر دیا جاتا ہے اور خلطوں کے معتدل رکھنے کا طریق معلوم کرنا طب ہے اور معاملات میں لوگوں کے احوال کو معتدل رکھنے کا طور جاننا فقہ ہے
اور یہ دونوں بدن کی حفاظت کے لیے ہیں جو دل کی سواری ہے پس جو شخص صرف علم فقہ اور طب کا ہو رہے اور اپنے نفس پر مجاہدہ نہ کرے
وہ ایسا ہے کہ صرف اونٹنی لیکر اسکو گھاس دانہ دیوے اور مشک لیکر اسکو تیار کرے اور راہ حج میں قدم نہ رکھے اور جو شخص کہ عمر بھر ان کلمات کے
دقیقوں میں پڑا رہے جو فقہ کی بحثوں اور مناظروں میں آتے ہیں وہ ایسا ہے کہ عمر بھر اپنے وسیلوں میں ڈوبا رہے جیسے حج کے لیے مشک مضبوط
سلیے اور ایسے فقیہوں کو اصلاح قلب یعنی ذریعہ علم مکاشفہ کے طریق پر چلنے والوں سے وہ نسبت ہے جو مشک کی درستی میں رہنے والوں
کو راہ حج چلنے والوں سے یا اسکے ارکان کے بجا لانے والوں سے ہے پس اس بات کو اول تامل کرو اور اس شخص کی نصیحت قبول کرو جو تم سے
اسکی مزدوری نہیں چاہتا اور اکثر اسی امر میں رہا ہے اور ہمکو یہ بات بدون بہت سی سخت محنت کے حاصل ہوگی عوام اور خواص سے علیحدہ ہونے
کے لیے جرأت کامل کرنی پڑیگی اور صرف اپنی خواہش کے موجب انکی پیروی کرنے سے باز آنا ہوگا طالب علم کے لیے اتنے ہی ادب کافی
معلوم ہوتے ہیں دوسرا بیان استاد کے آداب کے ذکر میں جاننا چاہیے کہ علم کے باب میں آدمی کے چار حال ہیں جیسے مال کے حاصل
کرنے میں ہوتے ہیں مثلاً مال والا اول تو مال پیدا کرتا ہے اسوقت کمانے والا کہلاتا ہے دوم اپنی کمائی کو جمع کرتا ہے تو توانگر ہو جاتا ہے کہ حاجت
دوسرے سے مانگنے کی نہیں رکھتا سوم اس مال کو خود اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے تو اس سے منتفع اور متمتع ہوتا ہے چہارم اسکو دوسروں کو دیتا ہے
اس صورت میں سخی اور اہل فضل گنا جاتا ہے اور یہ پچھلی حالت سب حالتوں سے اشرف ہے اسی طرح علم کا حال ہے وہ بھی مال کی طرح تحصیل
کیا جاتا ہے اور چار حالتیں اسکی بھی ہیں ایک طلب کا زمانہ اور ایک حاصل کیے ہوئے پر ایسا عبور ہونا کہ حاجت سوال کی نہ رہے اور ایک
جس بات کو حاصل کیا ہے اسمیں فکر کر کے اس سے مستفید ہونا اور ایک دوسرے کو اس سے فائدہ پہنچانا اور یہ حال سب میں اشرف ہے
اسلیے کہ جو شخص علم تحصیل کرے اور عمل کرے اور لوگوں کو علم سکھا دے تو ایسے ہی شخص کو آسمان و زمین کے ملکوت میں عظیم کہا کرتے ہیں کہ اسکا
حال آفتاب کی طرح ہے کہ اوروں کو روشنی دیتا ہے اور آپ بھی روشن ہے یا مشک جیسا ہے کہ دوسروں کو معطر کرتا ہے اور خود بھی خوشبودار ہے اور

مینگنیاں توڑنے سے منع کر دیا جاوے تو انکو ضرور توڑیں اور کہیں کہ ہم کو جو اس سے منع کیا ہے تو ضرور اسمیں کوئی بات ہے اور اس امر پر قصہ حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا جنکو درخت کے پاس جانے سے منع کر دیا گیا تھا ایک خوب شاہد ہے ہمنے جو اس قصہ کو تمکو یاد دلایا تو اسلیے نہیں ہے کہ تم کہانی سے جان لو بلکہ اسلیے کہ اس سے عبرت کے طور پر خبردار ہو جاؤ۔ اور ایک وجہ تصریح نہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ جو لوگ اچھے اور ذہن تیز ہوتے ہیں وہ کنایہ کہنے میں بھی اُسکے معانی نکال لیتے ہیں اور مقصود کو سمجھ جانے کی خوشی اُسکے موجب عمل کرنے کی رغبت دلاتی ہے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو کہ یہ بات انکی دانائی سے مخفی نہ رہی **پانچواں ادب** یہ ہے کہ استاد جس علم کو سکھاتا ہو اسکو چاہیے کہ شاگرد کے دل میں اس علم کے اوپر کے علوم کی برائی نہ ڈالے جیسے لغت پڑھانے والے کی عادت ہوتی ہے کہ علم فقہ کو برا کہا کرتا ہے اور فقہ سکھانے والے کی عادت ہے کہ علم حدیث اور تفسیر کی برائی بیان کرتا ہے کہ یہ علوم صرف نقلی اور سننے کے متعلق اور نرے سننے کے لیے رہا ہے عقل کو انمیں دخل نہیں اور کلام والا فقہ سے نفرت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علم فقہ ایک فرع ہے جسمیں عورتوں کے حیض کا بیان ہے وہ کلام کو کہاں پہونچ سکتا ہے جسمیں ذکر صفت رحمان ہے تو اُستادوں میں یہ عادتیں بُری ہیں انسے پرہیز کرنا چاہیے بلکہ جو استاد ایک علم کی تعلیم کا کفیل ہو اسکو چاہیے کہ شاگرد پر دوسرے علم کے سیکھنے کی راہ بھی نکال دے اور اگر کئی علم کا کفیل ہو تو انمیں ترتیب کا لحاظ رکھے کہ شاگرد ایک رتبہ سے دوسرے پر ترقی کرتا جاوے **چھٹا ادب** یہ ہے کہ شاگرد کے سامنے بیان کرنے میں صرف اُسکی سمجھ پر کفایت کرے ایسی بات اُس سے نہ کہے جس تک اُسکی عقل نہ پہونچے تاکہ وہ اُس سے نفرت نہ کرنے لگے یا اسکی عقل خبط ہو اور اس ادب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیا کے گروہ ہیں ہمکو یہ حکم ہے کہ لوگوں کو اُنکے مرتبوں میں رکھیں اور اُنکی عقلوں کے موجب اُنسے گفتگو کریں۔ تو اُستاد کو بھی چاہیے کہ شاگرد کے سامنے حقیقت کسی امر کی اُسوقت ظاہر کرے کہ اُسکو معلوم ہو جاوے کہ شاگرد اسکو بھی طرح سمجھ جاویگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی کسی قوم کے سامنے ایسی بات کہتا ہے کہ جسکو اُنکی سمجھ نہیں پہونچتی تو اُنمیں سے کچھ لوگوں پر فتنہ ہو جاتا ہے۔ اور حضرت علی نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ اُسکے سمجھنے والے ہوں یعنی میں اُنکو اسلیے اظہار نہیں کرتا کہ اُن علوم کا کوئی متحمل نہیں اور آپ نے سچ فرمایا کہ نیک بندوں کے دل بھیدوں کی قبریں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عالم کو نہ چاہیے کہ جو کچھ جانتا ہو اُسکو ہر کسی سے کہدے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ طالب علم اُسکو سمجھتا ہو مگر اُس سے فائدہ لینے کا اہل نہ ہو اور جس صورت میں کہ سمجھتا ہی نہو تب تو بطریق اولیٰ ذکر کرنا نہ چاہیے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جواہر کو سوروں کی گردن میں مت ڈالو کہ حکمت جوہروں سے بہتر ہے اور جو شخص اُسکو برا جانتا ہے وہ سوروں سے بدتر ہے اور اسی جہت سے کسی بزرگ نے کہا ہے کہ ہر شخص کو اُسکی عقل کے پیمانے کے موجب ناپو اور اُسکی سمجھ کی ترازو کے موجب تول تاکہ تم اُس سے بچے رہو اور وہ تمسے نفع پاوے ورنہ وہ تنگی حوصلہ کے سبب نہ مانیگا اور کسی شخص نے ایک عالم سے کوئی بات پوچھی اُسنے جواب نہ دیا سائل نے کہا کہ تمنے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص علم مفید کو چھپاویگا روز قیامت میں اُسکے منہ میں آگ کی لگام دیا جاویگا عالم نے جواب دیا کہ لگام کو رہنے دو اور چلدو اگر کوئی سمجھنے والا آویگا اور اُس سے میں چھپاؤنگا تو وہ مجھکو لگام دے لیگا اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ولاتؤتوا السفہاء اموالکم اسمیں بھی یہی تنبیہ ہے کہ علم جس شخص کو خراب کر دے اور ضرر پہونچاوے اُسکو اُس سے باز رکھنا بہتر ہے اور غیر مستحق کو چیز کے دینے میں اور مستحق کے نہ دینے کے کچھ ظلم کم نہیں بلکہ دونوں میں ظلم برابر ہے چنانچہ کسی نے قطعہ کہا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے

قطعہ

سلک گوہر کو کرکے میں چرواہوں میں نثار * غمگیں کیوں ہوں گر مجھے راعی کہیں ہزار * چرواہوں کو ہو جہل سے کب جوہروں کی قدر * وابستہ انکو جیسے ناقوں کی گردنوں کا ہار * گر فضل سے خدائے کریم و لطیف کے * علم و ہنر کا اہل کوئی ہو وے آشکار * تب فضل اس خزانے کا کھولوں براہ [illegible]

خدا تعالیٰ کی طرف نزدیک ہونے کا ہے انکی نوبت علم فقہ اور کلام میں اور انکی تدریس میں کہاں تک پہونچی ہے کہ مال اور جاہ خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کی ذلتیں سلاطین کی خدمت میں جاگیریں لینے کے لیے اٹھاتے ہیں اور اگر اس بات کو وہ ترک کر دیں انکو کوئی نہ پوچھے اور نہ انکے پاس کوئی جاوے پھر اسپر یہ ہے کہ استاد شاگرد سے بھی توقع رکھتا ہے کہ میری ہر آڑی میں کام آوے اور میرے خیر خواہ کی مدد کرے اور بدخواہ سے عداوت رکھے اور ضروریات دنیاوی میں گدھے کی طرح لدا کرے اور جب سب حاجات میں فرماں بردار رہے اور اگر اس امر میں ذرا بھی قصور کرے تو پھر استاد ہی اسکے دلی دشمن ہیں پس اسطرح کا عالم نہایت دنی اور خسیس ہے جو اپنے لیے یہ مرتبہ پسند کرے اور اسپر خوش ہو اور اس قول سے شرم نہ کرے کہ میری غرض پڑھانے سے علم کا پھیلانا ہے تاکہ اسکی بزرگی اور اسکے دین کی مدد ہو غرض ذرا ان منافیوں اور علامات کو دیکھو تاکہ تمکو مغالطہ میں پڑنے کے اقسام معلوم ہو جاویں تیسرا ادب یہ ہے کہ شاگرد کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے مثلاً اس طور کہ اگر وہ قابلیت سے پہلے کسی رتبہ کا درپے ہو یا علم ظاہر تحصیل کرنے سے پیشتر علم باطن اور مخفی میں مشغول ہوا چاہے تو اسکو منع کرے پھر اسکو تنبیہ کر دے کہ علوم کی طلب قرب الٰہی کے لیے کرے نہ ریاست کی طلب اور فخر کرنے کے لیے اور اس امر کی برائی اسکے دل میں جسقدر ممکن ہو اول ہی جما دے اس لیے کہ عالم فاجر کی اصلاح کم ہوتی ہے اور خرابی زیادہ پس اگر استاد اپنے شاگرد کے باطن سے یہ معلوم کرے کہ یہ شخص دنیا ہی کے لیے علم کا طالب ہے تو جس علم کی طلب ہو اسکو دریافت کرے اگر وہ علم فقہ میں جھگڑا کرنے کا اور کلام میں اور مقدمات کے فتاوے و احکام میں مناظرہ کرنے کا ہو تو شاگرد کو اس سے باز رکھے اور منع کر دے کہ یہ علوم آخرت کے علم نہیں اور نہ ان علوم میں سے ہیں جنکے باب میں کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہمنے علم کو غیر خدا کے لیے سیکھا مگر علم نے انکار کیا کہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کے لیے ہو اور اس طرح کے علوم علم تفسیر اور حدیث اور علم آخرت جسمیں سلف کے لوگ مشغول رہتے تھے اور اخلاق نفس کو پہچاننا اور انکی تہذیب کی کیفیت معلوم کرنی ہیں پس اگر طالب علم ان علوم کو دنیا کی غرض سے سیکھے تو استاد مزاحم ہو اسلیے کہ طالب علم وعظ کی طمع اور لوگوں کی پیروی کرنے کی لالچ سے اسپر مستعد ہوتا ہے اور بعض اوقات اثنائے تحصیل میں انجام سے آگاہ ہو جاتا ہے اسلیے کہ ان میں وہ علوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف دلادیں اور دنیا کو نظروں میں حقیر اور آخرت کو بڑی کر دیں اور اس سے توقع پڑتی ہے کہ انجام کو طالب مذکور راہ راست پر آجاوے اور جن امور کی نصیحت دوسروں کو کرے ان سے خود بھی نصیحت مانے۔ اور لوگوں میں مقبول ہونے اور جاہ پیدا کرنے کی محبت علم کی تحصیل میں ایسی ہے جیسے پرندوں کے شکار کے جال کے گرد دانہ ڈالدیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے امر اپنے بندوں کے ساتھ ملحوظ فرمایا ہے کہ شہوت کو پیدا کیا تاکہ خلق کی نسل اسکے ذریعہ سے باقی رہے اور محبت جاہ کو بھی اسی لیے پیدا کیا ہے کہ سبب علوم کے قائم رہنے کا ہو اور یہ بات نہیں علوم مذکورہ میں ہو سکتی ہے مگر محض خلافی مسائل اور کلام کے جھگڑے اور انکے دوعات عجیبہ کو معلوم کرنا یہ ایسے ہیں کہ اگر آدمی انھیں کا ہو رہے اور دوسرے علوم سے اعراض کرے تو دل کی سختی اور خدا تعالیٰ سے غافل رہنا اور گمراہی میں پڑا رہنا اور جاہ کا طالب ہونا اسسے بڑھتا ہے اور کچھ فائدہ نہیں مگر جسکو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بچالے یا ان باتوں کے ساتھ اور کوئی علم دینی ملالے تو البتہ فائدہ ہو سکتا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ کی طرح اسپر کوئی دلیل نہیں پس دیکھکر عبرت کرو اور چشم بصیرت کھولو تاکہ اسکی تحقیق شہروں اور شہروں میں تمکو معلوم ہو اور اللہ سے مدد درکار ہے ایک بار حضرت سفیان ثوری کو کسی نے ملول دیکھا اور باعث ملال کا پوچھا فرمایا کہ ہم دنیاداروں کے لیے تجارت گاہ بن گئے کہ علم کے لیے انمیں سے کوئی ہمارے پیچھے پڑتا ہے یہانتک کہ جب سیکھ لیتا ہے تو قاضی یا عامل یا خانساماں کر لیا جاتا ہے چوتھا ادب جو تعلیم کے باب میں عمدہ اور باریک ہے وہ یہ ہے کہ شاگرد کو اخلاق بد سے جہانتک ہوسکے کنایہ اور پیار کی راہ سے منع کرے تصریح اور توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے اسلیے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کرتی ہے اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار پر حریص ہونے کا موجب ہوتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کل استادوں کے استاد ہیں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آدمیوں کو

علی القلب وذالک العلم النافع اور فرمایا کہ آخر زمانے میں عابد جاہل ہوں گے اور علما فاسق اور فرمایا علم کو اس غرض سے مت سیکھو کہ اس سے
علماء کے ساتھ فخر کرو اور بیوقوفوں سے بحث کرو اور لوگوں کے منہ اپنی طرف پھیرو اور جو کوئی ایسا کریگا تو وہ دوزخ میں جاویگا اور فرمایا جو
شخص اپنے پاس کے علم کو چھپاوے اسکو خدا تعالیٰ آگ کا لگام دیگا اور فرمایا البتہ میں دجال کی نسبت غیر دجال سے تم پر زیادہ خوف
کرتا ہوں کسی نے عرض کیا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ گمراہ کرنے والے اماموں سے ڈرتا ہوں اور فرمایا جو شخص علم میں زیادہ ہوا اور ہدایت
میں زیادہ نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں زیادہ ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کب تک آخرت میں چلنے والوں کے لیے تم
راستہ صاف کروگے اور خود حیرت والوں کے ساتھ ٹھہرے رہوگے غرضکہ یہ اخبار اور انکے سوا اور بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں
کہ علم کا خطر بڑا ہے اسلیے کہ عالم یا تو ہلاک ابدی کا متعرض ہوتا ہے یا سعادت جاودانی کا اور علم میں خوض کرنے سے اگر سعادت نہ پاویگا تو سلامت
رہنے سے بھی محروم رہیگا اور آثار بھی اس بارے میں بہت ہیں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجکو اس امت پر زیادہ ترخوف منافق علیم اللسان
کا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ منافق کسطرح علیم ہوسکتا ہے فرمایا کہ زبان کا عالم ہو اور دل اور عمل کے لحاظ سے جاہل اور حضرت حسن بصریؒ
کا قول ہے کہ تو ان لوگوں میں نہ ہو کہ علم اور ظرافت کو مثل علما اور حکما کے رکھتے ہوں اور عمل میں بیوقوفوں کے برابر ہوں اور ایک آدمی نے
حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ میں علم سیکھنا چاہتا ہوں مگر یہ ڈر ہے کہ کہیں اسکو ضائع نہ کروں آپ نے فرمایا کہ علم کو ضائع کرنے کے لیے اسکا
چھوڑ بیٹھنا ہی کافی ہے اور ابراہیم بن عتبہ سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ ندامت کس کو ہوتی ہے فرمایا کہ دنیا میں
تو اسکو ہوتی ہے جو ایسے شخص پر احسان کرے کہ اسکا شکر نہ ہوا اور موت کے وقت عالم کو ہوگی جسنے عمل میں کوتاہی کی ہو اور خلیل
بن احمد نے کہا ہے کہ آدمی چار ہیں ایک وہ کہ واقع میں جانتا ہے اور جانتا ہے کہ میں جانتا ہوں تو وہ شخص عالم ہے اسکا اتباع کرو اور ایک
وہ کہ جانتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جانتا ہوں تو وہ سونے والا ہے اور اسکو ہوشیار کرو اور ایک وہ کہ نہیں جانتا اور جانتا ہے کہ نہیں جانتا ایسا
شخص ہدایت کے قابل ہے اسکو ہدایت کرو اور ایک وہ کہ نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ نہیں جانتا تو وہ جاہل ہے اسکو ترک کرو اور
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم عمل کو پکارتا ہے اگر عمل نے جواب دیا تو خیر ورنہ علم رخصت ہوتا ہے اور ابن مبارک فرماتے ہیں کہ
آدمی جبتک طلب علم میں رہتا ہے تب تک عالم ہوتا ہے اور جب یہ گمان کرتا ہے کہ میں عالم ہوں تب جاہل ہوجاتا ہے اور فضیل بن عیاضؒ
فرماتے ہیں کہ مجکو تین شخصوں پر ترس آتا ہے ایک وہ شخص کہ اپنی قوم میں عزت رکھتا تھا اور ذلیل ہوگیا اور ایک وہ کہ قوم میں مالدار
تھا اور مفلس ہوگیا اور ایک وہ عالم جس سے دنیا بازی کرتی ہے اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ علما کا عذاب دل کا مرجانا ہے اور دل
کی موت یہ ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا کی طلب ہو اور پھر اک قطعہ پڑھا جسکا ترجمہ یہ ہے **قطعہ** عجب ہے اس سے جو دیکر ہدایت لیتا
گمراہی وہ جو دیں کو دیکے دنیا لے تو ہے زائد عجب اس سے ہاں دونوں سے زائد عجب اس سے ہے مجکو کہ بدلے غیر کی دنیا کے
بیچے دیں کو بیچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان العالم لیعذب عذابا یطیف به اهل النار استعظاما لشدة عذابه
اس میں مراد عالم بدکار سے ہے اور اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ یوں فرماتے تھے یؤتی بالعالم
یوم القیامة فیلقی فی النار فتندلق اقتابه فیدور بها کما یدور الحمار بالرحی فیطوف به اهل النار فیقولون مالک فیقول کنت آمر بالخیر ولا آتیه وانهی
عن الشر وآتیه اور معصیت کے سبب سے عالم کے عذاب کے مضاعف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسنے دانستہ نافرمانی کی اور اسی لیے خدا تعالیٰ
فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنے منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں رہیں گے اسلیے کہ انھوں نے
علم کے بعد انکار کیا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو نصاریٰ سے بدتر فرمایا باوجودیکہ انھوں نے خدا تعالیٰ کو ثالث ثلثہ
یعنی تین میں کا نہیں کہا مگر چونکہ انھوں نے علم کے بعد انکار کیا چنانچہ خود فرماتا ہے یعرفونه کما یعرفون ابناءهم اسکو جانتے ہیں جیسا اپنے

ورنہ چھپادوں اسکو میں جوں ورشا ہوا رہ تعلیم جو کوئی کرے نا کس کو ہو یاد رہ گر اہل کو سکھا دے نہ کچھ ہو ستم شمار رہ **ساتواں ادب** یہ ہو کہ جب شاگرد کا حال معلوم ہو جاوے کہ کم سمجھ ہو تو اُستاد کو چاہیے کہ اُسکو موٹی بات جو اُسکے لائق ہو بتاوے اور اس سے یوں نہ کہے کہ اسمیں کوئی دقیق بات بھی ہو جو ہمنے تجکو نہیں بتائی کیونکہ اس کہنے سے شاگرد کی رغبت اُس موٹی بات میں پھیکی پڑجاویگی اور اُسکے دل کو پراگندگی ہوگی اور یہ وہم کریگا کہ مجکو بتانے سے دریغ کرتے ہیں کیونکہ اپنے گمان میں ہر کوئی یہی سمجھتا ہو کہ میں ہر ایک علم دقیق کا قابل ہوں اور ہر شخص حق تعالےٰ سے اس بات پر راضی ہو کہ میری عقل کامل بنائی اور بڑا احمق اور کم عقل وہ ہو جو اپنی عقل کے کامل ہونے سے زیادہ خوش ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ عوام میں سے اگر کوئی شخص شرع کا پابند ہو اور جو عقیدے کہ سلف سے منقول ہیں بلا تشبیہ اور بدون کسی تاویل کے اُسکے دل میں جمے ہوں اور باوجود اسکے اُسکا باطن بھی اچھا ہو اور اُسکی عقل کو اس سے زیادہ کا تحمل ہو تو ایسے شخص کے اعتقاد کو پریشان نہ کرنا چاہیے بلکہ اُسکو اُسکے کام میں مشغول رہنے دینا چاہیے اسلیے کہ اگر اُسکے سامنے ظاہر کے تاویلات ذکر کیے جاویں تو عوام کی بلندی سے نکل جاویگا اور خواص میں داخل ہونا اُسکو میسر ہوگا تو جو آڑ اُسمیں اور گناہوں میں تھی وہ دور ہو جاویگی پھر وہ شیطان سرکش بنکر اپنے آپ کو اور غیروں کو ہلاک کریگا پس عوام کے سامنے باریک علموں کی حقیقتیں بیان ہی نہ کرنی چاہییں بلکہ اُنکو تو صرف عبادات اور جن کاموں میں وہ ہوں اُنمیں دیانتداری کی تعلیم کرنی مناسب ہو اور قرآن کے مضمون سے موجب جنت کی رغبت اور دوزخ کے خوف سے اُنکے دلوں کو پر کرنا چاہیے اور کسی شبہہ کی تحریک اُنکے سامنے نہ کیجاوے کہ اکثر شبہہ اُنکے دل میں اٹک رہتا ہو اور اُسکا نکلنا دشوار ہو جاتا ہو اور اسی وجہ سے ہلاک اور تباہ ہو جاتے ہیں حاصل یہ کہ عوام کے لیے باب بحث مفتوح نہ کرنا چاہیے ورنہ اُنکو اُنکے کام سے کھو دینا ہو جسپر کہ مدار خلق کے قائم رہنے اور خواص کی زندگی جاوید کا ہو **آٹھواں ادب** یہ ہو کہ استاد اپنے علم کے موجب عمل کرتا ہو ایسا نہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ اسلیے کہ علم تو دل کی آنکھ سے معلوم ہوتا ہو اور عمل ظاہر کی آنکھ سے اور ظاہر میں لوگ بہت سے ہیں تو اگر عمل علم کے خلاف کریگا تو ہدایت نہوگی اور جو شخص خود ایک کام حرام کو کرے اور دوسروں کو کہے کہ اُسکو نہ کرو کہ وہ قاتل ہو تو لوگ اس سے تمسخر کرینگے اور تہمت لگاوینگے اور اس کام کے کرنے کے زیادہ حریص ہونگے اور کہینگے کہ اگر یہ کام اچھا اور مزہ دار نہوتا تو استاد جی کیوں اختیار کرتے اور استاد کو اگر شاگرد کے لحاظ سے دیکھو تو ایسا ہو جیسا نقشکاری کی نسبت گارا اور لکڑی سایہ کے لحاظ سے تو جس چیز میں خود نقش نہوگا وہ گارے میں کیسے نقش کردیگی اور لکڑی اگر خود سیدھی نہوگی تو اُسکا سایہ کیسے سیدھا ہوگا اسی لیے کسی نے اس مضمون میں شعر کہا ہو **شعر** منع مت کر اس خطا سے جس میں تو مشغول ہو یہ تو بڑا ہی عیب ہو اور امر معقول ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہو اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم اور یہی وجہ گناہوں کا وبال عالم پر بہ نسبت جاہل کے زیادہ ہوتا ہو اس جہت سے کہ عالم کے مبتلا ہونے سے ایک عالم مبتلا ہو جاتا ہو اور لوگ اُسکی پیروی کرتے ہیں اور جو شخص کہ کوئی طریق بد نکالتا ہو تو اُسپر اُسکا گناہ اور جو کوئی اس طریق پر چلے اُسکا گناہ ہوتا ہو اور اسی جہت سے حضرت علیؓ نے فرمایا ہو کہ دو شخصوں نے میری کمر توڑی ایک تو اُس عالم نے کہ اپنی عزت کھو دی ہو اور علانیہ مرتکب گناہ ہو دوسرے اُس جاہل نے کہ عابد بن رہا ہو اسلیے کہ جاہل اپنے زہد سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہو اور عالم اپنی خطا سے مغالطہ دیتا ہو واللہ اعلم

چھٹی فصل علم آفتوں اور علماے آخرت اور علماے بد کی علامتوں کے بیان میں۔ علم اور علماے فضائل میں جو کچھ وارد ہوا ہو اُسکو تو ہم بیان کر چکے ہیں اور علماے بد کے باب میں بہت سخت وعید آئی ہیں جنسے معلوم ہوتا ہو کہ قیامت میں عذاب زیادہ تر سخت اور لوگوں کی نسبت کہ انہیں پر ہوگا اسلیے جاننا اُن علامتوں کا جو علماے آخرت اور علماے دنیا کو علیحدہ کر دیں بہت ضروری ہوا اور ہماری غرض علماے دنیا سے علماے بد ہیں جنکی غرض علم سے دنیا میں چین اُڑانا اور اہل دنیا کے نزدیک جاہ و منزلت کا ذریعہ پیدا کرنا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کو سب لوگوں کی نسبت زیادہ سخت تر عذاب اُس عالم پر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو اُسکے علم سے نفع نہ دیا ہو اور فرمایا آدمی عالم نہیں ہوتا جبتک کہ اپنے علم پر عامل نہو اور فرمایا العلم علمان علم علی اللسان فذلک حجۃ اللہ تعالیٰ علی ابن آدم و علم

میں رہیگا۔ اور یحییٰ ابن معاذ رازیؒ علمائے دنیا کو یوں کہا کرتے تھے کہ علم والو تمہارے محل قیصری ہیں اور مکانات کسروی ہیں اور کپڑے بہت ٹیپ ٹاپ کے اور موزے جالوت کی طرح کے اور سواریاں قارون کی سی اور برتن فرعون کے سے اور گناہ جاہل کی طرح کے اور مذہب شیطانی کے تو شریعت محمدی کہاں ہے کسی کا شعر ہے **شعر** گرد گرگ سے راعی بچاتے ہیں گلہ ؛ دیکھے جو خود وہی بن جاویں گرگ تب کیا ہو۔ اور کسی دوسرے نے کہا ہے **شعر** نمکیں کلام ہوئے اگر کچھ ہوا اسکو یاد ؛ مصلح نمک کا کیا ہو پڑے اسمیں جب فساد اور کسی شخص نے ایک عارف سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک جس شخص کو گناہوں سے راحت ہوتی ہے کیا وہ خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتا انھوں نے فرمایا کہ میں تو اس بات میں شک نہیں کرتا کہ جسکے نزدیک دنیا بہ نسبت آخرت کے ترجیح رکھتی ہو وہ بھی خدائے تعالیٰ کو پہچانتا حالانکہ یہ شخص بہ نسبت پہلے شخص کے بہت کم ہے۔ اور یہ مت گمان کرنا کہ مال کا ترک کرنا علمائے آخرت میں ملنے کے لیے کافی ہے اسلیے کہ جاہ کا ضرر مال سے زیادہ ہے۔ اور اسی وجہ سے بشر نے کہا ہے کہ لفظ حدثنا اور روایت حدیث کے لیے کہنا دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جب تم کسی کو حدثنا کہتے ہوئے سنو تو وہ یہ کہتا ہے کہ مجھکو جگہ دو۔ اور انھیں بزرگ نے کچھ اوپر دس بستے کتابوں کے دفن کر دیے تھے اور کہتے تھے کہ مجھکو خواہش ہے کہ حدیث بیان کروں اگر یہ خواہش جاتی رہے تو حدیث بیان کروں اور انھیں کا اور کسی دوسرے بزرگ کا قول ہے کہ جب تمکو خواہش ہو کہ حدیث کہو تب خاموش ہو رہو اور جب خواہش ہو تب بیان کرو اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تعلیم اور ارشاد کا منصب ملنے سے جاہ کی لذت تمام دنیاوی لذتوں سے بڑھکر ہے تو جو اپنی خواہش کو اس بات میں مانیگا وہ دنیاداروں میں سے ہوگا اور اسی لیے مفتیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث کا فتنہ مال اور اہل اور اولاد کے فتنہ سے بڑھکر ہے اور کیونکر اسکا فتنہ قابل خوف نہو کہ سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد خداوندی ہوا ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیہم شیئا قلیلا اور سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ علم سب دنیا ہے اسمیں سے آخرت صرف اسپر عمل کرنا ہے اور عمل بالکل گرد ہے سوائے اخلاص کے اور یہ بھی انھیں کا ارشاد ہے کہ آدمی عاملوں کے سوا سب مردے ہیں اور عالم عاملوں کے سوا سب متوالے ہیں اور عامل اخلاص والوں کے سوا سب مغالطہ میں پڑے ہیں اور اخلاص والوں کو یہ ڈر ہے کہ انکا انجام کیا ہوگا۔ اور ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ جب آدمی حدیث کو طلب کرے یا نکاح کرے یا طلب معاش کے لیے سفر کرے تو وہ دنیا کا مائل ہو جسکا نتیجہ آنکی غرض طلب حدیث سے اونچی سندیں طلب کرنی یا ایسی حدیث کی طلب سے آخرت میں حاجت نہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی رفتار اپنی آخرت کی طرف ہو اور وہ دنیا کی راہ کی طرف متوجہ ہو تو وہ اہل علم کیونکر ہوگا اور جو شخص کلام کا طالب اسلیے ہو کہ اس سے امتحان کرے نہ اس غرض سے کہ اسپر عمل کرے تو وہ اہل علم کیسے ہوگا۔ اور حسن بن صالح بصری کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے اکابر اساتذہ سے ملاقات کی وہ سب اللہ سے پناہ مانگتے تھے مکار عالم حدیث سے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے طلب علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ تعالیٰ لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ اور اللہ تعالیٰ نے علمائے بد کا وصف یہ فرمایا کہ علم کے باعث دنیا کھاتے ہیں اور علمائے آخرت کی صفت فروتنی اور زہد سے فرمائی چنانچہ دنیا کے عالموں کے باب میں یہ ارشاد فرمایا واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظہورہم واشتروا بہ ثمنا قلیلا اور علمائے آخرت کی شان میں یہ فرمایا وان من اہل الکتب لمن یؤمن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیہم خاشعین للہ لا یشترون بایت اللہ ثمنا قلیلا اولئک لہم اجرہم عند ربہم اور بعض اکابر سلف نے فرمایا ہے کہ علما انبیا کے حشر میں اٹھیں گے اور قاضیوں کا حشر سلاطین کے زمرہ میں ہوگا اور جس فقیہ کا قصد اپنے علم سے دنیا کی طلب ہو وہ بھی قاضیوں کے حکم میں ہے۔ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیا کو وحی بھیجی کہ تو ان لوگوں سے جو دین کے سوا اور چیز کے لیے فقیہ بنتے ہیں اور عمل نکرنے کے لیے علم سیکھتے ہیں اور آخرت کے عمل سے دنیا کو طلب کرتے ہیں لوگوں کی نظروں میں بکریوں کی کھال پہنتے ہیں اور انکے دل بھیڑیوں کے سے ہیں زبان انکی شہد سے میٹھی اور دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں مجھکو فریب دیتے ہیں اور مجھی سے ٹھٹھول کرتے ہیں

ح تو جو حدیث طلب کرنے کے لیے علم اس غرض سے سیکھے کہ اس کے باعث عہدہ اشتغال کی طلب میں اسکو حاصل ہووے طلب سے اسکی غرض یہ ہو کہ دنیا کا کچھ مال کماوے تو وہ جنت کی بو نہ پائیگا ۱۲ ابو داؤد اور ابن ماجہ ۱۲ ح ابن عبد البر بسند ضعیف ۱۲

بیٹوں کو جانتے ہیں اور دوسری جا ارشاد ہوا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين اسلیے بڑے ٹھہرے اور بلعام بن باعورا کے قصے
میں ارشاد ہوا واتل عليهم نبأ الذي آتيناه آياتنا فانسلخ منها فاتبعه الشيطان فكان من الغاوين ولو شئنا لرفعناه بها ولكنه أخلد إلى الأرض واتبع هواه
فمثله كمثل الكلب إن تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث یہی حال عالم بدکار کا ہو بلعام کو بھی کتاب اللہ ملی تھی مگر وہ شہوات میں جم گیا اسلیے کتے کے
ساتھ تشبیہ دیا گیا کہ برابر ہو اسکو حکمت ملی یا نہ ملی وہ شہوات کی طرف ہانپتا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ علماے بد کی مثال ایسی
ہو جیسے کوئی پتھر نہر کے منھ پر رکھ دیا جاوے کہ وہ نہ خود پانی پیوے نہ پانی کو چھوڑے کہ کھیتی میں جاوے اور علماے بد کی مثال ایسی ہو جیسے پاخانوں
میں کے بچے نالے کہ باہر گچ ہو اور اندر بدبو یا قبر جیسے ہیں کہ اوپر سے آباد ہیں اور اندر مُردوں کی ہڈیاں ہیں پس ان اخبار اور آثار سے یہ معلوم
ہوتا ہو کہ جو عالم دنیاداروں میں سے ہو وہ جاہل کی نسبت کہیں رذیل حال اور سخت عذاب میں ہوگا اور جو لوگ فلاح کو پہونچنے والے اور مقرب
ہیں وہ آخرت کے عالم ہیں اور انکی بہت سی علامتیں ہیں ایک یہ کہ اپنے علم کی جہت سے دنیا کی طلب نہ کرے اسلیے کہ کمتر درجہ عالم کا یہ ہو
کہ دنیا کی حقارت اور خست اور کدورت اور ناپائداری اور آخرت کی بزرگی اور پائداری اور اسکی نعمتوں کی صفائی اور اسکی سلطنت کی بڑائی معلوم
کرے اور جان لے کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد اور مثل دو سوتوں کے ہیں کہ جب ایک کو راضی کرو تو دوسری ناخوش ہو اور ترازو کے
دو پلوں کی طرح ہیں کہ جتنا ایک جھکے دبتا ہی دوسرا اُٹھے یا مشرق و مغرب جیسے ہیں کہ جتنا ایک سے پاس ہو تا ہو دوسرے سے دور ہو یا دو
پیالوں کی طرح ہیں جن میں سے ایک بھرا ہو اور ایک خالی تو جسقدر بھرے ہوے میں سے خالی میں اُسکے بھرنے کو ڈالوگے وہ تنا ہی بھرا ہوا
خالی ہوگا۔ اور جو شخص کہ دنیا کی حقارت اور اسکی کدورت اور اسکے نوش کا مرہ نیش کے ساتھ نہیں جانتا اور نہ یہ جانے کہ جو لذت دنیا وی صفا
سے خالص ہوتی ہو وہ بھی کچھ مدت بعد گذر ہی جاتی ہو تو ایسا شخص عقل میں فساد رکھتا ہو اسلیے کہ دیکھنے اور تجربہ سے امر مذکور ثابت ہو تو جس
شخص کو عقل ہی نہو وہ علما میں سے کسطرح ہوگا اور جو شخص کہ امر آخرت کی بزرگی اور پائداری کو نہیں جانتا وہ کافر مسلوب الایمان ہو تو جس کا
ایمان ہی نہیں وہ عالم کیسے ہوگا اور جو شخص دنیا اور آخرت کا ضد ہونا نہیں جانتا اور یہ کہ ان دونوں کو جمع کرنا ایک طمع بے سود ہو تو وہ سب
انبیا کی شریعتوں سے ناواقف ہو وہ قرآن مجید کا اول سے آخر تک منکر ہو تو ایسا شخص بھی علما میں شمار نہیں ہو سکتا اور جو شخص ان سب باتوں
کو جان کر آخرت کو دنیا پر اختیار نہ کرے تو وہ شیطان کا قیدی ہو کہ اسکی شہوت نے اسکو تباہ کر دیا اور بدبختی اُسپر غالب آگئی تو جن لوگوں کے یہ درجے
ہوں وہ علما کے زمرہ میں کیسے متصور ہو سکتے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی روایات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح مروی ہو کہ عالم جس وقت
اپنی شہوت کو اختیار کرتا ہو تو ادنیٰ بات اُسکے ساتھ میں یہ کرتا ہوں کہ اُسکو اپنی مناجات کے مزہ سے محروم کر دیتا ہوں اے داؤد میری کیفیت ایسے
عالم سے مت پوچھ جسکو دنیا نے متوالا کر دیا ہو ورنہ وہ تجھکو میری محبت کی راہ سے روک دیگا اس قسم کے لوگ میرے بندوں کے حق میں
راہزن ہیں اے داؤد جب تو کوئی میرا طالب دیکھے تو اُسکا خادم بن اے داؤد جو شخص کسی بندے بھاگے ہوئے کو میری طرف ہٹالاتا ہو میں
اُسکو بڑا ہوشیار ہنروار لکھتا ہوں اور جسکو ایسا لکھ لیتا ہوں اُسکو کبھی عذاب نہیں اور اسی جہت سے حضرت حسن بصری نے فرمایا ہو کہ علما کی
سزا دل کا مرجانا ہو اور دل کی موت عمل آخرت کے عوض میں دنیا کا طلب کرنا ہو اور یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ جب علم اور حکمت سے
دنیا طلب کیجاتی ہو تو انکی رونق جاتی رہتی ہو اور سعید بن مسیب نے فرمایا ہو کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ وہ بادشاہ کا افسانہ کرتا ہو تو وہ چور ہو۔ اور حضرت
عمرؓ نے فرمایا ہو کہ جب تم عالم دنیا کا خواہاں دیکھو تو تم اُسکو دین میں متہم جانو اسلیے کہ ہر چاہنے والا کسی چیز کا اپنی خواہش کی چیز ہی میں گھسا رہتا ہو
اور مالک بن دینار کا قول ہو کہ میں نے بعض پہلی کتابوں میں پڑھا ہو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہو کہ عالم جب دنیا کی محبت کرتا ہو تو سب سے ادنیٰ امر
میں اُسکے ساتھ یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی حلاوت اُسکے دل میں سے نکال لیتا ہوں۔ اور ایک شخص نے اپنے بھائی کو لکھا کہ تجھکو علم
عنایت ہوا ہو اپنے علم کے نور کو گناہوں کے اندھیرے سے مت بجھانا اور نہ جس روز اہل علم اپنے علم کے اجالے میں چلینگے تو اندھیرے

مجالس میں بیٹھے اور اس جیسی مدد قبول کرے وہ جس روز اللہ تعالیٰ کے سامنے جاویگا تو دین سے بے بہرہ جاویگا۔ اور جابرؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک عالم کے پاس مت بیٹھو مگر اُس عالم کے پاس بیٹھو کہ پانچ امور سے دوسرے پانچ چیزوں کی طرف بلاوے اول شک سے یقین کی جانب دوم ریا سے اخلاص کی طرف سوم دنیا کی خواہش سے زہد کی طرف چہارم کبر سے تواضع کی جانب پنجم عداوت سے خیر خواہی کی طرف اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے فخرج علی قومہ فی زینتہ قال الذین یریدون الحیوۃ الدنیا یالیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن وعمل صالحا ولا یلقٰھا الا الصابرون اس آیت میں اہل علم کی صفت دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے اور اختیار کرنے کی فرمائی اور ایک علامت آخرت کے علما کی یہ ہے کہ اُنکا فعل قول کے خلاف ہو بلکہ کوئی چیز کرنے کو جب کہیں اول اُسکا خود عامل ہووے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم اور فرمایا کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون اور حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد فرمایا وما ارید ان اخالفکم الی ما انھاکم عنہ اور فرمایا واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ اور دوسری جا واتقوا اللہ واعلموا اور بعض جا واتقوا اللہ واسمعوا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ ای مریم کے بیٹے تو اپنے نفس کو نصیحت کر اگر وہ نصیحت پذیر ہو جاوے تب لوگوں کو نصیحت کر ورنہ مجھ سے حیا کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مررت لیلۃ اسری بی باقوام کان تقرض شفاھم بمقاریض من نار فقلت من انتم فقالوا کنا نامر بالخیر ولا ناتیہ وننھی عن الشر ولا ناتیہ اور فرمایا کہ میری امت کی بربادی عالم بدکار اور عابد جاہل ہے اور سب بروں میں سے بڑے علماے بد ہیں اور سب اچھوں سے اچھے علماے بہتر ہیں اور اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے مقبروں نے جناب الٰہی میں شکایت کی کہ کفار کے مردوں کی بدبو ہم کو بہت ستاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اُنکو حکم بھیجا کہ علماے بد کے پیٹ میں زیادہ بدبو ہے اُس بدبو سے جو تمہارے اندر ہے۔ اور فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا سنا ہے کہ قیامت میں بت پرستوں سے پیشتر علماے بد کا حساب ہوگا۔ اور ابو درداءؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص نہیں جانتا اُسکو تو ایک دفعہ ہلاکی ہے اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اُسکے لیے سات بار خرابی ہے۔ اور شعبیؒ نے فرمایا ہے کچھ لوگ جنت کے دوزخ کے بعض لوگوں کو دیکھکر کہینگے کہ تم دوزخ میں کس لیے گئے ہمکو تو خدا تعالیٰ نے تمہاری تعلیم اور تادیب کے طفیل سے جنت میں داخل کیا وہ کہینگے کہ ہم اوروں کو خیر کا حکم کرتے تھے خود نیک کام نہ کرتے تھے۔ اور حاتم اصمؒ نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اُس عالم سے زیادہ حسرت اور کسی کو نہ ہوگی جسنے لوگوں کو سکھایا اور لوگوں نے اُسپر عمل کیا اور خود اُسنے عمل نہ کیا تو لوگ تو اُسکے سبب سے اپنے مقصد کو پہونچ گئے اور وہ خود تباہ ہو گیا اور مالک بن دینارؒ نے فرمایا ہے کہ عالم جب اپنے علم کے موجب عمل نہیں کرتا تو اُسکی نصیحت دلوں پر ایسی ریٹ جاتی ہے جیسے قطرہ پتھر پر سے ڈھل جاتا ہے اور پھر آپ نے ایک قطعہ پڑھا جسکا ترجمہ یہ ہے قطعہ کرتے ہو ناصحو لوگوں کو نصیحت تو مگر ✤ عیب اُن میں جو بتاتے ہو وہ خود کرتے ہو کیا ہوا جہد اگر اُنکے لیے پند بنی کی ✤ معصیت کرنے سے جس وقت نہیں ڈرتے ہو ✤ دنیا اور مائل دنیا کو برا کہتے ہو لیکن ✤ اسپہ سب لوگوں سے زائد تو حریص مرتے ہو ✤ اور کسی دوسرے کا شعر ہے شعر منع کرتے ہو جس قصور سے تم ✤ ننگ ہے تمکو گر کرو اُسکو ✤ اور ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں میرا گذر ایک پتھر پر ہوا جسپر یہ لکھا تھا کہ مجکو الٹ کر عبرت حاصل کر میں نے اُسکو الٹا تو اُسپر یہ لکھا تھا کہ تو جو کچھ جانتا ہے اُسپر تو عمل کرتا ہی نہیں پس ایسی چیز کا علم کیسے طلب کرتا ہے جو تجھکو معلوم نہیں۔ اور ابن سماکؒ نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ خدا کی یاد دلاتے ہیں اور خود اُسکو بھولے ہیں اور بہت ایسے ہیں کہ اللہ سے ڈراتے ہیں اور خود اُسپر دلیر ہیں اور بہت اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرنے والے ہیں کہ خود اُس سے دور ہیں اور بہت اُسکی طرف اوروں کو بلاتے ہیں اور خود اُس سے بھاگے ہیں اور بہت ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور اُسکی آیات سے علیحدہ ہیں۔ اور ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ ہمنے اپنے کلام کو صحیح کیا تو اُسمیں غلطی نہ کی مگر اعمال میں غلطی کی تو اُسکو درست نہ کیا اور اوزاعیؒ

یہ بات کہدے کہ میں اُسکے لیے ایسا فتنہ برپا کر دونگا جس سے حلیم بھی حیران رہ جاوے۔ اور ضحاک حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے عالم دو شخص ہیں ایک وہ کہ اللہ تعالی نے اُسکو علم دیا اور اُسنے اُسکو لوگوں میں خرچ کیا
اور اُسپر کچھ مال کی حرص نہ کی اور نہ اُس سے تھوڑا سا مول لیا تو ایسے شخص پر اوپر کے پرند اور سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے چوپائے اور کرام کاتبین
سب رحمت بھیجتے ہیں اور وہ قیامت میں خدا تعالی کے پاس سردار اور شریف ہو کر آویگا یہانتک کہ رسولوں کے ہمراہ ہوگا اور ایک وہ کہ اللہ تعالی
نے اُسکو علم دیا مگر اُسنے اللہ تعالی کے بندوں سے اُسپر بخل کیا اور مال کی طمع کی اور اُسکے عوض میں تھوڑا سا مول لیا تو ایسا شخص قیامت کو
آگ کی لگام دیا ہوا آویگا اور ایک پکارنے والا خلق کے سامنے پکاریگا کہ یہ فلاں ہے فلاں کا بیٹا اُسکو اللہ تعالی نے دنیا میں علم دیا مگر اُسنے علم پر بخل
کیا اور اُسکے بندوں کو نہ سکھایا اور طمع کا دامن پھیلایا اور علم کے عوض تھوڑا سا مول لیا اُسکو عذاب رہیگا یہانتک کہ سب آدمیوں کے حساب
سے فراغت ہو جاوے اور اس سے بھی سخت یہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسی علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا لوگوں میں
اُسنے کہنا شروع کیا کہ مجھسے موسی صفی اللہ نے ایسا کہا اور موسی نجی اللہ نے یوں فرمایا اور موسی کلیم اللہ نے یوں ارشاد کیا یہانتک کہ اُسکے
پاس بہت سا مال ہو گیا جب حضرت موسی علیہ السلام نے اُسکو نہ دیکھا اُسکا حال پوچھنا شروع کیا مگر کہیں اُسکا سراغ نہ ملا یہانتک کہ ایک
روز ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک سور کے گلے میں سیاہ رسی ڈالے ہوئے لایا اور عرض کیا کہ آپ فلاں شخص کو جانتے ہیں آپنے
فرمایا کہ ہاں اُسنے کہا کہ یہ سور وہی شخص ہے حضرت موسی علیہ السلام نے جناب الہی میں عرض کیا کہ الہی تو اُسکو اصلی صورت پر کر دے تاکہ میں
اس سے پوچھوں کہ کس بات سے اس نوبت کو پہونچا اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ اگر تم ان صفات سے دعا کرو جن سے آدم سے لیکر آج
تک کے انبیا اور اولیا نے مجکو ان صفات سے پکارا ہے تب بھی میں اس بات کو نہ مانونگا لیکن جس سبب سے میں نے اسکی صورت مسخ کی
ہے وہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص دین کے مسئلے میں دنیا طلب کیا کرتا تھا اور اس سے بھی سخت تر روایت وہ ہے جو معاذ بن جبلؓ سے
مروی ہے موقوفاً اور ایک روایت میں مرفوعاً کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی منجملہ یہ ہے کہ بولنا اُسکے نزدیک سننے سے
اچھا ہے حالانکہ تقریر میں زینت اور زیادتی ہو جاتی ہے اور صاحب تقریر خطا سے مامون نہیں اور خاموشی میں سلامتی اور علم ہے اور علما میں
ایک وہ ہے کہ اپنے علم کو جمع کر رکھتا ہے یہ نہیں چاہتا کہ وہ دوسرے کے پاس بھی موجود ہو تو وہ شخص دوزخ کے اول طبقے میں ہوگا اور ایک
وہ ہے کہ اپنے علم میں بادشاہ کی طرح ہو کہ اگر اُسپر کچھ اعتراض کیا جاوے یا اُسکے حق میں کچھ سستی کیجاوے تو آگ بگولا ہو جاوے یہ شخص
دوزخ کے دوسرے طبقے میں رہیگا اور ایک وہ ہے کہ اپنے علم اور عمدہ حدیثوں کو خاص شرف اور دولت والوں کے لیے کر دیتا ہے اور جنکو اُنکی
حاجت ہوتی ہے اُنکو اہل نہیں جانتا یہ شخص دوزخ کے تیسرے طبقے میں رہیگا اور ایک وہ ہے کہ اپنے آپکو فتوی کے لیے ٹھہرا لیتا ہے اور سخت حکم
کر دیتا ہے حالانکہ اللہ تعالی تکلیف والوں سے بغض رکھتا ہے یہ شخص دوزخ کے چوتھے طبقے میں ہوگا اور ایک وہ عالم ہے کہ یہودیوں اور نصاری
کی بولیاں بولتا ہے تاکہ اپنے علم کو زیادہ کرے ایسا شخص پانچویں طبقے میں ہوگا اور ایک وہ عالم ہے کہ اپنے علم کو لوگوں میں بلندی اور یادگار
اور مروت ٹھہراتا ہے وہ چھٹے طبقے میں رہیگا اور ایک وہ ہے کہ کبر اور عجب کو خفیف جانتا ہے اگر وعظ کہتا ہے تو درشتی کرتا ہے اور اگر اُسکو کوئی نصیحت کرتا ہے
تو ناک چڑھاتا ہے ایسا شخص دوزخ کے ساتویں طبقے میں ہوگا اور تجکو چاہیے کہ علم میں خاموشی اختیار کرے تاکہ شیطان پر غالب ہو اور ولے
کسی عجیب بات کے خندہ ہرگز نہ کر اور نہ بدون حاجت کے اپنی جگہ سے ہل اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ان العبد لینشر له من الثناء
ما بین المشرق والمغرب وما یزن عند اللہ جناح بعوضۃ اور روایت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ مجلس وعظ سے اُٹھے ایک خراسان کے شخص
نے ایک گٹھڑی جسمیں پانچ ہزار درم اور دس تھان باریک کپڑے کے آپکی نذر کیے اور عرض کیا کہ درم تو خرچ کے لیے ہیں اور کپڑا پہننے کو
آپنے فرمایا کہ خدا تعالی تمکو عافیت سے رکھے یہ خرچ اور تھان اُٹھا لو اپنے ہی پاس رہنے دو ہمکو اسکی حاجت نہیں جو شخص ہماری

نازل ہوا ہے کہ تم اسپر عمل کرو تم نے اسکے پڑھنے پڑھانے کو عمل ٹھہرا لیا اور عنقریب کچھ لوگ ایسے ہونگے کہ وہ اسکو تیر کی طرح سیدھا کرینگے وہ کچھ بہتر ہونگے۔ اور عالم جو عمل نہیں کرتا اسکی مثال ایسی ہے جیسے بیمار کہ دوا کی صفت بیان کرے یا بھوکا شخص حلوے دار کھانوں کے نام لے اور مزے بیان کرے اور اسکو وہ کھانے نہ ملیں اور اس جیسے شخص کے باب میں یہ قول اللہ تعالی کا ہے ولکم الویل مما تصفون اور حدیث شریف میں ہے کہ جن چیزوں سے میں اپنی امت پر ڈرتا ہوں ان میں سے عالم کی لغزش ہے اور قرآن میں منافق کا جھگڑا اور ایک علامت علماے آخرت کی یہ ہے کہ انکی توجہ ایسے علم کی تحصیل کی طرف ہو جو آخرت میں کام آوے اور طاعت میں رغبت دلاوے اور ان علوم سے اجتناب کرے جنکا فائدہ کم ہو اور گفتگو اور لڑائی جھگڑا انمیں بہت ہو اسلیے کہ جو شخص اعمال کے علم سے روگرداں ہو کر لڑائی جھگڑے کے فن میں مشغول ہو اسکی مثال ایسی ہے کہ کسی بیمار کو بہت روگ ہوں اور وہ کسی طبیب حاذق سے ملے اور وقت بھی تنگ ہو کہ وہ شاید جلد چلا جاوے اور ایسے وقت میں وہ طبیب مذکور سے دوا کی خاصیت اور طب کی عجیب باتیں پوچھنے لگے اور جس ضرورت میں خود گرفتار ہے اسکو دریافت نہ کرے تو اسکی حماقت میں کیا شک ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھکو کچھ علم کی عجیب باتیں سکھلائیے آپ نے فرمایا کہ تو نے اصل علم میں کیا کیا ہے اسنے عرض کیا کہ اصل علم کیا ہے آپ نے فرمایا کہ تو نے اللہ تعالی کو پہچانا اسنے کہا کہ ہاں آپنے فرمایا کہ تو نے اسکے حق میں کیا کیا اسنے عرض کیا کہ کچھ نہیں آپ نے فرمایا کہ تو نے موت کو پہچانا عرض کیا کہ ہاں آپنے فرمایا کہ اسکی تیاری کیا کی کہا کہ کچھ نہیں آپنے فرمایا کہ تو جا اور پہلے ان امور میں پختہ ہو تب تجھکو علم کے غرایب بھی بتاوینگے۔ بلکہ سیکھنا اس جنس کا ہونا چاہیے جیسے شقیق بلخی کے شاگرد حاتم اصم تھے کہ مروی ہے کہ ایک روز شقیق نے حاتم سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو انھوں نے کہا تینتیس برس سے شقیق نے فرمایا کہ اس عرصہ میں تم نے مجھسے کیا سیکھا حاتم نے کہا کہ آٹھ مسئلے انھوں نے فرمایا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون میری اوقات تمھارے اوپر ضائع ہوگئی کہ تمنے صرف آٹھ مسئلے سیکھے حاتم نے کہا کہ یا استاد زیادہ میں نے نہیں سیکھے اور جھوٹ بولنے کو میں ناپسند کرتا ہوں انھوں نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کون سے آٹھ مسئلے ہیں کہ میں بھی سنوں حاتم نے کہا کہ اول یہ ہے کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر ایک شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے اور تربک وہ اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے جب قبر میں پہونچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے اسلیے میں نے اپنا محبوب نیکیوں کو ٹھہرا لیا کہ جب قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے شقیق نے فرمایا کہ تمنے بہت اچھا سیکھا اب باقی سات بتاؤ انھوں نے کہا کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالی کے اس ارشاد میں تامل کیا واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوی فان الجنۃ ہی الماوی اور سمجھا کہ خدا تعالی کا فرمانا درست ہے اسلیے اپنے نفس پر خواہش کے دور کرنے کی محنت ڈالی یہانتک کہ وہ خدا تعالی کی اطاعت پر جم گیا تیسرا یہ ہے کہ اس دنیا کو جو دیکھا تو یہ پایا کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز قدر و قیمت کی ہے اسکو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر اللہ تعالی کے قول کو دیکھا تو فرماتا ہے ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق تو جو کچھ قدر و قیمت کی چیز میرے ہاتھ لگی اسکو میں نے خدا تعالی کی طرف کو پھیر دی تاکہ اسکے پاس موجود رہے چوتھا یہ کہ لوگوں کو جو دیکھا تو ہر ایک کا میل مال اور حسب اور نسب اور شرافت کی طرف پایا اور ان امور میں جو غور کیا تو ہیچ معلوم ہوے پھر اللہ تعالی کے ارشاد کو سوچا کہ فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اسلیے میں نے تقوی اختیار کیا کہ خدا تعالی کے نزدیک کریم اور بزرگ ہو جاؤں پانچواں یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ آپس میں ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں اور اسکی وجہ حسد ہے اور پھر اللہ تعالی کے قول کی طرف میل کیا تو یہ پایا نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا اسلیے میں نے حسد کو چھوڑ کر خلق سے کنارہ کیا اور جان لیا کہ قسمت اللہ پاک کے یہاں سے ہے اسلیے خلق کی عداوت چھوڑ دی چھٹا یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کشت و خون کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے قول کی طرف رجوع کیا تو فرماتا ہے ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا اس بنا پر میں نے صرف اسی اکیلے کو اپنا دشمن ٹھہرا لیا اور اسی بات پر کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں اسلیے کہ اللہ تعالی نے اسکی عداوت کی گواہی فرمائی ہے اسی جہت سے اسکے سوا میں نے اور مخلوق کی عداوت چھوڑی ساتواں یہ کہ لوگوں کو

فرماتے ہیں کہ جب جوش تقریر کو دخل ہوتا ہے تو خشوع جاتا رہتا ہے۔ اور مکحول عبدالرحمن بن غنم سے روای ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھسے دس صحابیوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ہم علم کا چرچا مسجد قبا میں کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ جسقدر چاہو سیکھ لو اللہ تعالی تمکو ثواب ہرگز نہ دیگا جبتک کہ عمل نہ کروگے اور حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص علم سیکھتا ہے اور اُسپر عمل نہیں کرتا اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عورت چھپ کر زنا کرے اور اسکو حمل رہجاوے اور جب حمل ظاہر ہو تو رسوا ہو اسی طرح جو شخص اپنے علم کے موجب عمل نہیں کرتا اللہ تعالی اسکو قیامت کے دن مجمع میں فضیحت کریگا اور حضرت معاذ کا قول ہے کہ عالم کی لغزش سے ڈرو اسلیے کہ لوگوں میں اسکی قدر بڑی ہے اسکی لغزش میں لوگ اسکی پیروی کرتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ جب عالم لغزش کرتا ہے تو اسکی لغزش سے ایک عالم کو لغزش ہو جاتی ہے اور یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ تین باتیں ہیں جنسے دنیا کے لوگ برباد ہو جاتے ہیں ایک انمیں سے عالم کی لغزش ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا آویگا کہ دل کی شیرینی کھاری ہو جاویگی اور عالم کو اسوقت میں علم سے فائدہ ہوگا اور نہ طالب علم کو کچھ نفع ہوگا انکے علما کے دل شَل زمین شور کے ہو نگے کہ اسپر پانی کے قطرے گرتے ہیں اور ذرا شیرینی انمیں نہیں معلوم ہوتی اور یہ حال اسوقت ہوگا کہ علما کے دل دنیا کی محبت کی طرف اور آخرت پر اسکو ترجیح دینے کی طرف مائل ہونگے اسوقت اللہ تعالی دلوں میں سے حکمت کے چشمے نکال لیگا اور ہدایت کی شمعوں کو گل کر دیگا جب انکے عالموں سے تم ملوگے تو زبان سے کہینگے کہ ہم خدا تعالی سے ڈرتے ہیں مگر بدکاری انکے عمل میں ظاہر ہوگی زبان کی تری اور روانی ہوگی اور دل کی نہایت گرانی قسم ہے اس ذات کی جسکے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ یہ امر اسلیے ہوگا کہ استادوں نے غیر اللہ کے لیے سکھایا اور شاگردوں نے غیر اللہ کے واسطے سیکھا۔ اور توریت اور انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ جس چیز کو تم نہیں جانتے اسکا علم طلب مت کرو جبتک کہ جسقدر تمکو معلوم ہے اسپر عمل نہ کرلو۔ اور حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر کوئی اپنے علم کے دسویں حصے کو بھی چھوڑ دے تو ہلاک ہو جاوے اور عنقریب ایک ایسا وقت آویگا کہ اگر کوئی انمیں اپنے علم کے دسویں حصے پر بھی عمل کریگا تو نجات پاویگا اور یہ بات جھوٹوں کی کثرت کے باعث ہوگی اور جان لو کہ عالم کی مثال قاضی کی طرح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے القضاۃ ثلثۃ قاض قضی بالحق وھو یعلم فذلک فی الجنۃ وقاض قضی بالجور وھو یعلم اولا یعلم فھما فی النار اور کعبؓ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں ایسے عالم ہونگے کہ لوگوں کو دنیا میں زہد کرنے کو کہینگے اور آپ زہد نہ کرینگے اور لوگوں کو ڈراوینگے اور آپ نہ ڈرینگے اور حکام کے پاس آنے سے اوروں کو منع کرینگے اور خود اُنکے پاس جاوینگے اور دنیا کو آخرت پر اختیار کرینگے اور اپنی زبان کی بدولت کھاوینگے تو امیروں کو اپنے پاس بٹھاوینگے نہ فقیروں کو علم پر ایسا لڑینگے جیسے عورتیں مردوں پر لڑتی ہیں جب کوئی انکا ہمنشین دوسرے کے پاس جا بیٹھیگا تو وہ اسپر غصہ ہونگے یہ لوگ متکبر اور اللہ تعالی کے دشمن ہونگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم پر کبھی علم ہی کے ذریعے سے غالب ہو جاویگا لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوگا آپنے فرمایا کہ یوں کہیگا کہ علم سیکھ لو اور جبتک سیکھ نہ چکے تب تک عمل مت کر پس آدمی علم میں مصروف رہتا ہے اور عمل میں لیت ولعل کرتا ہے یہانتک کہ مرجاتا ہے اور کچھ عمل نہیں کرتا۔ اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جو طالب علم ظاہر کا حریص تھا اسنے عبادت کے لیے عزلت اختیار کی میں نے اُس سے وجہ عزلت کی پوچھی اسنے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی یوں کہتا ہے کہ خدا تجھے کھووے علم کو کب تک کھوویگا میں نے جواب دیا کہ میں تو اسکو یاد کرتا ہوں اسنے کہا کہ اسکا یاد کرنا یہ ہے کہ اسکے موجب عمل کرے اسلیے میں نے تحصیل علم کو ترک کر کے عمل کی طرف توجہ کی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہوتا بلکہ علم خوف خدا ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جتنا چاہو علم سیکھ لو خدا تعالی ثواب ہرگز نہ دیگا جبتک کہ عمل نہ کروگے اسلیے کہ بیوقوفوں کا مقصود علم سے روایت کرنا ہے اور علما کی غرض رعایت اور پاسداری ہے۔ اور مالکؒ کا ارشاد ہے کہ علم کا تحصیل کرنا اور اسکا پھیلانا دونوں اچھے ہیں بشرطیکہ نیت درست ہو مگر کچھ جو چیز صبح سے لیکر شام تک تمہارے ساتھ رہے اسپر دوسری چیز کو اختیار مت کرو۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ قرآن اسلیے

ساتھی تھے ای علما سے ہم نے دیکھیں جنہوں کو جاہل آدمی جو دنیا پر لڑتے ہیں اور اُسکے حریص ہیں دیکھ کر کہتے ہیں کہ عالم اس حال پر ہیں تو ہم اُنسے کیا بہتر حال میں ہوں یہ کہکر حاتم اُسکے پاس سے چلے آئے اس مقاتل کی بیماری اور زیادہ ہوگئی اور رَے کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ حاتم میں اور قاضی رَے میں گفتگو ہوئی اسلیے اُنسے کہا کہ قزوین میں طنافسی اُس قاضی کی نسبت کرتے بہت زیادہ ہیں حاتم اُسکے پاس قصداً گئے اور اندر جاکر کہا کہ میں ایک عجمی شخص ہوں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجکو میرے دین کا آغاز اور مفتاح نماز یعنی وضو سکھلا دو طنافسی نے کہا کہ بہت بہتر غلام سے کہا کہ ایک برتن میں پانی لے آؤ وہ پانی لے آیا طنافسی نے بیٹھکر وضو کیا اور تین تین بار اعضا دھوئے پھر کہا کہ اس طرح وضو کرتے ہیں حاتم نے کہا کہ آپ کھڑے رہیں تاکہ تمہارے سامنے وضو کروں اور جو بات مجھے منظور ہے وہ سمجھ میں آجاوے طنافسی کھڑے رہے اور حاتم وضو کرنے کو بیٹھے اور وضو میں اپنے ہاتھ چار چار مرتبہ دھوئے طنافسی نے کہا کہ میاں صاحب تمنے اسراف کیا حاتم نے کہا کہ کس بات میں کہا کہ تمنے اپنے ہاتھ چار بار دھوئے حاتم نے فرمایا کہ سبحان اللہ میں نے ایک چلو پانی میں اسراف کیا تم نے اس سب مال و نعم کے جمع میں اسراف نہیں کیا طنافسی نے جان لیا کہ انکو وضو سیکھنے کی غرض نہ تھی بلکہ یہی ارشاد منظور تھا اسکر گھر میں چلے گئے اور چالیس روز تک لوگوں کے سامنے نہ ہوئے پھر جب حاتم بغداد میں گئے تو بغداد والے اُسکے پاس آئے اور کہا کہ ای ابو عبدالرحمن تم ایک عجمی شخص ہو اور زک کر بات کہتے مگر جو کوئی تمسے تقریر کرتا ہی تم اُسکو رُک دیتے ہو فرمایا کہ میرے پاس تین خصلتیں ہیں جنسے میں اپنے طرف ثانی پر زور رہتا ہوں اول یہ کہ جب طرف ثانی درست کہتا ہی تو میں خوش ہوتا ہوں اور جب وہ خطا کرتا ہی تو رنج کرتا ہوں اور اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہوں کہ طرف ثانی پر جہالت نکرے یہ خبر حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو پہونچی انھوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ وہ بڑے عاقل شخص ہیں چلو ہمکو بھی اُسکے پاس لے چلو جب یہ مجمع حاتم کے پاس آیا تو امام احمد نے اُن سے پوچھا کہ ای ابو عبدالرحمن سلامتی کس بات میں ہی حاتم نے فرمایا کہ ای ابو عبداللہ جبتک تم میں چار خصلتیں نہونگی تب تک دنیا سے سلامت نہ رہوگے اول یہ کہ لوگ اگر جہالت کریں تو تم درگذر کرو دوسری اپنی جہل کو اُنسے روکو تیسری اپنی چیز اُنکو دو چوتھی اُنکی چیز سے مایوس ہو جب ایسے ہو جاؤگے تو سلامت رہوگے پھر حاتم مدینہ منورہ کو گئے وہاں کے لوگ آپکے استقبال کو آئے آپنے پوچھا کہ یہ کونسا مدینہ ہی لوگوں نے کہا کہ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی آپنے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محل کہاں ہی کہ میں بھی اُنمیں نماز پڑھوں لوگوں نے کہا کہ آپ کا تو کوئی محل نہ تھا آپ کا تو گھر بہت پست تھا حاتم نے کہا کہ آپکے اصحاب کے محل ہی بتادو انکو بھی ہنسے کہا کہ اُنکے محل نہ تھے اُنکے تو گھر زمین سے لگے تھے حاتم نے کہا کہ لوگو یہ شہر فرعون کا ہی لوگوں نے انکو گرفتار کیا اور سلطان کے پاس لیگئے اور کہا کہ یہ عجمی کہتا ہی کہ یہ مدینہ فرعون کا ہی حاکم نے کہا کہ کس لیے ایسا کرتا ہی حاتم نے کہا کہ جلدی نہ کرو میں ایک آدمی عجمی مسافر ہوں جب شہر میں آیا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کسکا مدینہ ہی انھوں نے جواب دیا کہ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میں نے کہا کہ آپ کا محل کہاں ہی اور سب ماجرا حرف بحرف کہکر فرمایا کہ اللہ تعالی یوں فرماتا ہی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ تمنے کسکا اتباع کیا ہی آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی یا فرعون کا جسنے اول اینٹ اور گچ سے عمارت بنائی حاکم نے لاجواب ہوکر انکو رہا کر دیا تو حاتم اصم کی یہ حکایت تھی اور اکابر سلف کی عادت زہد اور زینت کے ترک کرنے میں اپنے مقام میں اور بھی مذکور ہوگی جو اس مدعا پر شاہد ہی اور تحقیق یہ ہی کہ از مباح سے زینت کرنا حرام تو نہیں لیکن اسمیں گھسنا یہاں موجب اس سے اُنس کا ہو جاتا ہی یہاں تک کہ اُسکا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہی اور ہمیشہ زینت میں بڑا اہتمام بدوں اپنے سامان کے ممکن نہیں ہوتا کہ اگر اُنکی رعایت کرنے سے مداہنت اور خلق کی طرفداری اور اُنکی نمایش وغیرہ امور ممنوعہ کا ارتکاب لازم آتا ہی اور احتیاط اسی میں ہی کہ اس سے اجتناب کیا جاوے اسلیے کہ جو دنیا میں گھستا ہی یقیناً اُس سے سلامت نہیں نکلتا اور اگر باوجود دنیا میں مصروف رہنے کے سلامتی ہوجایا کرتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترک دنیا میں کبھی مبالغہ نہ فرماتے یہانتک کہ مروی ہی نزع القمیص المعلم و نزع خاتم الذہب فی اثناء الخطبۃ اور اسکے سوا اور امور جنکا بیان عنقریب آویگا ترک دنیا میں آپ سے مروی ہیں اور کہتے ہیں کہ یحیی بن

میں سونے کی انگوٹھی نکال ڈالی ۱۲ بخاری و مسلم روایت

دیکھا کہ ہر ایک پارۂ نان کے حاصل کرنے اور اُسکے باب میں اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں اور ایسے امور میں قدم دھرتے ہیں کہ اُنکو جائز نہوں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر غور کیا تو فرمایا ہی وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا میں نے بھی سمجھا کہ میں خدا تعالیٰ کے اُن حیوانوں میں سے ہوں جنکا رزق اُسکے اوپر ہی اسلیے میں اُن باتوں میں مشغول ہوا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق مجھ پر ہیں اور میرا رزق جو خدا تعالیٰ کے ذمہ ہی اُسکی طلب ترک کردی آٹھواں یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو سب کو کسی چیز پر بھروسا کرتے پایا کوئی اپنی زمین پر بھروسا رکھتا ہی کوئی تجارت پر کوئی حرفے پر اور کوئی اپنے بدن کی تندرستی پر غرضکہ ہر ایک مخلوق کو اسیطرح کی مخلوق پر بھروسا پایا اور خدا تعالیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا تو یہ ارشاد پایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ اسلیے میں نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا کہ وہی مجھے کافی ہی شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ اے حاتم خدا تعالیٰ تمکو توفیق دے میں نے جو توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن کے علوم پر نظر کی تو اُن سب کی اصل انہیں آٹھ مسئلوں کو پایا وہ سب انہیں آجاتے ہیں جو کوئی ان آٹھوں پر عمل کرے وہ گویا چاروں آسمانی کتابوں کا عامل ہو۔ حاصل یہ کہ اس طرحکے علم کے ادراک اور سمجھنے کا قصد علماء آخرت ہی کرتے ہیں اور علماء دنیا تو اُن امور میں مشغول ہوتے ہیں جسے مال اور جاہ کی پیدا ہو اور اُن علوم کو چھوڑ دیتے ہیں جنکے لیے خدا تعالیٰ نے تمام انبیا علیہم السلام کو بھیجا ہی اور ضحاک بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے اکابر کو ایسا پایا کہ ایک دوسرے سے بجز ورع کے اور کچھ نہ سیکھتے تھے اور آج بجز کلام کے اور کچھ نہیں سیکھتے اور ایک علامت علماء آخرت کی یہ ہی کہ کھانے اور پینے میں آسایش کی طرف اور لباس میں فراوانی اور مکان اور اسباب میں زینت کی طرف مائل ہو بلکہ ان سب امور میں میانہ روی اختیار کرے اور اس باب میں سلف کے اکابر کی مشابہت پیدا کرے اور سب امور مذکورہ میں مقدار قلیل پر گذر کرے جسقدر کہ ان چیزوں کی طرف خواہش کی قلت ہوگی اُسی قدر اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھیگا اور علماء آخرت کے مرتبے کی طرف ترقی کریگا اور یہ روایت اسکی شاہد ہی جو ابی عبد اللہ خواص کہ حاتم اصمؒ کے شاگرد ہیں روایت کرتے ہیں کہ میں حاتم کے ساتھ رے میں گیا ہمارا قافلہ تین سو بیس آدمیوں کا تھا حج کے ارادے سے نکلے سب کمل پوش تھے کسی کے پاس توشہ دان اور کھانا نہ تھا ہم ایک شخص سوداگر کے یہاں اُترے جو نہایت مقدور رکھتا تھا مگر فقیر دوست تھا اُسنے اُس شب ہماری ضیافت کی جب صبح ہوئی تو اُسنے حاتمؒ سے کہا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہو تو فرمادیجیے کہ میں ایک فقیہ کی عیادت کو جانا چاہتا ہوں اُنھوں نے فرمایا کہ مریض کی بیمار پرسی میں ثواب ہی اور فقیہ کو دیکھنا عبادت ہی میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں اور وہ فقیہ جو بیمار تھا محمد بن مقاتل رے کا قاضی تھا جب ہم دروازے پر پہونچے تو دروازہ کرسی دار بہت اچھا تھا حاتم متفکر رہ گئے کہ عالم کا دروازہ ایسا ہی پھر جب اجازت کے بعد اندر گئے تو دیکھا کہ مکان وسیع خوبصورت فرش اور پردے کا ہی حاتم اور بھی متحیر ہوئے پھر اُس مقام پر گئے جہاں قاضی تھا وہاں فرش نرم بچھا ہوا اور اُسپر قاضی لیٹا ہوا تھا اور سر کے پاس ایک غلام پنکھا لیے کھڑا تھا پس تاجر قاضی کے سرہانے کی طرف بیٹھا اور حال پوچھا اور حاتم کھڑے رہے قاضی نے اُنکو بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا فرمایا کہ میں بیٹھنے کا نہیں پوچھا کہ تمکو کچھ حاجت ہی کہا کہ ہاں پوچھا کہ کیا ہی فرمایا کہ ایک مسئلہ پوچھنا ہی کہا کہ دریافت کرو فرمایا کہ تم اُٹھکر بیٹھ جاؤ تو پوچھوں قاضی اُٹھ بیٹھا حاتم نے کہا کہ تم نے علم کس سے سیکھا ہی کہا معتبر علماء سے جنھوں نے میرے سامنے حدیث بیان کی کہا اُنھوں نے کس سے کہا کہ اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ صحابہؓ نے کس سے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ نے کس سے کہا کہ جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جبرئیل نے کس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے کہے فرمایا کہ جو علم خدا تعالیٰ کے بیان سے جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچایا اور آپ نے صحابہؓ کو اور اُنھوں نے علماء معتبر کو اور علماء نے تمکو اسمیں تمنے کہیں یہ بھی سنا ہی کہ جس شخص کے گھر میں کرسی ہو اور وسعت زیادہ ہو اُسکا مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہوتا ہی قاضی نے کہا کہ نہیں حاتم نے پوچھا کہ پھر کیسے سنا ہی کہا کہ یوں سنا ہی کہ جو شخص دنیا میں زہد کرے اور آخرت کی خواہش کرے اور مسکین سے محبت رکھے اور آخرت کے لیے سامان مقدم کرے تو اُسکا مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہوگا حاتم نے فرمایا کہ پھر تمنے کس کا اقتدا کیا ہی آیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنکے اصحابؓ اور صلحا رحمہم اللہ کا اقتدا کیا ہی یا فرعون اور نمرود کی پیروی کی ہی جنھوں نے اول پختہ اور اینٹ سے عمارت

لہٰذا کہ تمہیں علم کو زندہ کر دیا اس جہت سے کہ آپ سے بہت لوگ سیکھتے ہیں فرمایا کہ ذرا صبر کرو جتنے سیکھتے ہیں انمیں سے ایک تہائی تو سمجھتے ہوئے
میتہ ہی مرجاتے ہیں اور ایک تہائی سلاطین کے دروازوں پر جا چمٹتے ہیں وہ لوگ سب خلق سے بُرے ہیں رہے تہائی انمیں سے کم ہیں لوگوں
کو فلاح ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے سعید بن المسیب نے فرمایا کہ جب تم عالم کو دیکھو کہ امرا کو گھیرتا ہے تو اس سے احتراز کرو کہ وہ چور ہے۔ اور اوزاعیؒ
فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اس عالم سے زیادہ بُری نہیں جو حاکم کے پاس جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کہ بدترین علما وہ ہیں جو امیروں کے پاس جاتے ہیں اور بہترین حکام وہ ہیں جو علما کے پاس آتے ہیں۔ اور مکحول دمشقی کہتے ہیں کہ جو شخص
قرآن سیکھے اور دین میں تفقہ پیدا کرے پھر خوشامد اور طمع کی جہت سے سلطان کی صحبت اختیار کرے تو وہ بقدر اپنے قدموں کے دوزخ کی آگ
میں گھستا ہے۔ اور سمنون کہتے ہیں کہ عالم کے حق میں کیا ہی برا ہے کہ کوئی مجلس میں آوے اور عالم کو نہ پاوے اور جب اُسکا حال پوچھے تو یہ
کہیں کہ وہ حاکم کے یہاں ہے اور انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں سنتا تھا کہ قول بزرگوں کا ہے کہ جب عالم کو دیکھو کہ دنیا سے محبت رکھتا ہے تو اسکو تم
اپنے دین میں متہم جانو یہانتک کہ اس مضمون کا میں نے تجربہ کر لیا یعنے جب میں حاکم کے یہاں گیا اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنے نفس کا
محاسبہ لیا تو معلوم ہوا کہ اسکو بہت دوری ہو گئی حالانکہ جس ڈھنگ سے میں حاکم سے ملتا ہوں اسکو تم دیکھتے اور جانتے ہو کہ سختی اور درشتی
رکھتا ہوں اور اکثر اسکی خواہش کی مخالفت کرتا ہوں اور یہی چاہتا ہوں کہ اس تک جانے کی نوبت ہی نہ ہو پھر بھی اور باوجود اسکے میں اس سے
کچھ لیتا نہیں نہ اسکے گھر کا پانی پیوں پھر فرمایا کہ اب ہمارے زمانے کے علما بنی اسرائیل کے علما سے بھی بدتر ہیں کہ بادشاہوں کو جائز امور
بتاتے ہیں اور جو انکی مرضی کے موافق ہوں ایسی باتیں سناتے ہیں اور اگر انکو وہ امور سکھا دیں جو ان پر واجب ہیں اور جنمیں انکی نجات ہے تو حاکم
انسے نفرت کریں اور اپنے پاس انکا آنا بُرا سمجھیں اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک انکی نجات کا باعث ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں
میں جو تم سے پہلے تھے ایک بزرگ تھے جو اسلام میں بڑھے ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ تھے عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں
کہ ان بزرگ سے سعد بن ابی وقاصؓ مراد ہیں جن فرماتے ہیں کہ وہ سلاطین کے پاس نہ جاتے تھے اور انسے نفرت کرتے تھے انکے بیٹوں نے
ان سے کہا کہ جو لوگ کہ اسلام کی زیادتی اور صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے برابر نہیں وہ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں اگر آپ
بھی جاویں بہتر ہو انھوں نے فرمایا کہ بیٹو یہ مُردار ہے اور کچھ لوگوں نے اسکو گھیر رکھا ہے بخدا میں حتی الوسع انکا شریک نہ ہونگا انھوں نے کہا تو ہم
لاغری سے مر جاوینگے فرمایا کہ میں ایمان کے ساتھ لاغری میں مرجانا اس سے اچھا جانتا ہوں کہ نفاق کے ساتھ موٹا ہو کر مروں حسنؒ فرماتے ہیں
کہ بخدا انہوں نے انکو جواب دیا اور خوب حجت نکالی اسلیے کہ جان لیا کہ مٹی گوشت اور چربی کو کھاویگی اور ایمان کو نہ کھاویگی اور انمیں اشارہ ہے کہ بادشاہ
کے پاس جانے سے آدمی نفاق سے نہیں بچتا جو ایمان کی ضد ہے اور حضرت ابو ذر غفاریؓ نے سلمہؓ سے فرمایا کہ اے سلمہ بادشاہوں کے دروازوں
پر مت جائیو اسلیے کہ تمکو انکی دنیا میں سے کچھ نہ ملیگا کہ جب تمہارے دین میں سے وہ اس سے بہتر لے لینگے۔ اور علما کے لیے یہ امر ایک بڑا فتنہ
ہے اور شیطان کا ایک سخت ذریعہ علما پر ہے خصوصاً ایسے عالم پر جسکی آواز اچھی اور کلام شیریں ہو اسلیے کہ شیطان ہمیشہ اسکو یہی سوجھاتا ہے کہ سلاطین
کے پاس جانے اور انکو نصیحت کرنے سے وہ لوگ ظلم سے باز رہینگے اور شریعت کے احکام انمیں جاری اور قائم ہو جاوینگے اور ہوتے ہوتے
یہ خیال دل میں ڈال دیتا ہے کہ تمہارا انکے پاس جانا دین میں داخل ہے پھر جب انکے پاس جاتا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کلام میں نرمی اور مداہنت
نہ کرے اور انکی تعریف اور خوشامد کی نہ لے اور ان باتوں میں دین کی خرابی ہے۔ اور اکابر سلف یوں کہا کرتے تھے کہ علما جب جان لیتے تھے
تو عمل کرتے تھے اور عامل ہو کر مشغول ہوتے تھے اور مشغول ہونے کے بعد گمنام ہوتے تھے اور گمنام ہونے کے پیچھے انکی طلب
ہوتی تھی اور طلب پر بھاگا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ کو خط لکھا کہ بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ التماس ہے کہ آپ
[illegible] آپنے جواب میں یہ لکھا کہ اہل دین تو تمہارے پاس آنے کے نہیں اور اہل دنیا [illegible]

[illegible] سند ضعیف روایت کیا ہے ۱۲

یزید بن علی نے حضرت مالک بن انسؓ کو ایک خط لکھا اس طرح بسم اللہ الرحمن الرحیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد فی الاولین والآخرین یحییٰ بن یزید کی طرف سے مالک بن انس کو بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تم باریک کپڑے پہنتے ہو اور پتلی چپاتیاں کھاتے ہو اور نرم بچھونے پر بیٹھتے ہو اور اپنے دروازہ پر دربان مقرر کرتے ہو حالانکہ تم مجلس علم میں بیٹھتے ہو تمہارے پاس راہ دور دراز سے لوگ سوار ہو کر آتے ہیں اور تمکو اپنا پیشوا کر رکھا ہے اور تمہارے کہنے سے راضی ہیں تو تمکو خوف خدا چاہیے اور تواضع اور انکسار کو اپنے اوپر لازم سمجھا چاہیے تمکو میں نے یہ خط نصیحت کے طور پر لکھا ہے اور اسکی خبر بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں والسلام حضرت مالک بن انسؓ نے اس خط کا جواب یہ لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم مالک بن انس کی طرف سے یحییٰ بن یزید کو ہو کہ خدا تعالیٰ کا سلام تیرے پر ہو آپ کا خط پہنچا اور شفقت اور ادب میں نصیحت کے موقع پر لگا خدا تعالیٰ تمکو تقویٰ سے متمتع کرے اور اس نصیحت کے عوض میں جزائے خیر دیوے اور میں بھی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں کہ گناہ سے بچے اور اسکی اطاعت بجا لانے کی طاقت بدون اُسکی مدد کے نہیں ہے باقی یہ جو آپ نے لکھا کہ میں باریک کپڑے پہنتا ہوں اور پتلی چپاتی کھاتا ہوں اور نرم فرش پر بیٹھتا ہوں اور دربان رکھتا ہوں سو واقع میں ایسا کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق اور میں یہ جانتا ہوں کہ اُسکا ترک کرنا بہ نسبت کرنے کے بہتر ہے اور تم اپنی خط و کتابت سے ہمکو فراموش مت کرنا ہم بھی خط و کتابت آپ سے نہ چھوڑینگے والسلام اب امام مالک صاحب کے اقرار کو دیکھو کہ دیا کہ اس امر کا نہ کرنا اسکے کرنے کی نسبت کر اچھا ہے اور یہ بھی حکم کیا کہ یہ امر مباح ہے اور واقع میں دونوں باتوں میں سچ ارشاد فرمایا اور امام مالک جیسا مرتبے والا اس جیسی نصیحت میں اگر انصاف اور اعتراف اپنے نفس پر گوارا کرے تو اسکا نفس مباح کی حدود کو معلوم کرنے پر بھی قادر ہوگا تاکہ امور مباح کو کرنے سے مداہنت اور ریا اور مکروہات میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے مگر دوسرے شخص کو یہ حوصلہ نہیں کہ مباح کی حدوں پر قائم رہے اسلیے مباح سے لذت حاصل کرنے میں بہت خوف ہے اور خوف الٰہی سے یہ امر بہت دور ہے اور علماے آخرت کی خاصیت خوف الٰہی ہے اور خوف خدا مقتضی اسی کا ہے کہ خطر کی جگہ سے دوری اختیار کرے اور ایک علامت علماے آخرت کی یہ ہے کہ حکام سے دور رہے اور جہانتک اپنے علیحدگی کی صورت ممکن ہو کبھی اُسکے پاس نہ جاوے بلکہ اُنکے ملنے سے احتراز کرے گو وہ خود اُسکے پاس آویں اسلیے کہ دنیا شیریں اور سرسبز ہے اور اُسکی باگ حکام کے قبضے میں ہے اور جو شخص حکام سے ملتا ہے اسکو کچھ نہ کچھ تکلف اُنکی رضاجوئی اور دلداری میں کرنا پڑتا ہے باوجودیکہ وہ ظالم ہوتے ہیں اور ہر دیندار کو لازم ہے کہ اُنکے ظلم کو اظہار کرکے اُنکو دلتنگ کرے اور اُنکے حرکات کی برائی بیان کرنی واجب ہے اور جو اُنکے پاس جاویگا وہ یا تو اُنکی زینت کی طرف توجہ کریگا اور اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر جانیگا یا انکار کرنے سے خاموش رہیگا تو مداہنت میں مبتلا ہوگا یا اپنے کلام کو بتکلف اُنکی مرضیوں کے موافق اُنکے اعمال کو درست کرنے کے لیے ادا کریگا اور یہ صریح جھوٹ ہوگا یا اس بات کی طمع ہوگی کہ اُنکی دنیا میں سے کچھ ملے اور یہ حرام ہے اور باب حلال و حرام میں مذکور ہوگا کہ حکام کے مالوں میں کسکا لینا جائز ہے اور کسکا ناجائز خواہ راتب ہو یا انعام و جاگیر وغیرہ۔ حاصل یہ کہ اُنسے ملنا تمام خرابیوں کی کلید ہے اور علماے آخرت کا طریق احتیاط کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من بدا جفا ومن اتبع الصید غفل ومن اتی السلطان افتتن اور فرمایا سیکون علیکم امراء تعرفون منہم وتنکرون فمن انکر فقد بری ومن کرہ فقد سلم ولکن من رضی وتابع ابعدہ اللہ تعالیٰ قیل افلا نقاتلہم قال صلی اللہ علیہ وسلم لا ما صلوا اور سفیان ثوری رح فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک جنگل ہے جس میں وہی عالم رہینگے جو بادشاہوں کی زیارت اور ملاقات کو جاتے ہیں اور حذیفہؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو فتنہ کی جگہوں سے بچاؤ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کونسی جگہیں ہیں فرمایا امیروں کے دروازے کہ جب کوئی تم میں سے امیر کے پاس جاتا ہے تو جھوٹ پر اُسکی تصدیق کرتا ہے اور اُسکی شان میں وہ بات کہتا ہے جو اُسکے اندر نہیں [illegible] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علما خدا تعالیٰ کے بندوں پر رسولوں کے امین ہیں جبتک کہ سلاطین سے میل جول نہ کریں [illegible] ایسا کریں تو اُنھوں نے رسولوں کی امانت کی [illegible] ڈرو اور الگ ہو جاؤ [illegible]

وہ سب ایسے ہی بات تھے کہ جب کسی سے کوئی فتویٰ پوچھا جاتا یا حدیث پوچھی جاتی تو یہی چاہتا کہ کوئی دوسرا بھائی اس سوال سے مجھے بچا دے۔
اور ایک روایت ایسے یوں ہے کہ جب کوئی سوال انہیں سے کسی پر پیش ہوتا تو وہ اسکو دوسرے کے پاس بھیجتے اور وہ تیسرے کے پاس یہاں تک کہ
ہوتے ہوتے پھر اول کے پاس آجاتا۔ اور مروی ہے کہ اصحاب صفہ میں کسی کے پاس ایک سری بھنی ہوئی بطور ہدیہ آئی اور وہ سب اس وقت بہت عسرت
سے بسر کرتے تھے انھوں نے دوسرے کو ہدیہ کر دی اور دوسرے نے تیسرے کو اسی طرح رفتہ رفتہ پھر اول صحابی کے پاس آگئی۔ تو اب تامل کرو
کہ ہمارے زمانہ علما کا معاملہ کیسا الٹا ہو گیا کہ جس چیز سے پہلے لوگ بھاگتے تھے وہ اب مطلوب ہو گئی اور جو مطلوب تھی اس سے نفرت کرنے لگے
اور فتویٰ دینے کی کفالت سے بچنے کی خوبی اس حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے جو بعض اکابر نے مرفوع بیان کی ہے کہ لوگوں کو فتویٰ نہ دیں مگر تین
آدمی امیر یا مامور یا متکلف۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صحابہؓ چار چیزوں کو ایک دوسرے پر ٹالا کرتے تھے اول امامت دوم وصیت سوم امانت
چہارم فتویٰ۔ اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ جسکو علم کم ہوتا تھا وہ تو جلد فتویٰ دینے کو تیار ہو جاتا تھا اور جو زیادہ پرہیزگار ہوتا تھا وہ فتویٰ کو سب سے زیادہ
دوسرے پر ٹالتا تھا اور صحابہؓ اور تابعین کا شغل پانچ چیزوں میں تھا قرآن کی تلاوت مسجدوں کی آبادی اللہ تعالیٰ کا ذکر اچھی بات کا امر کرنا بری بات سے
منع کرنا اور اسکی وجہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا کل کلام ابن آدم علیہ لا لہ الا ثلثۃ امر بمعروف او نہی عن منکر او ذکر اللہ تعالیٰ
اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا خیر فی کثیر من نجوٰہم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس الآیۃ اور بعض علما نے کسی کو اجتہاد کرنے والوں اور
فتویٰ دینے والوں میں سے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم جو فتویٰ دیا کرتے تھے اور قیاس کیا کرتے تھے اسکا کیا حال پایا انھوں نے ناک چڑھائی اور منھ
پھیر لیا اور کہا کہ ہم نے اسکو کچھ نہ پایا اور اسکا انجام ہمکو اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور ابن حصین کہتے ہیں کہ عالم ایسے سوال کا جواب کہدیتے ہیں کہ اگر وہ حضرت
عمرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو اسکے لیے تمام اہل بدر کو جمع کرتے۔ غرضکہ سکوت کرنا ہمیشہ سے اہل علم کا قاعدہ رہا ہے بدون ضرورت ہرگز نہ کہتے تھے۔
اور حدیث شریف میں ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ خاموشی اور زہد اسکو عنایت ہوا ہے تو اس سے قریب ہو کہ اسکو حکمت تعلیم کیجاتی ہے۔ اور بعض اکابر
کہتے ہیں کہ عالم دو ہیں ایک عوام کا عالم وہ تو مفتی ہے یہ لوگ بادشاہوں کے مصاحب ہوتے ہیں اور ایک خواص کا عالم وہ توحید اور دل کے اعمال
کا عالم ہے ایسے لوگ متفرق اور تنہا رہتے ہیں۔ اور اول مشہور تھا کہ امام احمد بن حنبل مثل دجلے کے ہیں کہ ہر شخص اسمیں سے چلو بھر لیتا ہے اور بشر بن
حارث مثل میٹھے کنویں اوپر سے ڈھکے ہوئے کے ہیں کہ اسپر ایک ایک ہی شخص قصد کرتا ہے اور پہلے یوں کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص عالم ہے
اور فلاں متکلم اور فلاں کو کلام میں زیادہ دستگاہ ہے اور فلاں علم میں زیادہ ہے۔ اور ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ کلام کی نسبت کر معرفت سکوت
سے زیادہ قریب ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ جب علم بہت ہوتا ہے تو کلام کم ہو جاتا ہے اور جب کلام زیادہ ہوتا ہے تو علم کم ہو جاتا ہے۔ اور حضرت سلمان
فارسیؓ نے حضرت ابو درداءؓ کو ایک خط لکھا اور ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ کر دیا تھا چنانچہ بخاری میں ابو جحیفہ سے
یہ مضمون وہی ہے خط کا مطلب یہ تھا کہ بھائی میں نے سنا ہے کہ تمکو لوگوں نے مسند طبابت پر بٹھایا ہے اور مریضوں کا علاج کرتے ہو مگر سوچو اگر
واقع میں تم طبیب ہو تب تو بولنا کہ تمھاری گفتگو شفا ہے اور اگر بتکلف طبیب ہو گئے ہو تو بھائی خدا سے ڈرو مسلمان کو جان سے مت مارو بعد
اس خط کے حضرت ابو درداء سے کوئی دوا پوچھتا تو توقف کیا کرتے۔ اور حضرت انسؓ سے جب کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ ہمارے آقا امام حسن
علیہ السلام سے پوچھو اور حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ جابر ابن زیدؓ سے پوچھو اور حضرت ابن عمر فرماتے کہ سعید بن المسیب سے
دریافت کرو۔ اور نقل ہے کہ ایک صحابی نے حضرت حسن بصریؒ کے سامنے بیس حدیثیں بیان کیں کسی نے انکی تفسیر پوچھی انھوں نے فرمایا کہ میں بجز روایت
کے اور کچھ نہیں جانتا پس حضرت حسن بصریؒ نے ایک ایک حدیث کی تفسیر جدا جدا فرمائی لوگوں کو انکی تفسیر اور یادداشت کی خوبی سے تعجب ہوا صحابی نے
ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھا کر ان لوگوں کے ماری اور کہا کہ تم مجھسے علمی بات پوچھتے ہو حالانکہ یہ عالم تمھارے یہاں موجود ہے اور فرمایا ایک علامت
علمائے آخرت کی یہ ہے کہ علم باطن [illegible] اور دل کی نگرانی اور طریق آخرت کے پہچاننے اور اسکے چلنے کا زیادہ اہتمام رکھے اور مجاہدہ [illegible]

سے تمکو غرض نہیں تاہم تم اشراف اپنے ساتھ رکھو کہ وہ لوگ اپنے شرف کو آلودگی خیانت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ حال عمر بن عبد العزیز کو لکھا جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ زاہد تھے تو جب اہل دین کو ایسے حاکم کے پاس سے بھی گریز کرنا شرط ہو تو دوسرے حاکم کی طلب اور اُس سے میل جول رکھنا کیسے ٹھیک ہوگا اور سلف کے علما مثل حسن بصری اور سفیان ثوری اور ابن مبارک اور فضیل بن عیاض اور ابراہیم بن ادہم اور یوسف بن اسباط دنیا کے علما جیسے مکہ اور شام وغیرہ کے عالموں میں دو عیب نکالا کرتے تھے یا دنیا کا مائل ہونا یا سلاطین سے ملنا اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہو کہ فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ جہانتک اُس سے بچے رہنے کی سبیل معلوم ہو تب تک توقف اور احتراز ہی کرے پس اگر ایسا مسئلہ کوئی پوچھے جسکو قرآن یا قطعی حدیث یا اجماع یا قیاس ظاہر سے یقیناً جانتا ہو تب تو حکم بتلا دے اور اگر ایسا مسئلہ پوچھے جسمیں شک ہو تو کہدے کہ مجھے معلوم نہیں اور اگر ایسا مسئلہ پوچھے جسکا حکم غالباً اپنے اجتہاد اور تخمین سے اُسکو صحیح معلوم ہو تو اُس میں احتیاط کرے اور دوسرے پر حوالہ کر دے کہ اُس سے پوچھ لو اگر دوسرا ٹھیک بتا سکتا ہو احتیاط کا رستہ یہی ہو اسلیے کہ اجتہاد کا خطرا سی گردن پر رکھنا اٹھانا بڑا ہو اور حدیث میں وارد ہو العلم ثلثة کتاب ناطق وسنة قائمة ولا ادری شعبیؒ کہتے ہیں کہ لا ادری نصف علم ہو اور جو شخص ایسے موقع میں کہ نہ جانتا ہو خدا تعالیٰ کے واسطے چپ رہ جاوے تو اُسکو اُس شخص سے ثواب کم ہوگا جو راست راست جواب بتا دے اسلیے کہ نہ جاننے کا اقرار کرنا نفس پر نہایت سخت ہو غرض کہ عادت اصحابؓ اور اکابر کی اسطرح تھی حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی فتویٰ پوچھتا تو فرماتے کہ اُس حاکم کے پاس جاؤ جو لوگوں کے امر کا کفیل بن رہا ہو اور اس مسئلہ کو اُسکی گردن پر رکھ دو اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو ہر ایک مسئلہ میں فتویٰ دے وہ بیشک مجنون ہو اور فرمایا کہ علم کی سپر لا ادری ہو اگر آدمی اُسکو چوک جاوے تو پھر اُسکی خیر نہیں۔ اور ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ شیطان پر اس عالم سے زیادہ سخت کوئی نہیں جو علم ہی سے بولے اور علم ہی کے ساتھ سکوت کرے شیطان کہتا ہو کہ اس شخص کو دیکھو کہ اسکے بولنے سے اُسکا چپکا رہنا مجھ پر بہت بھاری ہو۔ اور بعض اکابر نے ابدال کی صفت کی ہو کہ اُنکی غذا فاقہ ہو اور کلام ضرورت یعنی جبتک اُنسے کوئی کچھ نہ پوچھے تب تک نہیں بولتے اور جب کوئی کچھ پوچھتا ہو اور ایسا شخص دیکھتے ہیں کہ وہ بتا دیگا تو چپ رہتے ہیں اور اگر مجبور ہی ہوتے ہیں تو خود جواب دیتے ہیں اور یہ لوگ سوال سے پہلے بولنے کو تو پوشیدہ خواہش میں شمار کیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک شخص گذرے کہ وہ لوگوں کے سامنے کچھ تقریر کر رہا تھا ارشاد فرمایا کہ یہ یوں کہتا ہو کہ مجھے جان لو۔ اور بعض اکابر کا قول ہو کہ عالم وہ ہو کہ جب کسی مسئلہ کو اُس سے دریافت کیا جاوے تو اُسے یہ معلوم ہو کہ گویا میری ڈاڑھ نکالی جاتی ہو۔ اور حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہمکو پل بناؤ اور ہمپر دوزخ کی طرف عبور کرو۔ اور ابو حفص نیشاپوری فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہو کہ سوال کے وقت اس بات سے ڈرے کہ قیامت کو کہیں یہ پوچھ ہو کہ کہاں سے جواب دیا تھا۔ اور ابراہیم تیمی سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو روتے اور فرماتے کہ تمکو کوئی دوسرا نہ ملا کہ مجھ پر چڑھائی کی۔ اور ابو العالیہ اور ابراہیم تیمی اور ابراہیم ادہم اور سفیان ثوری رحمہم اللہ دو یا تین شخصوں کے سامنے کچھ بیان کیا کرتے اور جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو رک جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما ادری اعزیر نبی ام لا وما ادری اتبع ملعون ام لا وما ادری ذو القرنین نبی ام لا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ سب جگہوں میں بہتر کون سی ہو اور بدتر کون سی آپ نے فرمایا کہ مجکو معلوم نہیں یہانتک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے آپنے اُنسے دریافت کیا اُنھوں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں حتی کہ خدا تعالیٰ نے اُنکو بتایا کہ سب جگہوں میں بہتر مسجدیں ہیں اور سب میں بدتر بازار ہیں۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے اگر کوئی دس مسئلے پوچھتا تھا تو آپ ایک کا جواب دیتے تھے اور نو کے جواب میں سکوت کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نو کا جواب دیتے تھے اور ایک کے جواب سے خاموش رہتے تھے اور فقہا سے سلف میں ایسے لوگ بہت تھے جو کہدیتے تھے کہ میں نہیں جانتا اور جانتا ہوں کہنے والے کم تھے سفیان ثوری اور مالک بن انس اور احمد بن حنبل اور فضیل بن عیاض اور بشر بن حارث سب ایسے ہی تھے کہ لا ادری اکثر کہتے تھے اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس صحابہ دیکھے

قریب مقاہت ان دونوں کو چرنے والے چوپایوں سے ہے الٰہی جب علم کے یاد کرنے والے مرجاویں گے تو کیا علم یوں جاتا رہیگا نہیں بلکہ زمین ایسے لوگوں سے خالی نہوگی جو اللہ تعالیٰ کی حجت اسی کے واسطے قائم کریں یا تو ظاہر اور علانیہ ہونگے یا چھپے ہوئے مغلوب تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجتیں اور دلیلیں بیکار نہ رہیں اور یہ لوگ کتنے ہیں اور کہاں ہیں یہ لوگ شمار میں کم اور قدر میں اعظم ہیں اُنکے وجود ظاہر میں مفقود اور اُنکی تصویریں دلوں میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ اُنکے سبب سے اپنی حجتوں کی حفاظت کرتا ہے تاکہ وے اُن حجتوں کو اپنے جیسے لوگوں کے حوالہ کریں اور اُنکے دلوں میں اُنکو بودیں علم نے اُنکو حقیقت امر پر پہونچا دیا تو یقین کی روح سے جا ملے اور جس بات کو دولتمند مشکل جانتے تھے اُسکو اُنھوں نے سہل پایا اور جس امر سے غافلوں کو وحشت تھی اُس سے اُنھوں نے دل بہلایا دنیا میں ایسے بدنوں سے جنکی روحیں محل اعلیٰ سے وابستہ رہیں یہ لوگ خدائے تعالیٰ کی مخلوقات میں سے اُسکے اولیا اور امین ہیں اور اُسکے دین کی طرف بلانے والے اور اُسکی زمین کے سلاطین پھر آپ روئے اور فرمایا کہ مجکو اُنکے دیدار کا بہت بڑا اشتیاق ہے پس یہ مضمون جو آپ نے آخر کو ذکر فرمایا علماے آخرت کا وصف ہے اور یہ وہی علم ہے جو اکثر عمل سے اور کثرت مجاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور ایک علامت علماے آخرت کی یہ ہے کہ یقین کے قوی کرنے میں اسکی بڑی ہمت ہوا سلیے کہ یقین دین کا راس المال ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ الیقین الایمان کلہ یعنے یقین ایمان کامل ہے تو علم یقین کا سیکھنا ضروری ہوا یعنے اسکی ابتدا سیکھے پھر دل کو اُسکا طریق خود ظاہر ہو جاویگا اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تعلموا الیقین یعنے یقین کو سیکھو اُسکے معنے یہ ہیں کہ یقین والوں کے پاس بیٹھو اور اُن سے علم یقین کو سنو اور اُنکی پیروی پر مداومت کرو تاکہ تمھارا یقین قوی ہو جاوے جیسا اُنکا قوی ہوگیا اسلیے کہ تھوڑا سا یقین بہت سے عمل سے بہتر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بیان کیا گیا کہ آدمی کا یقین اچھا ہے اور گناہ بہت کرتا ہے اور ایک شخص عبادت میں محنت کرتا ہے اور یقین کم ہے تو آپ نے فرمایا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں جو گناہ نہ رکھتا ہو لیکن جسکی سرشت عقل ہے اور عادت یقین اُسکو گناہ ضرر نہیں کرتے اسلیے کہ جب گناہ کرتا ہے تو توبہ اور استغفار کرتا ہے اور پشیمان ہوتا ہے اسلیے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور کچھ زیادتی بچ جاتی ہے جس سے وہ جنت میں جاتا ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز ہمکو کم دی گئی وہ یقین اور عزیمت صبر ہے اور جسکو ان دونوں میں سے بہرہ ملا اُسکو پروا نہیں اگر شب بیداری اور روزوں کے رہ گئے اُسکو نہ ملیں اور لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی ہے اُسمیں یہ بھی ہے کہ بیٹا عمل کی استطاعت بدون یقین کے نہیں ہوتی اور آدمی اُتنا ہی کرتا ہے جتنا اُسکو یقین ہوتا ہے اور عامل کا یقین جبتک کم نہیں ہوتا ہے تب تک وہ عمل میں کوتاہی نہیں کرتا اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ توحید کا ایک نور ہے اور شرک کی آگ ہے تو شرک کی آگ سے جتنی نیکیاں مشرکوں کی جلتی ہیں اُس سے زیادہ توحید کے نور سے موحدوں کی برائیاں جلتی ہیں اور نور سے مراد اُنکی یقین ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چند جا موقنین کے ذکر سے اشارہ فرمایا ہے کہ یقین خیرات اور سعادت کا ذریعہ ہے اب اگر کہو کہ یقین کے معنے کیا ہیں اور اُسکے قوی اور ضعیف ہونے سے کیا مراد ہے تاکہ اول اُسکو سمجھ لیں پھر اُسکی طلب میں مشغول ہوں کیونکہ جبتک اُسکی صورت سمجھ میں نہ آویگی اُسکی طلب ممکن نہیں تو اُسکا جواب یہ ہے کہ یقین ایک لفظ مشترک ہے دو فریق اُسکو دو معنے مختلف میں بولتے ہیں اول اصطلاح مناظرہ والے اور اہل کلام کی ہے کہ شک کے نہونے کو یقین کہتے ہیں اسلیے کہ نفس جو کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے اُسکے چار مقامات ہیں ایک یہ کہ تصدیق اور تکذیب برابر ہوں اُسکو تو شک کہتے ہیں مثلاً اگر تمسے کسی خاص شخص کی نسبت دریافت کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ اُسکو عذاب کریگا یا نہیں اور اُسکا حال تمکو معلوم نہیں تو تمھارا نفس اثبات اور نفی میں سے کسی طرف میل نہ کریگا اور کچھ حکم نہ لگاوے گا بلکہ دونوں باتیں تمھارے نزدیک ہو سکتی ہیں برابر ہونگی تو اُسکو تو شک کہتے ہیں دوسرے یہ کہ تمھارا نفس دونوں باتوں میں سے ایک طرف کو مائل ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ دوسری بھی ہو سکتی ہے مگر اُسکا ہو سکنا ایسا ہے کہ وہ اول کی ترجیح کا مانع نہیں مثلاً جس شخص کو [illegible] متقی جانتے ہو اگر اُسکا حال تمسے پوچھا جاوے کہ یہ اگر اسی حالت پر مر جاوے تو عذاب ہوگا یا نہیں

سے ان امور کی حقیقت معلوم کرنے کی امید صحیح اور سچی کرے اسلیے کہ مجاہدہ سے مشاہدہ اور دل کے علوم کی باریکیاں پیدا ہوتی ہیں اور ظرف سے
دل میں حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور کتابیں اور تعلیم اس باب میں کافی نہیں بلکہ اگر آدمی مجاہدہ کرے اور دل کا نگران رہے اور اعمال ظاہری
اور باطنی بجالاوے اور اللہ تعالی کے سامنے خلوت میں حضور دل اور فکر صاف سے بیٹھے اور اُسکے ماسوا سے اسی کی طرف منقطع ہو جاوے
تب حکمت بے حد و حساب اُسکے دل پر مفتوح ہو کر کلید الہام اور منبع کشف یہی امور ہیں اسلیے کہ بہت سے طالب علم ایسے ہیں کہ بہت دنوں تک
سیکھتے رہے مگر جسقدر سنا تھا اُس سے ایک لفظ بھی آگے نہ بڑھے اور بہت ایسے ہیں کہ ضروری علم پر کفایت کرکے عمل پر اور دل کی نگرانی پر جھکے
تو اللہ تعالی نے لطیف حکمتیں اُنکے لیے ایسی کھولدیں جن میں عاقلوں کی عقل متحیر ہو جاوے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جو شخص عمل کرے موجب اُسکے جو اُسے سکھا دیا ہے اُسکو اللہ تعالی علم اُس چیز کا کہ اُسے نہیں سیکھی۔ اور بعض پہلی کتابوں میں وارد ہے
کہ اے بنی اسرائیل یہ مت کہو کہ علم آسمان میں ہے اُسکو زمین پر کون اُتاریگا یا علم زمین کی تہوں میں ہے اُسکو اوپر کون چڑھاوے یا علم سمندر پار ہے اُسکو
پار کرکے کون لاوے علم تو تمھارے دلوں میں رکھا ہوا ہے تم میرے سامنے روحانیوں کے سے آداب برتو اور صدیقوں کے اخلاق اختیار کرو میں
تمھارے دلوں میں وہ علم ظاہر کردونگا کہ تمکو ڈھانپ لے اور سہیل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ علما اور عابد اور زاہد سب دنیا سے گئے اور
اُنکے دل مقفل رہے بجز صدیقوں اور شہیدوں کے دلوں کے اور کسی کے دل نہ کھلے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا
الا ہو آخر تک۔ اور اگر اہل دل کے دل کا ادراک اور باطن نے علم ظاہر پر حاکم اور غالب ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد نہ فرماتے کہ اپنے دل سے
فتوی لےلو اور لوگ حکم دیں اور فتوی لگا دیں اور ایک حدیث قدسی میں یوں ارشاد فرمایا لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت
سمعہ الذی یسمع بہ آخر حدیث تک اسلیے کہ بہت سے باریک معنی قرآن مجید کے اسرار کے ایسے شخص کے دل میں آجاتے ہیں جو صرف ذکر اور فکر میں
لگا رہتا ہے اور وہ معنی تفسیروں میں کہیں نہیں ہوتے اور نہ بڑے بڑے مفسروں کو معلوم ہوں اُسی شخص کو معلوم ہوتے ہیں جو بارادہ معرفت اپنے
دل کا نگران رہے اور اگر یہ معنی مفسرین کے سامنے پیش کیے جاویں تو وہ بھی اُنکو اچھا بتاویں اور جان لیں کہ یہ پرتو صاف دلوں اور
خدا تعالی کے الطاف کا ہے کہ اُسکی طرف ہمتوں کے متوجہ کرنے سے حاصل ہوا اور یہی حال مکاشفہ کے علموں اور معاملہ کے علوم کے اسرار
اور دلوں کے خطروں کی باریکیوں کا ہے کیونکہ اُنمیں سے ہر ایک علم ایسا دریا ہے جسکی تھاہ نہیں معلوم ہوتی ہر ایک طالب اپنی قسمت کے موافق
اور جسقدر حسن عمل کی توفیق اُسکو ملتی ہے اُسی قدر اُسمیں غوطہ لگاتا ہے اور انھیں علما کی صفت میں حضرت علی نے ایک بڑی حدیث میں ارشاد
فرمایا ہے کہ آدمیوں کے دل ظروف ہیں اُن سب میں بہتر وہ ہیں جنکے اندر خیر زیادہ ہو اور آدمی تین قسم ہیں ایک عالم ربانی دوم بطور نجات کے
سیکھنے والے سوم بے وقوف سفلے کہ ہر باطل پر بلانے والے کے تابع ہو جاویں جدھر کا جھونکا چلے ادھر ہی کو پھر جاویں ان لوگوں نے
نہ علم کے نور سے روشنی حاصل کی نہ کسی مضبوط چیز کا سہارا لیا علم مال سے بہتر ہے علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی حفاظت کرتا ہے
علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور مال اُس سے کم ہوتا ہے اور علم کی محبت ایک دین قابل اختیار ہے جس سے زندگی میں طاعت کمائی جاتی ہے اور
مرنے کے بعد ذکر خیر علم حاکم ہے اور مال محکوم اور مال کا فائدہ اُسکے جاتے رہنے سے دور ہو جاتا ہے جو لوگ کہ مالدار تھے اور زندہ سمجھے جاتے
تھے سب مر گئے اور علما زندہ رہیں گے جبتک کہ زمانہ باقی ہے پھر آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے
فرمایا کہ ہاں یہاں علم بہت ہے بشرطیکہ اُسکے یاد کرنے والے مجھکو ملیں بلکہ میں تو طالب مامون نہیں پاتا یا تو ایسا پاتا ہوں کہ دین کے آلہ کو دنیا کی
طلب میں استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالی کی نعمتوں سے اُسکے اولیا پر تکبر کرتا ہے اور اُسکی حجت سے اُسکی مخلوق پر زیادتی چاہتا ہے یا ایسا پاتا ہوں کہ اہل
حق کا مطیع و منقاد تو ہے مگر دل میں ادنی شبہہ سے اُسکے دل میں شک جم جاتا ہے آگاہ رہو کہ باطن کے بوجھ نہ یہ رکھتا ہے نہ وہ بلکہ لذات کے
حریص اور طالب شہوات کے پیچھے ہے اور خود منکار ہیں یا مال کے جمع کرنے اور دھر چھوڑنے کے فریفتہ اور اپنی خواہش کے فرمانبردار نہایت

کسی کو نہیں مگر دوسری اصطلاح کے موجب یقین سکو نہیں ہے اسلیے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ موت کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں کرتے
اور نہ اسکی تیاری کریں گویا انکو اسکا یقین نہیں اور بعضوں کے دل پر یہ یقین ایسا چھایا ہے کہ اپنی تمام ہمت تیاری کی تیاری میں مستغرق کر رکھا ہے
اور دوسری چیز کی اسمیں گنجائش ہی نہیں رکھی تو اس حسبی حالت کو یقین کا قوی ہونا بولتے ہیں اور اسی واسطے بعضوں نے کہا ہے کہ جس
یقین میں شک نہو اور وہ مشابہ ہو جاوے ایسے شک کے جسمیں یقین ہو موت کے سوا دوسرا مجھے معلوم نہیں ہوتا اور اس اصطلاح کے
موجب یقین کی صفت قوت اور ضعف کے ساتھ ہوسکتی ہے سو اسبے جو علامت علماے آخرت کی یہ لکھی کہ انکی توجہ یقین کے پختہ اور
قوی کرنے کی طرف ہو تو ہماری غرض اس یقین سے ہے جو دونوں اصطلاحوں کے موافق ہو یعنے اول تو شک کا دور ہونا پھر نفس پر یقین کا
مسلط ہونا اسطرح کہ علیہ اور حکم نفس پر اور تصرف اسکے اندر یقین ہی کا ہو جاوے اور جب تم یہ معلوم کر چکے تو اب تمکو اس قول کی غرض معلوم
ہو جاویگی کہ یقین تین قسموں پر منقسم ہوتا ہے اول اسکا قوی اور ضعیف ہونا دوم زیادہ اور کم ہونا سوم پوشیدہ اور ظاہر ہونا یعنی قوی اور ضعیف
ہونا موجب دوسری اصطلاح کے ہے کہ دل پر تسلط اور غلبہ اسکا کیسا ہے اور قوت اور ضعف میں یقین کے معانی کے درجے بے انتہا ہیں اور موت
کی تیاری میں خلق کا اختلاف انہیں کے تفاوت کے موجب مختلف ہے اور یقین کی پوشیدگی اور ظہور میں بھی انکار نہیں ہو سکتا اور تفاوت
دوم کے موجب اور نیز اول اصطلاح کے موافق مثلا تمکو جو تصدیق مکہ اور فدک کے موجود ہونے کی ہے اور حضرت موسی اور یوشع علیہما السلام کے
وجود کا یقین ہے باوجودیکہ تمکو ان دونوں تصدیقوں میں شک نہیں اسی لیے کہ منشا دونوں کا خبر متواتر ہے مگر اول تصدیق تم پہ دل میں زیادہ
اور ظاہر پاتے ہو بہ نسبت دوسری کے اسی لیے کہ سبب اول میں قوی تر ہے یعنی بہت سے مخبروں کا ہونا اسی طرح مناظرہ کرنے والا پوشیدگی
اور ظہور کا فرق انہی نظریات میں دیکھتا ہے جو دلیلوں سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ جو بات ایک دلیل سے واضح ہوگی وہ اتنی ظاہر نہ ہوگی جو بہت سی
دلیلوں سے واضح ہوگی باوجودیکہ شک کے نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں اور اس فرق کو کبھی اہل کلام انکار کرتے ہیں جو علم کو کتابوں اور بحثوں
سے حاصل کرتے ہیں اور اپنے نفس کے ادراک پر غور نہیں کرتے کہ ہر حال میں تفاوت رہتا ہے اور یقین کی کمی اور زیادتی تعلقات کی
کمی بیشی سے ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس سے علم میں زیادہ ہے یعنے اسکی معلومات زیادہ ہیں اور اسی وجہ سے کبھی عالم تمام
شرع کی باتوں پر یقین قوی رکھتا ہے اور کبھی بعض باتوں میں قوی الیقین ہوا کرتا ہے اب اگر یہ کہو کہ ہمنے یقین کی قوت اور ضعف اور کمی
اور زیادتی اور پوشیدگی اور ظہور کے معنے موجب اصطلاح اول یعنے نفی شک کے اور موجب اصطلاح ثانی یعنے دل پر تسلط ہونے کے
تو سمجھ لیے مگر متعلقات یقین کے معنے کیا ہیں اور یقین کے محل کون سے ہیں اور کن چیزوں میں یقین مطلوب ہوتا ہے کہ ہمکو جبتک معلوم
ہو کہ یقین کن چیزوں میں مطلوب ہوتا ہے تو ہم اسکی طلب کیسے کر سکینگے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یقین کی محل وہ چیزیں ہیں جو انبیا علیہم
السلام اول سے آخر تک لائے ہیں اسلیے کہ یقین ایک معرفت مخصوص کا نام ہے اور اسکے متعلق وہ معلومات ہیں جنکو شریعتیں لائی ہیں تو اس
سے معلوم ہوا کہ انکے شمار کرنے کی امید نہیں ہو سکتی مگر ہم انمیں سے بعض بتائے دیتے ہیں جو یقین کے محلوں کی اصل ہیں مثلا انمیں
سے ایک توحید ہے یعنے تمام اشیا کو مسبب الاسباب سے سمجھنا اور درمیانی وسیلوں پر التفات نہ کرنا بلکہ وسیلوں کو اسکا فرمان بردار سمجھنا اور
انکا اثر کچھ نہ سمجھنا تو جو شخص ان امور کی تصدیق کریگا وہ موحد ہوگا پھر اگر تصدیق کے ساتھ دل میں سے شک بھی دور ہو جاوے تو پہلی
اصطلاح کے موجب موقن ہوگا اور اگر ایمان کے ساتھ تصدیق اس طرح غالب ہو جاویگی کہ درمیانی چیزوں پر غصہ ہونا اور انسے راضی ہونا
اور انکا مشکور ہونا دل سے دور ہو جاوے اور انکو اپنے دل میں ایسا سمجھے جیسے قلم اور ہاتھ انعام کے فرمان لکھنے والے کی نسبت کہ
کہ وہ قلم [illegible] ہاتھ کا نہ مشکور ہوتا اور نہ ان پر غصہ کرتے بلکہ انکو آلہ اور مسخر منعم کا جانا کرتا ہے تو اس صورت میں دوسری اصطلاح کے موافق اہل یقین
ہوگا اور [illegible] اشرف ہے اور پہلے یقین کا ثمرہ اور فائدہ اور روح ہے اور جب آدمی کے نزدیک ثابت ہو جاوے کہ آفتاب اور چاند اور ستارے

تو تمہارا دل انکے عذاب نہ ہونے پر زیادہ مائل ہو گا نہ بہ نسبت عذاب ہونے کے اسلیئے کہ نیکی کی علامتیں ظاہر ہیں اور باوجود اسکے تم اسکے باطن
میں کوئی امر عذاب کے ہونیکا موجب تجویز کر سکتے ہو تو یہ تجویز اول میل کے ساتھ ہے مگر اسکی ترجیح کی طمع نہیں اس حالت کا نام ظن ہے تیسری یہ
کہ نفس کسی چیز کی تصدیق کی طرف اس طرح مائل ہو کہ وہ تصدیق نفس پر چھا جاوے اور اسکا خلاف دل میں نہ گذرے اور اگر گذرے تو نفس اسکے
قبول کرنے سے انکار کرے مگر یہ تصدیق معرفت واقعی کے ساتھ ہو یعنی اگر اس حال والا اس امر میں خوب تامل کرے اور شک ڈالنے اور تجویز کو
سنے تو اسکے نفس میں گنجایش اس شبہ کے ممکن ہونے کی ہو جاوے اس حال کو اعتقاد قریب یقین کے کہتے ہیں جیسے عوام کا اعتقاد تمام امور
شرعیہ میں ہے کہ صرف سننے کی جہت سے انکے دلوں میں جم گیا ہے یہاں تک کہ ہر فرقہ اپنے مذہب کے صحیح ہونے کا اعتقاد کرتا ہے اور اپنے امام اور
پیشوا کو جانتا ہے کہ وہی ٹھیک کہتے ہیں اور اگر کوئی انکے سامنے بیان کرے کہ تمہارے امام سے خطا بھی ہو سکتی ہے تو اس بات کو قبول نہ کرینگے چوتھی
تصدیق اور معرفت حقیقی ہے جو دلیل سے حاصل ہوتی ہے کہ جسمیں نہ خود شک ہو نہ دوسرے کا شک میں ڈالنا متصور ہو تو جب اسمیں شک کا ہونا
اور ہو سکنا دونوں منع ہو ویں وہ اہل مناظرہ اور کلام کے نزدیک یقین کہلاتا ہے اور اسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی عاقل سے کہا جاوے کہ عالم میں کوئی چیز
موجود ایسی بھی ہے جو قدیم ہو تو وہ بالبداہت یعنی فوراً اسکی تصدیق نہیں کر سکتا اسلیئے کہ قدیم محسوس چیز نہیں نہ آفتاب اور چاند جیسے ہے کہ انکے وجود
کی تصدیق آنکھ کی حس سے ہوتی ہے اور کسی چیز قدیم ازلی کا جاننا بدیہی اور اولی نہیں کہ بلا تامل کہدیا جاوے جیسے یوں جاننا کہ دو زیادہ ہیں ایک سے
بلکہ ایسا بھی نہیں جیسا اس جملہ کو جاننا کہ کسی حادث کا وجود بدون سبب کے محال ہے کہ اس جملہ کا علم بھی بدیہی ہے کچھ تامل کا محتاج نہیں اس سے
معلوم ہوا کہ عقل کی طبیعت کا اقتضا یہ ہے کہ قدیم کے وجود کی تصدیق بداہت کے طور پر کرنے میں توقف کرے پھر اسمیں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ
اس بات کو سنکر ایسی تصدیق پکی کرتے ہیں کہ اسی پر چلے جاتے ہیں تو اس قسم کی تصدیق تو اعتقاد ہے اور یہ سب عوام کا حال ہے اور بعض لوگ ایسے
ہیں کہ وہ قدیم کے وجود کو دلیل سے تصدیق کرتے ہیں مثلاً یوں کہا جاوے کہ اگر کوئی قدیم موجود نہ ہو تو سب موجودات حادث رہینگے اور جب سب
حادث ہونگے تو یا کل بلا سبب حادث ہونگے یا ایک بلا سبب حادث ہوگا اور یہ محال ہے تو جس بات سے محال لازم آوے وہ خود محال ہے اس
دلیل سے عقل میں کسی قدیم کے موجود ہونے کی تصدیق یقینا لازم آویگی اسلیئے کہ موجودات تین قسم ہو سکتے ہیں یا کل قدیم ہوں یا کل حادث
یا بعض قدیم ہوں اور بعض حادث اگر سب قدیم ہوں تو مطلب حاصل ہے اسلیئے کہ قدیم کا وجود ثابت ہو گیا اور اگر کل حادث ہوں تو محال ہے کیونکہ
اس سے بدون سبب کے حادث کا وجود لازم آتا ہے تو تیسری قسم خواہ اول قسم ثابت ہوگی اور وہی مطلوب ہے اور جو علم کہ اس طرح پر حاصل ہوتا ہے
وہ ان لوگوں کے نزدیک یقین کہلاتا ہے خواہ دلیل سے ہو جیسا ہمنے ذکر کیا خواہ حس سے یا عقل کی سرشت سے ہو جیسے حادث کے بدون سبب
محال ہونے کا علم ہے یا تواتر سننے سے جیسے مکہ کے موجود ہونے کا علم ہے یا امتحان کرنے سے جیسے اس بات جاننا کہ محمودہ جوش دادہ دست آور
ہے غرضکہ اہل مناظرہ کے نزدیک یقین کے ہونے کی شرط شک کا نہ ہونا ہے تو جس علم میں شک نہوگا وہ انکے نزدیک یقین کہلاویگا اور اس
اصطلاح کے بموجب یقین کو قوی اور ضعیف نہیں کہہ سکتے اسلیئے کہ شک نہ ہونے میں کچھ فرق قوت وضعف کا نہیں کہ اسکے موجب
یقین میں بھی قوت وضعف ہو۔ دوسری اصطلاح فقہوں اور اہل تصوف اور اکثر علما کی ہے اس اصطلاح کے بموجب یقین وہ ہے کہ اسمیں
لحاظ ہونے اور شک کا نہ کیا جاوے بلکہ اسکا دل پر استیلا اور غلبہ دیکھا جاوے تا کہ یوں کہہ سکیں کہ فلاں شخص کا یقین موت پر ضعیف ہے
باوجودیکہ موت میں وہ شک نہیں جانتا یا یہ کہ فلاں شخص کا یقین روزی پہونچنے پر قوی ہے حالانکہ ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات اسکو روزی
نہ ملے حاصل یہ کہ جب نفس کسی چیز کی تصدیق پر مائل ہو اور یہ تصدیق دل پر اس طرح غالب اور مستولی ہو جاوے
کہ نفس میں تصرف اور حکم اسی کا ہو اور اسی کی جہت سے رغبت اچھی چیز کی اور امتناع بری چیز سے ہو تو اس حالت کو
یقین کہتے ہیں اب ظاہر ہے کہ موت کے باب میں سب لوگوں کو پہلی اصطلاح کے بموجب یقین برابر ہے جسمیں کسی طرح کا شک

کرنی اور جوش تقریر میں پڑا رہنا اور ہنسی میں ڈوبا رہنا اور حرکت اور کلام میں تیزی کرنی یہ سب علامتیں شیخی اور خدا تعالیٰ سے نڈر ہونے اور عظیم
اور شدت غضب سے بیخوف اور غافل رہنے کی ہیں اور اُن دنیا داروں کا طریق ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھولے ہیں علمائے باللہ کا یہ طور نہیں ہے
اسلیے کہ عالم موجب قول سہیل تستری کے تین ہیں ایک وہ کہ خدائے تعالیٰ سے اور اُسکے امر سے واقف ہیں مگر اُسکے ایام سے ناواقف
یہ وہ لوگ ہیں کہ حلال اور حرام کے باب میں حکم کرتے ہیں اس طرح کا علم خوف خدا کا موروث نہیں ہوتا اور ایک وہ کہ خدا کو جانتے ہیں اور
اُسکے امر اور ایام کو نہیں جانتے یہ لوگ عوام ایماندار ہیں اور ایک وہ کہ خدائے تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور اُسکے امر اور ایام سے بھی واقف
ہیں یہ لوگ صدیق ہیں اور خوف اور فروتنی صرف انھیں پر غالب ہوتی ہے ایام سے اُنکی مراد اقسام عقوبات پوشیدہ اور باطنی نعمتیں جنکو اللہ
تعالیٰ پہلے اور پچھلے فرقوں پر رحمت فرماتا ہے پس جس شخص کا علم اُن چیزوں پر محیط ہوگا اُسکو خوف بھی بڑا ہوگا اور فروتنی بھی ظاہر ہوگی
اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ علم کو سیکھو اور علم کے لیے وقار اور حلم کو سیکھو اور جس شخص سے سیکھتے ہو اُسکے لیے تواضع کرو اور جو شخص تمسے
سیکھے اُسکو چاہیے کہ تمسے فروتنی کرے اور علمائے جابر مت ہو کہ تمہارا علم جہل کی برابر بھی ہو اور کسی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی
بندہ کو علم دیتا ہے تو اسکو علم کے ساتھ حلم اور فروتنی اور خوش خلقی اور نرمی بھی دیتا ہے علم مفید اسی کا نام ہے اور کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ جس
شخص کو اللہ تعالیٰ علم اور زہد اور تواضع اور خلق حسن عنایت فرماوے تو وہ متقیوں کا امام ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ بعض لوگ میری
امت میں سے بہتر ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو خدا تعالیٰ کی رحمت کے وسیع ہونے سے ہنستے ہیں اور خفیہ اُسکے عذاب کے خوف سے روتے
ہیں اُنکے بدن زمین میں ہیں اور دل آسمان میں اُنکی جانیں دنیا میں ہیں اور عقلیں عقبیٰ میں وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور وسیلے سے
تقرب اللہ تعالیٰ کا کرتے ہیں یعنی جس امر کو باعث تقرب جانتے ہیں اُسکو بجا لاتے ہیں ۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ حلم علم
کا وزیر ہے اور نرمی اُسکا باپ ہے اور تواضع اُسکا لباس ۔ اور بشر بن حارث کہتے ہیں کہ جو شخص علم سے ریاست کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ کا
تقرب اُس سے عداوت رکھتا ہے اسلیے کہ وہ آسمان اور زمین میں مبغوض ہے ۔ اور بنی اسرائیل کی حکایات میں مروی ہے کہ ایک حکیم نے تین سو
ساٹھ کتابیں حکمت میں لکھیں یہاں تک کہ حکیم نامی ہوا اللہ تعالیٰ نے اُنکے نبی پر وحی بھیجی کہ فلاں شخص سے کہدو کہ تو نے اپنی بک سے
زمین بھردی اور اُسمیں سے کسی چیز سے تو نے میری نیت نہیں کی اور میں تیری بک سے کچھ نہیں قبول کرتا جب اُس حکیم کو خبر ہوئی تو
نادم ہوا اور وہ بات ترک کی اور عوام میں ملگیا اور بازاروں میں پھرا اور بنی اسرائیل کے ساتھ کھانا پینا اختیار کیا اور اپنے جی میں فروتنی
کی پھر اللہ تعالیٰ نے اُنکے نبی پر وحی بھیجی کہ اُس سے کہدو کہ اب تجھکو توفیق میری رضامندی کی ملی ۔ اور اوزاعیؒ بلال بن سعد کا حال بیان
کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی اگر شحنہ کے سپاہی کو دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ سے اُس سے پناہ مانگتا ہے اور اگر علمائے دنیا کو
دیکھتا ہے جو ایسی عادتیں بنائے رکھتے ہیں اور ریاست کے مشتاق ہیں تو اُنکو برا نہیں سمجھتا حالانکہ سپاہی کی نسبت کر زیادہ مستحق نفرت اور
دشمنی کے یہ لوگ ہیں ۔ اور مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ
محرمات سے بچنا اور ہمیشہ خدا کی یاد میں رطب اللسان رہنا پھر کسی نے سوال کیا کہ یاروں میں سے کونسا اچھا ہوتا ہے آپنے فرمایا کہ وہ عمدہ
ہے کہ جب تم ذکر خدا کرو تو تمھاری مدد کرے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کو بھول جاؤ تو تمھیں یاد دلاوے پھر پوچھا کہ ساتھیوں میں برا کونسا ہے آپ نے
فرمایا کہ سب میں برا وہ ساتھی ہے کہ جب تم خدا کو بھولو تو وہ یاد نہ دلاوے اور جب اُسکا ذکر کرو تو مدد نہ کرے پھر پوچھا کہ لوگوں میں سے زیادہ
عالم کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ جو خدائے تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتا ہو پوچھا کہ آپ ہمکو ہم میں سے بہتر لوگ ارشاد فرماویں کہ ہم اُنکے
پاس بیٹھا کریں آپنے فرمایا کہ ایسے لوگ وہ ہیں کہ جب اُنپر نظر پڑے خدا یاد آوے پوچھا کہ سب لوگوں میں برے کون سے ہیں آپ نے فرمایا
[illegible] جاہتا ہوں [illegible] اُنکے شر سے پناہ میں رہنے کے لیے ارشاد فرمایا لوگوں نے مکرر عرض کیا کہ آپ ہمکو بتلا دیں

ربع ہے کہ حضرت ... [illegible] ... ۱۲

اور جمادات اور نباتات اور حیوانات اور تمام مخلوق خداتعالی کے امر کی اس طرح مسخر ہیں جیسے قلم کاتب کے ہاتھ میں اور قدرت ازلی ہی سب کی مصدر ہے تو اسکے دل پر توکل اور رضا اور تسلیم کا غلبہ مستولی ہو جاویگا اور غضب اور کینہ اور حسد اور بدخلقی سے بری اور پاک ہو جاویگا ایک محل یقین کا تو یہ ہوا دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو رزق کی کفالت فرمائی ہے اس آیت میں وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا اُسپر اعتقاد اور یقین کرے کہ یہ رزق ضرور پہونچیگا اور جو کچھ میری قسمت میں ہے وہ میرے پاس کھنچ آجاویگا اور جب یہ بات دل پر غالب ہو جاویگی تو طلب رزق شرعی طور پر کریگا اور جب چیز اُس سے فوت ہو جاویگی اُسپر افسوس نہ کریگا یہ حرص وطمع کا دامن درماز کریگا اور اس یقین سے بھی کچھہ طاعات اور عمدہ اخلاق ظاہر ہونگے تیسرا یہ کہ دل پر مضمون اس آیت کا غالب ہو فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنی ثواب اور عذاب کا یقین ہو یہانتک کہ یہ سمجھے کہ طاعات کو ثواب سے ایسی نسبت ہے جیسے روٹی کو ہے پیٹ بھرنے سے اور گناہوں کو عذاب سے وہ علاقہ ہے جیسے زہروں اور سانپوں کو ہے ہلاک کرنے سے تو جیسے شکم سیری کے لیے روٹی حاصل کرنے کا حریص ہوتا ہے اور تھوڑی بہت کتنی ہی ہو اسکی حفاظت کیا کرتا ہے اسی طرح طاعتوں کا حریص ہو اور تھوڑی بہت سب کو بجالانے کا مشتاق ہو اور جس طرح زہر قلیل اور کثیر سے اجتناب کرتا ہے اسی طرح گناہوں ادنی اور اعلی اور تھوڑے بہت سے اجتناب کرے اس امر میں یقین بموجب اصطلاح اول کے تو اکثر ایمانداروں کو ہوتا ہے مگر اصطلاح ثانی کے موافق خاص مقرب شخصوں کو ہوا کرتا ہے اور اس یقین کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے حرکات اور سکنات اور خطروں کو دیکھتا رہتا ہے اور تقوی میں اور ہر قسم کی برائی سے بچنے میں مبالغہ کرتا ہے اور جسقدر یہ یقین غالب ہوگا اسی قدر گناہوں سے احتراز اور طاعات کے لیے تیاری زیادہ ہوگی چوتھے یہ کہ یقین کرے کہ اللہ تعالی میرے ہر حال میں مجھپر مطلع ہے اور میرے دل کے وسوسوں اور خفیہ خطروں اور فکروں کو دیکھتا ہے اس بات کا یقین بموجب اصطلاح اول کے تو ہر ایماندار کو ہوتا ہے یعنی کسی کو اس امر میں شک نہیں مگر دوسری اصطلاح کے بموجب اسکا یقین کمیاب ہے اور وہی مقصود ہے البتہ صدیقوں کو اس مرتبے کا یقین ہوا کرتا ہے اور اس یقین کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان تنہائی میں بھی اپنے سب کاموں میں ادب سے رہتا ہے جیسے کوئی شخص کسی بڑے بادشاہ کی نظروں کے سامنے بیٹھا ہو کہ ہر وقت گردن جھکاتے اپنے سب اعمال میں ادب کا لحاظ رکھتا ہے اور ایسی حرکت سے جو مخالف ادب کے ہو احتراز کیا کرتا ہے اسی طرح جب یہ معلوم کرلے کہ اللہ تعالی میرے باطن پر ایسا مطلع ہے جیسا خلق کے لوگ ظاہر پر مطلع ہوتے ہیں تو ظاہر کے اعمال اور باطن کی فکر میں یکساں رہنا چاہیے بلکہ باطن کی آبادی اور صفائی اور زینت اور پاکی میں جو خداتعالی کی نظر میں ہر دم ہے زیادہ مبالغہ کرنا چاہیے بہ نسبت ظاہر کے بناؤ کے جو لوگوں کے لیے کرتے ہیں اور یہ مقام یقین کا حیا اور خوف اور انکسار اور ذلت اور مسکنت اور خضوع اور کچھ اخلاق عمدہ کا مورث ہوا کرتا ہے اور یہ اخلاق بڑی بڑی طاعتوں کے موجب ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان امور میں سے کسی امر میں یقین کا حال مثل درخت کے ہے اور یہ اخلاق دل میں مثل شاخوں کے ہیں جو اس درخت سے نکلے ہوں اور اعمال اور طاعات جو اخلاق سے صادر ہوتے ہیں وہ بمنزلہ پھلوں اور کلیوں کے ہیں کہ شاخوں سے نکلتی ہیں غرضکہ یقین اصل اور اساس ہے اور اسکے محل اور مقام بہ نسبت مقامات مذکورۂ بالا کے بہت زیادہ ہیں چنانچہ عنقریب جلد چہارم منجیات میں انشاء اللہ انکا بیان ہوگا یہاں لفظ کے معنے سمجھانے کے لیے اس قدر کافی ہے اور ایک علامت علماے آخرت کی یہ ہے کہ غمگین انکسار کے ساتھ سر جھکاتے خاموش رہیے صورت اور لباس اور سیرت اور حرکت اور سکون اور گفتگو اور خاموشی سب میں خوف کا اثر ظاہر ہو جب انکی صورت کوئی دیکھے تو خدا یاد آوے اور ظاہر حال ہی انکے عمل کی دلیل ہو جاوے اور مضمون صورت ہیں حالش مپرس کا مصداق ہو علماے آخرت کی فروتنی اور ذلت اور مسکینیت انکے بشرے ہی سے معلوم ہو جاتی ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ اللہ تعالی نے بندہ کو کوئی لباس اس سے بہتر نہیں پہنایا کہ وقار کے ساتھ فروتنی ہو یہ لباس انبیا علیہم السلام کا ہے اور یکلخت صدیقوں اور علما کی علامت ہے اور گفتگو بنا

یہ آیت پڑھی افمن یرد اللہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام تو کسی نے عرض کیا کہ اس شرح سے کیا مراد ہے آپ نے فرمایا کہ نور جس وقت دل میں
ڈالا جاتا ہے تو اسکے لیے سینہ کھل جاتا ہے عرض کیا کہ اسکی کوئی پہچان بھی ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں دنیا سے علیحدہ رہنا اور دار پائدار کی طرف
رجوع کرنا اور موت کے آنے سے پیشتر اسکی تیاری کرنی اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اکثر گفتگو علم و اعمال کی کرے اور جو
چیزیں کہ عمل کو فاسد کرتی ہیں اور دلوں کو پریشان کرتی ہیں اور وسواس کو ابھارتی ہیں اور شر کو اٹھا کھڑا کرتی ہیں انکے حال سے بحث کرے
کیونکہ دین کی اصل شر سے بچنا ہے اور اسی لیے کسی نے کہا ہے قطعہ بدی کے علم سے ہمکو بدی نہیں منظور ٭ ولے بچے رہیں اس سے یہی ہے
یہی مراد ٭ کہ شر کے حال سے جو آدمی نہیں آگاہ ٭ بعید کیا ہے کہ وہ شر میں پڑکے ہو برباد ٭ اور ایک وجہ یہ ہے کہ اعمال جو فعلی ہیں وہ آسان ہیں ان
سب میں اعلی یہ ہے کہ زبان و دل سے اللہ تعالی کے ذکر کی مداومت کرے لیکن اسکی خوبی جب ہے کہ جو چیز اعمال کی مفسد اور دل کی پریشان کرنے والی
ہے اسکو پہچانے اور اسکی شاخیں اور فروعات بہت سی ہیں اور طریق آخرت کے چلنے میں اکثر انکی طرف ضرورت ہوتی ہے اور سب اس میں مبتلا
ہوتے ہیں اسلیے انکا بیان ضروری ہے باقی رہے علمائے دنیا تو وہ حکومات اور مقدمات کے نادر تفریعات سیکھا کرتے ہیں اور انھیں کے
درپے رہتے ہیں اور ایسی صورتوں کے گڑھنے میں محنت اٹھاتے ہیں کہ برسوں تک کبھی واقع نہوں اور اگر ہوں تو انکے لیے نہوں بلکہ غیروں کے
لیے ہوں اور انکے واقع ہونے کی صورت میں بھی انکے بتانے والے بہت سے ہوں اور جو چیزیں کہ ان علما کے ساتھ ہر دم ہیں اور رات اور
دن میں انکے خطروں اور وسوسوں اور اعمال میں مکرر ہوتی رہتی ہیں انکو چھوڑے بیٹھے ہیں اور جو شخص کہ ایسی ضرورت لازم ہر وقت ہونے والی کو
تو ترک کرے اور دوسرے کی ایسی مہم اختیار کرے کہ جو کمتر ہوتی ہو اور غرض اس سے خلق کے تقرب اور مقبول ہونے کو خدا تعالی کے تقرب
اور قبول پر اختیار کرتا ہو اور یہ لالچ ہو کہ مجھے دنیادار محقق اور عالم مدقق کہیں تو انکے دائرہ سعادت سے دور ہونے کوئی ہوگا اور اسکا بدلہ
خدا تعالی کی طرف سے یہ ہے کہ نہ تو دنیا میں خلق کے نزدیک مقبول ہو نہ منتفع ہوں نہ آخرت میں خدا تعالی کے یہاں بلکہ زمانہ کے مصائب سے
زندگی تلخ کردے پھر قیامت میں مفلس تہی دست جاویں اور علمائے آخرت کے نفع اور مقربوں کی فلاح کو دیکھ کر پچھتاویں یہ بڑا بھاری نقصان ہے
حضرت حسن بصریؒ لوگوں کی نسبت کر کلام کرنے میں زیادہ تر مشابہ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے تھے اور سیرت اور طریق میں اصحاب
رضی اللہ عنہم کے زیادہ تر قریب اوروں سے تھے انکے ان دونوں امروں میں سب کا اتفاق ہے اور انکا وعظ اکثر دلوں کے خطروں اور
اعمال کی خرابیوں اور نفسوں کے وسوسوں اور نفس کی خواہشوں میں سے چھپی اور باریک کے باب میں ہوا کرتا تھا کسی نے ان سے یہ بھی پوچھا
کہ آپ ایسی تقریر فرماتے ہیں کہ جو ہم اوروں سے نہیں سنتے آپ نے یہ تقریر کس سے سیکھی فرمایا کہ حذیفہ بن الیمانؓ سے اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
سے کسی نے پوچھا کہ آپ وہ گفتگو کرتے ہیں کہ آپ کے سوا صحابہ میں اور کسی سے ہم نہیں سنتے آپنے یہ کہاں سے سیکھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھکو اس تقریر سے خاص فرمایا ہے لوگ تو آپ سے خیر کا حال پوچھا کرتے تھے اور میں آپ سے بدی کا حال پوچھتا تھا اس ڈر سے
کہ کہیں اسمیں مبتلا ہو جاؤں اور یہ میں نے جان لیا تھا کہ خیر میرے پاس سے آگے نہ جاوے گی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے جان لیا کہ جو شر کو نہیں پہچانتا
وہ خیر کو بھی نہیں جانتا اور ایک میں اسطرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے کہ جو شخص ایسا ایسا کام کرے
اسکو کیا ثواب ہے یعنی اعمال اور انکے فضائل کا حال پوچھتے تھے اور میں پوچھا کرتا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں اعمال کو کون
چیز فاسد کر دیتی ہے جب آپ نے مجھکو دیکھا کہ عمل کی آفتوں ہی کا حال پوچھتا ہوں تو مجھکو خاص یہی علم تعلیم فرمایا اور حضرت حذیفہ منافقوں
کے جاننے میں بھی مخصوص تھے علم نفاق اور اسکے اسباب اور فتنہ کی باریکیوں کے جاننے میں یکتا تھے حضرت عمرؓ اور عثمانؓ اور بڑے بڑے
صحابی انسے اعمال عام اور خاص فتنوں کا پوچھا کرتے اور لوگ انسے منافقوں کا حال پوچھتے تو جتنے باقی رہے تھے انکے شمار بتلا دیتے
اور نام نہ بتاتے حضرت عمرؓ انسے اپنا حال پوچھا کرتے کہ مجھ میں تو کوئی نفاق کی بات نہیں پاتے وہ آپ کو بری اور صاف فرما دیتے اور

ت اسکو ... / ... / ... / روایت کیا ... بخاری و مسلم ... طبرانی [illegible]

آپ نے فرمایا کہ وہ علما ہیں جب بگڑ جاویں۔ اور ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا ہو کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ امن اسکو ہوگا جو دنیا میں فکر زیادہ کرتا تھا اور سب میں زیادہ آخرت میں وہ ہنسیگا جو دنیا میں سب سے زیادہ رویا ہوگا اور سب سے زیادہ خوش وہ ہوگا جو دنیا میں بہت دنون رنج میں رہا ہوگا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا ہو کہ میرا ذمہ ہو اور مین اس بات کا ضامن ہونگا کہ کسی قوم کی زراعت عمل کو تقوی کے ہوتے ہوئے زردی اور تباہی کا نقصان نہیں اور نہ کسی کام کی جڑ کو ہدایت کے ہوتے خشکی کاریاں اور لوگون میں سے جاہل تر وہ ہو جو خدا کی قدر نہ جانے اور اللہ تعالی کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہو کہ جو علم کو ہر جگہ سے جمع کرکے فتنہ کی تاریکیوں میں چھپایا مارے ایسے ویسے اور رذیل لوگون نے اسکا نام عالم رکھ دیا اور وہ علم میں ایک دن بھی سلامت نہ رہا صبح کو اُٹھتے ہی وہ چیز بہت سی لی جسمیں سے تھوڑی بنسبت بہت کے اچھی ہو یہانتک کہ جب سڑے پانی سے سیراب ہو جاتا ہو اور بے فائدہ امور کی کثرت کرتا ہو تو لوگوں کے واسطے مفتی بن بیٹھتا ہو کہ جو امر غیر پر مشتبہ ہو اُسکو اُس سے خلاص کرے اور جب کوئی مبہم بات اسکے سامنے پیش ہوتی ہو تو اُسکے لیے اپنی تجویز سے ایک لغو قیاس بنا لیتا ہو تو وہ شخص شبہوں کی تاریکی سے مکڑی کے سے جالے میں ہو یہ نہیں جانتا کہ میں چوک گیا یا ٹھیک کہا بہت سی جہالتوں کا مرتکب اور بے سمجھے عقلی تکّے مارتا ہو جس چیز کو نہین جانتا اُسکا عذر نہیں کرتا کہ بچ جاوے اور نہ علم کو داڑھوں سے مضبوط پکڑے کہ غنیمت پاوے خون ناحق اُسکے ہاتھوں روتے ہیں اور اُسکے حکم سے زنا حلال ہوتے ہیں بخدا کہ جو سوال اُسپر پیش ہوا نہ اُسکے جواب کی قدرت اُسکو حاصل ہوا اور نہ جو امر کہ اُسکو تفویض ہوا اُسکے وہ قابل یہی لوگ ہیں کہ عذاب اور عقاب کے مستحق ہوے اور زندگی بھر نوحہ اور گریہ کے لائق۔ اور یہ بھی آپ کا ارشاد ہو کہ جب تم علم کو سنو تو خاموش رہو اور اسکو ہزلیات میں مت ملاؤ ورنہ دل میں اُسکی تاثیر نہوگی۔ اور بعض سلف کا قول ہو کہ عالم جب ایک دفعہ ہنستا ہو تو ایک لقمہ علم کا منہ سے نکال ڈالتا ہو اور بعضوں نے یہ کہا ہو کہ استاد میں اگر تین باتیں ہوں تو اُسکے سبب سے شاگرد پر پوری نعمت ہوگی اول صبر کرنا دوم تواضع سوم خوش خلقی اور جب شاگرد میں تین امر ہوں تو اُسپر استاد پر نعمت کامل ہو جاتی ہو ایک عقل دوسرے ادب تیسرے اچھی سمجھ۔ حاصل یہ کہ جو اخلاق کلام اللہ میں مذکور ہیں علماے آخرت اُنسے خالی نہیں ہوتے وہ لوگ قرآن مجید کو عمل کے واسطے سیکھتے ہیں صرف پڑھنے پڑھانے کے واسطے نہیں سیکھتے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہماری عمر گذری کہ یہی دیکھا گئے کہ اصحاب کو قرآن مجید سے پیشتر ایمان عطا ہوا تھا اور جب سورت نازل ہوتی تھی تو ہم اُسکے حلال اور حرام اور امر اور نہی کو جان لیتے تھے اور سورت میں جس جگہ توقف چاہیے وہ مقام معلوم کر لیتے تھے اور اب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انکو ایمان سے پیشتر قرآن ملتا ہو اور وہ الحمد سے لیکر آخر قرآن تک پڑھ جاتے ہیں یہ نہین جانتے کہ اسمیں حکم کیا ہو اور منع کس امر سے ہو اور کس جگہ توقف کرنا چاہیے اُسکو سڑے چھوہاروں کیطرح بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں اسی کے قریب وارد ہو کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سے پیشتر ایمان عنایت ہوا تھا اور عنقریب تمہارے بعد کچھ لوگ آوینگے کہ انکو ایمان سے پہلے قرآن ملیگا کہ وہ اُسکے الفاظ و حروف کو تو درست کرینگے اور اُسکے حدود یعنی امر و نہی کو ضائع کرینگے اور کہینگے کہ ہمسے پڑھا ہو ہمسے زیادہ پڑھنے والا کون ہو اور ہمسے جانا ہمسے زیادہ جاننے والا کون ہو انکا حصہ قرآن سے اسی قدر ہو اور بعض روایت میں یہ بھی آیا ہو کہ یہ لوگ اس امت کے بُرے ہیں۔ اور بعض کا قول ہو کہ پانچ اخلاق ہیں جو علماے آخرت کی علامات ہیں اور وہ قرآن مجید کی پانچ آیتوں سے سمجھے جاتے ہیں اول خوف دوم خشوع سوم فروتنی چہارم حسن خلق پنجم آخرت کو دنیا پر اختیار کرنا جو سب کی اصل ہو خوف تو اس آیت سے مفہوم ہوتا ہو انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور خشوع اس آیت سے خاشعین للہ لا یشترون بایات اللہ ثمنا قلیلا اور فروتنی اس سے واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین اور حسن خلق اس سے فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم اور زہد اس سے وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن امن وعمل صالحا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اثر انکا دل متعلق ہوا اور اسی تعلق سے ٹھیک صواب پر رہے اور سابقہ قرنوں کا ایسا ہی کہ روایت اور الفاظ میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اثر نور
نبوت کا فیضان اتنا تھا کہ اکثر خطا سے محفوظ رہیں اور جبکہ غیر سے سنی ہوئی بات پر اعتماد کرنا پسند نہ تھا تو کتابوں اور تصنیفوں پر اعتماد
کرنا تو زیادہ بعید ہے بلکہ کتابیں اور تصنیفیں نئی چیزیں ہیں کہ زمانہ صحابہؓ اور کسی قدر تابعین کے شروع زمانے میں کوئی کتاب یا تصنیف نہ تھی
ہجرت کے ایک سو بیس برس پیچھے تمام صحابہؓ اور بعض تابعین کی وفات کے بعد مثل وفات سعید بن مسیبؒ اور حسن بصریؒ اور دوسرے عمدہ تابعین
کے تالیف ہوئیں بلکہ اول کے لوگ حدیث کی کتابوں کا لکھنا اور تصنیف کرنا برا جانتے تھے اس غرض سے کہ لوگ اُن کتابوں کے باعث حفظ کرنا اور
قرآن کا پڑھنا اور سمجھنا کہیں نہ چھوڑ بیٹھیں اور کہتے تھے کہ جیسے ہم یاد کیا کرتے تھے ویسے تم بھی یاد کرو اور اسی لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور کچھ
اور صحابہؓ نے قرآن مجید کا مصحف میں جمع کرنا مناسب نہ سمجھا اور فرمایا کہ ہم کس طرح ایسی بات کریں جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا
اور اس بات سے ڈرے کہ لوگ کہیں لکھے ہوئے قرآن پر بھروسا کر کے اسکی تلاوت نہ چھوڑ دیں اور یہ کہا کہ قرآن کو ایسا ہی رہنے دو کہ ایک
دوسرے سے سیکھ پڑھ لیا کرے تاکہ انکا شغل اور مقصود بنا رہے یہانتک کہ حضرت عمرؓ اور باقی اصحابؓ نے قرآن کے لکھنے کو کہا اس خوف
سے کہ لوگ سستی اور کسل نہ کر جاویں یا یہ کہ اگر پڑھنے میں کسی کلمہ یا متشابہات کے خلاف ہو تو کوئی اصل ایسی نہ ملے جس سے اس خلاف
کو دور کریں پس حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دل بھی اس بات کے لیے کھل گیا اور قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کیا اور امام احمد بن حنبل امام مالک
پر موطا بنانے میں انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بات صحابہؓ نے نہیں کی اسکو تم پیدا مت کرو اور کہتے ہیں کہ سب سے اول کتاب
جو اسلام میں بنی وہ ابن جریجؒ کی کتاب ہے جس میں آثار اور تفسیریں جو مجاہد اور عطا اور شاگردان حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں مندرج
ہیں یہ کتاب مکہ معظمہ میں تصنیف ہوئی اسکے بعد معمر بن راشد صنعانی کی کتاب متضمن سنن ماثورہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یمن میں
تیار ہوئی پھر امام مالکؒ کی موطا مدینہ میں پھر سفیان ثوریؒ کی جامع تالیف ہوئی پھر چوتھے قرن میں کلام کی تصنیفات ایجاد ہوئیں اور
جنگ و جدل اور مقالات بیہودہ میں خوض کثرت سے ہونے لگا اور لوگوں کو اسطرف رغبت ہوئی اور قصوں اور وعظ گوئی کا رواج
ہوا تو اسوقت سے علم یقین کم ہونے لگا اور بعد کو تو یہ حال ہوا کہ دلوں کا علم اور نفس کے صفات کا حال دریافت کرنا اور شیطان کے
فریبوں کا معلوم کرنا ایک عجیب بات ہوگئی اور سب لوگوں نے اسطرف سے منہ پھیر لیا صرف چند لوگ رہ گئے جنکو ان علوم کا شوق ہوا
اب عالم وہی کہلاتا ہے جو مناظرہ کرنے والا اور کلام والا ہو یا وعظ میں قصوں کو خوب چکنے الفاظ سے اور مقفی عبارتوں سے بیان کرے اور
اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے سننے والے عوام ہوتے ہیں انکو یہ تمیز نہیں کہ علم واقع میں کونسا ہے اور غیر واقع کونسا اور صحابہؓ کی سنت اور علوم انکو
معلوم نہیں تاکہ انکی نسبت سے دیکھ لیتے کہ اب کے عالم انکے بالکل مخالف ہیں اسی جہت سے جسکو کچھ کہتے سنا عالم کہدیا اور اسی طرح
پچھلے بھی اگلوں کی پیروی کرتے آئے اور علم آخرت تہ ہوگیا اور بجز چند خواص کے اور لوگوں میں سے علم اور کلام میں کا فرق بھی اٹھ گیا البتہ
خواص سے اگر کوئی پوچھتا کہ فلاں زیادہ علم رکھتا ہے یا فلاں تو وہ کہدیتے تھے کہ فلاں علم میں زیادہ ہے اور دوسرا کلام میں غرض کہ علم میں
اور کلام پر قدرت ہونے پر انکو تمیز تھی جب اگلے زمانے میں دین ایسا سست ہوگیا تو اب اس زمانے کا کیا حال پوچھتے ہو کہ نوبت
اس حد تک پہونچی ہے کہ اگر کوئی کلام وغیرہ سے انکار کرے تو دیوانہ کہلاتا ہے اسی لیے بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کے فکر میں لگے اور چپ
ہو رہے اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ بدعتوں سے اور نو ایجاد چیزوں سے بہت بچے گو انپر تمام عوام نے اتفاق کر لیا ہو
جو چیز صحابہؓ کے بعد نئی ہوئی ہو اسپر لوگوں کے اتفاق کر لینے سے مغالطہ نہ کھاوے بلکہ صحابہؓ کے حالات اور سیرت اور اعمال کی جستجو
[illegible] ہوا اور یہ دریافت کرے کہ انکی ہمت اکثر کن باتوں میں مصروف تھی آیا درس دینے اور تصنیف کرنے اور مناظرہ کرنے اور قاضی
[illegible] اور [illegible] اور وصیتوں کے حال [illegible] بیٹھنے اور سلاطین سے ملنے اور انسے اچھی

جب حضرت عمرؓ کسی جنازے کی نماز پڑھنے کو بلائے جاتے تو آپ دیکھتے اگر حضرت حذیفہؓ کو جنازے کے ساتھ شریک اور موجود پاتے تب
تو نماز پڑھتے اور اگر وہ وہاں نہ ہوتے تو نماز نہ پڑھتے اور حضرت حذیفہ کا نام صاحب السر یعنی راز دار تھا غرضکہ دل کے مقامات اور احوال پر نظر
رکھنی علمائے آخرت کا قاعدہ ہے اسلیے کہ قرب الٰہی کی طرف سعی کرنے والا دل ہی ہے اور اب یہ فن کمیاب اور نرالا ہو گیا اور اگر کوئی عالم اس
فن میں کسی چیز کے درپے ہوتا ہے تو لوگوں کو عجیب معلوم ہوتا ہے اور بعید جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صرف واعظوں کا دھوکا ہے تحقیق کہاں ہے
تحقیق صرف جھگڑے کی باتوں میں سمجھتے ہیں واقع میں کسی نے سچ کہا ہے قطعہ طریقے ہیں بہت سے پر رہ حق ہے جدا گانہ ✽ جو سالک اس
طریقے کے ہیں وہ بھی ہوتے ہیں یکتا ✽ نہ انکو کوئی جانے اور نہ کوئی اسکے مطلب کو ✽ مرے ہیں وہ غرض چلتے ہیں اس مقصود کا رستا ✽ سے یا
چون سے مطلب کو اس سے لوگ ہیں غافل ✽ کہ اکثر خلق راہ حق سے غفلت میں ہے بہتر پایا ✽ ماحصل اکثر لوگ ایسی ہی چیز کی طرف راغب ہیں
جو سہل تر اور انکی طبیعت کے موافق ہو اسلیے کہ حق تلخ ہے اور اسپر آگاہ ہونا مشکل ہے اور اسکا دریافت کرنا نہایت سخت ہے اور اسکا طریق دقیق
ہے خصوصًا دل کے صفات کو معلوم کرنا اور اسکو برے اخلاق سے پاک کرنا کہ یہ تو ہمیشہ کی جان کندنی ہے اور جو شخص اسکے درپے ہوتا ہے وہ ایسا
ہے جیسے دوا پینے والا کہ دوا کی تلخی پر امید شفائے آیندہ صبر کرتا ہے یا ایسا ہے کہ گویا عمر بھر روزے رکھتا ہے کہ وہ بھی سختیوں کی برداشت اسلیے کرتا ہے
کہ موت پر انکی عید ہو جاوے پس ایسے طریق کی رغبت کس طرح بہت ہو سکتی ہے اور اسی وجہ سے مشہور ہے کہ بصرے میں ایک سو بیس واعظ
تھے جو نصیحت و پند کیا کرتے تھے مگر علم یقین اور دلوں کے حالات اور باطن کے صفات پر کوئی سوائے تین شخصوں کے گفتگو نہ کرتا تھا
سہل تستری اور صبیحی اور عبد الرحیم تھے اور دوسروں کے وعظ میں اتنے لوگ ہوتے تھے کہ شمار سے زائد ہوں اور ان تین کے وعظ میں بہت کم
ہوتے تھے کبھی ایسا ہوتا ہوگا کہ دس سے زیادہ ہوتے ہوں اسلیے کہ نفیس اور عمدہ چیز کے اہل خاص ہی لوگ ہوتے ہیں اور جو چیز عوام کو دیجاتی
ہے وہ سہل ہوتی ہے اسکے خواستگار بہت ہو جاتے ہیں اور ایک علامت علمائے آخرت کی یہ ہے کہ اپنے علوم میں اعتماد اپنی بصیرت اور
دل کی صفائی کے ادراک پر کرے کتابوں اور صحیفوں پر نہ کرے اور نہ اس چیز پر جو دوسرے سے سنے تقلید کے لیے صرف صاحب شریعت
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس بات کا آپ نے امر فرمایا اور جسکو کہا کہ اسمیں آپ ہی کی تقلید کرے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقلید بھی اس جہت سے
کرے کہ انکا کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پھر جب پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپکے
اقوال اور افعال کے قبول کرنے میں بجا لاوے تو چاہیے کہ انکے اسرار کے سمجھنے کا حریص ہو اسلیے کہ پیروی فعل اسی لیے کرتا ہے کہ صاحب
شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو کیا ہے اور آپ کا کرنا ضرور ہے کہ کسی راز کے باعث ہوگا اسی لیے چاہیے کہ اعمال اور اقوال کے اسرار
کے باب میں خوب تلاش کرے کیونکہ اگر جو کچھ سیکھا اسکو یاد کر لیگا تو علم کا ظرف ہو جاویگا عالم ہوگا اور اسی لیے پہلے زمانے میں اس قسم کے
آدمی کو کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص علم کے ظروف میں سے ہے اور عالم نہ کہتے تھے پس جس حال میں کہ علم والا یاد کر لے اور فعل کی حکمت
اور اسرار سے ناواقف ہو تو اسکو عالم نہ کہینگے اور جسکے دل سے پردہ اٹھ گیا ہو اور نور ہدایت سے منور ہو گیا ہو وہ مدات خود متبوع اور
پیشوا ہو جاتا ہے اسکو نہ چاہیے کہ دوسرے کی تقلید کرے اور اسی لیے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ اسکی ساری باتیں مان لیجاویں بعض مان لیجاتی ہیں اور بعض نہیں مانی جاتیں اور حضرت ابن عباس
نے فقہ حضرت زید بن ثابتؓ سے سیکھی تھی اور قرأت حضرت ابی بن کعبؓ کو سنائی تھی پھر ان دونوں علموں میں دونوں استادوں کا اختلاف
کیا اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جو کچھ ہمکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچا ہے اسکو تو ہم بسر و چشم مانتے ہیں اور جو صحابہؓ سے پہونچا ہے
انہیں سے بعض کو اختیار کرتے ہیں اور بعض پر عمل نہیں کرتے اور جو تابعین سے پہونچا ہے تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں اور صحابہ کو
فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے قرائن کو دیکھا اور جو باتیں کہ قرائن سے معلوم ہوتی ہیں [illegible]

فرش بچھاتے ہیں حالانکہ پہلے مسجد میں بوریوں کا بچھانا بھی بدعت گنا جاتا تھا اور کہتے ہیں کہ یہ فرش وغیرہ حجاج بن یوسف کا ایجاد ہے اکابر سلف تو مسجد کی مٹی پر بہت کم فرش بچھاتے تھے یہی حال ساطرہ اور جدل کی دقیق باتوں میں مشغول ہونے کا ہے کہ اسکو بھی اس زمانے کے لوگ بہت بڑا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بڑے ثواب کی بات ہے حالانکہ سلف میں یہ امر برا متصور ہوتا تھا اور اسی میں داخل ہے قرآن اور اذان میں راگ کی سی آواز کرنی اور صفائی میں مبالغہ کرنا اور طہارت میں وسوسہ کرنا اور کپڑوں کی نجاست دور کے سبب سے وہم کر لینی مگر کھانوں کے حلال اور حرام میں تساہل برتتے ہیں جو سب سے اول بات ہے اور اسکے سوا بہت سی باتیں ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ نے سچ فرمایا ہے کہ آج تم ایسے زمانے میں ہو جس میں خواہش نفس علم کے تابع ہے اور تمپر ایک زمانہ ایسا آویگا کہ اسمیں علم خواہش نفس کا تابع ہوگا اور امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں نے سنت کو چھوڑ کر غرایب باتوں پر توجہ کی ہے اس میں علم نہایت کم ہے خدا مدد کرے اور مالک بن انس ؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں لوگ وہ امور نہیں پوچھتے تھے جو آج پوچھتے ہیں اور نہ علما حرام اور حلال کو بیان کرتے تھے میں نے انکو دیکھا کہ یہ کہا کرتے تھے کہ مستحب ہے اور مکروہ ہے اس سے یہ غرض ہے کہ ان لوگوں کی نظر کراہت اور استحباب کے دقائق میں ہوا کرتی تھی حرام سے تو ظاہر ہے کہ بچا ہی کرتے تھے اور ہشام بن عروہ کہا کرتے تھے کہ علماء سے آج وہ باتیں پوچھو جو انھوں نے اپنے جی سے تراشی ہیں اسلیے کہ انکا جواب انھوں نے سار رکھا ہے بلکہ ایسے سنت کا طریق پوچھو کہ اسکو جانتے ہی نہیں اور ابو سلیمان دارانی کہا کرتے تھے کہ جس شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جاوے تو اسکو چاہیے کہ اسپر عمل نہ کرے جبتک کہ اسکا ہونا آثار سے نہ سن لے اگر آثار میں اس امر کا وجود پایا جاتا ہو تو خدا تعالیٰ کا شکر کرے کہ جو بات اسکے دل میں پڑی وہ آثار کے مطابق ہوئی اور یہ بات آپ نے اسلیے فرمائی کہ اب جو رائیں نئی نئی بہت سی ہو گئی ہیں انکو سنکر آدمی کبھی دل میں جمالیتا ہے اور اس سے بعض اوقات دل کی صفائی میں فرق آجاتا ہے اور اسکے باعث سے امر باطل کو حق خیال کرنے لگتا ہے اسلیے احتیاطاً ضرور ہوا کہ جو امر دل میں پڑے اسکی انتہی آثار کی تائید سے کرلے اور اسی وجہ سے جب نماز عید میں مروان نے عیدگاہ کے قریب منبر بنوایا تو حضرت ابو سعید خدریؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے مروان یہ کیا بدعت ہے مروان نے کہا کہ یہ بدعت نہیں بلکہ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم جانتے ہو آدمی بہت ہو گئے ہیں اسلیے میں نے چاہا کہ آواز سب کو پہونچے آپ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں اس سے بہتر تم کبھی نہ کروگے اور بخدا کہ میں آج تیرے پیچھے نماز نہ پڑھونگا اور حضرت ابو سعیدؓ نے منبر کو اسلیے برا جانا اور مروان پر اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے خطبے اور استسقا کی دعا میں کمان یا برچھا یا لاٹھی پر سہارا دے لیا کرتے تھے منبر پر نہ پڑھتے تھے اور ایک حدیث مشہور میں آیا ہے کہ من احدث فی دیننا مالیس منہ فہو رد اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص دھوکا دے میری امت کو اسپر لعنت ہے خدا تعالیٰ اور فرشتوں اور کل آدمیوں کی کسی نے عرض کیا کہ آپ کی امت کا دھوکا دینا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ ہے کہ ایک بدعت پیدا کرے اور لوگوں کو اسپر ترغیب دے اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے کہ ہر روز یوں پکارتا ہے کہ جو کوئی خلاف کرے سنت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا تو اسکو شفاعت آپ کی نصیب نہو گی۔ اور جو شخص بدعت خلاف سنت ایجاد کرکے دین میں خطاوار ہوتا ہے اسکی نسبت دوسرے گناہگار سے ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی سلطنت اکھاڑنے والے کو اس آدمی کی طرف جو صرف کسی خدمت خاص میں بادشاہ کے کہنے کے خلاف کرے اور یہ تقصیر بادشاہ کبھی معاف بھی کر دیتا ہے مگر سلطنت کے درہم برہم کرنے کا قصور معاف نہیں کرتا اور بعض اکابر سلف نے ارشاد فرمایا کہ جس بات میں سلف نے گفتگو کی ہے اس سے سکوت کرنا ظلم ہے اور جس بات میں انھوں نے سکوت کیا ہے اسمیں گفتگو کرنی تکلف ہے۔ اور کسی دوسرے نے کہا ہے کہ امر حق گران ہے جو شخص اس سے بڑھتا ہے وہ ظالم ہے اور جو اسمیں کمی کرتا ہے وہ عاجز ہے اور جو اسپر توقف کرتا ہے وہ کفایت کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لازم پکڑو طریق اوسط کو جسکی طرف آگے جانے والا لوٹ آوے اور پیچھے چلنے والا اسمیں آ ملے

[حاشیہ:] ۱۲ مع طولانی میں یہ روایت ہے اسمیں بجائے آگ کی سی آواز حرمین کے مراد ہیں لفظ ۱۲ مع۔ بعض الماس دین میں ایسی نئی بات کہ جو اس میں نہیں ہے سو وہ رد ہے ۱۲ رواہ البخاری ومسلم روایت مایت ابن ماجہ و دارقطنی بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ مع اسکی اصل نہیں ملی ۱۲ مع ابو عبید موقوفاً علی علی ۱۲ احیاء العلوم

طرح صحبت رکھنے میں وہ لوگ مصروف تھے یا خوف اور اندوہ اور فکر اور مجاہدہ اور ظاہر وباطن کے مراقبہ اور چھوٹے بڑے گناہوں کے
بچنے اور نفس کی خفیہ خواہشوں کے معلوم کرنے اور شیطان کے حیلوں کو دریافت کرنے وغیرہ علوم باطن میں مشغول تھے اور یہ بات قطعاً
جان لو کہ زمانے کے لوگوں میں سب سے زیادہ عالم اور حق سے قریب تر وہ ہے جو صحابہؓ کے زیادہ مشابہ ہو اور اکابر سلف کے طریق سے واقف
تر اسلیے کہ دین انہیں لوگوں سے لیا گیا ہے اور اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ہم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اس دین کا زیادہ تابع ہو اور
یہ آپ نے اسوقت ارشاد فرمایا تھا کہ کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ نے فلاں شخص کا خلاف کیا۔ غرضکہ اگر تم زمانہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو تو اس بات کی پروا نہ کرو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کی مخالفت ہو کیونکہ لوگوں نے اپنی طبیعتوں کی خواہش
کی جہت سے ایک قیاس ٹھہرا لیا اور انکا نفس اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اقرار کریں کہ ہماری رائے جنت سے محروم ہونے کی موجب ہے
تو اسی بات کے مدعی ہوے کہ جنت کی سبیل بجز اس رائے کے اور کوئی نہیں اور اسی جہت سے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں
دو نئے شخص پیدا ہو گئے ایک تو وہ کہ جسکی رائے خراب ہے وہ کہنے لگا کہ جنت اسی کے لیے ہے جسکی رائے میری رائے جیسی ہو دوسرے
وہ دولتمند کہ دنیا پرست ہے اسی کے لیے خوش ہوتا ہے اور اسی کے واسطے راضی اور اسی کی طلب کرتا ہے پس تم ان دونوں کو ترک کر کے اور
جہنم میں جانے دو اور اگر کوئی شخص اس دنیا میں ایسا ہو کہ ادھر تو توانگر اسکو اپنی دنیا کی طرف بلاتا ہو اور ادھر بدعتی اپنی رائے فاسد کی طرف
اور اس شخص کو خدا تعالیٰ نے دونوں سے محفوظ رکھا ہو اور وہ سلف صالح کا مشتاق ہو کہ اُنکے اعمال کو پوچھتا ہو اور اُنکے آثار کا اقتدا کر کے
اجر عظیم کا خواہاں ہو تو تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ اور حضرت ابن مسعودؓ سے یہ روایت موقوف اور مرفوع دونوں طرح آئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ
دو ہی باتیں ہیں ایک کلام دوسری سیرت تو کلام میں سے عمدہ تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور سیرت میں سے بہتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم کی سیرت ہے آگاہ رہو کہ اپنے آپ کو نئے امور سے دور رکھو کہ سب امور سے بدتر نئے امور ہیں اور جو نئی بات ہے وہ بدعت ہے اور جو بدعت
ہے وہ گمراہی ہے خبردار رہو کہ اپنی عمر کو زیادہ مت سمجھو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جاوینگے یہ جان رکھو کہ جو چیز آنے والی ہے وہ نزدیک ہے دور
وہی ہے جو آتی نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا کہ خوشحالی ہے اُسکو جس نے اپنے عیب دیکھکر دوسرے
لوگوں کے عیب سے پہلو تہی کی اور جو مال کہ بدون معصیت کمایا اُسمیں سے خرچ کیا اور فقہ اور حکمت والوں سے میل کیا اور لغزش اور
معصیت کے لوگوں سے احتراز۔ خوشحالی ہے اسکو جو اپنے حق میں ذلیل رہا اور اُسکی عادت اچھی ہوئی اور باطن درست ہوا اور لوگوں کو اُسکی
ایذا نہ ہو۔ بھی خوشحالی ہے اُسکو جسنے اپنے علم کے موجب عمل کیا اور جو کچھ مال اُسکے پاس بچا وہ دے ڈالا اور جو بات کہ زائد از حاجت ہوئی اسکو
زبان سے نہ نکالا طریق سنت اسپر محیط رہا اور اُسنے اس سے بدعت کی طرف تجاوز نہ کیا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ آخر زمانے
میں سیرت کا بہتر ہونا بہت سے عمل کی نسبت کہ اچھا ہوگا اور فرمایا کہ تم لوگ ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے بہتر اب وہ ہے جو امور خیر میں
جلدی کرتا ہے اور عنقریب تمہارے بعد ایک ایسا وقت آویگا کہ اسمیں بہتر وہ ہوگا جو ثابت قدم رہے اور کام کی بجا آوری میں توقف
کرے اسلیے کہ شبہات بہت سے ہونگے۔ اور یہ بات آپ نے سچ فرمائی اسلیے کہ اسوقت میں اگر کوئی شخص توقف نہ کرے اور جن امور میں
سب مبتلا ہیں اُنمیں اُنکی موافقت کرے اور انہیں کی سی باتوں میں خوض کرے تو جیسے وہ تباہ ہوے ایسا وہ بھی تباہ ہو جاوے۔ اور
حضرت حذیفہؓ نے اس سے بھی عجیب تر بات فرمائی ہے کہ تم لوگوں کی نیکی اسوقت میں پہلے زمانے کی برائی ہے اور جسکو تم اب برائی جانتے
ہو وہ پہلے وقت میں بھلائی تھی اور تم جبھی تک خیر سے رہوگے جبتک کہ حق کو پہچانوگے اور تمہارے عالم امر حق نہ چھپا دینگے۔ اور
واقعی میں آپ نے درست فرمایا کہ اس زمانہ کی اکثر بھلائیاں ایسی ہیں کہ صحابہؓ کے وقت میں اُنپر انکار ہوتا تھا مثلاً آج کل بھلائی سمجھے
جاتے ہیں مسجدوں کی زینت اور آراستگی کرتے ہیں اور اُنکی عمارت کے باریک کاموں میں بڑے مال لگاتے ہیں اور عمدہ [illegible]

اور اسی وجہ سے یوسف بن اسباط نے حذیفہ مرعشی کو لکھا تھا کہ تم میرے باب میں کیا خیال کرتے ہو میں تو ایسا رہ گیا کہ کوئی میرے ساتھ خدا تعالیٰ کی یاد کرنے والا نہیں جو ملتا ہے تو اسکے ساتھ ذکر باتوں گناہ اور معصیت ہی ہوتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ذکر کا اہل کوئی نہیں ملتا اور یہ انکو درست فرمایا اسلیے کہ لوگوں سے ملنا غیبت کرنے اور سننے سے خالی نہیں یا بری بات کو دیکھکر چپ رہنا پڑتا ہے اور بہتر حال آدمی کا یہ ہے کہ علم سکھاوے یا سیکھے اور اگر تامل کرے تو جانے کہ سیکھنے والے کی غرض یہی ہے کہ علم کو ذریعہ طلب دنیا اور وسیلہ شر بناوے تو ظاہر ہے کہ استاد اس بات میں اسکا معین اور مددگار اور اسباب شر کا تیار کرنے والا ہوگا جیسے وہ شخص کہ تلوار رہزنوں کے ہاتھ بیچے اور علم بھی مثل تلوار کے ہے اسمیں خیر کی لیاقت ایسی ہے جیسے تلوار میں جہاد کی ہے اسی وجہ سے تلوار کو ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا کہ اسکے حال کے قرینوں سے معلوم ہوتا ہو کہ رہزنی کے لیے چاہتا ہے جائز نہیں۔ غرض کہ یہاں تک علماے آخرت کی علامتیں بارہ ہوئیں انمیں سے ہر ایک میں کچھ کچھ اخلاق علماے سلف کے موجود ہیں تو تمکو دو شخصوں میں سے ایک ہونا چاہیے یا تو ان صفات کے ساتھ متصف ہو جاؤ یا اپنی تقصیر کے مقر ہو کر ان صفات کے قائل رہو مگر خبردار ان دو کے سوا تیسرے مت ہونا ورنہ تمہارے دل میں شبہ پڑجاویگا کہ دنیا کے ذریعہ کو دین کہنے لگوگے اور جھوٹوں کی سیرت کو علماے راسخین کی عادت قرار دوگے اور اپنے جہل اور انکار کے باعث ہلاک ہونے والوں کی جماعت میں ملجاؤگے جسکے بچنے کی امید نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے شیطان کے فریبوں سے پناہ مانگتے ہیں کہ انھیں میں سب ہلاک ہوے اور اس سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمکو ان لوگوں میں سے کردے جنکو دنیا کی زندگی اور ابلیس مکار دھوکا اور مغالطہ نہ دے

ساتویں فصل عقل کے بیان میں اور اسکی بزرگی اور حقیقت اور اقسام کے ذکر میں اور اسمیں تین بیان ہیں

بیان اول عقل کی بزرگی کے ذکر میں۔ واضح ہو کہ عقل کا شرف ان اشیا میں سے ہے جسکے بیان کرنے کے لیے حاجت تکلف کی نہیں خصوصاً ایسے حال میں کہ اول علم کا شرف معلوم ہوگیا اور یہ جانتے ہیں کہ عقل علم کا منبع اور مطلع اور اصل ہے علم عقل کی نسبت گویا شاخ ہے تو جو چیز دنیا اور آخرت کی سعادت کا وسیلہ ہو وہ اشرف کیسے نہ ہوگی اور اسمیں کیسے شک ہوگا کہ چوپایہ باوجود اپنی تمیز کے کم ہونے کے عقل سے دبتا ہے یہانتک کہ چوپایوں میں جو بدن میں سب سے بڑا ہوا اور زور میں اور غصہ میں زیادہ وہ بھی جب انسان کی صورت دیکھتا ہے تو اس سے دبتا ہے اور خوف کھاتا ہے اسلیے کہ اسکو اتنا شعور ہے کہ انسان مجھ پر غالب ہو جاویگا کیونکہ تدبیر اور حیلوں کے معلوم کرنے میں مخصوص ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوڑھا اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں اور یہ بات اسکے مال کی کثرت اور جثہ کے بڑے ہونے اور طاقت کے زیادہ ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ تجربہ کے زیادہ ہونے سے ہے جو عقل کا ثمرہ ہے اور اسی وجہ سے ترکوں اور کردوں اور عرب کے اجلاف اور تمام خلق کے جہال کو دیکھتے ہو کہ باوجودیکہ چوپایوں کے رتبہ سے قریب ہی ہوتے ہیں مگر اپنی سرشت سے بوڑھوں کی توقیر کرتے ہیں اور اسی جہت سے جب بعضے معاندوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہا جب انکی نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑی اور وہ روشنی سے چشم بصیرت ہوتی تو تھراگئے اور نور نبوت آپ کے عارض تاباں کا انکی نظروں میں جھلکنے لگا گو وہ نور عقل کی طرح آپ کی ذات مجمع کمالات میں پوشیدہ تھا غرض کہ عقل کا شرف تو بداہۃً معلوم ہوتا ہے مگر ہمارا قصد یہ ہے کہ جو آیات اور حدیثیں اسکے شرف کے باب میں آئی ہوں انکو ذکر کریں اللہ تعالیٰ نے عقل کا نام نور فرمایا ہے اس آیت میں اللہ نور السموات والارض اور جو علم کہ عقل سے حاصل ہوتا ہے اسکو روح اور وحی اور حیات سے تعبیر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا اور فرمایا اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس اور جہاں کہیں نور اور تاریکی کا ذکر فرمایا ہے وہاں مراد علم اور جہل سے ہے جیسا اس آیت میں یخرجہم من الظلمات الی النور اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے لوگو اپنے خدا کو سمجھو اور آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت عقل کی کرو اس سے جس بات کا تمکو حکم ہوا ہے اور جس سے منع کیے گئے ہو جان لوگے اور جان لو کہ عقل تمکو تمہارے رب کے پاس بزرگی دیگی اور جان لو کہ عاقل وہ ہے جو اطاعت اللہ تعالیٰ کی کرے اگرچہ صورت میں برا اور قدر میں حقیر اور رتبہ میں کم اور شکستہ حال ہو اور جاہل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے گو صورت کا اچھا اور قدر کا بڑا اور مرتبہ کا شریف اور خوشحال

اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ گمراہی والوں کے دلوں میں اسکی بھی حلاوت معلوم ہوتی ہے اور اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے وذر الذین اتخذوا دینہم لعبا ولہوا اور فرمایا ازین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا تو جو چیز کہ بعد صحابہؓ کے پیدا ہوئی اور بمقدار ضرورت اور حاجت سے زائد ہے وہ لہو ولعب میں داخل ہے۔ ابلیس علیہ اللعن کی حکایت کرتے ہیں کہ زمانہ صحابہؓ میں اُسنے اپنا لشکر اُن لوگوں میں متفرق کر دیا وہ سب اُسکے پاس بہت تھکے ماندے پھر آئے اُسنے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہا کہ ہمنے صحابہؓ جیسے لوگ نہیں دیکھے کسی بات میں ہمارا داؤ اُن پر نہیں چلتا ہمکو تھکا مارا ابلیس نے کہا کہ واقع میں تم اُنپر قدرت نہ پاؤگے اسلیے کہ وہ اپنے نبی کی صحبت میں رہے اور کلام اللہ کے اُترنے کو دیکھا ہے مگر عنقریب اُنکے بعد کچھ لوگ ہونگے کہ اُنسے تمہاری غرض نکلیگی جب تابعین کا زمانہ ہوا تو پھر شیطانوں کو پھیلایا اور وہ بدستور شکستہ حال واپس آئے اور کہا کہ ہمنے اُنسے عجیب تر لوگ دیکھے ہی نہیں اگر کہیں ہمارا داؤ چل گیا اور کچھ گناہ کرا پائے تو جب شام ہونے لگتی ہے وہ اپنے رب سے مغفرت چاہتے ہیں اللہ تعالی اُنکی برائیون کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے ابلیس نے کہا کہ تمکو ان سے کچھ نہ ملیگا اسلیے کہ اُنکی توحید درست ہے اور اپنے نبی کی سنت کے اتباع میں چست ہیں مگر بعد کو ایک قوم ہوگی کہ اُنسے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہونگی اور تم اُنسے خوب کھیلوگے اور خواہش نفس کی باگوں سے انکو جدھر چاہوگے کھینچ لوگے اگر وہ استغفار پڑھینگے اور طلب مغفرت کرینگے تو انکو معاف نہ کیا جائیگا اور توبہ کرنیکے نہیں کہ خدا تعالی اُنکی بُرائیوں کو بھلائیون سے بدل دے راوی کہتا ہے کہ جب اول قرنوں کے بعد لوگ ہوئے تو ابلیس نے اُنمیں بدعتیں پھیلا دیں اور اُنکو اُنکی نظروں میں اچھا کر دیا اسی سبب اُنھوں نے بدعتوں کو حلال جانا اور اُنکو دین ٹھہرا لیا کہ نہ اُنسے استغفار کرتے ہیں نہ توبہ اُنپر دشمن غالب ہو گئے ہیں جدھر چاہتے ہیں ادھر کھینچتے ہیں اب اگر یہ کہو کہ ابلیس تو سوجھتا نہیں نہ کسی سے باتیں کرتا ہے تو اس حکایت بیان کرنے والے نے کیسے جانا کہ ابلیس نے یوں کہا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اہل دل کو جو ملکوت کے حال اور اسرار معلوم ہوتے ہیں تو کبھی تو الہام کے طور پر معلوم ہوتے ہیں کہ دل میں بطور خطرہ کے پڑ جاتے ہیں ایسی طرح کہ اُنکو خبر نہیں اور کبھی بطور سچے خواب کے اور کبھی جاگتے میں مثالوں کے دیکھنے سے معانی ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے خواب میں ہوا کرتا ہے اور جاگتے میں معلوم ہو جانا اسرار کا نبوت کے عالی درجوں میں سے ہے جیسے سچی خواب چھیالیسواں حصہ نبوت کا ہوتی ہے اور خبردار تم یہ علم پڑھکر ایسا نہ کرنا کہ جو چیز تمہاری عقل ناقص کی حد سے باہر ہو اُسکو انکار کرنے لگو کہ اس میں بڑے بڑے ماہر تباہ ہو گئے جنکو دعوی تھا کہ ہم علوم معقول سب جانتے ہیں جو علم عقلی کہ اولیاء اللہ کی ان جیسی باتوں کے انکار کی طرف ملا دے اُس سے جہالت ہی بہتر ہے اور جو شخص ان باتوں کا انکار اولیاء اللہ کے لیے کرتا ہے اسکو انبیا علیہم السلام کا بھی انکار کرنا پڑتا ہے اور دین سے بالکل باہر ہو جاتا ہے بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ابدال جو اطراف زمین میں چلے گئے اور عوام کی نظروں سے چھپ گئے اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکو اس زمانے کے علماء کے دیکھنے کی تاب نہیں اسلیے کہ علماء اُنکے نزدیک خدائے تعالی کو نہیں جانتے حالانکہ اپنے گمان میں اور جاہلوں کے خیال میں عالم ہیں سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ بڑی معصیت یہ جہالت سے جاہل رہنا اور عوام کی طرف نظر کرنی اور اہل غفلت کے کلام سننے اور جو عالم کہ دنیا میں گھسا ہوا ہو اُسکا قول سننا نہ چاہیے بلکہ جو کچھ کہے اُسمیں اُسکو متہم جاننا چاہیے اسلیے کہ ہر آدمی کا دستور ہے کہ اپنی محبوب چیز میں گھسا رہتا ہے اور جو چیز محبوب کے موافق نہیں ہوتی اسکو دفع کیا کرتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالی فرماتا ہے ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ہواہ وکان امرہ فرطا اور عوام گنہگار اُن لوگوں کی نسبت کہ اپنے کو دین کے طریق سے ناواقف ہیں اور اپنے آپ کو علماء سے جانتے ہیں اسلیے کہ عامی گنہگار اپنی تقصیر اور خطا کا اقرار کر کے استغفار اور توبہ کرتا ہے اور یہ جاہل جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتا ہے وہ انھیں علوم میں مشغول رہتا ہے جو دنیا کے وسیلے ہوں اور طریق دین کے چلنے سے غافل رہ کر نہ توبہ کرتا ہے اور نہ استغفار بلکہ مرتے دم تک اسی اپنی دھن میں لگا رہتا ہے اور چونکہ پھر اُن لوگوں سے کہ جنکو خدا بچا دے اکثر لوگوں پر یہی حال غالب ہے اور اُنکی درستی کی طمع نہیں رہی تو اہل دین محتاط اور بچی کے لیے اسلم طریق یہی ہے کہ اُنسے علیحدہ ہو کر گوشہ میں بیٹھ رہے چنانچہ اسکا ذکر باب عزلت میں انشاء اللہ تعالی آویگا

دیا ہوگا اسکی جزا ہوگی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک آلہ اور سامان ہے اور
دیندار کا سامان اور آلہ عقل ہے اور ہر ایک چیز کی ایک سواری ہے اور مرد کی سواری عقل ہے اور ہر چیز کا رکن ہے اور دین کا رکن عقل ہے اور ہر ایک قوم
کی ایک غایت ہے اور بندوں کی غایت عقل ہے اور ہر ایک قوم کا ایک نگہبان ہے اور عابدوں کا نگہبان عقل ہے اور ہر سوداگر کی ایک بضاعت
ہوتی ہے اور اجتہاد کرنے والوں کی بضاعت عقل ہے اور ہر اہل بیت کے لیے ایک منتظم ہے اور صدیقین کے گھر کا منتظم عقل ہے اور ہر خرابی کی ایک
آبادی ہے اور آخرت کی آبادی عقل ہے اور ہر آدمی کے لیے ایک پیچھے رہنے والا ہوتا ہے جسکی طرف وہ منسوب ہوتا ہے اور اسکے باعث ذکر کیا جاتا ہے اور صدیقوں
کا پیچھے رہنے والا جسکی طرف کہ وہ منسوب ہوں اور جسکے باعث ذکر کیے جاویں عقل ہے اور ہر سفر کے لیے ایک ڈیرا خیمہ ہوتا ہے اور ایمانداروں کی
کا خیمہ عقل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں میں سب سے زیادہ محبوب خدا تعالی کے نزدیک وہ ہے جو اللہ تعالی
کی طاعت میں قائم ہو اور اسکے بندوں کی خیرخواہی کرے اور اسکی عقل پوری ہو اور اپنے نفس کو نصیحت کرے اور بینا ہو کر موجب عقل کے
زندگی بھر عمل کرے اور فلاح و نجات کو پہونچے اور فرمایا کہ تم میں سے عقل میں کامل تر وہ ہے جو اللہ تعالی سے زیادہ خوف رکھتا ہو اور جس چیز
کا اسکو حکم ہوا ہو اور جس سے منع کیا گیا ہو اسمیں اسکی نظر سب سے اچھی ہو اگرچہ تطوع میں تمسے کمتر ہو **دوسرا بیان عقل کی حقیقت اور اسکی**
قسموں کے ذکر میں - جاننا چاہیے کہ عقل کی تعریف میں اور اسکی حقیقت کے باب میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور اکثروں نے اس بات کا
دھیان نہیں رکھا کہ یہ لفظ مختلف معنوں پر بولا جاتا ہے اور یہی بات اُنکے مختلف ہونے کی وجہ ہوئی اور اس باب میں حق ظاہر یہ ہے کہ لفظ
عقل مشترک ہے اور چار معنوں پر بولا جاتا ہے جیسا لفظ عین چند معنوں پر بولا جاتا ہے یا جو اور ایسا ہی لفظ ہو تو یوں نہ چاہیے کہ سب اقسام کی ایک
تعریف تلاش کیجاوے بلکہ ہر ایک قسم کا حال جداگانہ کھولنا چاہیے **اول** عقل سے مراد وہ وصف ہے جسکے باعث انسان سب چوپایوں
سے ممتاز ہے یعنی جسکے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور خفیہ صناعات فکری کے سوچنے کی اسکو استعداد ہوتی ہے اور یہ وہی معنی
ہیں جو حارث بن اسد محاسبی نے مراد لیے ہیں چنانچہ عقل کی تعریف میں انھوں نے کہا ہے کہ وہ ایک قوت ہے کہ جس سے آدمی علوم نظری
کے ادراک کے لیے مستعد ہوتا ہے اور گویا کہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے جسکے باعث آدمی ادراک کے قابل ہو جاتا ہے اور جس شخص نے
کہ اس تعریف کا انکار کیا اور عقل کو صرف بدیہی علم کے جاننے پر منحصر رکھا اُسنے انصاف نہیں کیا اسلیے کہ جو شخص علوم سے غافل ہو یا
سوتا ہو ان دونوں کو عاقل کہتے ہیں باوجودیکہ علوم اُنکو اسوقت نہیں ہوتے مگر صرف اُس قوت کے موجود ہونے سے عالم بالقوہ
ہیں اور جس طرح کہ زندگی ایک قوت ہے کہ جس سے جسم حرکات اختیاری اور ارادی پر مستعد ہو جاتا ہے اور حسکی چیزیں ادراک کرتا ہے اسی طرح
قوت عقل بھی ایسی ہے کہ جس سے بعض حیوانات علوم نظری کے قابل ہو جاتے ہیں اور بالفرض انسان اور گدھے کا قوت طبیعی
اور محسوس چیزوں کے ادراک کرنے میں برابر کرنا جائز ہو اور یوں کہا جاوے کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں بجز اسکے کہ اللہ تعالی اپنی عادت
جاری کے بموجب انسان میں علوم پیدا کر دیتا ہے اور گدھے اور چارپایوں میں انکو پیدا نہیں کرتا تو یہ بھی جائز ہو سکتا کہ گدھے میں اور
جمادات میں زندگی کے باب میں برابر کردی جاوے اور کہا جاوے کہ ان دونوں میں اور کچھ فرق نہیں بجز اسکے کہ خدا تعالی گدھے میں
خاص حرکتیں بموجب اپنی عادت جاری کے پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اگر کوئی گدھا مردہ بے حس فرض کر لیا جاوے تو واجب ہوگا کہ جو حرکات اس
سے معلوم ہوتی ہیں انکو یوں کہا جاوے کہ اللہ تعالی اس حرکت کو اسمیں جس ترتیب سے کہ سوجھتی ہے پیدا کرنے پر قادر ہے اور جس طرح
کہنا واجب ہے کہ گدھے اور جماد کی حرکات میں یہی فرق ہے کہ گدھے میں ایک قوت خاص ہے جسکو حیات کہتے ہیں اسی طرح انسان
کو چارپایوں سے ممتاز ہونے میں کہنا چاہیے کہ انسان علوم نظری کے ادراک کرنے میں ایک قوت رکھتا ہے جسکو عقل کہتے ہیں اور عقل
[illegible] ممتاز ہے کہ صورتوں اور رنگوں کی نقل کرتا ہے اور ان صورتوں وغیرہ کا اسمیں منعکس

اور فصیح و گویا ہو جو شخص خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے اسکی نسبت کر سوا اور بندے زیادہ عاقل ہیں اور دنیادار اگر تمہاری تعظیم کریں تو اسکے معاملہ میں
ست آو ورنہ خسارہ والوں میں سے ہو جاوے کے اور فرمایا کہ سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور اسکو فرمایا کہ سامنے ہو وہ سامنے
ہوئی پھر فرمایا کہ پشت پھیر اُسنے پشت پھیری پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے اپنی عزت اور بزرگی کی کہ میں نے کوئی مخلوق تجھسے زیادہ اپنے نزدیک
اکرم نہیں پیدا کی میں تجھی سے لونگا اور تجھی سے دونگا اور تیرے ہی سبب سے ثواب دونگا اور تیرے ہی سبب سے عذاب کرونگا اب اگر کوئی یوں
سکے کہ عقل اگر عرض ہے تو اجسام سے پہلے کیسے پیدا ہوئی اور اگر جوہر ہے تو جوہر کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنی ذات سے قائم ہوا اور کسی مکان میں ہو تو اسکے
جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عقل کی پیدایش علم مکاشفہ میں سے ہے اسکا ذکر کرنا علم معاملہ میں مناسب نہیں اور ہماری غرض علوم معاملہ کے ذکر
سے ہے اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کی تعریف بیان کی گئی یہانتک کہ لوگوں
نے مبالغہ کیا آپ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی عقل کیسی ہے انھوں نے عرض کیا کہ ہم عبادت اور اقسام خیرات میں اس شخص کی
محنت آپکی خدمت میں ذکر کرتے ہیں اور آپ اُسکی عقل کا حال دریافت فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ احمق آدمی اپنی جہالت کے باعث
بدکار کی بدکاری سے زیادہ کر لیتا ہے اور فردا ئے قیامت میں خدا تعالیٰ سے قریب ہونے کے درجات موافق عقلوں ہی کے بلند دیئے جاوینگے
اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی کمائی میں عقل کی زیادتی کے برابر کوئی چیز نہیں یہ عقل کی زیادتی
اسکو ہدایت کی طرف رہنما ہوتی ہے اور ہلاکی سے باز رکھتی ہے اور آدمی کا ایمان پورا ہو اور دین راست و درست ہو جب تک کہ اسکی عقل پوری ہو
اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہوا ان الرجل یدرک بحسن خلقه درجة الصائم القائم ولا یتم لرجل حسن خلقه حتی یتم له عقله فعند ذلک تم ایمانه واطاع
ربه وعصی عدوه ابلیس اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک تکیہ ہے اور دیندار کا سہارا
عقل ہے تو اسکی عبادت اُسکی عقل ہی کے موجب ہوگی کیا تمنے سنا نہیں کہ بدکار دوزخ میں یوں کہینگے لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر اور
حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے تمیم داری سے پوچھا کہ تم میں سرداری کیا چیز ہے کہا کہ عقل آپ نے فرمایا کہ تمنے درست کہا میں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی سوال کیا تھا جیسا تمنے کیا اور آپ نے بھی یہی جواب دیا جو تمنے دیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام
سے سوال کیا کہ سرداری کیا چیز ہے جبرئیل نے کہا کہ عقل ہے اور براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں
نے کثرت سے سوال کیے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو ہر چیز کی ایک سواری ہے اور مرد کی سواری عقل ہے اور تم میں دلیل اور بحث میں بہتر وہ ہے جو
عقل میں بڑھکر ہو اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد سے مراجعت فرمائی تو لوگوں کو کہتے سنا
کہ فلاں شخص فلاں سے زیادہ بہادر ہے اور فلاں شخص سفر آزمودہ ترہے حتیٰ کہ فلاں سفر آزمودہ اور تجربہ کار ہے اور دوسری اسی طرح کی باتیں کہتے
تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان باتوں کا علم تمکو نہیں لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں
نے قتال اسقدر کیا جسقدر اللہ تعالیٰ نے انکو عقل عنایت کی تھی اور انکی حیثیت اور نیت بھی انکی عقلوں کے بموجب ہوئی پس انمیں سے جو کوئی
پہونچا وہ مقامات مختلف پر پہونچا جب قیامت کا دن ہوگا تو اپنی نیتوں اور عقلوں کے بموجب مراتب پاوینگے اور براء بن عازبؓ سے مروی ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں نے تمہارے پاک کی طاعت میں کوشش اور اجتہاد عقل سے کیا اور ایماندار وں نے آدمیوں
میں سے کوشش اپنی عقلوں کے موافق کی تو جو شخص خدا تعالیٰ کی طاعت زیادہ کرتا ہے وہی عقل میں بھی زیادہ ہوتا ہے اور حضرت عایشہؓ فرماتی ہیں
کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگوں کو فضیلت [illegible] آپ نے فرمایا کہ عقل سے میں نے
عرض کیا کہ آخرت میں کس چیز سے ہوتی ہے [illegible] آپ نے ارشاد فرمایا کہ
[illegible]

اسی جہت سے کہ علوم اُسکے ثمرات ہیں جیسے چیز کی تعریف اُسکے ثمرہ سے کر دیا کرتے ہیں مثلاً کہدیتے ہیں کہ علم خوف خدا ہی اور عالم
وہی ہی جو خدائے تعالیٰ سے ڈرے اس لیے کہ خوف خدا علم کا ثمرہ ہی اسی طرح لفظ عقل کو اگر اُسکے کسی ثمرہ پر بولدیں تو یہ بھی مجاز کی طرح پر ہوگا
مگر ہمکو مقصود لغت کی بحث سے نہیں بلکہ یہ مطلب ہی کہ عقل کی یہ چاروں قسمیں موجود ہیں اور لفظ عقل ان سب پر بولا جاتا ہی اور ان چاروں میں سے
بجز اول قسم کے اور کسی کے وجود میں اختلاف نہیں اور صحیح یہی ہی کہ وہ بھی موجود بلکہ سب کی اصل ہی اور یہ علوم سب کے سب اُس قوت سرشتی میں آئے
ہوئے ہیں لیکن ظاہر جب ہوتے ہیں کہ کوئی سبب ایسا ہو جو انکو موجود کر دے یہاں تک کہ یہ علوم ایسے تو نہیں ہیں جو اس قوت پر باہر سے
آتے ہوں تو ضرور ہی کہ اسمیں چھپے ہوئے ہوں اور پھر کسی وجہ سے ظاہر ہو جاویں اور انکی مثال ایسی ہی جیسے پانی کہ کنواں کھودنے سے نکل
آتا ہی اور جمع ہو کر محسوس ہو جاتا ہی یہ نہیں کہ باہر سے اسمیں کوئی چیز اسکے لیے ڈالی جاتی ہو اسی طرح بادام میں تیل اور گلاب سے پھول میں گلاب
رہتی ہی اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى اس آیت میں
مراد اقرار وحدانیت سے نفسوں کا اقرار ہی نہ زبانوں کا کیونکہ زبانی اقرار کے اعتبار سے تو کوئی مقر ہی اور کوئی منکر اور ایسا ہی حال ہی اس ارشاد
خداوندی میں ولئن سالتهم من خلقهم ليقولن الله یعنی اگر انکے احوال کا اعتبار کیا جاوے تو اُنکے نفس اور باطن اسکے شاہد ہونگے اور فرمایا فطرة الله
التي فطر الناس عليها یعنی ہر آدمی کی سرشت اسی بات پر ہوئی ہی کہ خدائے عزوجل پر ایمان لاوے بلکہ چیزوں کو انکی ماہیت کے موجب پہچانے
یعنے سرشت انسانی گویا کہ اس معرفت کے سبب سے ہی اسلیے کہ اسمیں لیاقت اسکے ادراک کی بہت قریب ہی پھر چونکہ سرشت کے اعتبار سے
ایمان نفسوں میں گڑا ہوا ہی اسی لیے لوگوں کی دو قسمیں ہوئیں ایک وہ جسنے روگردانی کی اور اپنی سرشت کی چیز کو بھول گیا تو وہ کافر ہیں اور ایک
وہ جسنے اپنے خیال کو دوڑایا اور اسکو یاد آگیا جیسے کوئی گواہ بنا جاتا ہی اور کسی غفلت کی وجہ سے اس امر کو بھول جاتا ہی پھر یاد آجاتا ہی اور اسی
وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یاد دہانی کے لفظ بہت جا ارشاد فرمائے جیسے لعلهم يتذكرون اور وليتذكر اولوا الالباب اور واذكروا نعمة الله عليكم وميثاقه
الذي واثقكم اور ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر اور اس قسم کا نام تذکر رکھنا بعید نہیں کہ تذکر دو قسم ہی ایک یہ کہ صورت دل میں حاضر ہوا اور
وجود کے بعد جاتی رہی ہو اسکو یاد کرے اور دوسری یہ کہ وہ صورت سرشت سے آدمی میں آئی ہوئی ہو اسکو یاد کرے اور یہ حقیقتیں اُس شخص کے
سامنے جو نور عقل سے دیکھتا ہی ظاہر ہیں اور جسکا تکیہ تقلید اور سننے پر ہی نہ کشف اور دیکھنے پر اُسپر البتہ یہ باتیں ثقیل ہیں اور اسی واسطے اُسکو دیکھتے
ہو کہ ان جیسی آیتوں میں خبط میں پڑتا ہی اور تذکر کے معنوں اور نفوس کے اقرار کی تاویل میں طرح طرح کے تکلف کرتا ہی اور احادیث اور آیات
میں اُسکے خیال میں بہت سے اختلافات معلوم ہونے لگتے ہیں اور کبھی یہ امر اتنا اُسپر غالب ہوتا ہی کہ انکو بچشم حقارت دیکھتا اور انمیں بے معنی
اور لغو ہونے کا معتقد ہو جاتا ہی ایسے شخص کی مثال ایسی ہی جیسے کوئی اندھا کسی گھر میں جاوے اور برتن جو اسمیں بترتیب رکھے ہوں اُنپر پھسل
پڑے اور کہے کہ یہ برتن راہ میں سے کیوں نہیں علیحدہ کیے جاتے اور اپنے موقع پر کیوں نہیں رکھے جاتے تو اُس سے یہ کہا جاوے کہ برتن
سب اپنے ٹھکانے ہیں مگر نظر کا خلل ہی یہی حال نظر باطنی کا ہی کہ اُسکے نقصان کے باعث آیات اور احادیث میں اختلاف اور باتیں [illegible]
حالانکہ انمیں اختلاف کچھ نہیں یا یہی عقل کا قصور ہی بلکہ نظر باطن کا نقصان بہ نسبت آنکھ کے نقصان کے زیادہ اور بڑا ہی اسلیے کہ نفس مثل سوار
کے ہی اور بدن مثل گھوڑے کے ہی اور ظاہر ہی کہ سوار کا اندھا ہونا بہ نسبت گھوڑے کے اندھے ہونے کے زیادہ مضر ہی اور باطن کی بصیرت
و ظاہر کی بصارت سے مشابہت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ما كذب الفؤاد ما رأى اور فرمایا وكذلك نري ابراهيم ملكوت السموات
والارض اور اسکی ضد کو نابینائی فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور اور فرمایا ومن كان في هذه
اعمى فهو في الآخرة اعمى واضل سبيلا اور یہ امور جو انبیا علیہم السلام کو ظاہر ہوئے تھے وہ بعض تو چشم ظاہر کے سبب سے اور بعضے چشم باطن
سے معلوم ہوئے تھے کہ سبکا نام دیکھنا ہی فرمایا [illegible] حاصل یہ کہ جسکی چشم بصیرت پکی ہوگی اُسکو دین سے [illegible] پوست اور [illegible] سکے اور [illegible]

ہونا ایک صفت خاص کی جہت سے ہے جو جلا کہلاتی ہے اسی طرح آنکھ بھی بینائی سے اُن صفات اور حالات میں علیحدہ ہے جیسے اُسکو لیاقت دیکھنے کی ہوتی ہے اور اس قوت کو علوم کی طرف وہ نسبت ہے جیسے آنکھ کو ہے نگاہ کی طرف اور قرآن و شریعت کو اس قوت کی طرف علوم کے واضح ہونے میں وہ علاقہ ہے جیسے آفتاب کی روشنی کو نور نگاہ سے ہے پس اس قوت کو اسی طرح سمجھنا چاہیے دوم عقل سے مراد وہ علوم ہیں جو تمیزدار لڑکے کی ذات میں ہوا کرتے ہیں یعنی جائز چیزوں کے جائز ہونے اور محال چیزوں کے محال ہونے کا علم مثلاً اس بات کا علم کہ دو زیادہ ہیں ایک اور ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہ رہنا ممکن نہیں اور یہ معنی وہ ہیں کہ بعض اہل کلام نے عقل کی تعریف میں مراد لیے ہیں چنانچہ کہا ہے کہ عقل بعض بدیہی علوم ہیں جیسے جائز چیزوں کے ہوسکنے کا علم اور محال باتوں کے محال ہونے کا علم ہے اور یہ معنی بھی فی نفسہ درست ہیں اسلیے کہ یہ علوم موجود ہیں اور انکو عقل کہنا بھی ظاہر ہے مگر خرابی اس میں ہے کہ اُس قوت مذکورہ بالا کا انکار کیا جاوے اور کہا جاوے کہ بجز ان علوم بدیہی کے عقل اور کچھ نہیں سوم عقل اُن علوم کو کہتے ہیں جو حالات روزمرہ کے دیکھنے سے اور اُنکے تجربوں سے حاصل ہوویں کیونکہ جو شخص تجربوں میں مشاق اور طریقوں سے واقف ہو جاتا ہے اُسکو رسم کے موجب عاقل کہا کرتے ہیں اور جو تجربہ وغیرہ سے متصف نہیں ہوتا اُسکو جاہل اور غبی اور نا تجربہ کار کہا کرتے ہیں غرض کہ علوم تجربہ کی بھی ایک جداگانہ قسم علوم کی ہے جسکو عقل کہا کرتے ہیں چہارم عقل اُسکو کہتے ہیں کہ اس قوت طبعی کی طاقت اتنی ہو جاوے کہ امور کے انجاموں کو جاننے لگے اور جو خواہش کہ سردست کی لذت کی خواہاں ہو اُسکو اکھاڑ دے اور دبائے رکھے جب یہ قوت آدمی میں آجاتی ہے تو اُس قوت والے کو عاقل کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ وہ اُمور پر اقدام اور حرکات اس طرح کرتا ہے جس طرح کہ انجاموں کا فکر مقتضی ہے یہ نہیں کہ موجب سردست کی خواہش کے مرتکب ہو جاوے اور یہ قسم ہے انسان کے خواص میں سے کہ انسان اور حیوانوں سے علیحدہ ہے حاصل یہ کہ اول معنی عقل کے توسب کی جڑ اور بنیاد اور منبع ہے اور دوسری اول کی فرع اور اس سے قریب ہے اور تیسری اول اور دوم کی فرع ہیں اسلیے کہ قوت طبعی اور علوم بدیہی سے تجربوں کا علم حاصل ہوتا ہے اور چوتھی معنی ثمرۂ آخری اور علت غائی ہے پس اول کی دونوں عقلیں تو سرشتی ہیں اور اخیر کی دونوں کسب سے حاصل ہوتی ہیں اور اسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے **قطعہ**

دو ہیں عقلیں میرے نزدیک اے پسر ۔ ایک طبعی ایک سمعی یاد کر ۔ فائدہ سمعی سے کچھ ہوتا نہیں ۔ جب نہو طبعی کا دل میں کچھ اثر ۔ جیسے سورج سے نہیں کچھ منفعت ۔ گر ہوئے آنکھ میں نور نظر ۔ اور اول مراد ہے اس قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اپنے نزدیک بزرگ تر عقل سے نہیں پیدا کی اور چوتھی قسم مراد ہے اس حدیث شریف میں کہ جب آدمی اقسام نیکی اور اعمال صالحہ سے تقرب حاصل کریں تو تو اپنی عقل سے تقرب حاصل کر اور یہی مراد ہے اس ارشاد میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداءؓ کو فرمایا کہ تو عقل میں زیادہ ہو تا کہ اپنے رب سے قرب میں زیادہ ہو جاوے انھوں نے عرض کیا کہ فدا ہوں آپ پر میرے ماں اور باپ مجھ سے یہ کیسے بن آویگا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے محارم سے اجتناب کر اور اسکے فرائض ادا کر تو عاقل ہو جاویگا اور اعمال میں سے نیک کو کیا کر تو اس دنیا میں تیری بڑائی اور کرامت بڑھیگی اور اُنکی جہت سے اپنے رب کریم کا قرب اور عزت تجکو حاصل ہوگی سعید بن مسیبؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابی بن کعبؓ اور ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں میں سے زیادہ عالم کون ہے آپ نے فرمایا کہ عاقل عرض کیا کہ سب میں عابد زیادہ کون ہے آپ نے فرمایا کہ عاقل پھر عرض کیا کہ سب میں افضل کون ہے آپ نے فرمایا کہ عاقل انھوں نے عرض کیا کہ عاقل وہی نہیں جو مروت کامل رکھتا ہو اور ظاہر میں فصیح ہو اور ہاتھ کا سخی اور منزلت میں بڑا آپ نے فرمایا کہ یہ سب باتیں تو دنیا کی زندگی کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک متقیوں کے لیے آخرت بہتر ہے عاقل وہ ہے جو متقی ہو اگرچہ دنیا میں خسیس اور ذلیل ہو اور ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ عاقل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاوے اور اُسکے رسولوں کی تصدیق کرے اور اُسکی طاعت بجا لاوے غرض کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عقل اصل لغت میں اور استعمال میں اُسی قوت جبلی کے لیے موضوع تھا اور علوم پر جو استعمال ہوا وہ

سمجھے اور کوئی ذہن تیز ہو کہ ادنی رمز و اشارہ میں سمجھ جاوے اور کوئی ایسا کامل ہو کہ خود اسکے نفس سے امور کے حقائق جوش مارتے ہوں سیکھنے کی نوبت نہ ہو جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یکاد زیتہا یضیء ولو لم تمسسہ نار نور علی نور اور یہ لوگ کاملین انبیا علیہم السلام ہیں انکو وہ باریک باتیں جو انکے دلوں میں بدون سیکھے اور کسی سے سنے کے کھل جاتی ہیں انکو الہام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی جیسی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں بیان فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈالدیا ہے کہ جسکو تم چاہو دوست بناؤ اس سے تمکو جدا ہونا ہوگا اور جتنا چاہو جی لو تم مرنے والے ہو اور جو عمل چاہو کرو اسکی جزا تمکو ہوگی اور فرشتوں کا نبیوں کو اس طرح خبر دیا وحی سے علیحدہ ہے اس لیے کہ وحی میں کان سے آواز کا سننا اور آنکھ سے فرشتے کا دیکھنا ہوتا ہے اور الہام میں یہ بات نہیں اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ دل میں ڈال دیا اور لفظوں سے ارشاد نہیں فرمایا اور وحی کے درجات بہت سے ہیں اور انمیں غوص کرنا علم معاملہ کے مناسب نہیں بلکہ علم مکاشفہ سے متعلق ہے اور تم یہ گمان مت کرنا کہ وحی کے درجات کا معلوم کر لینا وحی کے رتبے کا مقتضی ہوتا ہے اسلیے کسی چیز کا جاننا اور چیز ہے اور اسکا پا جانا اور چیز مثلاً کچھ بعید نہیں کہ کوئی طبیب بیمار صحت کے درجات سے واقف ہو اور عالم بدکار عدل ہونے کے درجات جانتا ہو حالانکہ طبیب میں صحت اور عالم مذکور میں عدالت کا وجود نہیں اسی طرح جو شخص کہ نبوت اور ولایت کو جان لے وہ ضرور نہیں کہ نبی اور ولی ہو جاوے یا جو تقویٰ اور ورع کو پہچانے تو وہ متقی ہو وے اور آدمیوں میں سے بعض کا ایسا ہونا کہ خود اپنے نفس سے سمجھ لے اور بعض بدون تنبیہ اور تعلیم کے نہ سمجھیں اور بعض کو تنبیہ اور تعلیم بھی کارگر ہو اسکی مثال ایسی ہے جیسے زمین ہوتی ہے کہ اسکی بھی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جسمیں پانی جمع ہوتا ہے اور زور پکڑتا ہے اور خود چشمہ اسمیں سے بہنے لگتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جسمیں حاجت کنواں کھودنے کی ہوتی ہے اور پانی بدون کھودنے کے نہیں نکلتا اور تیسری وہ قسم ہے کہ اسمیں کھودنے سے بھی پانی نہیں نکلتا خشک ہی رہتی ہے اور اس تقسیم کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے جوہر اپنی صفتوں میں مختلف ہوتے ہیں اسی طرح حال نفسوں کا قوت عقل کے مختلف ہونے میں ہے اور عقل کی کمی بیشی پر دلیل نقلی وہ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے ایک حدیث طویل فرمائی اور اسکے آخر میں عرش کی عظمت کو مذکور فرمایا اور یہ کہ فرشتوں نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی تو نے کوئی چیز عرش سے بھی بڑی پیدا کی ہے ارشاد فرمایا کہ ہاں عقل عرش سے بڑی ہے عرض کیا کہ اسکی مقدار کتنی ہے حکم ہوا کہ اسپر تمہارا علم محیط ہو گا تمکو بالو کے شمار کا علم ہے عرض کیا کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے عقل کو بھی موافق شمار ریگ کے مختلف پیدا کیا ہے کہ بعضے لوگوں کو ایک رتی ملی ہے اور بعضوں کو دو اور کسی کو تین اور کسی کو چار رتی ملی ہے اور کوئی ایسا ہے جسکو ایک فرق کی مقدار یعنی قریب آٹھ سیر کے عنایت ہوئی اور بعض کو ایک وسق یعنی اونٹ کے لادنے کے برابر اور کسی کو اس سے بھی زائد مرحمت ہوئی اب اگر یہ کہو کہ جب عقل کا حال ہے تو صوفی عقل کو اور معقول کو کیوں برا کہتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے لفظ عقل اور معقول کو اصلی معنی چھوڑ کر مجادلہ اور مناظرہ کے واسطے نقل کر لیا ہے جسکو علم کلام کہتے ہیں کہ اب معقول یہی رہ گیا ہے کہ جھگڑنا اور طرف ثانی کا الزام دینا ہو سکے تو صوفیوں سے یہ تو ہو نہ سکا کہ لوگوں سے یہ تقریر کرتے کہ تمنے اس علم کو غلطی سے معقول ٹھہرا لیا ہے اسلیے کہ یہ بات تو لوگوں کے دل میں جم گئی اور زبان پر رائج تو صوفیوں کے غلط بتانے سے انکے دلوں سے کب مٹ سکتی تھی اس لیے انھوں نے عقل اور معقول کی مذمت کی جسکو کہ لوگ عقل اور معقول کہتے ہیں ورنہ نور بصیرت باطنی جس سے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانا جاتا ہے اور اسکے رسولوں کی تصدیق کی جاتی ہے اسکی مذمت کیسے متصور ہو سکتی ہے اسکی تعریف تو خدائے تعالیٰ نے خود فرمائی ہے اگر اسی کی مذمت ہوگی تو تعریف کونسی چیز کی ہوگی کیونکہ اگر شرع قابل تعریف ہے تو اسکی درستی کا علم کونسی چیز سے ہے اگر اسی بری

نہ آویگا اُسکے سر اور حقیقت کو نہ پہونچیگا یہ بیان واقعی اُن الفاظ کا ہو جن پر لفظ عقل بولا جاتا ہی **تیسرا بیان** لوگوں میں عقل کے کم زیادہ ہونے
کے ذکر میں عقل کے کم زیادہ ہونے کے باب میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہی مگر جن لوگوں کو علم کم ہی اُنکی تقریر کے نقل کرنے سے کیا فائدہ
اہم اور مناسب یہ ہی کہ جو امر حق صریح ہو اُسکے بیان کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ تو اس باب میں حق صریح یہ ہی کہ کمی زیادتی عقل کی سب قسموں
میں سوائے قسم دوم کے ہوسکتی ہی یعنی علم بدیہی جائز چیزوں کے ہوسکنے اور محالات کے ممتنع ہونے کا ایسا ہی کہ اسمیں کمی بیشی نہیں مثلاً جو
یہ جانیگا کہ دو ایک سے زیادہ ہیں وہ یہ بھی جانیگا کہ ایک جسم کا دو جگہ میں ہونا محال ہی اور ایک ہی چیز کا قدیم اور حادث ہونا نہیں ہوسکتا اسی طرح
اور مثالیں اور وہ امور ہیں جنکو محقق طور پر بدون شک کے معلوم کرے مگر تین قسموں باقی میں کمی بیشی ہوتی ہی جیسے چوتھی قسم یعنی قوت کا اس درجہ پر
زیادہ ہونا کہ شہوات کو اکھاڑ دے اسمیں ظاہر ہی کہ لوگ متفاوت ہوتے ہیں بلکہ اس باب میں صرف ایک شخص کے حالات میں بھی کمی بیشی ہوا
کرتی ہی اور یہ تفاوت کبھی تو شہوت کے تفاوت کی جہت سے ہوا کرتا ہی کیونکہ عاقل کبھی بعض شہوات کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہی اور بعض
پر نہیں ہوتا گو انکا ترک کرنا کچھ امر محال نہیں مثلاً جوان آدمی زنا کے ترک سے عاجز ہوتا ہی اور جب بڈھا ہو جاتا ہی اور اسکی عقل پوری ہو جاتی ہی
تب اسکے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہی اور شہوت ہوا اور ریاست کے بڑے ہونے سے قوت میں بڑھتی جاتی ہی نہ ضعف میں اور کمی بیشی اس
قسم کی کبھی اس وجہ سے ہوتی ہی کہ شہوت کا ضرر جس علم سے معلوم ہوتا ہی اُسمیں تفاوت ہوتا ہی اور اسی وجہ سے بعض مضر کھانوں سے
طبیب تو پرہیز کرنے پر قادر ہوتا ہی اور دوسرا شخص جو عقل میں طبیب کے برابر ہوتا ہی اُس سے نہیں ہوسکتا کہ پرہیز کرے گو اُسکو فی الجملہ
اعتقاد ہوتا ہی کہ اس کھانے میں ضرر ہی مگر چونکہ طبیب کا علم کامل ہی اس وجہ سے اُسکا خوف بھی زیادہ ہوتا ہی تو اس صورت میں خوف
شہوت کے اکھاڑنے میں عقل کا سپاہی اور سامان ہو جاتا ہی اسی طرح جاہل کی نسبت عالم گناہوں کے چھوڑنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہی
کیونکہ معاصی کے ضرر کو خوب جانتا ہی اور ہماری غرض عالم سے عالم حقیقی ہی جبہ داروں اور ریشوں سے مقصود نہیں پس اگر تفاوت شہوت کی
جہت سے ہو تب تو عقل کے تفاوت کی طرف رجوع نہ کریگا اور اگر علم کی جہت سے ہوگا تو ہم اس قسم کے علم کو بھی عقل کہہ چکے ہیں اس جہت
سے کہ یہ علم قوت طبیعی کی طاقت کو بڑھاتا ہی تو گویا اس علم کا تفاوت بعینہ عقل کا تفاوت ہوا اور کبھی یہ تفاوت صرف عقل کی قوت میں
تفاوت ہونے کی جہت سے ہوتا ہی مثلاً جب وہ قوت قوی ہوگی تو ظاہر ہی کہ شہوت کا قلع و قمع بھی سخت کریگی۔ تیسری قسم جو علم تجربوں
کا ہی اُسمیں بھی لوگ کم و بیش ہوتے ہیں بعضے جلد بات کو پا جاتے ہیں اور اُنکی رائے اکثر ٹھیک ہی ہوتی ہی اور بعضے ایسے نہیں ہوتے پس
اس قسم میں تفاوت کا انکار نہیں ہوسکتا کہ ظاہری تفاوت یا تو اختلاف طبیعت کے باعث ہوگا یا مواظبت کے تفاوت کی وجہ سے۔
اور قسم اول جو اصل ہی یعنی قوت طبیعی تو اُسکے متفاوت ہونے میں انکار کو راہ نہیں کیونکہ اُسکا حال مثل ایک نور کے ہی جو نفس پر چمکتا ہی
اور اسکا مطلع اور ابتدا سے بچگی سن تمیز کے وقت ہوتا ہی پھر ہمیشہ بڑھتا اور زیادہ ہوتا رہتا ہی یہانتک کہ آہستہ آہستہ قریب چالیس برس کی
عمر کے کامل ہو جاتا ہی اور اسکی مثال ایسی ہی جیسے صبح کی روشنی کہ ابتدا میں ایسی خفیہ ہوتی ہی کہ اُسکا معلوم کرنا مشکل پڑتا ہی پھر بتدریج بڑھتی
جاتی ہی یہانتک کہ آفتاب کے نکلنے پر پوری ہو جاتی ہی اور فرق کمی بیشی کا نور بصیرت میں مثل آنکھ کے نور کے ہی کہ چندھے اور تیز بینائی والے میں
فرق معلوم ہوتا ہی بلکہ خدا تعالی کی عادت اپنی مخلوق میں اسی طرح جاری ہی کہ ایجاد بتدریج ہوتا ہی یہانتک کہ قوت شہوت لڑکے میں بالغ ہونے کے
وقت یکبارگی نہیں ظاہر ہوتی بلکہ تھوڑی تھوڑی ظاہر ہوتی ہی اسی طرح سب قوتوں اور صفتوں کا حال جاننا چاہیے پس جو شخص کہ اس
قوت طبیعی میں کمی بیشی کا منکر ہو وہ گویا دائرہ عقل سے خارج ہی اور جو شخص یہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ایسی ہی تھی جیسے
کسی قصائی یا گنوار کی ہوتی ہی تو وہ شخص خود گنواروں سے کمتر ہی اس قوت میں کمی بیشی کا انکار کیسے ہوسکتا ہی اگر اسمیں تفاوت نہ ہوتا تو علوم
کے سمجھنے میں لوگ متفاوت کیوں ہوتے اور ایسے کیوں ہوتے کہ کوئی [illegible] کم ذہن ہی کہ بہت سا سمجھانے اور استاد کے [illegible] سے [illegible]

اچھے لوگوں پر جنت میں یہ ہے کہ اپنی دولت دیدار اور لذت رویت کو پورا کرنے کے لیے اپنی ذات کو آنکھوں سے دکھاویگا سوم قدرت
اور قدرت یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالی زندہ اور قادر ہے اور جبار اور قاہر ہے اسکو ماندگی عارض ہوتی نہ قصور اور نہ غفلت ہو نہ خواب نہ فنا اُسکو
آوے نہ موت وہی ہے ملک اور ملکوت والا اور عزت و جبروت کا مالک سلطنت اور قہر اور خلق اور امر سب اسیکا ہے آسمان اُسکے دہنے
ہاتھ میں لپٹے ہیں اور مخلوقات سب اُسکی مٹھی میں وہ سب پیدا کرنے اور اختراع میں وہی نرالا ہے اور ایجاد اور ابداع میں وہی یکتا خلق
کو اور انکے اعمال کو پیدا کیا اور اُنکے رزق اور موت کا اندازہ مقرر فرمایا کوئی قدرت کی چیز اُسکے قبضے سے جدا نہیں اور نہ اُسکی قدرت سے
کاموں کے تغیرات علیحدہ نہ اُسکی قدرت کی چیزوں کا احصا ہو سکتا ہے نہ اُسکے معلومات کی انتہا چہارم علم یعنی یہ جاننا کہ خداتعالی سب
معلومات کو جانتا ہے زمین کی تہوں سے لیکر آسمانوں کے اوپر تک جو کچھ ہوتا ہے سب پر محیط ہے اُسکے علم سے ایک ذرہ بھی آسمان اور زمین میں
چھپتا نہیں بلکہ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے رینگنے کو اور ہوا کے بیچ میں ذرہ کے چلنے کو جانتا ہے چھپی اور کھلی بات کو معلوم کر لیتا ہے اور
دلوں کے وسوسوں اور خطروں کے حرکات اور باطن کے پوشیدہ اسرار پر مطلع ہوتا ہے اُسکا علم قدیم ازلی ہے جس سے وہ ازل الآزال میں موصوف
رہا ہے ایسا علم نہیں کہ اُسکی ذات میں حلول اور انتقال سے نیا پیدا ہوا ہو پنجم ارادہ یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ خدائے تعالی نے کائنات کو ارادے سے
بنایا اور نو پیدا چیزوں کا انتظام وہی کرتا ہے کہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ تھوڑا یا بہت چھوٹا یا بڑا خیر یا شر نفع یا ضرر ایمان یا کفر معرفت یا جہالت
کامیابی یا محرومی زیادتی یا کمی طاعت یا معصیت ہوتی ہے وہ سب اُسکے حکم اور تقدیر اور حکمت اور خواہش سے ہوتی ہے کہ جس چیز کو چاہا
وہ ہوئی اور جسکو نہ چاہا وہ نہ ہوئی کوئی پلک کا جھپکنا یا خطرہ کا ناگہاں آنا اُسکی خواہش سے باہر نہیں بلکہ وہی مبدی ہے اور وہی معید ہے جو چاہتا ہے
وہ کرتا ہے کوئی اُسکے حکم کا رد کرنے والا نہیں اور نہ کوئی اُسکی قضا کا پیچھے ہٹانے والا اور نہ بجز اُسکی توفیق و رحمت کے بندہ کو اُسکی نافرمانی سے کوئی
مفر کی صورت اور نہ سوا اُسکی خواہش اور ارادہ کے اُسکو اُسکی طاعت کی طاقت اگر سب انسان اور جن اور فرشتے اور شیطان جمع ہو کر عالم میں
کسی ذرہ کو بدوں اُسکے ارادے اور خواہش کے حرکت یا سکون دیا چاہیں تو یہ اُنسے کبھی ہو سکیگا اسکا ارادہ تمام اور صفتوں کے ساتھ اُسکی
ذات سے قائم ہے اور وہ ہمیشہ سے ازلی اوصاف کے ساتھ متصف رہا چیزوں کے ہونے کو جن وقتوں میں کہ مقرر فرمایا ارادہ ازل میں کیا تو
جیسا ارادہ کیا اسی طرح اپنے اپنے وقت میں بدوں کسی طرح کے تقدم اور تاخر کے موجود ہوئیں بلکہ اُسکے علم کے موافق اور ارادے مطابق
بدوں کسی طرح کے تبدل اور تغیر کے واقع ہوئیں امور کا انتظام اس طرح فرمایا کہ اُسمیں نہ فکروں کی ترتیب کی نوبت ہوئی نہ کچھ دیر کا انتظار اور
اسی وجہ سے کوئی شان اور حال اُسکو دوسری شان سے غافل نہیں کرتا ششم سننا اور دیکھنا یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالی سمیع اور بصیر ہے
سنتا دیکھتا ہے کوئی سننے کی چیز کیسی ہی خفیہ ہو اور دیکھنے کی چیز کیسی ہی باریک ہو اُسکے سننے اور دیکھنے سے بچ نہیں رہتی نہ دوری اُسکے سننے کی
مانع ہو نہ تاریکی اُسکے دیکھنے کی مزاحم دیکھتا ہے مگر حدقہ چشم اور پلکوں سے منزہ ہے اور سنتا ہے مگر کانوں اور اُنکے سوراخ سے منزہ ہے جیسے علم میں دل سے اور پکڑنے میں عضو سے
اور پیدا کرنے میں آلہ سے پاک ہے اسلیے کہ جیسے اُسکی ذات پاک مخلوق کی ذات کی طرح نہیں اسی طرح اُسکی صفتیں بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہفتم کلام
یعنی یہ جاننا کہ اللہ تعالی کلام کرنے والا ہے اور اپنے کلام ازلی قدیم سے جو اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے امر اور نہی اور وعدہ وعید فرمایا ہے اسکا کلام خلق
کے کلام کے مشابہ نہیں کہ ہوا کے اندر سے یا اجرام کے صدمے سے آواز ہوتی ہو یا زبان کی حرکت اور ہونٹوں کی مطابقت سے حرف پیدا ہوں بلکہ
ان سب سے جداگانہ ہے اور قرآن اور توریت اور انجیل اور زبور اُسکی کتابیں ہیں کہ اُسکے انبیا علیہم السلام پر اُتریں اور قرآن مجید کی تلاوت
زبانوں سے ہوتی ہے اور اوراق پر لکھا جاتا ہے اور دلوں میں حفظ کیا جاتا ہے اور باوجود اسکے وہ قدیم ہے اور خداتعالی کی ذات پاک کے ساتھ قائم
اور اُس سے جدا نہیں ہو سکتا کہ علیحدہ ہو کر اوراق میں منتقل ہو جاوے اور حضرت موسی علیہ السلام نے خداتعالی کے کلام بدوں آواز اور
حروف کے سنے جسطرح کہ ابرار آخرت میں اللہ تعالی کی ذات کو بدوں جوہر اور عرض کے دیکھینگے اور جبکہ اللہ تعالی میں یہ صفات ہیں

معلوم ہوتا ہے تو اس قول پر لحاظ نہ کرنا چاہیے اسلیے کہ ہماری غرض جو کچھ عقل سے ہے وہی عین الیقین اور نور ایمان سے ہے یعنی وہ صفت باطنی جس سے کہ آدمی چوپایوں سے ممتاز ہوتا ہے یہانتک کہ اسی کے باعث امور کی حقیقتیں معلوم کرتا ہے۔ اور اکثر اسطرح کے خبط ان لوگوں کی جہالت سے اٹھتے ہیں جو حقیقتوں کو الفاظ سے طلب کرتے ہیں اور چونکہ الفاظ میں لوگوں کی اصطلاحیں خبط ہو رہی ہیں اسلیے وہ بھی خبط کرتے ہیں۔ عقل کے بیان میں اسقدر کلام کافی معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ باب العلم خدا تعالیٰ کی عنایت سے پورا ہوا اسکے بعد دوسرا باب قواعد عقائد کا مذکور ہوتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ اولا و آخرا و صلی اللہ علی سیدنا محمد و علی کل عبد مصطفی من اہل الارض والسماء۔

دوسرا باب عقائد کے قاعدوں میں اور اسمیں چار فصلیں ہیں

رباعی
اسلام ربانی سے برآمد نہیں کار۔ صحت یہ عقائد کے ہے ایمان کا مدار۔ تاثیر دوا کی ہو ہی ہے پہیے سے۔ ٹک نام لیے سے ہووے اچھا بیمار۔

فصل اول بیان میں عقیدہ اہل سنت کے درباب دو جملوں کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جنکی گواہی دینی اسلام کے پانچوں رکنوں میں سے ایک رکن ہے جاننا چاہیے کہ اول جملہ اس کلمہ طیبہ کا توحید پر مشتمل ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اسلیے دونوں کی تفصیل جدا جدا لکھتے ہیں **پہلا جملہ توحید** پر مشتمل ہے اسمیں یہ باتیں چاہییں **اول وحدانیت** یعنی یہ جانا کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے کوئی اسکا شریک نہیں یکتا ہے کوئی اس جیسا نہیں صمد ہے کوئی اسکا مقابل نہیں نرالا ہے کوئی اسکے جوڑ کا نہیں قدیم اور ازلی ہے جسکا اول اور ابتدا نہیں ہمیشہ کو قائم ابدی ہے جسکا آخر اور انتہا نہیں قیوم ہے کہ اسکو انقطاع نہیں اور دائم ہے جسکو کبھی فنا نہیں بزرگی کی صفتوں سے موصوف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا زمانوں اور مدتوں کے گذرنے اور ختم ہو جانے سے اسکو نہیں کہہ سکتے کہ ہو چکا بلکہ وہی سب سے اول ہے اور وہی سب سے پیچھے اور وہی ظاہر اور وہی باطن ہے **دوم تنزیہ** یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا تعالیٰ نہ جسم صورت دار ہے نہ جوہر محدود اور ذی مقدار منقسم ہوسکنے میں اجسام کا مشابہ نہیں نہ خود جوہر ہے نہ اسمیں کوئی جوہر حلول کیے ہوئے ہے اور نہ وہ عرض ہے نہ اسمیں کوئی عرض حلول کیے ہوئے بلکہ نہ وہ کسی موجود کے مشابہ ہے نہ اسکے کوئی موجود مانند نہ اسکے جوڑ کا کوئی نہ وہ کسی کے جوڑ کا نہ وہ کسی مقدار میں محدود ہوا اور نہ اطراف و جہات اسکو محیط ہوں اور نہ آسمان و زمین اسکو گھیر سکیں اور یہ کہ وہ عرش پر اس طرح ہے جس طرح کہ آپ نے خود فرمایا اور جس اعتبار سے کہ آپ نے قصد کیا ہے یعنی عرش کو چھونے اور اسپر جمنے او جگہ پکڑنے اور اسمین حلول کرنے اور دوسری جگہ ٹلنے سے پاک ہے عرش اسکو نہیں اٹھاتا بلکہ عرش اور حاملین عرش سب کو اسکی لطف قدرت اٹھائے ہوئے ہے اور سب اسکے قبضہ قدرت میں دبے ہوئے ہیں اور وہ عرش اور آسمان اور حد و ذرہ زمین تک کی سب چیزوں کے اوپر ہے اور اسکی فوقیت اس طرح کی ہے کہ اس سے اسکو نہ عرش سے قرب ہوا اور نہ زمین سے دوری بلکہ عرش اور آسمان کے نزدیک ہونے اور زمین اور خاک سے دور ہونے سے اسکے درجات بلند ہیں اور باوجود اسکے وہ ہر موجود چیز سے قریب ہے اور بندے کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہے اور سب چیزوں کے پاس موجود کیونکہ اسکی نزدیکی اجسام کے نزدیک ہونے کے مشابہ نہیں جسطرح کہ اسکی ذات اجسام کی ذات سے مشابہ نہیں اور یہ کہ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ اسمین کوئی چیز حلول کرے اس بات سے برتر ہے کہ اسکا محیط کوئی مکان ہو جیسے اس بات سے پاک ہے کہ کوئی وقت اسکو گھیر سکے بلکہ وہ مکان اور زمان کے بننے سے پیشتر موجود تھا اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا اور یہ کہ وہ اپنی مخلوق سے اپنی صفات میں جدا ہے نہ اسکی ذات میں اسکے سوا دوسرا اور نہ کسی دوسرے میں اسکی ذات اور یہ کہ وہ بدلنے اور انتقال سے مقدس ہے نہ حوادث اسمیں حلول کریں نہ عوارض اسپر نزول بلکہ وہ اپنی بزرگی صفات میں فنا اور زوال سے ہمیشہ منزہ رہتا ہے اور اپنی صفات کمال میں کسی زیادتی کی اسکو حاجت نہیں جس سے اسکا کمال پورا ہوا اور یہ کہ عقلوں کے سبب سے اسکا وجود بذات خود معلوم ہے اور اسکا انعام و احسان

بھاری ہو گئی اور بدیوں کے صحیفے بری صورت میں اندھیرے پلے میں ڈالے جاوینگے اور اللہ تعالیٰ کے عدل کے باعث ترازو ایسے ہلکی ہو جاوے گی
اور پل صراط پر ایمان لانا چاہیے کہ دوزخ کی پشت پر ایک پل تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک بنا ہوا ہے جس پر سب کا گذر ہوگا
خدائے تعالیٰ کے حکم سے کافروں کے پاؤں اسپر پھسلینگے اور دوزخ میں گر جاوینگے اور ایمان والوں کے پاؤں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے
اسپر جمینگے اور وہ دار القرار کو پہونچا دیے جاوینگے اور حوض پر ایمان لانا چاہیے جس پر ایمانداروں کا گذر ہوگا یہ حوض آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا ہے مومن اسکا پانی جنت میں داخل ہونے سے پیشتر اور پل صراط سے اترنے کے بعد پیوینگے جو کوئی اسمیں سے ایک گھونٹ پانی
پیویگا وہ بعد کو کبھی پیاسا نہوگا اسکا عرض ایک مہینے کی راہ ہے اسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اسکے گرد آبخورے
موافق شمار آسمان کے تاروں کے ہیں اور اسمیں دو پرنالے جنت کے چشمہ کوثر سے گرتے ہیں اور حساب پر ایمان لانا چاہیے کہ لوگ
حساب کے باب میں مختلف ہونگے بعضوں سے تو حساب میں باریکی کیجاویگی بعضوں سے چشم پوشی اور کچھ ایسے ہونگے کہ وہ بے حساب جنت میں
داخل ہونگے اور وہ لوگ مقرب اللہ تعالیٰ کے ہونگے اور اللہ تعالیٰ نبیوں میں جس سے چاہیگا سوال کریگا کہ تمنے مضمون رسالت کا پہونچا
دیا اور کافروں میں سے جس سے چاہیگا رسولوں کے جھٹلانے کی بازپرس کریگا اور بدعتیوں سے سنت کا حال اور مسلمانوں سے اعمال
کا سوال کریگا اور یہ ایمان لانا چاہیے کہ اہل توحید سزا کے بعد دوزخ سے نکلینگے یہانتک کہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے جہنم میں کوئی موحد رہیگا اس سے
معلوم ہوا کہ موحد ہمیشہ دوزخ میں رہیگا اور شفاعت پر ایمان لانا چاہیے کہ اول انبیا کرینگے پھر علما پھر شہدا پھر اور سب مسلمان اور ہر ایک
کی جتنی عزت اور منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوگی اسی قدر اسکی سفارش منظور ہوگی اور جو ایماندار ایسے رہینگے کہ انکی سفارش کسی نے نہ کی
ہوگی انکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دوزخ سے نکالیگا پس دوزخ میں کوئی ایماندار ہمیشہ نہ رہیگا بلکہ جسکے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا وہ بھی اسمیں
سے باہر ہوگا اور یہ اعتقاد کرے کہ صحابہ افضل ہیں اور انکی ترتیب افضلیت میں اسطرح ہے کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب لوگوں میں
افضل حضرت ابوبکر ہیں انکے بعد حضرت عمر انکے بعد حضرت عثمان انکے بعد حضرت علی اور صحابہ سے اچھا گمان رکھے اور انکی تعریف کرے
جیسے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی تعریف فرمائی ہے اور یہ سب امور ایسے ہیں کہ احادیث میں مذکور ہیں اور
آثار انپر شاہد ہیں جو شخص ان امور پر یقین سے معتقد ہوگا وہ اہل حق اور سنت جماعت والوں میں ہوگا اور گمراہی اور بدعت والوں کی جماعت
سے علیحدہ رہیگا ہم اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے واسطے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ کمال یقین عنایت فرماوے اور دین پر اپنی
رحمت کاملہ سے ثابت رکھے کہ وہ ارحم الراحمین ہے وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین **دوسری فصل** اس بات کی وجہ کے
بیان میں کہ ارشاد میں تدریج اور اعتقاد کے درجوں میں ترتیب چاہیے۔ جاننا چاہیے کہ جو کچھ ہمنے فصل اول میں لکھا ہے وہ لڑکوں کو
ابتدائے سن تمیز میں سکھانا چاہیے تاکہ اسکو یاد کرلیں پھر بڑا ہونے پر انکو اسکے معنی تھوڑے تھوڑے کھلتے جاوینگے غرض کہ لڑکوں کی ابتدا
تو یاد کرلینا ہے پھر سمجھنا پھر اعتقاد اور یقین اور اسکا تصدیق کرنا اور یہ بات لڑکوں میں بدوں دلیل کے آجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل
انسان کے دل پر یہ ہے کہ ابتدا نشو و نما میں اسکو ایمان کی طرف ملاحت اور برہان کے کھول دیا ہے اور اسکا انکار نہیں ہو سکتا اسلیے کہ سب
عوام کے عقیدوں کا مدار صرف تلقین اور تعلیم محض ہے ہاں جو اعتقاد کہ صرف تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہ ابتدا میں کسی قدر ضعف سے
خالی نہیں ہوتا یعنی اگر اسکے دل میں اعتقاد مذکور کا خلاف ڈال دیا جاوے تو اعتقاد سابق دور ہو سکتا ہے اگر اسکے اس اعتقاد کو لڑکوں
کے اور عامی کے دل میں خوب تقویت کر دینی چاہیے تاکہ پختہ ہو جاوے اور جنبش نہ کرے اور اعتقاد کی تقویت کا
طریق یہ نہیں کہ فن جدل اور کلام کو جان لے بلکہ اسکی راہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور اسکی تفسیر اور حدیث پڑھنے اور
اسکے معانی سمجھنے میں مشغول ہو اور عبادات روزمرہ کی بجا آوری میں لگے تو اس تدبیر سے جو کچھ قرآن مجید کی دلیلیں اور حجتیں اسکے

تو وہ زندہ اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور متکلم صرف اپنی ذات سے نہیں بلکہ حیات اور قدرت اور سمع اور بصر اور کلام سے ہی ہشتم
افعال میں یہ اعتقاد کرنا کہ جو چیز سوا اسکے موجود ہے وہ اسی کے فعل سے حادث اور اسی کے عدل سے فیضیاب ہے اور سب سے اچھی طرح
اور اکمل اور اتم اور اعدل طور پر اسکا ظہور ہوا ہے اور اللہ تعالی اپنے افعال میں حکیم اور اپنے احکام میں عادل ہے اُسکے عدل کو بندوں کے
عدل پر قیاس نہیں کر سکتے اسلیے کہ بندے سے ظلم متصور ہو سکتا ہے اس طور کہ غیر کے ملک میں تصرف کرے اور خدا تعالی سے ظلم متصور
نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکو غیر کی ملک ملتی ہی نہیں کہ اسمیں اسکا تصرف ظلم کہلاوے غرض کہ جو کچھ اسکے سوا ہے انسان اور جن اور فرشتہ
اور شیطان اور آسمان اور زمین اور حیوان اور سبزہ اور جماد اور جوہر اور عرض اور مدرک اور محسوس وہ سب حادث ہیں اُسنے اپنی قدرت
سے اُنکو عدم سے اختراع کیا اور پردہ نیستی سے نکالکر ہست فرمایا کیونکہ ازل میں وہ اکیلا موجود تھا دوسرا کوئی اسکے ساتھ نہ تھا بعد اسکے
اپنی قدرت کے ظاہر کرنے اور ارادۂ سابق کے متحقق کرنے کے لیے خلق کو پیدا کیا یہ نہیں کہ اُسکو خلق کی طرف کچھ حاجت اور ضرورت
ہو پیدا کرنے اور اختراع کرنے اور تکلیف میں صرف فضل کرتا ہے نہ یہ کہ اُسپر یہ امور واجب ہوں اور انعام اور اصلاح میں صرف جود فرماتا ہے
نہ اس طور سے کہ اسکے ذمہ لازم ہو پس فضل اور احسان اور نعمت اور منت سب اسی کے لیے سزاوار ہے اسلیے کہ وہ اس بات پر قادر
تھا کہ اپنے بندوں پر طرح طرح کے عذاب ڈال دیتا اور اُنکو اقسام مصائب اور آلام میں مبتلا کر دیتا اور یہ امور اُس سے عدل کے طور
پر ہی ہوتے نہ بُرے ہوتے نہ ظلم اور اللہ تعالی اپنے ایماندار بندوں کو طاعتوں پر اپنے کرم اور وعدہ کے موجب ثواب عنایت فرماتا ہے
بندے کے استحقاق کی جہت سے اور اپنے اوپر لازم ہونے کے سبب سے نہیں دیتا اسلیے کہ اُسپر کسی کے لیے کوئی فعل واجب
نہیں اور نہ اُس سے ظلم متصور ہو سکے اور نہ کسی کا اُسپر کوئی حق واجب اور اُسکا حق طاعتوں میں خلق پر واجب ہے اسی نے اپنے انبیا
علیہم السلام کی زبانوں سے واجب کیا ہے صرف عقل کی رو سے واجب نہیں کیا بلکہ رسولوں کو بھیجا اور اُنکا سچ ظاہر معجزوں سے
ثابت کیا تو انھوں نے اُسکے حکم اور نہی اور وعدہ اور وعید کو خلق میں پہونچایا اسلیے خلق پر رسولوں کو سچا جاننا اور جو احکام وہ لائے
ہیں اُنکا ماننا واجب ہے اب دوسرے جملہ کے معنی یعنی رسولوں کی گواہی دینے کو سنو کہ یہ اعتقاد کرنا چاہیے کہ اللہ تعالی نے نبی امی
قریشی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب اور عجم اور جن اور انسانوں کی طرف رسول کرکے بھیجا اور آپکی شریعت سے تمام شریعتوں کو
منسوخ کیا ہے اُسکے حکم انہیں سے برقرار رکھا اور آپ کو تمام انبیا پر فضیلت دی اور آپ کو آدمیوں کا سردار بنایا اور لا الہ الا اللہ کی توحید پر
گواہی دینے کو ایمان کامل نہیں مانا جبتک کہ اسمیں رسول کی شہادت یعنی محمد رسول اللہ نہ ملایا جاوے اور جس بات کی خبر آپ نے
دنیا اور آخرت کے امور میں سے دی ہے خلق پر لازم کر دیا کہ آپ کو اسمیں سچا جانیں اور کسی بندے کو ایمان قبول نہیں فرماتا جبتک کہ
وہ مرنے کے بعد کے حالات پر جنکی خبر آپ نے دی ہے ایمان نہ لاوے اُن حالات میں سے **اول** منکر اور نکیر کا سوال ہے یہ دونوں
دو شخص ہولناک مہیب صورت ہیں کہ بندے کو قبر میں روح اور جسم کے ساتھ سیدھا بٹھلاتے ہیں اور اس سے توحید اور رسالت کا
حال دریافت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے اور وہ دونوں قبر کے امتحان لینے والے
ہیں اور مرنے کے بعد اول آزمایش اُنکا سوال ہوتا ہے اور قبر کے عذاب پر ایمان لاوے کہ وہ ٹھیک ہے اور حکمت اور عدل کے ساتھ
روح اور جسم دونوں پر جسطرح خدا تعالی کی مرضی ہوگی ہوگا اور میزان پر ایمان لانا چاہیے کہ اُسکے دو پلے اور ایک زبانہ بیچ میں ہاتھکر
آنکھ ایسے کا ہوگا اور اسکے پلے اتنے بڑے ہونگے جتنے آسمان و زمین کے طبقات ہیں اُسمیں اللہ تعالی کی قدرت سے اعمال تولے
جاوینگے اور باٹ اُس روز ذرہ اور رائی بھر کے ہونگے تاکہ عدل خوب کامل ہو اور نیکیوں کے صحیفے اچھی صورت میں نور کے پلے
میں ڈالے جاوینگے اور بمقدار اُن نیکیوں کے درجے خدا تعالی کے نزدیک ہونگے اسی قدر اُنکے ترازو اللہ کے فضل و کرم سے

لہ ترمذی وابن ماجہ روایت ابی ہریرہ ۱۲ ح ۲ احمد وابن حبان [illegible]

کیا تھا جو کہ معتزلہ میں سے علم کلام کا ماہر تھا میں نے سنا کہ امام صاحب فرماتے تھے کہ اگر بندہ شرک کے سوا ہر ایک گناہ کے ساتھ خدا تعالی
سے ملے اس سے بہتر ہے کہ کچھ بھی علم کلام کے ساتھ اسکے سامنے جاوے اور میں نے حفص کی بھی ایک کلام سنی جسکو میں نقل نہیں کر سکتا
اور یہ بھی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اہل کلام کی ایک ایسی بات پر مطلع ہوا ہوں کہ مجکو کبھی اُسکا گمان نہ تھا اور اگر بندہ خدا تعالی
کے تمام منہیات میں سوائے شرک کے مبتلا ہو اُسکے حق میں اُس سے بہتر ہے کہ علم کلام میں نظر کرے۔ اور کرابیسی روایت کرتے ہیں کہ امام
شافعیؒ سے کسی نے کوئی مسئلہ علم کلام کا پوچھا تو آپ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ اسکا حال حفص فرد اور اُسکے ساتھیوں سے پوچھا چاہیے خدا تعالی
اُنکو رسوا کرے۔ اور جب امام شافعیؒ بیمار ہوئے تو حفص فرد اُنکے پاس گیا آپ نے پوچھا کہ کون ہے اُسنے کہا میں ہوں حفص فرد آپ نے
فرمایا کہ خدا تیری حفاظت اور نگہبانی نہ کرے یہانتک کہ جس امر میں تو مبتلا ہے اُس سے توبہ نہ کرلے اور یہ بھی آپکا ارشاد ہے کہ اگر آدمیوں کو معلوم
ہو جاوے کہ علم کلام میں کتنی بدعتیں ہیں تو اُس سے ایسا بھاگیں جیسے شیر سے بھاگتے ہیں اور فرمایا کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ اسم خواہ مسمی
ہے یا مسمی کا غیر ہے تو جان لو کہ وہ کلام والوں میں سے ہے اور اسکا کوئی دین نہیں زعفرانی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اہل کلام کے
باب میں میری تجویز یہ ہے کہ اُنکے بیتیں لگوا کر تمام قبیلوں میں پھرایا جاوے اور منادی کیجاوے کہ یہ سزا ہے اُسکی جو کتاب اللہ اور حدیث کو
چھوڑ کر علم کلام میں مشغول ہو۔ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اہل کلام کو فلاح کبھی نہ ہوگی اور جو شخص کلام کو دیکھے اُسکو ایسا کم پاؤ گے
کہ اُسکے دل میں نقصان نہ ہو اور کلام کی برائی میں آپ نے یہاں تک مبالغہ کیا کہ حارث محاسبی سے باوجود اُنکے زہد اور پرہیزگاری کے ملنا
چھوڑ دیا اس جہت سے کہ انھوں نے ایک کتاب بدعتیوں کے رد میں لکھی تھی اور فرمایا کہ کمبخت پہلے تو لوگوں کی بدعت نقل کرتا ہے تب اُسکا
جواب لکھتا ہے تو گویا لوگوں کو اپنی تصنیف سے رغبت دلاتا ہے کہ بدعت کو دیکھیں اور اُن شبہوں کا مطالعہ کریں پھر یہی امر اُنکو رائے اور بحث
کا موجب ہو جاوے۔ اور یہ بھی امام احمدؒ کا قول ہے کہ علماے کلام بددین ہیں۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بھلا اگر کلام والے کے مقابل
ایسا شخص آوے جو اُس سے زیادہ لڑاک ہو تو ہر روز ایک نیا دین اپنے لیے ایجاد کیا کریگا اس سے یہ غرض ہے کہ لڑنے والوں کی کلام ایک
دوسرے کی ضد ہوا کرتی ہے تو جو غالب ہوگا دوسرے کو اسی کی رائے اختیار کرنی پڑیگی۔ اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ بدعت اور ہوا والوں کی گواہی
درست نہیں۔ اور بعض آپ کے شاگرد کہتے ہیں کہ اہل اہوا سے آپ کی غرض اہل کلام ہیں خواہ کسی مذہب پر ہوں۔ اور امام ابو یوسفؒ نے
فرمایا ہے کہ جو شخص علم کی طلب کلام سے کرتا ہے وہ بددین ہو جاتا ہے۔ اور حسنؒ کا ارشاد ہے کہ اہل ہوا سے نہ جدل کرو اور نہ اُنکے پاس بیٹھو اور نہ اُنکا
قول سنو۔ اور سلف کے سب اہل حدیث کا کلام کی برائی پر اتفاق ہے اور جتنی تاکیدیں شدید انھوں نے اس باب میں فرمائی ہیں وہ خارج
از حد شمار ہیں اور کہا ہے کہ صحابہؓ نے جو باوجود حقائق کے زیادہ واقف ہونے اور دوسروں کی نسبت کر الفاظ کی ترتیب میں فصیح تر ہونے کے
کلام سے سکوت کیا اسکی وجہ یہی تھی کہ وہ لوگ جو کچھ خرابی اس سے پیدا ہوتی ہے اُس سے واقف تھے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے تین بار فرمایا ہلک المتنطعون یعنی ہلاک ہوئے وہ لوگ کہ بحث اور کلام میں زیادہ خوض کرتے ہیں اور اہل حدیث یہ حجت بھی پیش کرتے ہیں
کہ اگر علم کلام دین سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکا امر ضرور ہی فرما دیتے اور اُسکا طریق سکھلا دیتے اور اسکے عالموں کی تعریف کرتے
کیونکہ صحابہؓ کو استنجا تک تو تعلیم فرمایا اور فرائض کے یاد کرنے کا ارشاد کیا اور انکی تعریف کی اور تقدیر میں کلام کرنے کو منع فرمایا اور یہ ارشاد
کیا کہ تقدیر کے باب میں خاموش رہو اور اسی پر صحابہؓ بھی جمے رہے پس استاد پر زیادتی کرنی سرکشی اور ظلم ہے اور صحابہ ظاہر ہے کہ پیشوا اور
استاد ہیں اور ہم پیرو اور شاگرد ہیں۔ اور دوسرا فرقہ جو علم کلام کو اچھا جانتے ہیں وہ یوں دلیل کرتے ہیں کہ اگر علم کلام میں یہ خرابی ہے
کہ اُسمیں جوہر اور عرض اور دوسری اصطلاحیں نادر جو صحابہؓ کے عہد میں نہ تھیں موجود ہیں تب تو کچھ سہل بات ہے اسلیے کہ ہر ایک علم
میں اُسکے سمجھانے کے لیے اصطلاحیں نئی نئی ہیں مثلاً حدیث اور تفسیر اور فقہ میں بہت اصطلاحیں اس قسم کی ہیں کہ اگر اُنکو صحابہؓ پر

ع مسلم روایت ابن مسعودؓ
ع ۳۱ احمد روایت ابی ہریرۃؓ
باب العلم میں گذر چکی ۱۲

کان میں پہونچیگی اور حدیث میں اُسکے شاہد دیکھیگا اور عبادات کے انوار سے منور ہوگا اور برکتوں کے مشاہدے اور انکی ہم نشینی سے متاثر ہوکر اللہ تعالی کے حضور میں انکی خوبی اور سکنت اور انکے ڈرنے کو دیکھیگا تو یہ سب امور اس بات کے باعث ہونگے کہ اُسکا اعتقاد زور زور مضبوط ہوتا جاوے پس اول لڑکپن میں ان عقیدوں کا سکھلا دینا گویا سینے میں بیج ڈالنے کے ہے اور یہ امور اسکے لیے مثل پانی دینے اور پرورش کرنے کے ہیں تاکہ پیڑ بڑھکر زور پکڑ جاوے اور ایک شجرۂ طیبہ ہو جسکی جڑ جمی رہے اور شاخ آسمان میں ہو پہونچے۔ اور چاہیے کہ لڑکوں کے کان جدل اور کلام سے نہایت درجہ کو بچائے جاویں اسلیے کہ جھگڑے سے اتنی بات دل میں نہیں بیٹھتی جتنی اکھڑ جاتی ہے اس سے بناؤ کم ہوا اور بگاڑ زیادہ بلکہ لڑکوں کے عقیدوں کو جدل سے تقویت کرنے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی ہتوڑا لیکر درخت کی جڑ میں مارا کرے کہ میری غرض یہ ہے کہ اسکی جڑ مضبوط ہو اور موٹائی پکڑے حالانکہ ہتوڑا بعید نہیں کہ اجزا کو متفرق کرکے درخت کو بگاڑ دے اور اکثر یوں ہی ہوتا ہے اسکے سوا مشاہدہ کے سامنے کچھ بیان کی ضرورت نہیں **مصرع** شنیدہ کی بود مانند دیدہ + جو لوگ کہ عوام میں سے نیکبخت اور پرہیزگار ہیں اُنکے عقیدوں کو کلام والوں اور جدل کے ماہروں کے عقائد سے مقابلہ کر دیکھو معلوم ہوگا کہ عوام کے عقیدے تو اونچے پہاڑ کی طرح جمے ہوئے ہیں کہ کسی آفت اور بجلی سے نہیں ہل سکتے اور کلام والے جو اپنے عقیدوں کی حفاظت میں جدل سے کرتے رہتے ہیں اُنکے عقیدے ایسے ہونگے جیسے کوئی ڈورا ہوا میں لٹکا دیا جاوے کہ ہوا سے کبھی تو وہ اِدھر جھک جاتا ہے کبھی اُدھر جھک جاتا ہے کیونکہ جو کوئی ان میں سے اعتقاد کی دلیل سنتا ہے اُسکو تقلید ہی کی راہ سے ماننا ہے جیسے خود اعتقاد کو تقلید کے طور پر حاصل کرتا ہے یعنی دلیل کے سیکھنے اور مدلول کے سیکھنے میں کچھ فرق نہیں دونوں میں تقلید ہوتی ہے تو دلیل کا سیکھنا اور بات ہے اور نظر کا مستقل ہونا اور چیز ہے جو اس سے بہت دور ہے پھر لڑکے کا انحصار اگر اس عقیدے پر ہوا تو اگر وہ دنیا کمانے میں مشغول ہو جاویگا تب اُسکو سوائے اس عقیدے کے اور کچھ واضح نہوگا مگر اہل حق کا سا اعتقاد کے رکھنے کی جہت سے آخرت میں سلامت رہیگا اسلیے کہ شرع نے عرب کے اجلاف کو اتنا ہی حکم دیا ہے کہ ظاہر عقائد کے موجب اپنی تصدیق پکی کرلیں اور بحث اور تفتیش اور دلیلوں کو تکلف ساتھ ماننے کا حکم ہرگز نہیں کیا اور اگر شخص مذکور طریق آخرت کے چلنے والوں میں سے ہونا چاہیگا اور توفیق اسکی رفیق ہوگی یہاں تک کہ عمل میں مشغول ہوکر تقوی کے پیچھے پڑیگا اور نفس کو خواہش سے باز رکھکر ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہوگا تو اسکے لیے ہدایت کے دروازے کھل جاوینگے اور ایک نور الہی سے جو مجاہدہ کے سبب اُسکے دل میں پڑیگا ان عقیدوں کی حقیقتیں واضح ہو جاوینگی کیونکہ مجاہدہ سے اس نور کے دل میں ڈالنے کا خدا تعالی نے وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین اور یہ نور ایک جوہر نفیس ہے کہ صدیقوں اور مقربوں کے ایمان کی غایت وہی ہے اور جو راز کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں ڈالا گیا اور اسکی جہت سے آپ تمام خلق سے افضل ہوئے وہ بھی اسی نور کی طرف اشارہ ہے اور اس راز کے کھلنے بلکہ سب اسرار کے معلوم ہونے کے بہت سے درجات ہیں جتنا کوئی مجاہدہ کریگا اور اپنے باطن کو جسقدر صاف اور غیر اللہ سے پاک رکھیگا اور نور یقین سے روشنی حاصل کریگا اسی قدر اسرار کھلینگے اور اسکو ایسا سمجھنا چاہیے جیسے طب اور فقہ اور دوسرے علوم کے اسرار میں کو لوگ موافق اپنی محنت کے اور بقدر اپنی ذکا اور دانائی سرشتی کے مختلف ہوا کرتے ہیں تو جسطرح پر یہ درجات علم کے بے انتہا ہیں اسی طرح درجات اسرار بھی غیر منحصر دین مسئلہ جدل اور کلام سیکھنا نجوم کی طرح برا ہے یا مباح خواہ مستحب ہے جواب اس مسئلے میں دونوں طرفوں کو بہت سا مبالغہ اور اسراف ہے یعنی بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اسکا سیکھنا بدعت اور حرام ہے اور بندہ شرک کے سوا کوئی سا گناہ کرکے مرے اس سے بہتر ہے کہ خدا تعالی کے سامنے علم کلام کے ساتھ جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ اسکا سیکھنا واجب اور فرض کفایہ یا فرض عین ہے اور یہ سب اعمال سے بہتر اور ثواب کی چیزوں میں عمدہ ہے اسلیے کہ اسکا سیکھنا علم توحید کا تحقیق کرنا اور خدا تعالی کے دین کی طرف سے لڑنا ہے سو امام شافعی اور مالک اور احمد اور سفیان ثوری اور سب اہل حدیث سلف کے اسکی حرمت کے قائل ہیں سو ابو عبد الاعلی کہتے ہیں کہ جس روز امام شافعی نے حفص فرد سے مناظرہ

[illegible]

اور سانپ اور درندہ اور کوّہ کو بھلا دیں اور ہمارے کچھ گناہ ہیں اگر ہم کو یقین ہو کہ وہ بخشدیے جاتینگے تب البتہ ہم کہینگے کہ ہم اہل جنت میں سے
ہیں اور انھیں گناہوں کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اپنا مال ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ اہل جنت میں سے ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ واقع
میں تمنے درست کہا سعد ابن معاذ سے خطا ہوئی اب رہا یہ کہ صحابہ اسمیں جو کم کم کرتے تھے بہت مصروف ہوتے تھے اور تھوڑی تقریر کرتے تھے
زیادہ ہوتی تھی اور وہ بھی حاجت کے وقت بلا تصنیف وتدریس کرتے تھے اُنکو کوئی فن نہیں غور کیا تھا تو اُسکے لیے ہم کہینگے کہ صحابہ کا
اسمیں کم مصروف ہونا تو اس وجہ سے تھا کہ حاجت کم تھی کیونکہ اُس زمانہ میں بدعت کم ظاہر ہوئی تھی اور تقریر کے مختصر ہونے کی وجہ
یہ تھی کہ تقریر طرف ثانی کے ساکت کرنے اور اُسکے قائل ہونے اور شبہہ کے دور ہونے اور امر حق کے واضح ہونے کے لیے ہوا کرتی ہے
پس اگر طرف ثانی کا اعتراض یا اُسکا اصرار زیادہ ہوگا تو ضرور ہے کہ اُسکا الزام بھی لمبا چوڑا ہوگا صحابہ نے بعد تقریر کے شروع فرمانے کے کسی
ترازو یا پیمانہ سے اُسکی مقدار مقرر نہیں کرتے تھے کہ اس سے زیادہ نہ ہوگی اور تدریس اور تصنیف کے جو درپے ہونے تو ایسی عادت کی جہت
ہونے چاہیے فقہ اور تفسیر اور حدیث میں بھی تدریس اور تصنیف نہیں فرمائی تو اگر فقہ میں تصنیف کرنا اور نادر صورتوں کا بنانا جو کمتر واقع
ہوں درست ہے اس لحاظ کہ اگر اسطرح کی صورت ہو جاوے تو مسئلہ کام آوے یا صرف جودت طبع اور تیزی ذہن طالبوں کی منظور ہو تو
ہم بھی مجادلہ کے طریقوں کو نہیں لحاظ ترتیب دیتے ہیں کہ شاید شبہہ کے اُٹھنے اور بدعتی کے جوش وخروش کرنے کے وقت کار آمد
ہوں یا ذہن طالبعلموں کا تیز ہو جاوے کہ وقت پر فوراً تامل جواب دے سکیں رک نہ رہیں جیسے لڑائی کے لیے ہتھیار بنایا کرتے ہیں
کہ موقع سے پہلے بیکار ہوتے ہیں مگر وقت پر کام آتے ہیں یہ دونوں طرف کی تقریریں ہیں اور ہمارے نزدیک اگر مختار اور تحقیق پوچھو تو
یہ ہے کہ ہر حال میں مطلق کلام کو بُرا کہنا یا ہر حال میں اُسکی تعریف کرنی دونوں بیجا ہیں بلکہ اس باب میں تفصیل ہونی چاہیے اسکے لیے
اول یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حرمت دو قسم ہے ایک وہ کہ کوئی چیز اپنی ذات سے حرام ہو جیسے شراب اور مردار ہے اور اپنی ذات سے حرام ہونے سے
ہماری غرض یہ ہے کہ اُسکے حرام ہونے کی علت جو اُسکے اندر کوئی وصف ہو جیسے شراب میں نشہ کرنا اور مردار میں موت ہے پس اسطرح کی
چیز کو جب ہم سے کوئی پوچھیگا تو ہم یہی کہینگے کہ مطلقاً حرام ہے اُسکا دھیان نہ کرینگے کہ اضطرار کے وقت مردار مباح ہو یا گلے میں نوالا اٹک
جاوے اور اُسکے اترنے کے لیے سوائے شراب کے اور کوئی چیز بہنے والی ہو تو شراب اس غرض کے لیے مباح ہے اور ایک وہ ہے کہ
غیر کی جہت سے حرام ہو جیسے کوئی مسلمان بیع کر چکا اسپر خریدار کے وقت میں بیع کرنی یا اذان جمعہ کے وقت بیع کرنی یا مٹی کا کھانا کہ اُسکی
حرمت اس وجہ سے ہے کہ اُس میں ضرر ہے اور جو چیز ایسی ہو اُسکی دو نوع ہیں ایک تو وہ کہ اُسکی تھوڑی اور بہت دونوں مضر ہوں تو اُسکو بھی مطلق یہی
کہا جاویگا کہ حرام ہے جیسے مثلاً زہر ہے کہ تھوڑا اور بہت اُسمیں سے قاتل ہے اور ایک نوع وہ ہے کہ کثرت کے وقت مضر ہوتی ہے جیسے شہد ہے کہ اگر
گرم مزاج والا کثرت سے کھاوے تو مضر ہے یا جیسے مٹی کا کھانا کہ اُسکی کثرت مضر ہے تو ایسی چیز پر مباح ہونے کا اطلاق کیا جاویگا غرض کہ
شراب پر حرمت کا اطلاق اور شہد پر حلت کا بولنا باعتبار غالب احوال کے ہے پس اگر کوئی ایسی چیز ہو کہ جس میں حالات ایک دوسرے
کے مخالف ہوں تو اسکے حکم میں بہتر اور التباس سے دور تر یہ ہے کہ تفصیل وار بیان کیا جاوے اب ہم علم کلام کو جو دیکھتے ہیں تو اس میں نفع
بھی پاتے ہیں اور ضرر بھی اسلیے کہتے ہیں کہ علم کلام اپنے نفع کے اعتبار سے نفع کے موقع میں حلال ہے یا مستحب یا واجب جس طرح کا حال
مقتضی ہو اور اپنے ضرر کے رو سے ضرر کے محل میں حرام ہے ضرر علم کلام کا یہ ہے کہ شبہوں کو اُبھارتا ہے اور عقیدوں کو ہلا کر یقین اور پختگی سے
اُنکو دور کر دیتا ہے یہ بات علم کلام کے شروع میں ہو جاتی ہے اور دلیل سے پھر پختگی پھر آنے میں شک ہے اسباب میں لوگ مختلف ہوتے ہیں کوئی
دلیل سے بعد درست ہو جاتے ہیں بعضے درست نہیں ہوتے یہ ضرر تو اسکا امر حق کے اعتقاد میں ہے اور ایک ضرر اسمیں اور ہے کہ بدعتیوں کا
اعتقاد بدعت پر جما جاتا ہے اور دلوں میں ایسی طرح ٹھہر جاتا ہے کہ انہی کے لوازم ظہور میں آتے ہیں اور انپر اصرار کے زیادہ حریص ہو جاتے ہیں

پیش کرتے تو وہ انکو نہ سمجھتے جیسے قیاس کی اصطلاحیں نقض اور کسر اور ترکیب اور تعدید اور فساد وضع ہیں غرض کہ الفاظ کا بنانا مقصود صحیح پر دلالت کرنے کے لیے ایسا ہی جیسا ایک نئی صورت کا برتن بناکر ساتھ چیزیں استعمال کریں اسمین کچھ خرابی نہیں اور اگر علم کلام میں خرابی لفظ کے اعتبار سے نہیں غرض اور معنوں کے اعتبار سے ہی تو ہماری غرض اس سے صرف یہ ہی کہ عالم کے حادث ہونے کی اور خدائے تعالی کی وحدانیت اور صفات کی دلیل بتائیں جس طرح پر کہ وہ شرع میں ثابت ہوں پس خدائے تعالی کو دلیل کے ساتھ پہچاننا حرام کہاں سے ہوا اور اگر علم کلام میں یہ خرابی ہی کہ اسکا انجام شور و شغب اور تعصب اور عداوت اور کینہ ہی تو یہ بیشک حرام ہی اس سے بچنا واجب ہی جیسے کہ علم حدیث اور تفسیر اور فقہ کے جاننے سے بعض لوگون کو کبر اور عجب اور غرور اور طلب ریاست ہو جاتی ہی کہ انکی بھی حرمت میں کچھ شک نہیں اور اُس سے احتراز کرنا واجب مگر علم سے منع کرنا نہ چاہیے اس خیال سے کہ انجام کو یہ خرابی اس سے ہوگی اور دلیل کا ذکر کرنا اور اُسکا طلب کرنا اور اُسکے حال سے بحث کرنی ممنوع کیسے ہو سکتی ہی کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہی قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین اور فرمایا لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ اور فرمایا قل ہل عندکم من علم فتخرجوہ لنا اور فرمایا ان عندکم من سلطان بہذا یعنی اسکی کچھ حجت اور برہان بھی ہی اور فرمایا قل فللہ الحجۃ البالغۃ اور فرمایا الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ ان اتاہ اللہ الملک یہانتک کہ فرمایا فبہت الذی کفر اس آیت میں اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کا حجت کرنا اور جدل کرنا اور دشمن کو ساکت کر دینا تعریف کے طور پر ارشاد فرمایا اور فرمایا وتلک حجتنا اتینٰہا ابراہیم علی قومہ اور فرمایا قالوا یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا اور فرعون کے قصے میں ارشاد فرمایا وما رب العالمین یہاں تک کہ کہا اولو جئتک بشیء مبین غرض یہ کہ قرآن مجید اول سے آخر تک کفار کے ساتھ حجتیں ہیں چنانچہ عمدہ دلیل متکلموں کی توحید میں یہ آیت ہی لو کان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا اور نبوت کے باب میں یہ آیت ہی وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ اور حشر میں اٹھنے کے باب میں یہ آیت ہی قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ اور سوا انکے اور آیتیں اور دلیلیں ہیں اور ہمیشہ سے رسول صلوٰت اللہ علیہم منکرون سے لڑتے اور جھگڑتے جدال و حجت کرتے آئے ہیں اللہ تعالی فرماتا ہی وجادلہم بالتی ہی احسن اور صحابہ بھی منکروں سے حجت اور جدال کیا کرتے تھے مگر حاجت کے وقت کرتے تھے اور اُنکے وقت میں حاجت کم تھی اور سب سے اول مدعیوں سے حضرت علیؓ نے مجادلہ کا ڈھنگ ڈالا کہ حضرت ابن عباسؓ کو خارجیوں سے بحث کرنے کو بھیجا اور انھوں نے اُنسے یہ تقریر کی کہ تم اپنے امام کی عقوبت کے خواہاں کیوں ہو انھوں نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ اُنسے قتال کیا اور قیدی اور غنیمت ہمکو نہیں دی حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ امر کفار کی لڑائی میں ہوتا ہی بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر حضرت عایشہؓ جمل کے روز کی لڑائی میں قید ہو جاتیں اور وہ تم میں سے کسی کے حصے میں پڑتیں تو کیا تم اُنسے وہی معاملہ رکھتے جو اپنی لونڈیوں سے کرتے ہو حالانکہ وہ نص قرآنی کی رو سے تمھاری ماں ہیں خارجیوں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کبھی نہوتا غرض کہ اس مجادلے سے وہ ہزار آدمی آپکی اطاعت میں آگئے اور مروی ہی کہ حضرت حسنؓ نے ایک شخص تقدیر کے منکر سے مناظرہ کیا اور وہ اپنے مذہب سے تائب ہوا اور حضرت علیؓ نے ایک قدریہ سے مناظرہ کیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یزید بن عمیرہ سے ایمان کے باب میں مناظرہ کیا اور اسمین یہ فرمایا کہ اگر تم یہ کہو کہ میں ایماندار ہون تو یہ ضرور ہی کہ کہو کہ میں جنت میں جاؤنگا یزید بن عمیرہ نے کہا کہ اے صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپکی خطا ہی ایمان تو اسی کا نام ہی کہ ہم اللہ پر اور اُسکے فرشتون اور کتابوں اور رسولون پر اور مرنے کے بعد اُٹھنے اور وزن اعمال پر ایمان لاویں

اس شخص کے ساتھ کہ شک میں پڑ گیا ہو اسلیے کہ شک کا دور کرنا نرمی اور وعظ اور ان دلیلوں سے چاہیے جو فہم سے قریب اور مقبول
اور کلام کے مشکلات سے بعید ہوں اور جدل کو غایت درجہ تک پہونچانا صرف ایک جگہ میں مفید ہے اور وہ یہ صورت ہے کہ کسی عامی
نے ایک قسم کا جدل سیکھ کر مثلاً بدعت کا اعتقاد کر لیا ہو تو اس جدل کا مقابلہ اسی جیسے جدل سے کیا جاوے تاکہ عامی مذکور اعتقاد حق کی
طرف پھر آوے اور یہ ایسے شخص کے حق میں ہوگا جسکا حال یہ معلوم ہو کہ وعظ اور عام تحویلات پر قانع ہو کر مجادلے سے انس رکھتا ہے
اسلیے کہ اسکی نوبت ایسی حالت پر آگئی ہے کہ بدون جدل کے علاج کے اور تدبیر اسکو مفید ہوگی تو ایسے کو جدل بتانا مضائقہ نہیں اور
یہ امر ان شہروں میں ہے کہ بدعت کم ہو اور مذہب آپس میں مختلف ہوں تو ایسے شہروں میں اول انھیں اعتقادات کے بیان پر اکتفا کرنی
چاہیے جو ہمنے ذکر کیے ہیں اور دلیلوں کے درپے ہونا نہ چاہیے اور شبہہ پڑنے کا منتظر رہنا چاہیے جب کوئی شبہہ واقع ہو تو بقدر حاجت
اسکا دور کر دینا چاہیے اور اگر بدعت پھیلی ہوئی ہو اور خوف ہو کہ کہیں لڑکے فریب میں نہ آجاویں تو ایسے وقت میں اسقدر دلائل جو ہمنے
اپنے رسالہ قدسیہ میں بیان کیے ہیں لڑکوں کو سکھا دینے کا مضائقہ نہیں کہ اُسکے سبب سے بدعتوں کے مجادلوں کی تاثیر سے بچے رہیں
اور یہ مقدار دلائل کی مختصر ہے اور چونکہ وہ رسالہ بھی مختصر ہے اسلیے ہمنے اُسکو اس میں درج کیا ہے پس اگر مبتدی صاحب ذکا ہو اور اپنی طبیعت
کی تیزی سے سوال کی جگہ پر واقف ہو جاوے یا اسکے دل میں شبہہ اُٹھ کھڑا ہو تو ایک پرخطر روگ پیدا ہوا اب جائز ہوا کہ اس مقدار تک
ترقی کی جاوے جسکو ہمنے اقتصاد فی الاعتقاد میں مذکور کیا ہے اور وہ بقدر چھ سات جزوں کے ہوگی اسمیں قواعد عقائد کے اور مباحثہ
متکلمین وغیرہ کے سوا اور طرف نظر نہیں پس اگر یہ کتاب اُسکو کافی ہوئے تو استاد اور کچھ اس فن میں اُسکو نہ سکھاوے اور اگر اسپر وہ قانع
نہو تو روگ بُرا ہو گیا اور مرض بڑھ گیا اب اُستاد کو حتی الوسع اُسکے ساتھ نرمی رکھنی چاہیے اور انتظار کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے
کوئی تنبیہ کرکے اسپر امر حق کو واضح کر دیتا ہے یا وہ شک پر اور شبہہ پر اصرار کرکے کردنی خویش آمدنی پیش کا مصداق بنا چاہتا ہے کیونکہ جسقدر
مضمون کو کتاب اقتصاد جو اور اسی جیسی تصنیف شامل ہے اسقدر سے توقع ہے کہ مفید ہو باقی مضامین جو علم کلام میں ہیں اور احاطۂ نفع
سے خارج وہ دو قسم ہیں ایک تو وہ کہ قواعد کے عقائد کے سوا اور امور ہوں جیسے اعتمادات یعنی اسباب و علل اور ادراکات یعنی علوم و قوی
اور اکوان یعنی موجودات کے حال سے بحث کرنی اور اس بات میں خوض کرنا کہ آیا رویت کے مخالف کا نام منع ہے یا سیاتی ہے اور غیر مرئی
چیزوں کے لیے ہر ایک ہی منع ہے یا جتنی چیزیں کہ انکی رویت ممکن ہے اُنکے لیے موافق اُنکے شمار کے منع ثابت ہے جیسے عصریات کی بحث
ہوتی ہے اور سوا اُنکے اور اسی طرح کی واہیات گمراہ کرنے والی ہیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ عین انھیں قواعد عقائد کی دلیلوں میں بہت
سی تقریر اور زیادہ سوال جواب کیے جاویں اسطرح پر بھی تقریر کو غایت درجہ پر پہونچانا ایسے شخص کے حق میں جو اس قدر پر قانع ہو گمراہی
اور جہالت کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں کرتا اسلیے کہ بہت سے کلام اسطرح کے ہیں کہ طول دینے اور بڑھانے سے اسمیں رقت ہو جاتی ہے
اور اگر کوئی یوں کہے کہ ادراکات اور اعتمادات کی حکمتوں کے حالات بیان کرنے سے دلوں کے تیز ہو جانے کا فائدہ ہے اور دل
دین کا آلہ ہے جیسے تلوار جہاد کا آلہ ہے تو دل کے تیز کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں تو یہ قول اُسکا ایسا ہوگا جیسے یوں کہے کہ شطرنج کا کھیلنا
دل کی تیزی کے لیے ہے تو وہ کھیل بھی دین میں سے ہے غرض کہ اس طرح کا حیلہ ایک خیال خام ہے شریعت کے جتنے علوم ہیں اُن سب
سے دل کو تیزی ہوتی ہے اور اُنمیں سے کسی میں کسی طرح کے ضرر کا خوف نہیں۔ اس تقریر سے تمکو علم کلام میں سے جسقدر محمود ہے
اور جسقدر بُری ہے معلوم ہو گئی اور وہ حال بھی دریافت ہو گیا جسمیں کہ مذمت اور تعریف کلام کی ہوتی ہے اور جسکو وہ مفید ہے اور جسکو
مضر ہے اُسکی تفصیل بھی واضح ہو گئی۔ اب اگر یہ کہو کہ ایسکا تو تم اقرار کر چکے کہ بدعتیوں کے دفع کرنے کے لیے علم کلام کی طرف حاجت
ہے اور اس زمانے میں بدعتیں بہت ہو گئیں اور یہ مصیبت عام ہو گئی اور اسکی حاجت نہایت قوی ہے تو ضرور ہے کہ اس علم کا جاننا فرض

مگر یہ ضرر اسی تعصب کی وجہ سے ہوتا ہے جو جدل کے باعث ہیجان میں آتا ہے اور اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ عامی بدعتی کا اعتقاد نرمی سے بہت
جلد زائل ہو سکتا ہے لیکن جس صورت میں کہ اسکا نشوونما ایسے شہر میں ہو جس میں جدل و تعصب ہوتے تو اگر اسکے اگلے پچھلے سب اسپر متفق ہو کر
آویں تب بھی اسکے سینے سے بدعت نہ نکال سکینگے بلکہ خواہش نفس اور تعصب اور بغض جدل کرنے والوں اور فرقہ مخالف کی خصومت
اسکے دلپر ایسی غالب ہوتی ہے کہ حق بات کے ادراک سے اسکو باز رکھتی ہے یہانتک کہ اگر اس سے کہا جاوے کہ تمکو یہ منظور ہے یا نہیں کہ اللہ تعالے
تمہارے سامنے سے پردہ دور کردے اور تم آنکھوں سے دیکھ لو کہ امر حق طرف ثانی کی طرف ہے تو وہ اس امر کو اس نظر سے برا جانیگا کہ اس سے
طرف ثانی کو خوشی ہوگی اور یہ بڑا روگ اور مرض ہے جو شہروں اور بندوں میں پھیل گیا ہے اور یہ ایک قسم کا فساد ہے جسکو جدل کرنے والوں نے
تعصب کی جہت سے برپا کیا ہے پس یہ تو علم کلام کا ضرر ہے اور فائدہ اس علم کا یہی گمان میں آتا ہے کہ حقیقتوں کا منکشف ہونا اور انکی ماہیت
اصلی کا پہچاننا ہے لیکن واقعی یہ ہے کہ کلام میں یہ مطلب شریف نہیں غالباً کشف حقیقت اور معرفت ماہیت کی نسبت کر خبط میں ڈالنا اور گمراہی
زیادہ ہوتی ہے اور اس بات کو اگر تمہارے سامنے کوئی محدث یا حشوی لائے گا تب تو تم اپنے دل میں یہ کہوگے کہ چونکہ یہ اس علم سے ناواقف ہیں
اور آدمی جس چیز کو نہیں جانتا اسکا دشمن ہوا کرتا ہے اس لیے برا کہتے ہیں لیکن اسکو ہم سے سنو کہ ہمنے اس علم کا خوب امتحان کیا اور اسکے
اقصے غایت تک پہونچے اور جو علم اس سے مناسبت رکھتے تھے ان میں بھی خوب مہارت پیدا کی مگر بعد کو یہی پایا کہ اس علم کے ذریعہ سے
معرفت حقائق کی راہ مسدود ہے اور اسی وجہ سے اس علم سے ہمکو نفرت ہوگئی ہاں اسمیں کچھ شک نہیں کہ بعض امور کے انکشاف اور وضوح
سے علم کلام خالی نہیں مگر یہ بات بہت کم ہے اور ایسے امور ظاہر میں ہوتی ہے کہ فن کلام میں غور کرنے سے بھی غالباً وہ سمجھ میں آجاویں
تو اس نفع کا تو کچھ اعتبار نہیں بلکہ علم کلام کا نفع صرف ایک بات ہے یعنی جس عقیدہ کو ہم نے بیان کیا ہے اس علم کے ذریعے سے اسکی
حفاظت عوام پر منصور ہے اور بدعتیوں کے شک و شبہہ ڈالنے سے اور جدل کرنے سے بچاؤ اسکا ہو سکتا ہے اسلیے کہ عامی آدمی ضعیف ہوتا ہے
بدعتی کا جدل اسکو گھیر لیتا ہے پس وہ بیچارہ کلام کی جہت سے اسکا مقابلہ کرسکتا ہے گویا یہ مقابلہ فاسد بات کا فاسد بات سے ہے مگر پھر بھی اسکے
اعتراض کو ہٹا دیتا ہے اور آدمیوں کے واسطے وہی عقیدہ عبادت شمار کیا جاتا ہے جسکو ہم لکھ چکے ہیں اسلیے کہ وہ شریعت میں وارد ہے
بدیں لحاظ کہ اسمیں خوبی انکے دین و دنیا کی ہے اور سلف صالح نے اسی پر اجماع کیا ہے اور علما کے لیے اسکی حفاظت عوام کے حق میں
بدعتیوں کے دھوکوں سے کرنی داخل عبادت ہے جیسے سلاطین کے واسطے انکے مالوں کو ظالموں اور غاصبوں کی لوٹ کھسوٹ سے
بچانا امر ثواب ہے سو جب اس علم کا فائدہ اور ضرر معلوم ہو چکا تو علما کو چاہیے کہ جیسے طبیب حاذق دوائے پر خطر کو استعمال کرتے ہیں اور بدوں
اسکے محل اور حاجت کے استعمال نہیں کرتے اسی طرح علم کلام کو بھی بوقت حاجت اور بقدر حاجت استعمال کریں اور اسکی تفصیل یہ ہے
کہ عوام جو اپنے پیشوں اور حرفوں میں مشغول ہیں انکو واجب ہے کہ جو عقیدے انھوں نے سیکھے ہیں انھیں پر چھوڑ دیے جاویں بشرطیکہ عقائد
حق طور پر ہوں جیسے ہمنے لکھے ہیں اسلیے کہ ایسے لوگوں کو کلام کا سکھلانا انکے حق میں ضرر محض ہے کیونکہ اکثر انکو شک اکھڑا ہوتا ہے اور اعتقاد
جنبش کرتا جاتا ہے اور بعد کو اسکا برپا رہنا اصلاح سے ممکن نہیں ہوتا اور جو عامی کہ معتقد بدعت کا ہو اسکو امر حق کی طرف نرمی کے طور پر کلام
لطیف سے بلانا چاہیے اور ایسی گفتگو اسکے آگے کرنی چاہیے جس سے نفس کو قناعت اور دل میں تاثیر ہو اور دلائل قرآن مجید اور حدیث
کے ڈھنگ کے قریب ہو اور کسیقدر اسمیں نصیحت اور تخویف بھی ملی ہوئی ہو تعصب کی راہ سے سمجھانا نہ چاہیے کیونکہ اسکے حق میں
جدل کی بنسبت کہ نرمی اور نصیحت ہی زیادہ کارآمد ہے اسلیے کہ عامی جب متکلموں کی شرط کے موجب جدل سنیگا تو اسکو یہ اعتقاد ہوگا
کہ یہ ایک فن مناظرہ کا ہے جسکو طرف ثانی نے سیکھا ہے تاکہ بتدریج لوگوں کو اپنے اعتقاد کی طرف کھینچے اور اگر جواب سے عاجز ہوگا تو فرض
کریگا کہ میرے مذہب والے بھی اسکا دفعیہ کر سکتے ہونگے پس ایسے آدمی کے ساتھ اور اول کے ساتھ جدل حرام ہے اور اسی طرح

حق کو مطلوب کے سوا ہر ایک دنیاوی شغل سے خالی رکھنے سے واضح ہوتے ہیں اور یہ بات بحث نہیں کہ شریعت کے مخالف ہوا اسلیے کہ
شریعت کا ظاہر اور باطن دو نہیں اُسکا تو ظاہر اور باطن ایک ہی ہو تو اُسکا جواب یہ ہو کہ ان علوم کا دو قسم ہونا یعنی پوشیدہ اور ظاہر ہونا ایسا ہو
کہ کوئی عاقل اُسکا انکار نہ کریگا اسکا انکار وہی لوگ کم ہمت کرتے ہیں جنھوں نے لڑکپن میں کوئی چیز سیکھی اور اُسی پر جم گئے اور بلندی کی عادت
اور علما اور اولیا کے درجات پر ترقی نہ کی دربارہ علوم کا منقسم ہونا دو قسموں مذکور پر شرع کی دلیلوں سے ظاہر ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں ان للقرآن ظاہرا وباطنا وحدا ومطلعا اور حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہاں علوم بہت سے ہیں لیکن
انکے یاد کرنے والے مجھے ملیں نہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیا کو حکم ہو کہ لوگوں سے انکی عقلوں کے موافق کلام کریں
اور فرمایا کہ تمنے کسی قوم سے ایسی حدیث بیان کی جسکو انکی عقل نہ پہونچی تو وہ اُنکے لیے فتنہ ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہو وتلک الامثال نضربها للناس
وما یعقلها الا العالمون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض علم مثل ڈھنکوں کے ہو کہ اُسکو بجز خدا تعالیٰ کے جاننے والوں کے
اور کوئی نہیں جانتا آخر حدیث تک جیسا کہ باب العلم میں ہم اُسکو لکھ آئے ہیں اور فرمایا لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا اب مجھکو کوئی
بتادے کہ اگر یہ امر راز نہ تھا تو لوگوں کے ادراک کے قصور کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ اُسکے بتانے سے کیوں رک رہے اور صحابہؓ پر
اُسکا افشا کیوں نہ فرمایا اسمیں تو کچھ شک ہی نہیں کہ اگر آپ اُنسے ذکر فرماتے تو وہ اُسکی تصدیق ضرور کرتے اور حضرت ابن عباسؓ نے اس
آیت کے باب میں ارشاد فرمایا اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن کہ اگر میں اُسکی تفسیر کروں تو تم مجھکو سنگسار
کردو اور ایک روایت میں یہ ہو کہ تم مجھکو کافر بتاؤ۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم کے ظرف
یعنی محل یاد کیے ہیں ایک تو میں نے لوگوں میں منتشر کردیا اور اگر دوسرے کو منتشر کروں تو میرے یہ گلے کی نری کٹ جاوے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ تم پر روزوں اور نماز کی زیادتی سے افضل نہیں ہوا بلکہ ایک راز کی وجہ سے جو اُسکے سینے میں ڈالا گیا ہو
اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ راز دین کے قواعد کے متعلق تھا اُنسے خارج نہ تھا اور جو بات کہ قواعد دین میں سے ہوتی ہو وہ اپنے ظاہر کے اعتبار
سے دوسری چیز کی نسبت کہ پوشیدہ نہیں ہوتی ہو۔ اور سہل تستری فرماتے ہیں کہ عالم کے لیے تین علم ہوتے ہیں ایک علم ظاہر جسکو وہ ظاہر
والوں کو دیتا ہو اور ایک علم باطن کہ اُسکا مصدر نہیں کہ سوائے اُسکے اہل کے اور کسی کے سامنے اُسکو ظاہر کرے اور ایک وہ علم جو اُسکے
اور خدا تعالیٰ کے درمیان ہو اُسکو کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا اور بعض عارفوں نے ارشاد فرمایا ہو کہ ربوبیت کا راز کھولنا کفر ہو اور
بعضوں نے فرمایا ہو کہ ربوبیت کا ایک راز ہو اگر وہ ظاہر ہو جاوے تو نبوت بیکار ہو جاوے اور نبوت کا ایک راز ہو کہ اگر عیاں ہو تو علم بیکار
ہو جاوے اور خدا تعالیٰ کے جاننے والوں کا ایک راز ہو کہ اگر وہ اُسکو افشا کریں تو احکام بیکار ہو جاویں اس شخص نے اگر اپنے قول سے نبوت
کا بیکار ہونا ضعیفوں کے حق میں بوجہ اُنکے قصور فہم کے مراد نہیں لیا تو جو کچھ کہا ہو وہ ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہ ہو کہ اسمیں کچھ نقص نہیں اور
کامل وہی ہو جسکا نور معرفت نور ورع کو گل نہ کرے اور ورع کا مدرک نبوت ہو مسئلہ اگر تو پوچھے کہ ان آیات اور اخبار میں تاویلیں ہوا کرتی ہیں
تو ظاہر اور باطن کے اختلاف کی کیفیت کو بتانا چاہیے اسلیے کہ اگر باطن ظاہر کے خلاف ہو تب تو شریعت بیکار ہوئی جاتی ہو اور یہ اُن
لوگوں کا قول ہو جو کہتے ہیں کہ حقیقت خلاف شریعت کے ہو حالانکہ یہ قول کفر ہو اسلیے کہ شریعت ظاہر سے مراد ہو اور حقیقت باطن سے
پھر اگر باطن مخالف ظاہر کے نہیں تو باطن اور ظاہر دونوں ایک ہی ہیں اس سے تقسیم نہ رہیگی اور شریعت کا کوئی راز ایسا نہ ٹھہریگا جسکا
افشا نہ کیا جاوے پس اسکا جواب یہ ہو کہ یہ سوال ایک بڑے امر کی سلسلہ جنبانی کرتا ہو اور علوم مکاشفہ میں لے ڈالتا ہو اور علم معاملہ جو
ہمارا مقصود ہو اور ان باتوں میں ہمکو وہی بیان کرنا منظور ہو اس سے باہر کیے دیتا ہو کیونکہ جو عقائد ہمنے ذکر کیے ہیں وہ دلوں کے
اعمال سے متعلق ہیں اور ہمکو یہی حکم ہو کہ انکو قبول کرکے دل کو انکی تصدیق پر پکا کردیں اس بات کا امر نہیں کہ کسی ذریعہ سے اُسکی

کفایہ ہو جیسے اموال کی حفاظت اور عہدۂ قضا اور تولیت وغیرہ کا بجالانا ہو اور جبتک کہ علما اس علم کے پھیلانے اور تدریس اور بحث میں مشغول نہوں گے، وہ باقی کیسے رہیگا اور اگر بالکل اُسکو ترک کر دیا جاوے تو ظاہر ہو کہ نابود ہو جاویگا اور صرف طبیعتوں میں اتنا ماسکہ نہیں کہ بدعتیوں کے شبہہ کا حل کر دیا کریں جبتک کہ اس فن کو نہ سیکھیں اس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس فن کی تدریس اور بحث اس زمانہ میں فرض کفایہ ہو بخلاف زمانہ صحابہؓ کے کہ اس وقت میں اس علم کی طرف حاجت نہ تھی پس اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ واقع میں ہر ایک شہر میں اس علم کا جاننے والا ایک ہونا چاہیے کہ جو بدعتی اس شہر کے شبہہ کریں وہ انکو جواب دیا کرے اور یہ بات بدوں تعلیم کے ہمیشہ قائم نہ رہیگی لیکن ہماری غرض یہ ہو کہ اس علم کا علی العموم سکھانا اچھا نہیں جیسے فقہ اور تفسیر کی تحصیل ہوتی ہو کیونکہ فقہ اور تفسیر تو مثل غذا کے ہیں اور کلام مثل دوا کے ہو غذا کے ضرر کا خوف نہیں کیا جاتا اور دوا کا ضرر خوف کے قابل ہو چنانچہ ہم اسکے ضرر کے اقسام کو بیان کر چکے ہیں پس جو شخص اس علم کا عالم ہوا اسکو چاہیے کہ جس شخص میں تین خصلتیں پاوے خاص اُسی کو یہ علم سکھاوے اوّل یہ کہ سیکھنے والا علم ہی کی تحصیل کے لیے ہو اور اسی کا حریص ہو اسلیے کہ اگر طالب پیشہ ور ہوگا اور اپنے کام میں لگ جاویگا تو یہ شغل اسکو علم کی تکمیل اور شبہات کے دور کرنے کا مانع ہوگا جب کبھی اسکو شکوک پیش آویں دوسرے یہ کہ صاحب ذکا اور فطنت اور فصاحت ہو اسلیے کہ غبی آدمی کو اسکے سمجھنے سے فائدہ نہوگا اور بے لگیڈ سے تقریر کرنے والے کی بحث کچھ مفید نہیں ہوتی اسلیے اسکے حق میں کلام کے ضرر کا خوف ہو اور فائدہ کی توقع نہیں تیسرے یہ کہ اُسکی طبیعت میں صلاحیت اور دیانت اور تقوی ہو اور شہوتیں اُسپر غالب نہوں اسلیے کہ بدکار آدمی ادنی شبہہ سے دین سے علیحدہ ہو جاتا ہو اور جو آڑ کہ اُسمیں اور اُسکی لذتوں میں ہوتی ہو وہ اس شبہہ سے رفع ہو جاتی ہو تو اُسکو یہ خواہش نہیں ہوتی کہ شبہہ کو دور کیجیے بلکہ شبہہ کو غنیمت جانتا ہو کہ دین کی تکلیفات کی برداشت سے رہائی ملی تو ایسے آدمی سے جسقدر خرابی ظہور میں آتی ہو وہ اصلاح کی نسبت کہ زیادہ ہوتی اور جب تم ان قسموں کو معلوم کر چکے تو تمکو واضح ہوا ہوگا کہ علم کلام میں حجت مقدرہ وہی ہو جو قرآن کی حجتوں کی جنس سے ہو یعنی کلمات نرم اور دلوں میں تاثیر کرنے والے اور نفسوں کو قانع کرنے والے اُسمیں نہ لے جاویں ایسی تقسیمات اور دقیق باتوں کو اُسمیں دخل نہ دیا جاوے جسکو اکثر آدمی نہ سمجھیں اور اگر سمجھیں تو یہ اعتقاد کریں کہ یہ اس مقرر کا ایک شعبدہ اور ہنر ہو جسکو لوگوں کے دھوکا دینے کے لیے سیکھا ہو اور اگر کوئی اسی جیسا ہنر والا اسکے مقابلہ میں ہو تو اسکو زیادتی کچھ بھی نہو اور یہ بھی تمنے معلوم کر لیا ہوگا کہ امام شافعیؒ اور دوسرے اکابر سلف نے جو اس علم میں غوص کرنے اور اسی کے ہو رہنے سے منع فرمایا ہو تو اسکی وجہ وہی تھی کہ [illegible] وہ نقصان پائے جاتے ہیں جنپر ہم اشارہ کر آئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے جو خارجیوں کے ساتھ اور حضرت علیؓ سے تقدیر وغیرہ کے باب میں مناظرے منقول ہیں وہ کلام صاف اور ظاہر اور حاجت کے وقت میں تھے اور اس طرح کا مناظرہ ہر حال میں بہتر ہو ہاں ہر ایک زمانہ میں حاجت کی کمی بیشی میں اختلاف ہوا کرتا ہو تو کچھ بعید نہیں کہ اُسکی وجہ سے حکم بھی ہر زمانہ میں مختلف ہو۔ پھر جو عقیدہ خلق کے لیے عبادت مقرر ہوا ہو اُسکا حکم اور اُسکی طرف سے جھگڑنے اور اُسکے بچانے کا طور یہ ہو جو اوپر ذکر کیا مگر شبہہ کا دور کرنا اور حقیقتوں کا واضح ہونا اور اشیا کو جوں کی توں معلوم کرنا اور اس عقیدۂ حق کے الفاظ سے جو امور سمجھے جاتے ہیں اُسکے اسرار کو معلوم کرنا بجز اسکے میسر نہیں ہو سکتا کہ مجاہدہ کرے اور شہوات کو جڑ سے اُکھاڑے اور بالکل خدا تعالی کی طرف متوجہ ہو اور دل کے شائبہ سے اپنی فکر کو صاف کرکے اُسپر مداومت کرے اور یہ بات اللہ تعالی کی رحمت ہو جو شخص اُسکے درپے ہو اُسکو جتنا نصیب میں ہو اور موافق درپے ہونے کے اور موافق استعداد محل کے اور بموجب دل کی پاکی کے عنایت ہوتی ہو اور یہ وہ سمندر ہو جسکی نہ تہ اور معلوم ہو نہ کنارہ پر پہونچا جاوے۔ مسئلہ اگر کہو کہ تمہاری اس تقریر سے یہ بات پائی جاتی ہو کہ ان علوم کے معانی ظاہر ہیں اور اسرار ہیں اور بعض کھلی جلی ہیں کہ اول ہی معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض پوشیدہ ہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت اور طلب کامل اور فکر صاف اور

اور فہم اُسکے ادراک سے قاصر نہین مگر اُسکا ذکر کرنا اکثر سننے والوں کو ضرر کرتا ہے اور انبیا اور صدیقین کو مضر نہین راز تقدیر جسکے افشا سے نہی کی
گئی ہے وہ اسی قسم میں داخل ہے اور یہ کچھ بعید نہیں کہ بعض حقیقتوں کا ذکر بالعض خلق کو مضر ہو جیسے آفتاب کی روشنی شپرّون کے حق مین مضر
ہوتی ہے یا گلاب کی خوشبو گبریلے کو ضرر کرتی ہے دیکھو اگر ہم کہین کہ کفر اور زنا اور گناہ اور بدی سب خدا تعالی کے حکم اور ارادہ اور خواہش سے ہے
تو یہ بات فی نفسہ درست ہے مگر اسکا سننا بعض لوگوں کو مضر ہوا یعنی انکو اس بات سے یہ وہم ہوا کہ یہ امر کم عقلی پر دلالت کرتا ہے اور حکمت کے
خلاف اور بری بات پر راضی ہونا اور ظلم اس سے نکلتا ہے اور ابن راوندی اور دوسرے مردود اسی جیسے وہم سے ملحد ہوگئے۔ اور راز تقدیر
اگر افشا کیا جاوے تو اکثر لوگوں کو خدا تعالی کے عاجز ہونے کا وہم ہو جاوے کیونکہ جس بات سے کہ یہ وہم اُن کا دور ہو اُسکے سمجھنے
سے اُنکے فہم قاصر ہیں۔ اور اگر کوئی شخص یوں کہے کہ قیامت کی مدت اتنی ہے اور وہ بعد ہزار برس کے یا زیادہ خواہ کم کے ہوگی تو یہ مضمون سمجھ
مین آتا ہے مگر اُسکا ذکر بندوں کی مصلحت اور ضرر کے خوف سے نہیں کیا گیا کہ شاید اگر مدت بہت ہوتی اور لوگوں نے عذاب میں دیرگی
تو کچھ پروا نکریں گے اور اگر خدا تعالی کے علم میں قریب ہوتے اور ذکر کر دیئے جاتے تو خوف زیادہ ہوتا اور آدمی اعمال سے روگردان
ہو جاتے اور دنیا خراب ہوتی تو یہ تقریر اگر وجہ پکڑ جاوے اور درست ہو تو دوسری قسم کی ایک مثال ہو سکتی ہے **تیسری قسم** وہ ہے کہ اگر اُسکو
صریح ذکر کیا جاوے تو سمجھ میں آوے اور اسمیں کوئی ضرر بھی نہو مگر اُسکا ذکر بطور استعارہ اور اشارہ کے کیا جاتا ہے تاکہ اُسکا اثر سننے والے
کے دل میں زیادہ ہو اور مصلحت اسمیں یہی ہو کہ اُس بات کا اثر زیادہ ہو مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں نے فلان شخص کو دیکھا کہ خوکوں کی گردن
میں موتیوں کا ہار ڈالتا ہے تو اُسنے اس قول میں اشارہ کیا کہ علم اور حکمت نااہلوں کو سکھاتا ہے پس سننے والا کبھی اُسکے ظاہر ہی معنی سمجھیگا اور
محقق جب دیکھیگا اور جانیگا کہ اُس شخص کے پاس نہ موتی تھے اور نہ اُسکے مسکن میں خوک ہے تو وہ راز باطن کو سمجھ جاویگا اور اس بات میں
آدمی مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح کا مضمون اس قطعہ میں کسی شاعر نے کہا ہے قطعہ خیاطا اور اُسکے مقابل سپید باف ❊ دونوں یہ کام
کرتے ہیں بالاے آسمان ❊ بنتا ہے ایک خرقہ مدبر کو دائما ❊ سیتا دوم ہے جامہ مُقبل کو جاودان ❊ اس قطعہ میں شاعر نے سبب آسمانی کو
اقبال اور ادبار کے باب میں دو شخصوں کاریگر سے تعبیر کیا ہے۔ غرضکہ اس قسم کا مآل یہ ہے کہ معنی کو اُس صورت میں بیان کریں کہ خود ہی معنی
اُسمیں پائے جاویں یا اسطرح کے ہوں اور اسی قسم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ مسجد ریٹ سے ایسی سکڑتی ہے جیسے
کھال آگ پر سکڑتی ہے اور تمکو معلوم ہے کہ مسجد کا صحن ظاہر میں ریٹ سے نہیں سکڑتا بلکہ یہ معنی ہیں کہ مسجد کی روح بزرگ اور قابل تعظیم ہے اور اُسمیں
ریٹ کا ڈالنا اُسکی حقارت کرنی ہے اور مسجدیت کے خلاف ہے جیسے آگ کھال کے اجزا کے خلاف ہے اور اسی طرح یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس حمار اور یہ امر ظاہر میں تو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا مگر معنوں کی راہ سے ہوا کرتا ہے
یعنی گدھے کا سا سر رنگ اور شکل میں نہیں ہوتا بلکہ خاصیت میں یعنی بیوقوفی اور کم ذہنی میں ہو جاتا ہے کہ جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا
تو بیوقوفی اور احمقاپن میں اُسکا سر گدھے کا سا ہو گیا اور یہی مقصود ہے صورت مقصود نہیں وہ تو معنوں کا سانچا ہوتی ہے اور اُسکی بیوقوفی
کی وجہ یہ ہے کہ امام کا اقتدا بھی کرتا ہے اور اُس سے آگے بھی بڑھتا ہے تو نہایت حمق ہے کہ دو باتیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں اُنکو جمع
کرتا ہے۔ اور اس راز کا خلاف ظاہر ہونا یا تو دلیل عقلی سے معلوم ہوتا ہے یا دلیل شرعی سے عقلی تو اس طرح ہے کہ حقیقی معنی پر اُسکا حمل
کرنا ممکن نہو جیسے اس حدیث شریف میں قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمن کیونکہ اگر بالفرض ہم مومنوں کے دلوں کو تلاش
کریں تو انمیں انگلیاں نہونگی اس سے جانا گیا کہ انگلیوں سے اشارہ قدرت سے ہے جو انگلیوں کا سرّ اور روح مخفی ہے اور قدرت سے انگلیون
کے ساتھ اس وجہ سے کنایہ فرمایا کہ اقتدار تام کے سمجھانے میں انکو بڑا اثر ہے جیسے کہتے ہیں کہ یہ چیز یا آدمی یا کام ہماری چٹکی میں ہے۔ اور اسی
قبیل سے ہے قدرت سے کنایہ کرنا اس آیت میں انما قولنا لشیء اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون کہ اسمیں ظاہر معنی نہین ہو سکتے کیونکہ

حقیقتوں کے کھلنے کے خواہاں ہوں اس بات کا حکم عام خلق کو نہیں ہوا اور اگر عقائد اعمال میں سے ہوتے تو ہم انکو اس کتاب میں درج نہ کرتے اور اگر
ظاہر دل کے متعلق ہوتے اُسکے باطن سے متعلق ہوتے تو اس کتاب کے نصف اول میں لکھتے کیونکہ حقیقت کا کھلنا دل کے باطن اور سرّ کی صفت ہے
مگر چونکہ ظاہر اور باطن کے خلاف ہونے کے باب میں تقریر کی نوبت آگئی اسلیے اس مشکل کے حل کرنے کے لیے کچھ مختصر تقریر کی ضرورت ہوئی جس شخص نے
یہ کہا ہے کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے یا باطن ظاہر کی نقیض ہے تو وہ ایمان کی نسبت کفر سے قریب ہے اصل یہ ہے کہ جو اسرار کہ صرف مقربوں کو معلوم ہوتے ہیں
اور انکے علم میں اکثر لوگ مقربوں کے شریک نہیں اور مقربین کو انکے افشا سے منع کر دیا گیا ہے وہ پانچ قسمیں ہیں قسم اول یہ ہے کہ وہ چیز بذات خود دقیق ہے جسکے
سمجھنے سے اکثر فہم عاجز ہوتے ہوں تو اُسکے ادراک کے لیے خواص لوگ مخصوص ہوتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ اُسکا افشا ایسے لوگوں پر نکریں جو اُسکے
اہل نہوں ورنہ اُسکا افشا ہونا انکے حق میں فتنہ ہوگا اس نظر سے اُنکے فہم اُسکے معلوم کرنے سے قاصر ہیں اور اسی قسم سے ہے راز روح کا مخفی رہنا
اور اُسکے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باز رہنا اسلیے کہ روح کی حقیقت اُن اشیا میں سے ہے کہ فہم اُسکے ادراک سے عاجز ہیں اور وہم
اُسکے تصور ماہیت سے قاصر اور یہ مت گمان کرنا کہ یہ حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واضح نہ تھی کیونکہ جو شخص روح کو نہ جانے گا وہ
گویا اپنے نفس سے واقف نہوگا اور جو اپنے نفس کو نجانے گا وہ اپنے رب کو کس طرح پہچانے گا اور یہ بھی بعید نہیں کہ روح کی حقیقت بعض
اولیا اور علما کو معلوم ہو جاوے گو وہ انبیا نہوں مگر چونکہ شریعت کے آداب کے پابند ہوتے ہیں اسلیے جس سے شرع نے سکوت کیا ہے اُس سے
وہ بھی سکوت کرتے ہیں بلکہ خداے تعالیٰ کی صفات میں بعض تھا اس طرح کے ہیں کہ عوام کی سمجھ اُس کے ادراک سے قاصر ہوتی ہیں اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنمیں سے صرف ظاہر کو ذکر کر دیا مثلاً علم و قدرت وغیرہ کو ایسی طرح بیان فرمایا کہ خلق نے اپنے علم و قدرت
کے ساتھ انکی مشابہت وہم کر کے سمجھ لیا کیونکہ اُن میں جو اوصاف مسمی بعلم و قدرت تھے اُنھوں نے ایک قسم کے قیاس سے اُسکے علم و قدرت
کو وہم کر لیا اور اگر خداے تعالیٰ کے صفات میں سے ایسے ذکر کیے جاویں جنکے مناسب اور مشابہ خلق میں نہ پائے جاویں تو اُسکو نہ سمجھینگے بلکہ
جماع کی لذت کو اگر لڑکے اور نامرد کے سامنے ذکر کیا جاوے تو وہ دونوں اُسکو کھانے کی چیز کی مناسبت سے سمجھینگے اور اس طرح کی سمجھ اصلی
طور پر ہوگی اور جو فرق کہ کھانے اور جماع کی لذت میں ہے اُس سے کہیں زیادہ تفاوت خلق کے علم و قدرت اور خداے تعالیٰ کے علم و قدرت
میں ہے۔ حاصل یہ کہ انسان بجز اپنے نفس اور اپنے ایسے صفات کے جو اُسکو اسوقت حاصل ہیں اور چیز کا ادراک نہیں کرتا یا کوئی صفت اُسکو
پہلے حاصل تھی اُسکے قیاس سے دوسری چیز کو سمجھتا ہے پھر کبھی اسکو مانتا ہے کہ میری صفت اور دوسری صفت میں شرف اور کمال کی رو سے
فرق ہے مثلاً آدمی کی طاقت میں صرف اتنی ہی بات ہے کہ خداے تعالیٰ کے لیے وہ باتیں ثابت کرے جو کہ اُسمیں خود موجود ہیں یعنی فعل اور
علم اور قدرت اور ارادہ وغیرہ اور اس بات کی تصدیق کرے کہ اُسکے یہ صفات کامل تر اور اشرف ہیں غرضکہ انسان کی بڑی دوڑ یہی ہے کہ
اپنے صفات کے گرد پھرا کرے اور جس بزرگی اور جلال کے ساتھ خداے تعالیٰ خاص ہے اُس تک رسائی ہو اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اِسکے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ میں نے معلوم کیا ہے اُسکے بیان کرنے سے
عاجز ہوں بلکہ یہ مراد ہے کہ اُسکے جلال کے ادراک سے قصور کا مقر ہوں۔ اور اسی لیے کسی عارف نے کہا ہے کہ حقیقت کے ساتھ خداے تعالیٰ کو
بجز اُسکی ذات پاک کے اور کسی نے نہیں پہچانا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ارشاد فرمایا کہ شکر ہے اُس خدا کا جسنے خلق کے واسطے اپنی معرفت
کی سبیل سوائے معرفت سے عاجز رہنے کے اور کچھ نہیں مقرر کی۔ اب ہم شدید قلم کی باگ اُس طرف سے روک کر غرض کی طرف متوجہ
ہوتے ہیں کہ پوشیدہ امور میں سے ایک قسم وہ ہے جسکے ادراک سے فہم عاجز ہوں اور اسی قسم میں سے روح اور بعض اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور اغلب ہے
اور غالباً اسی جیسے بات کی طرف اشارہ ہے اُس حدیث شریف میں کہ ان للہ سبحانہ سبعین حجابا من نور لو کشفھا لاحرقت سبحات وجھہ کل من
ادرکہ بصرہ دوسری قسم پوشیدہ امور میں سے جنکے ذکر سے انبیا اور صدیقین باز رہتے ہیں وہ باتیں ہیں کہ بذات خود سمجھ میں آتی ہیں

حال سے انکی شہادت مراد ہوتی ہے اسی طرح جتنی چیزیں ہیں وہ اپنی ذات سے ایجاد کرنے والے کی محتاج ہیں جو انکو پیدا کرکے باقی رکھے
اور انکے اوصاف کو قائم رکھے اور ہر حال میں انکو بدلتا رہے تو وہ اپنی حاجت کی جہت سے اپنے خالق کی پاکی پڑھتا ہیں اور انکی شہادت اہل
بصیرت کو معلوم ہوتی ہے نہ ان لوگوں کو جو ظاہر پر ٹھیرے ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے اللہ تعالی نے فرمایا ولکن لا تفقہون تسبیحہم اور جنکے سمع ہیں
قصور ہو وہ تو بالکل ہی نہیں سمجھتے مگر مقربین اور علماء راسخ اپنی اپنی عقل اور بصیرت کے موافق سمجھتے ہیں انکی ماہیت اور کمال کو وہ بھی نہیں
سمجھتے اسلیے کہ ہر چیز میں اللہ تعالی کی تقدیس اور تسبیح پر بہت سی شہادتیں ہیں شعر ہزار نکتہ باریکتر زمو اینجاست ٭ نہ ہر کہ مو بتراشد قلندری
داند تعداد ان شہادتوں کی علم معاملہ میں بیان کرنی زیبا نہیں حاصل یہ کہ یہ فرق بھی ان چیزوں میں سے ہے جنکے علم میں اصحاب ظواہر اور ارباب
بصائر مختلف ہیں اور جیسے باطن کا جدا ہونا ظاہر سے پایا جاتا ہے اور اس مقام میں صاحبان مقامات کو زیادتی اور میانہ روی ہو تو جیسے زیادتی کی
طرف یہانتک ڈھلے کہ سب الفاظ ظاہر یا اکثر کو بدل ڈالا حتی کہ آخرت میں جو امور ہونگے انکو بھی کہتے ہیں کہ زبان حال سے ہونگے مثلاً اللہ
تعالی کا ارشاد وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون اور یہ ارشاد قالوا لجلودہم لم شہدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء اور اسی طرح
جو خطاب جو منکر نکیر سے ہونگے اور میزان اور پل صراط اور حساب میں اور دوزخیوں کے اور جنتیوں کے مناظرے اور دوزخیوں کا انسے استدعا
کرنا کہ پانی یا جو کچھ تمکو خدا تعالی نے دیا ہے ہمکو دو ان سکو زبان حال ہی سے کہتے ہیں۔ اور دوسروں نے یہ مبالغہ کیا کہ تاویل کو بالکل اٹھا دیا
جن میں سے امام احمد بن حنبل ہیں یہانتک کہ اللہ تعالی کے ارشاد کن فیکون میں بھی تاویل کو منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خطاب حرف
آواز سے اللہ تعالی کی جانب سے ہر لحظہ موافق شمار ہونے والی چیزوں کے ہوتا رہتا ہے حتی کہ میں نے انکے بعض شاگردوں سے سنا ہے
آپ نے بجز تین جگہ کے اور جگہ سے تاویل اٹھا دی ہے اور وہ تین جگہ یہ ہیں اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد الحجر الاسود یمین اللہ فی ارضہ
دوم یہ حدیث قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمن تیسری یہ حدیث انی لاجد نفس الرحمن من جانب الیمن انکے سوا اوروں میں تاویل نہیں
کرتے اور تاویل کے دور کرنے کی طرف اصحاب ظواہر نے بھی میل کیا ہے اور امام احمد پر گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ قطعاً جانتے ہونگے کہ استواء سے
مراد ٹھیرنا نہیں اور نہ نزول سے غرض نقل مکانی ہے مگر تاویل کے دور کرنے کے لیے انھوں نے تاویل سے منع فرمایا کہ خلق کی بہتری کی رعایت
ہی ہے کیونکہ اگر باب تاویل مفتوح ہو تو کام ہاتھ سے نکل جائے اور اختیاری کا سنبھالنا مشکل پڑے اور میانہ روی کی حد سے تجاوز کرجاوے اسلیے
میانہ روی کی حد کا کوئی ضابطہ مقرر نہیں کہ اس تک بس کیجاوے پس ایسی صورت میں تاویل سے منع کرنے کا مضائقہ نہیں اور سلف کی سیرت
بھی اسی کی شاہد ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ان امور کو جس طرح آتے ہیں اسی طرح رہنے دو یہانتک کہ جب حضرت امام مالکؒ سے کسی نے
استوا کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ استواء کے معنی تو معلوم ہی ہیں اور کیفیت مجہول ہے اور ایمان اسپر واجب ہے اور اسکا حال پوچھنا بدعت ہے اور
بعض لوگوں نے میانہ روی کی طرف میل کیا ہے اور جو امور کہ صفات الہی سے متعلق ہیں انہیں تاویل کو دخل دیا ہے اور جو باتیں آخرت سے متعلق ہیں
انکو ظاہر لفظوں کے موجب چھوڑ کر تاویل سے منع کیا ہے یہ لوگ تابعین ابو الحسن اشعری کے ہیں اور معتزلوں نے یہ زیادتی کی کہ خدا تعالی کی صفات
میں سے رویت کی تاویل کی اور اسکے سمیع اور بصیر ہونے میں تاویل کی اور معراج میں تاویل کرکے کہا کہ جسم سے نہیں ہوئی اور عذاب قبر اور میزان
اور پل صراط اور تمام احکام آخرت میں تاویل کر ڈالی لیکن جسموں کے اٹھنے اور حشر ہونے کے اور جنت اور دوزخ کے مقر ہیں کہ جنت میں کھانے کی
اور پینے کی اور سونگھنے کی چیزیں اور نکاح اور جمیع محسوس لذتیں موجود ہیں اور دوزخ کا جسم محسوس ہے اور کھالوں کا جلاتا ہے اور چربیوں کا پگھلاتا ہے
اور ان لوگوں نے جو ترقی اس درجہ تک کی تو فلسفہ والے انسے بھی بڑھ گئے انھوں نے جتنی باتیں آخرت میں ہونگی سب کے معنی بدل دیے
اور اس بات کے قائل ہوئے کہ رنج اور لذتیں صرف عقلی اور روحانی ہونگی جسموں کا حشر ہوگا صرف نفس ہی باقی رہینگے اور انپر عذاب یا راحت
[illegible] ہونگے کہ حواس سے انکا ادراک نہ ہوگا اور یہ سب فرقے اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں امر حق اور میانہ روی کی حد تو یہ ہے کہ بالکل تاویل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کن چیز کے خطاب کے لیے اگر اُسکے وجود سے پہلے ہو تو محال ہو اسلیے کہ معدوم چیز خطاب نہیں سمجھتی اور اگر بعد وجود کے ہو تو اُسکو پیدا کرنے کی حاجت نہیں مگر چونکہ اسطرح کا کنایہ نہایت درجہ کے اقتدار کے سمجھانے میں بہت اثر رکھتا ہو اسلیے اس کنایہ کی طرف رجوع دیا اور دلیل شرعی اسطرح ہو کہ ظاہری مضمون پر اُسکا محمول کرنا ممکن ہو مگر شریعت میں مروی ہو کہ اس سے ظاہر کے سوا اور معنی مراد لیے گئے ہیں جیسے اس آیت کی تفسیر میں انزل من السماء ماء فسالت اودیۃ بقدرہا فاحتمل السیل زبدا رابیا الآیہ کہ یہاں پانی سے مراد قرآن ہو اور جنگلوں سے دل ہیں کہ بعضوں نے بہت سی قرآن کی برداشت کی اور بعضوں نے کم کی اور بعضوں نے بالکل نہ کی اور جھاگ سے مثال کفر اور نفاق کی فرمائی کہ اگرچہ وہ ظاہر اور پانی کے اوپر ہوتا ہو مگر اُسکو قیام نہیں اور ہدایت جو لوگوں کے کار آمد اور مفید ہو وہ ٹھہرتی ہو اور اس قسم میں بعضوں نے اتنا غوطہ لگایا کہ جو امور آخرت میں وارد ہوئے ہیں یعنی میزان اور پل صراط وغیرہ کو بھی تاویل کر لیا حالانکہ اُنکے معنی بدلنے بدعت ہیں کیونکہ شریعت سے بطریق روایت وہ معنی پہونچے نہیں اور ظاہر کے موجب اُنکا ہونا محال نہیں تو ظاہر پر اُنکا محمول کرنا واجب ہو چوتھی قسم یہ ہو کہ آدمی اول ایک چیز کو مجمل معلوم کرے پھر اُسکو مفصلاً تحقیق اور ذوق کے ساتھ ادراک کرے اسطرح کہ وہ شی اُسکا حال اور کیفیت لازم ہو جاوے تو ان دونوں علموں میں فرق ہوگا اور اول تو مثل پوست کے ہوگا اور دوسرا مثل مغز کے اور اول مثل ظاہر کے ہوگا اور دوسرا مثل باطن کے مثلاً کسی انسان کو اندھیرے میں یا فاصلہ سے ایک وجود دکھائی دیوے تو اُسکو اُسوقت کسی قدر علم ہوگا مگر جب اُسکو نزدیک سے یا اندھیرے کے دور ہونے کے بعد دیکھیگا تو پہلے علم میں اور اس علم میں فرق پاویگا لیکن یہ دوسرا علم اول کی ضد نہ ہوگا بلکہ اُسکا کامل کرنے والا ہوگا اسی طرح علم اور ایمان اور تصدیق کے حال کو سمجھنا چاہیے مثلاً آدمی کبھی عشق اور مرض اور موت کے وجود کی تصدیق کرتا ہو مگر جب آپ میں مبتلا ہوتا ہو تب اُنکا علم پہلے کی نسبت کہ زیادہ متحقق ہوتا ہو بلکہ انسان کے حالات شہوت اور عشق اور دوسری چیزوں میں تین طرح کے جدا جدا ہیں اور ہر ایک کا ادراک مختلف ہو اول تو اُس حال کو واقع ہونے سے پیشتر معلوم کرنا دوم واقع ہونے کے وقت اُسکی تصدیق کرنی سوم بعد اُسکے گذر جانے کے ادراک کرنا مثلاً بھوک کا ادراک اگر بعد جاتے رہنے کے کرو تو وہ اُس ادراک کے علیحدہ ہوگا جو زوال گرسنگی سے پیشتر تھا پس یہی حال علوم دینی کا ہو کہ بعض علوم ذوق ہو کر کامل ہو جاتے ہیں اور پہلے کی نسبت کہ مثل باطن کے ہوتے ہیں مثلاً اگر بیمار آدمی کو تندرستی کا علم ہو اور تندرست کو بھی ہو تو دونوں کے علم میں بہت فرق ہو غرض کہ ان چاروں قسموں کی اشیا میں خلق کم و بیش ہوتی ہو اور اُنمیں سے کسی میں باطن ظاہر کے خلاف نہیں بلکہ اُسکا متمم اور مکمل ہو جیسے مغز پوست کا مکمل ہوتا ہو پانچوین قسم یہ ہو کہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کیا جاوے پس کم فہم آدمی ظاہر پر واقف ہو کر اُسکو بولنا اعتقاد کر لیتا ہو اور جو شخص حقیقتوں کا بینا ہوتا ہو وہ اُسکے راز کو معلوم کر لیتا ہو مثلاً اگر یوں کہیں کہ دیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھکو کیوں چیرے ڈالتی ہو میخ نے جواب دیا کہ اُس سے پوچھ جو مجھکو ٹھونکتا ہو جو پتھر میرے سر پر لگتا ہو وہ مجھکو میری راہ سے پرے نہیں چھوڑتا تو یہ مثال زبان قال سے زبان حال کو تعبیر کرنے کی اور اسی قبیل سے ہو مضمون اس آیت کا ثم استوی الی السماء وہی دخان فقال لہا وللارض ائتیا طوعا او کرہا قالتا اتینا طائعین پس کم فہم آدمی اسکے سمجھنے میں آسمان و زمین کے لیے زندگی اور عقل اور خطاب کا سمجھنا اور خطاب کو آواز اور حرفوں سے ہونا کہ جسکو وہ دونوں سنیں اور پھر آواز و حرف سے کہیں کہ ہم آئے اپنی خوشی سے فرض کر لیتا ہو اور دانا آدمی جانتا ہو کہ یہ زبان حال کا اور اس سے یہ جتلانا منظور ہو کہ وہ دونوں مسخر اور حکم کے تابع ہیں اور اُسکی طرف اُنکو بے اختیار آنا پڑتا ہو اور اسی طرح ہو مضمون اس آیت کا وان من شئی الا یسبح بحمدہ کہ غبی آدمی کو اسمیں ضرورت پڑتی ہو کہ جمادات کے لیے زندگی اور عقل اور آواز اور حروف سے بولنا فرض کرے تاکہ وہ سبحان اللہ کہیں اور اُنکی تسبیح ثابت ہو اور اہل بصیرت جانتے ہیں کہ اس سے مراد زبان کی گفتگو نہیں بلکہ اپنے وجود سے زبان حال سے گویا اُسکی تسبیح اور تقدیس اور وحدانیت کی شاہد ہو جیسے کسی کا شعر ہو شعر ہر گیاہی کہ از زمین روید ٭ وحدہ لا شریک لہ گوید یا جیسے یوں کہتے ہیں کہ صنعت اپنے صانع کی حسن تدبیر اور کمال علم پر شاہد ہو اسکے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ زبان سے کہتی ہو کہ میں گواہ ہوں بلکہ اپنی ذات اور

ق اللہ سبع سموات طباقاً وجعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً واللہ انبتکم من الارض نباتاً ثم یعیدکم فیہا ویخرجکم اخراجاً اور ارشاد فرمایا
مون أانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون یہانتک کہ فرمایا نحن جعلناہا تذکرۃ ومتاعاً للمقوین پس ظاہر ہے کہ جسکو ادنیٰ شعور بھی ہو وہ اگر ان آیتوں
وں میں ادنیٰ تامل کرے اور آسمان و زمین کے عجائب مخلوقات الٰہی میں اپنی نظر کو گردش دے اور حیوانات اور نباتات کی پیدائش
یکھے تو جان لے گا کہ اس امر عجیب اور ترتیب محکم کا کوئی بنانے والا ضرور ہے جو اسکو منتظم اور محکم رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً انکو مقدر کرتا ہے
نفوس کی اصل پیدائش انسانوں کی شاہد ہے کہ وہ بالکل اُسکی تسخیر کے نیچے دبے ہوئے اور اُسکی تدبیر کے موافق بدلتے رہتے ہیں اور
، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے افی اللہ شک فاطر السمٰوٰت والارض اور اسی جہت سے سب انبیا علیہم السلام کو بھیجا کہ خلق کو توحید
ملاویں تاکہ مخلوق یہ کلمہ کہیں کہ لا الٰہ الا اللہ اور انکو یہ کہنے کا حکم ہوا کہ ہمارا ایک معبود ہے اور عالم کا کوئی معبود نہیں کیونکہ یہ بات تو شروع پیدائش
عقلوں کی سرشت میں موجود تھی اور اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولئن سالتہم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللہ اور
وجہک للدین حنیفاً فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم غرضکہ خدا تعالیٰ کے موجود ہونے کے
انسان کی سرشت اور قرآن مجید کی دلیلیں اتنی ہیں کہ حاجت دلیل کے ذکر کرنے کی نہیں مگر ہم تاکید کے طور پر علمائے مناظرین
کے اُسکی دلیل بھی عقلی لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ بدیہی بات ہے کہ حادث چیز اپنے پیدا ہونے میں کسی سبب کی محتاج ضرور ہوتی ہے
ادث کردے اور عالم بھی حادث ہے تو ضرور ہے کہ وہ بھی اپنے حدوث میں کسی سبب کا محتاج ہو اب ہمارا یہ قول کہ حادث اپنے
میں کسی سبب کا محتاج ہوتا ہے یہ صاف بات ہے کیونکہ جو حادث ہے وہ کسی وقت سے خصوصیت رکھتا ہے کہ عقل میں اسوقت سے
اور پیچھے ہونا بھی جائز ہے پس اُسوقت خاص کے ساتھ اُسکا مخصوص ہونا اور اُس سے پہلے اور پچھلے وقت سے مخصوص ہونا
ی سبب سے ہوگا اور ہمارا یہ کہنا کہ عالم حادث ہے اُسکی بُرہان یہ ہے کہ اجسام حرکت اور سکون سے خالی نہیں اور حرکت اور سکون
حادث چیزیں ہیں اور جو چیز کہ حادث چیزوں سے خالی نہ ہو وہ بھی حادث ہے پس عالم حادث ہے اس برہان میں تین دعوی ہیں
یہ کہ اجسام حرکت اور سکون سے خالی نہیں یہ بات بدیہی ہے اور اسمیں فکر و تامل کی حاجت نہیں اسلیے کہ اگر کوئی شخص کسی جسم کو سمجھے
ہو نہ ساکن تو وہ بالبداہت اور خارج از عقل دور است ہے **دوم** یہ کہ حرکت و سکون دونوں حادث ہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ دونوں ایک
کے بعد آتے ہیں اور ایک کا وجود دوسرے کے بعد ہوتا ہے اور یہ بات سب جسموں میں مشاہدہ ہوتی ہے اسلیے کہ جو ساکن ہے اسپر عقل
ہے کہ حرکت کرسکتا ہے اور جو متحرک ہے اُسکا ساکن ہونا عقل میں ممکن ہے جو حالت اُس وقت اُن دونوں میں سے جسم پر طاری ہوگی وہ
ہونے کی جہت سے حادث ہوگی اور اُس سے پہلے حالت بسبب عدم کے حادث ٹھہرے گی اسلیے کہ اگر وہ حادث نہ ہو قدیم
عدم محال ہوگا چنانچہ اُسکا بیان خدا تعالیٰ کے بقا کے اثبات میں عنقریب آویگا **سوم** یہ کہ جو چیز حوادث سے خالی نہ ہوگی وہ
ہوگی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو ہر حادث کے پیشتر بہت سے حوادث ہونگے جنکا شروع نہ ہوگا اور اگر یہ حوادث سب
ہوں گے تو جو حادث اب موجود ہے اسکے وجود کی نوبت نہ پہونچی ہوگی اور جس چیز کی نہایت نہ ہو اُس کا منقطع ہونا محال ہے اور ایک
یہ اگر بالفرض آسمان کے دورے ایسے ہوں کہ اُنکی انتہا نہ ہو تو ضرور ہے کہ اُنکی شمار یا جفت ہوگی یا طاق یا جفت اور طاق دونوں
نہ طاق اور دو صورتیں آخر کی محال ہیں اسلیے کہ اجتماع نفی اور اثبات کا ہوا جاتا ہے کیونکہ جفت کے ثابت کرنے میں طاق کی نفی ہوتی ہے
نفی کرنے میں طاق کا اثبات ہے اور صرف جفت بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ جفت ایک کے زیادہ ہونے سے طاق ہو جاتی ہے تو بے نہایت
زیادتی سے کیسے بدل سکتی ہے اور طاق بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ طاق ایک کی زیادتی سے جفت ہو جاتا ہے تو جسکے اعداد کی انتہا نہیں
زیادتی سے کس طرح بدل جاویگا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ نہ طاق ہو نہ جفت کیونکہ اُسکے لیے انتہا ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ عالم حا

اتنا کھل جاوے جیسے یہ فرقے مذکور ہوئے اور نہ اتنا مند ہو جیسے حنبلی فرقہ ہو مگر یہ حد بہت باریک ہو کہ اسپر بجز توفیق یافتہ لوگوں کے جو امور کو نور الٰہی سے دیکھتے ہیں صرف سننے سے نہیں ادراک کرتے اور کوئی واقف نہیں اور ان لوگوں کو جب امور کے اسرار موجب اصل حقیقت کے واضح ہو جاتے ہیں تب یہ الفاظ وارد کو دیکھتے ہیں اور اس وقت اگر الفاظ کو مطابق اس امر کے پایا جو نور یقین سے انھوں نے مشاہدہ کیا ہو تب تو انکو ویسا ہی ثابت رکھتے ہیں اور اگر خلاف پایا تو انکی تاویل کرتے ہیں لیکن جو شخص کہ ان امور کی معرفت صرف سننے سے حاصل کرتا ہو اُسکا قدم اس میں نہیں جمتا اور نہ اُسکے ٹھہرنے کی کوئی جگہ معین ہو پس ایسے شخص کے لیے مناسب تر امام احمد کا مقام ہو۔

اب چونکہ ان امور میں میانہ روی کی حد کو خوب واضح کرنا علم مکاشفہ میں داخل ہو اور اُسکا بیان بہت طویل لہذا ہم اسمیں خوض نہیں کرتے اور غرض اس جاپر یہ تھی کہ ظاہر کی باطن سے موافقت اور مخالفت کا بیان کیا جاوے سو ان پانچوں قسموں سے بہت سی باتیں صحیح ہو گئیں۔ اور جو عقیدہ کہ ہم فصل اول میں لکھ آئے ہیں وہ ہماری دانست میں جمہور عوام کے لیے کافی معلوم ہوتے ہیں کہ اول درجہ میں انکو بجز ان باتوں کے معتقد ہونے کے اور کسی چیز کا حکم نہیں ہوتا مگر جس صورت میں کہ بدعت کے شائع ہونے سے اُس عقیدے کی ابتری کا خوف ہو اس وقت دوسرے درجہ میں ایسے عقیدے کی طرف ترقی کرنی پڑتی ہو جس میں مختصر اور روشن دلیلیں بدون تعمق کے موجود ہوں نظر براین ہم اس باب میں وہ روشن دلیلیں لکھتے ہیں اور اس بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو ہمنے قدس والوں کو لکھا ہو اور اُسکا نام رسالۂ قدسیہ در قواعد عقائد رکھا ہو اس رسالہ کو اس باب کی فصل تیسری میں بعینہا نقل کرتے ہیں

تیسری فصل عقیدے کی روشن دلیلوں کے بیان

یعنے رسالۂ قدسیہ کے ذکر میں اور اُسکا ترجمہ بیج دیباچہ کیا گیا تاکہ علیحدہ بھی ہو سکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سزاوار حمد وہ ذات ہو جس نے جماعت اہل سنت کو انوار یقین سے ممتاز کیا اور اہل حق کو دین کے رکنوں کی راہ بتانے کے لیے سرور فرمایا اور بچوں ان کی کجی اور ملحدوں کی گمراہی سے انکو بچا کر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا نصیب کی اور آپ کے صحابۂ اکرم رضی اللہ عنہم کی پیروی کی توفیق دی اور سلف صالحین کے اعمال و اقوال کا اتباع اُنپر ایسا آسان کر دیا کہ انھوں نے عقلوں کے مقتضیات میں سے حبل متین پر تمسک کیا اور پہلے لوگوں کی سیرت و عقائد میں صاف راستہ سے چلنے کا اعتبار کیا عقلوں کے نتیجوں اور شرع منقول کے مقدمات کو قبول کرنے میں ایک ساتھ کر کے جان لیا کہ جس کلمۂ طیبہ کا کہنا ہمارے لیے عبادت ٹھہرا ہے یعنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صرف زبان سے اُسکی شہادت دینے میں کچھ فائدہ اور ثمرہ مترتب نہیں جبتک کہ اُسکے وہ اُصول جن پر اس کلمہ کے معنوں کا مدار ہے جان لیے جاویں۔ اور پہچان گئے کہ یہ دونوں کلمے باوجود اپنے اختصار کے چار باتوں کو متضمن ہیں اول خدا تعالیٰ کی ذات کا اثبات دوم اُسکی صفات کا سوم اُسکے افعال کا چہارم اُسکے رسولوں کی تصدیق کا اور اسی سے معلوم کر لیا کہ ایمان کی بنا چار رکنوں پر ہو اور ہر ایک رکن کا مدار دس اصلوں پر ہو رکن اول خدا تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کی معرفت میں اور اُسکا مدار دس اصلوں پر ہو یعنی یہ جاننا کہ وہ موجود ہو ازلی ہو ابدی ہو جوہر نہیں جسم نہیں عرض نہیں کسی جہت سے خصوصیت نہیں رکھتا کسی مکان پر ٹھہرا ہوا نہیں بلکہ اپنے عرش پر چڑھا ہوا ہو آخرت میں اُسکا دیدار ہوگا اکیلا ہو بدون شریک اور مثل کے

پہلی اصل خدا تعالیٰ کے موجود ہونے کی پہچان میں اسباب میں عمدہ طریقہ وہ ہو جسکی ہدایت قرآن مجید فرماتا ہو اسلیے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان سے بڑھکر اور کوئی بیان نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہو الم نجعل الارض مہادا والجبال اوتادا و خلقناکم ازواجا و جعلنا نومکم سباتا و جعلنا اللیل لباسا و جعلنا النہار معاشا و بنینا فوقکم سبعا شدادا و جعلنا سراجا وہاجا و انزلنا من المعصرات ماء ثجاجا لنخرج بہ حبا و نباتا و جنات الفافا اور دوسری جا ارشاد ہو ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون اور اور جا ارشاد ہو الم تروا

کہ اُسکے مانند کوئی چیز نہیں اور کہیں خالق مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہی یا قادر مقدور کے یا مصور تصویر کے مانند ہو سکتا ہی اور اجسام اور اعراض سب اُسکی پیدائش اور صنعت میں سے ہیں تو اُنکو یہ کہنا کہ اُسکے مثل اور مشابہ ہیں محال ہی **ساتوین اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات طرفوں کی خصوصیت سے پاک ہی اسلیے کہ طرفین چھ ہیں یا اوپر یا نیچے یا داہنے یا بائیں یا آگے یا پیچھے اور یہ سب طرفیں خدا تعالیٰ ہی نے مدلعینہ انسان کے پیدا کرنے کے پیدا فرمائی ہیں اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو طرفیں ایسی بنائیں کہ ایک زمیں پر ٹکے اُسکو پاؤں کہتے ہیں اور دوسری اُسکے مقابل جسکا نام سر ہی پس لفظ اوپر اُس جہت کے لیے بنا جو سر کی طرف ہی اور نیچے اُسکا نام ہوا جو پاؤں کی طرف ہو یہانتک کہ چیونٹی اگر چھت میں اُلٹی ہو کر چلے تو اُسکے حق میں گرچہ اُس کی جانب نیچے ہو جاویگی گو ہماری نسبت کرکے اوپر کہلاتی ہی اور انسان کے لیے دو ہاتھ خدا تعالیٰ نے بنائے کہ اکثر اُنمیں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے قوی تر ہوتا ہی تو جو قوی تر تھا اُسکے لیے داہنا نام ہوا اور اُسکے مقابل کا نام بایاں رکھا گیا اور جو جہت کہ اول کی طرف پڑی اُسکا نام داہنی اور بائیں کی طرف والی کا نام بائیں ہوا اور پھر اُسکے لیے دو جانب بنائے کہ ایک طرف سے دیکھتا ہی اور اُس طرف کو چلتا ہی تو جس طرف کو چلتا ہی اُسکا نام آگے ہوا اور اُسکے مقابل کا نام پیچھے ٹھہرا پس یہ چھوں جہتیں انسان کے پیدا ہونے سے پیدا ہوئیں اگر انسان بالفرض اس وضع پر نہ پیدا ہوتا بلکہ گول مثل گیند کے ہوتا تو ان جہتوں کا وجود بھی نہوتا پس خدا تعالیٰ ازل میں کسی جہت سے خاص کس طرح ہو سکتا ہی کہ جہتیں تو حادث ہیں اور نہ اب کسی طرح کسی جہت سے خاص ہو کہ انسان کی پیدائش کے وقت تو خاص کسی سمت سے نہ تھا اور وہ منزہ ہی اس بات سے کہ اُسکے لیے اوپر ہو کیونکہ وہ اس بات سے برتر ہی کہ اُسکا سر ہو اور اوپر اُسی جہت کو کہتے ہیں جو سر کی جانب ہو اسی طرح اُسکے لیے نیچے بھی نہیں کیونکہ نیچے اُس سمت کا نام ہی جو پاؤں کی جانب ہو اور خدا تعالیٰ پاؤں سے مبرا ہی اور یہ سب باتیں عقل کے نزدیک محال ہیں اور ایک وجہ یہ ہی کہ اگر خدا تعالیٰ کسی جہت سے مختص ہو تو یوں عقل میں آتا ہی کہ یا جواہر کی طرح اُسکی جہت مخصوص ہو یا اعراض کی طرح جوہر سے مخصوص ہو اور چونکہ اُسکا جوہر اور عرض ہونا دونوں محال ہو چکے تو اُسکا مختص ہونا جہت سے بھی محال ہوا اور اگر جہت سے یہ سوا ان دونوں معنوں کے کچھ اور لیے جاویں تو وہ لفظ کے اعتبار سے غلط ہونگے گو معنی درست رہتے ہوں اور ایک وجہ یہ ہی کہ اگر خدا تعالیٰ عالم کے اوپر ہو تو اُسکے محاذی ہوگا اور کسی جسم کا محاذی یا اُسکے برابر ہوتا ہی یا اُس سے چھوٹا یا بڑا اور یہ تینوں امر ایسے ہیں کہ اپنے مقدار کی ... خدا تعالیٰ کے لیے ماننی پڑینگی حالانکہ اُسکی ذات اس سے بری ہی اب باقی رہا یہ کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی طرف کیوں اُٹھاتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہی کہ دعا کا قبلہ وہی سمت ہی اور اُسمیں یہ بھی اشارہ ہی کہ جس سے دعا کی طلب ہی اُسمیں صفت جلال اور کبریائی ہی اسلیے کہ بلندی کی سمت مجد اور بزرگی پر دال ہی اور اللہ تعالیٰ قہر اور بزرگی اور علو کی جہت سے ہر ایک موجود کے اوپر ہی **آٹھوین اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہی اُس معنی سے جو اُسنے استوا سے مراد لیے ہیں یعنی وہ معنی کہ اُسکی کبریائی کے مخالف نہیں اور نہ اُنمیں حدوث اور فنا کی علامتوں کو دخل ہی اور وہی معنی آسمان پر مستوی ہونے سے مقصود ہیں اس آیت میں ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ اور وہ معنی صرف قہر اور علو کی جہت سے ہو سکتے ہیں جیسے اس شعر میں کسی شاعر کے شعر: قد استوى بشر على العراق من غير سيف ولا دم مهراق یعنی بشر ملک عراق پر بے تلوار کی جنگ کی ہوئی اور بغیر خون بہائے مستوی ہو گیا اور اہل حق کو مجبوری اس تاویل کی طرف رجوع کرنا پڑا جس طرح اہل باطل کو اس آیت کی تاویل کرنی پڑی وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ یعنی وہ تمہارے ساتھ ہی جہاں تم رہو کہ سب نے اسکے معنی یہی لیے ہیں کہ ساتھ ہونے سے غرض احاطہ اور علم ہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو قلب المؤمن بين اصبعين من اصابع الرحمن قدرت اور قہر پر محمول کیا ہی اور الحجر الاسود يمين الله في ارضه کو بزرگی اور تعظیم پر محمول کیا اسلیے کہ اگر اُنکو ظاہر الفاظ کے موجب رہنے دیا جاوے تو محال لازم آتا ہی اسی طرح اگر استوا کو ٹھہرنے اور جگہ پکڑنے کے معنوں میں رکھا جاوے تو لازم آویگا کہ جو جگہ پکڑے وہ جسم ہو اور عرش سے لگا ہوا ہو یا تو اُسکے برابر ہو خواہ اُس سے چھوٹا یا بڑا ہو اور یہ محال ہی تو جس بات سے محال لازم آوے وہ خود محال ہی **نوین اصل** یہ کہ خدا تعالیٰ باوجود صورت اور مقدار سے

(حاشیہ:) ... آسمان کی طرف ... ہوتا تھا ... پاؤں ... کی ... دونوں ... کی ... ۱۲

حوادث سے خالی نہیں وہ بھی حادث ہے اور جب اُسکا حادث ہونا ثابت ہوا تو اُسکا اپنے حادث کرنے والے کی طرف محتاج ہونا بدیہہ معلوم
ہو جاتا ہے **دوسری اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالی قدیم ازلی ہے جسکے وجود کی ابتدا نہین بلکہ ہر ایک چیز سے پہلے اور ہر زندہ اور مردہ سے پیشتر وہی ہے
اور اُسکی برہان یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی قدیم نہو حادث ہو تو وہ بھی کسی حادث کرنے والے کا محتاج ہوگا اور وہ دوسرا تیسرے کا یہانتک کہ یہ
تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور جو شی تسلسل ہوتی ہے وہ حاصل نہین ہوتی یا یہ کہ ایک ایسے محدث پر نوبت پہونچے کہ وہ قدیم اور سب
سے اول ہو اور اسی سے ہماری غرض ہے اُسی کا نام ہے عالم کا بنانے والا اور حادث کرنے والا اور ظاہر کرنے والا اور خالق اور
موجد بکھا ہے **تیسری اصل** یہ جاننا کہ خدائے تعالی باوجود ازلی ہونے کے ابدی بھی ہے کہ اُسکے وجود کا انجام نہیں بلکہ وہی اول ہے اور وہی
آخر وہی ظاہر وہی باطن اسلیے کہ جسکا قدیم ہونا ثابت ہوگیا اُس کا معدوم ہونا محال ہے اور اُسکی دلیل یہ ہے کہ وہ اگر معدوم ہو تو دو حال سے خالی
نہیں یا خود بخود معدوم ہو یا کسی معدوم کرنے والے کے مقابل کے باعث سے معدوم ہو پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اگر جس شی کا دوام متصور ہے
اُسکا معدوم ہونا اپنے آپ جائز ہو تو یہ بھی جائز ہوگا کہ کوئی چیز خود بخود موجود بھی ہو جایا کرے اسلیے کہ جیسے وجود کا حادث ہونا سبب کا محتاج
ہے اسی طرح عدم کا طاری ہونا بھی سبب کا محتاج ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی معدوم کرنے والے مقابل کی جہت سے اُسکا وجود معدوم
ہو اسلیے کہ یہ مقابل اگر قدیم ہے تو اُسکے ہوتے ہوے وجود کیسے ہوا اور پہلی دونوں اصلوں سے وجود کا ہونا اور اُسکا قدیم ہونا ثابت ہوچکا تو جس
صورت میں کہ مقابل ساتھ تھا وجود کیسے ہو سکتا ہے اور اگر مقابل حادث ہے تب بھی باطل ہے اسلیے کہ وجود اس حادث کا اُسی قدیم کے باعث
سے ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ حادث تو قدیم کے مقابلے میں پڑکر اُسکے وجود کو قطع کردے اور قدیم اُسکی ضد میں اُسکے وجود کو دفع بھی نہ کرے حالانکہ
دفع کرنا بہ نسبت قطع کے آسان ہے اور قدیم بہ نسبت حادث کے قوی تر اور اولی ہے **چوتھی اصل** یہ جاننا کہ خدا تعالی جوہر کسی جگہ مین گھرا
ہوا نہین بلکہ وہ مکان وغیرہ کی مناسبت سے پاک و برتر ہے اور اُسکی برہان یہ ہے کہ ہر ایک جوہر ایک جگہ میں گھرا ہوا وہ اُس جگہ سے خصوصیت رکھتا ہے
اور ضرور یہ ہے کہ اُسمین یا ٹھہرا ہوا ہوگا یا اُسمین سے حرکت کرتا ہوگا غرض کہ حرکت خواہ سکون سے خالی نہوگا اور یہ دونوں چیزیں حادث ہیں اور
جو چیز حوادث سے خالی نہو وہ حادث ہوتی ہے اور اگر کوئی جوہر مکان میں گھرا ہو قدیم متصور ہوسکے تو عالم کے جوہروں کا قدیم ہونا بھی متصور ہوسکیگا
اور اگر خدا تعالی کو کوئی شخص جوہر کہے اور مکان میں گھرا ہوا نہ کہے تو لفظ کے اعتبار سے خطاوار ہوگا معنوں کی راہ سے نہوگا **پانچوین اصل**
یہ جاننا کہ خدا تعالی جسم مرکب جوہروں سے نہیں اسلیے کہ جسم اُسی کو کہتے ہیں جو جوہروں سے مرکب ہو اور جبکہ اسکا جوہر ہونا اور مکان خاص
میں متحیز ہونا باطل ٹھہرا تو اُسکا جسم ہونا بھی باطل ہوا کیونکہ ہر ایک جسم ایک جہت کے ساتھ مخصوص ہے اور جُدے جُدے جوہر سے مرکب ہے اور اُسکا خالی
ہونا علیحدہ ہونے اور جمع ہونے اور حرکت اور سکون اور صورت اور مقدار سے محال ہے اور یہ سب علامتیں حادث ہونے کی ہین اور اگر یہ
درست ہو جاوے کہ عالم کا بنانے والا جسم ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آفتاب یا ماہتاب یا اقسام جسم میں سے کسی اور چیز کے خدا ہونے کا اعتقاد کرلیا
پھر اگر کوئی گستاخ خدا تعالی کو جسم بنادے اور جوہر سے مرکب ہونے کا ارادہ نکرے تو یہ اُسکی اصطلاح لفظوں میں غلط ہوگی مگر جسمیت کی نفی اُس سے
بھی باقی جاویگی **چھٹی اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالی عرض نہیں کہ کسی جسم سے قائم ہو یا کسی محل مین حلول کیے ہو اسلیے کہ جسم تو سب یقینا حادث
ہیں اور اُنکا حادث کرنے والا اُن سے پیشتر موجود ہوگا پس خدا تعالی کسی جسم میں کیسے حلول کر سکتا ہے وہ تو ازل مین سب سے پہلے تنہا موجود
تھا اور اُسکے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا پھر اجسام اور اعراض کو اپنے بعد پیدا فرمایا اور ایک وجہ یہ ہے کہ خدا تعالی علم اور قدرت اور ارادہ اور پیدا کرنے
کے ساتھ موصوف ہے چنانچہ اسکا بیان آگے آتا ہے اور یہ اوصاف اعراض پر محال ہیں بلکہ یہ اوصاف اُسی موجود کے لیے سمجھ میں آتے ہیں
جو خود بخود قائم اور اپنی ذات سے مستقل ہو اور ان چھئوں اصول سے یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالی موجود اور اپنے آپ قائم ہے نہ جوہر ہے نہ جسم اور نہ عرض
اور عالم سب کا سب جوہر اور عرض اور جسم ہے اس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالی کسی کے مشابہ نہین اور نہ کوئی اُسکے مشابہ بلکہ وہ زندہ اور قیوم

ایک کی طرف پھیر لاوے۔ اور اگر کوئی کہے کہ علم کے ہوتے ہوئے ضرورت ارادے کی نہیں اور جو چیز موجود ہوا ہے وقت میں پائی گئی اُسکی وجہ یہ ہو کہ اُس وقت میں اُسکے موجود ہونے کا علم پہلے سے ہو تو ہم کہینگے کہ اس طرح تو قدرت کی حاجت بھی علم کے سامنے نہیں کہ ہوسکتے ہیں کہ چیز بدوں قدرت موجود ہوگئی کیونکہ پہلے سے اُسکے موجود ہونے کا علم اُسوقت میں تھا پانچویں اصل یہ جاننا کہ خدا تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہو یہ اُسکے دیکھنے سے دلوں کے وسوسے اور فکر و وہم کے چھپا اور غائب ہوں اور نہ اُسکے سُننے سے چیونٹی سیاہ کی چال سخت پتھر پر سخت تاریک میں بچی رہے اور اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر کیسے نہ ہوگا کہ سننا اور دیکھنا وصف کمال ہو کچھ نقصان کی بات نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہو کہ اُسکی مخلوق اُسکی نسبت کرکامل تر ہوا در مصنوع چیز صانع سے بڑھکر اور حصہ کا اعتدال کہاں رہیگا جسکہ نقصان خالق کے حصے میں رہے اور کمال مخلوق کی بانٹ میں ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت اپنے باپ سے کیسے درست ہوگی یعنی آنکا باپ جہل کی راہ سے بتوں کو پوجتا تھا آپ نے اُس سے کہا لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاً تو اگر یہی بات آپ کے معبود برحق میں ہو جاوے تو آپ کی حجت باطل اور دلیل ساقط ہو جاوے اور یہ ارشاد خداوندی سچا نہ ٹھہرے وتلک حجتنا آتیناھا ابراھیم علی قومہ اور جس طرح کہ خداوند کریم کا فاعل ہونا بدوں اعضا کے اور عالم ہونا بدوں دل اور دماغ کے سمجھا گیا ہو اسی طرح اُسکا بینا ہونا بدوں آنکھ کے ڈھیلے کے اور شنوا ہونا بدوں کان کے سمجھنا چاہیے کہ دونوں امروں میں کچھ فرق نہیں چھٹی اصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہو اور اُسکا کلام ایک صفت اُسکی ذات سے قائم ہے نہ وہ آواز ہو اور نہ حرف بلکہ اُسکے کلام کسی اور کے کلام کے مشابہ نہیں جیسے اُسکا وجود دوسرے کے وجود کے مثل نہیں اور حقیقت میں کلام وہی ہو جو نفس کا کلام ہو حروف اور آواز تو صرف بتانے کے لیے ہیں جیسے حرکات اور اشاروں سے بعض اوقات سمجھا دیا کرتے ہیں اور یہ معلوم کہ یہ امر بعض غبی شخصوں پر کیسے مشتبہ ہو گیا حالانکہ جاہل شعرا پر بھی یہ مشتبہ نہیں چنانچہ اُنمیں سے کسی کا شعر ہو شعر ہو جو د کلام دل میں فقط ہے اور زبان بن گئی ہو اُسکی دلیل ہے اور جس شخص کی عقل و دانش اُسکو اس بات کے کہنے سے نہ روکے کہ میری زبان تو حادث ہے مگر جو اُسمیں میری قدرت حادثہ کے سبب سے کلام پیدا ہوتا ہو وہ قدیم ہو تو اُسکی عقل سے تو اپنی طمع کو توڑ دے اور اُسکے ساتھ خطاب کرنے سے اپنی زبان بند کر اور جو شخص یہ نہ سمجھے کہ قدیم اُسکو کہتے ہیں جسکے پہلے دوسری چیز ہو اور بسم اللہ میں جو بیں ہو اُس سے پہلے س ہو اسلیے بیں ہرگز قدیم نہ ہوگا تو ایسے شخص کی طرف دھیان کرنے سے اپنے دل کو پاک کر کیونکہ بعض بندوں کو ان مطالب سے دور رکھنے میں خدا تعالیٰ کی کوئی حکمت ہو جسکو وہ گمراہ کرے اُسکو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اس بات کو بعید جانتا ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں ایسا کلام سنا ہو جسمیں آواز و حروف نہ ہوں تو اُسکو اس امر کا بھی انکار کرنا چاہیے کہ آخرت میں ایک موجود کو دیکھے جو نہ جسم ہو نہ رنگ ہو اور اگر یہ بات سمجھتا ہو کہ جو چیز رنگ اور جسم اور مقدار اور کیفیت سے مبرا ہو اُسکو دیکھیگا حالانکہ اب تک ویسی چیز کوئی دیکھی نہیں تو سُننے کے حاسہ میں بھی وہی سمجھنا چاہیے جو دیکھنے کے باب میں سمجھا ہو اور اگر یہ سمجھ لیا ہو کہ خدا تعالیٰ کو ایک علم ہو کہ وہی سب موجودات کا علم ہو تو اُسکی ذات کے لیے ایک صفت کلام کی بھی سمجھنی چاہیے کہ جتنی باتیں عبارتوں سے سمجھنے میں آتی ہیں وہ اُسکا کلام ہو۔ اور اگر یہ عقل میں آگیا ہو کہ ساتوں آسمان اور زمین اور بہشت اور دوزخ ایک چھوٹے سے پرچے پر لکھے جاتے ہیں اور دل میں سے ذرہ بھر جگہ میں یاد رہتے ہیں اور یہ سب اشیا آنکھ کے ڈھیلے کے تل میں سو جھتے ہیں مگر آسمان اور زمین اور بہشت اور دوزخ کی ذات آنکھ کے تل اور دل اور پرچے میں نہیں آجاتی اسی طرح یہ بھی عقل میں لانا چاہیے کہ کلام ربانی زبانوں سے پڑھا جاتا ہو دلوں میں محفوظ ہوتا ہو مصاحف میں لکھا جاتا ہو لیکن کلام کی ذات ان چیزوں میں حلول نہیں کرتی اسلیے کہ اگر لکھنے سے کلام کے ورق میں کلام کی ذات حلول کر جاوے تو خدا تعالیٰ کا نام لکھنے سے ورق میں اُسکی ذات بھی حلول کر جاوے اور آگ کا نام لکھنے سے کاغذ میں آگ کی ذات آجاوے اور کاغذ کو جلا دے ساتویں اصل یہ کہ جو کلام خدا تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہو وہ قدیم ہو اور اسی طرح اُسکے سب صفات ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا حوادث کے لیے محل ہونا محال ہو کہ حادث

ترجمہ کیوں پوجتا ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آوے تیرے کچھ ترجمہ یہ ہماری دلیل ہے جو دی ہم نے ابراہیم کو اُسکی قوم کے مقابل ۱۲

منزہ ہونے اور جہات واطراف سے مقدس ہونے کے دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دیگا اسلیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ اور دنیا میں نہیں دکھائی دیتا اس ارشاد خداوندی کے سچ ہونے کی جہت سے لاتدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار اور اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں خود ارشاد فرمایا لن ترانی تو مجکو ہرگز نہ دیکھ سکیگا۔ اب ہمکو کوئی یہ بتاوے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوئی اُسکو معتزلی کیسے پہچان گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود دیدار کے محال ہونے کے کسطرح دیدار کا سوال کیا غالبًا تو یہی معلوم ہوتا ہی کہ جس بات سے انبیا صلوات اللہ علیہم جاہل رہے اُس سے اہل بدعت گمراہ ناتراش بطریق اولیٰ جاہل رہیں اور آیت رویت کو جو آخرت میں ظاہر پر محمول کیا گیا اُسکی وجہ یہ ہی کہ اُس سے محال لازم نہیں آتا اسلیے کہ دیکھنا ایک قسم کا علم اور کشف ہی فرق یہ ہی کہ علم کی نسبت کر کامل اور واضح تر ہی پس جبکہ یہ درست ہوا کہ خدا تعالیٰ سے علم متعلق ہوا اور وہ کسی طرف میں ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہی کہ رویت اُسکے متعلق ہو جس صورت میں کہ وہ کسی جہت میں ہوا اور جیسے یہ درست ہی کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہی اور اُنکے مقابل نہیں تو یہ بھی درست ہوگا کہ خلق اُسکو دیکھے اور مقابلہ ہو اور جسطرح اُسکا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہی اُسی طرح اُسکا دیکھنا بھی بے کیف وصورت کے ممکن ہی **دسوین اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک اور یکتا بدون مثل اور سہیم کے ہی پیدا کرنے اور ابداع میں تنہا ہی اور ایجاد واختراع مین اکیلا ہی اُسکا کوئی مثل کہ اُسکے مشابہ یا مساوی ہو اور نہ اُسکا کوئی مقابل کہ اُس سے نزاع کرے یا اُسکے منافی ہو اور اس بات کی برہان یہ ارشاد خداوندی ہی لوکان فیہما الہۃ الا اللہ لفسدتا اسکی تقریر یہ ہی کہ اگر دو خدا ہوں اور اُنمیں سے ایک کوئی کام کرنا چاہیے تو دوسرا اگر اُسکی موافقت پر مجبور ہی تو ظاہر ہی کہ دوسرا عاجز اور دبا ہوا ہوگا خدا سے قادر ہوگا اور اگر دوسرا اول کے دفع کرنے اور مخالفت پر قادر ہی تو دوسرا قوی اور غالب ہوگا اور اول ضعیف اور قاصر ٹھہریگا خدا سے قادر رہیگا **دوسرا رکن** اللہ تعالیٰ کے صفات کی معرفت میں اور اُسکا مدار دس اصلوں پر ہی **پہلی اصل** یہ جاننا کہ خدائے تعالیٰ قادر ہی اور اپنے اس ارشاد میں سچا ہی وہو علیٰ کل شی قدیر اور اسکی وجہ یہ ہی کہ عالم اپنی صنعت میں محکم اور اپنی پیدایش میں مرتب اور منتظم ہی پس اگر کوئی شخص ایک کپڑا حریر کا عمدہ بنا ہوا اور نقش و نگار سے خوبی آراستہ دیکھے پھر یہ وہم کرے کہ اُسکو کسی مُردہ نے بنا ہوگا جو کچھ نہ کر سکے یا کسی آدمی نے تیار کیا ہوگا جسکو قدرت ہو تو وہ شخص دائرۂ عقل سے خارج اور زمرۂ حمقا اور جاہلوں میں داخل ہوگا اسی طرح خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے عالم دیکھکر اُسکی قدرت کا انکار نہیں ہو سکتا **دوسری اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کا عالم اور سب مخلوقات پر محیط ہی کوئی ذرہ آسمان و زمین میں اُسکے علم سے غائب نہیں اپنے اس ارشاد میں سچا ہی وہو بکل شی علیم اور اُسکے سچ جاننے کی طرف اس ارشاد سے ہدایت فرماتا ہی الا یعلم من خلق وہو اللطیف الخبیر اسمیں یہ ہدایت فرمائی کہ پیدا کرنے سے علم پر استدلال کرو اس طرح کہ خلقت کی لطافت اور صنعت کی ترتیب اور آراستگی ادنیٰ چیزوں میں بھی اس بات پر بلاشبہ دال ہی کہ اُسکا صانع ترتیب اور نظام کی کیفیت کو خوب جانتا ہی پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مذکور فرمایا ہی وہی ہدایت اور تعریف کے باب میں منتہا ہی **تیسری اصل** یہ جاننا کہ خدا تعالیٰ زندہ ہی اسلیے کہ جسکا علم اور قدرت ثابت ہی اُسکی حیات ضرور ہی ثابت ہوگی اور اگر قدرت والا عالم تدبیر کرنے والا ایسا تصور ہو سکے جو زندہ نہو تب تو حیوانات کی زندگی میں بھی اُنکی حرکات وسکنات کے وقت شک ہو سکتا ہی بلکہ اہل حرفہ اور صنعت والے اور شہروں اور جنگلوں میں پھرنے والے اور تاجر اطراف زمین کے مسافر جتنے ہیں سبکی زندگی میں شک ہو سکتا ہی اور یہ امر ورطۂ جہالت وگمراہی میں پڑنا ہی **چوتھی اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا ارادہ کرنے والا ہی یعنی جو موجود ہی وہ اُسی کی مرضی پر تکیہ رکھتا ہی اور اُسی کے ارادے سے صادر ہی اور اُسی نے اول پیدا کیا اور وہی دوبارہ پیدا کریگا اور جو چاہتا ہی وہ کرتا ہی اور خدا تعالیٰ کے صاحب ارادہ ہونے کی وجہ یہ ہی کہ جو فعل اُس سے صادر ہوتا ہی ہو سکتا ہی کہ اُسکی ضد بھی اُس سے صادر ہو اور جو فعل کہ ضد نہیں رکھتا ممکن ہی کہ تقدیم وتاخیر سے صادر ہو اور قدرت دونوں ضدوں اور دونوں وقتوں سے ایک ہی سی مناسبت رکھتی ہی تو ضرور ہوا کہ ایک ارادہ ہو جو قدرت کو دونوں امروں میں سے

علیم بذات الصدور الا یعلم من خلق وهو اللطیف الخبیر بندوں کو حکم کیا کہ اپنے اقوال اور افعال اور اسرار اور دل میں بات لئے میں بچتے رہیں
اسلیے کہ وہ اُنکے افعال کے منشا سے واقف ہے اور اپنے علم پر پیدا کرنے سے استدلال فرمایا اور وہ بندے کے فعلوں کا خالق کیسے ہوگا کہ اُسکی
قدرت کامل ہے اُسمیں کسی طرح کا قصور نہیں اور اُسکی قدرت بندوں کی بدنوں کی حرکتوں سے متعلق ہے اور حرکتیں ایک سی ہیں اور قدرت کا
متعلق ہونا سب سے برابر ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعض حرکتوں سے متعلق ہو اور بعض سے ہو یا نہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حیوان اختراع میں مستقل ہو حالانکہ
مکڑی اور شہد کی مکھی اور تمام حیوانات سے وہ لطیف کام صادر ہوتے ہیں کہ جنمیں عاقلوں کی عقل دنگ ہو تو وہ کیسے مخترع ٹھہرے اور بندوں کو
مخترع ہوا اُنکو تو اپنے کاموں کی تفصیل خبر بھی نہیں اُنکو مخترع کہنا بیدار قیاس ہے بلکہ مخلوقات سب وکیل ہیں اور ملکوت میں مخترع وہی ہے جو زمین
و آسمانوں کا جبار ہے **دوسری اصل** یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا مخترع ہونا بندوں کی حرکات کو اس بات کا موجب نہیں کہ وہ حرکات بندے کے
تحت قدرت اکتساب کے طور پر نہ رہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قدرت اور مقدور دونوں کو پیدا کیا اور اختیار اور مختار دونوں کو بنایا قدرت
بندہ کا ایک وصف ہے اور خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اُسکا کسب نہیں اور حرکت بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کی اور بندہ کی صفت اور کسب ہے یعنی
وہ بندہ کی ایک وصف مسمّی بقدرت کے قابو میں پیدا ہوئی ہے تو چونکہ حرکت دوسری صفت کی طرف منسوب ہے جسکو قدرت کہتے ہیں اس جہت
سے باعتبار اس نسبت کے اُسکو کسب کہتے ہیں اور یہ حرکت بندہ کی جبر محض نہیں ہو سکتی اسلیے کہ بندہ بطور ظاہر اپنی حرکت اختیاری اور لرزہ اضطراری
میں فرق جانتا ہے یا یہ حرکت بندہ کی پیدا کی ہوئی کیسے ہو سکتی ہے کہ اُسکو تو جتنی حرکتیں کسب سے کرتا ہے اُنکے اجزا کی تفصیل اور شمار کا علم بھی نہیں اور
جب یہ دونوں باطل ہوئیں تو ایک صورت درمیانی اعتقاد کی رہ گئی کہ حرکتیں اختراع کی رو سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے قابو میں ہیں اور ایک
دوسرے علاقے کے اعتبار سے جسکو اکتساب کہتے ہیں بندہ کی قدرت کے اختیار میں ہیں اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس قدرت کی چیز پر قدرت
کا تعلق ہو وہ فقط اختراع ہی کی جہت سے ہو دیکھو ازل میں خدا تعالیٰ کی قدرت عالم سے متعلق تھی اور اختراع اُس سے حاصل نہ تھا اور
اختراع کے وقت بھی قدرت عالم سے متعلق ہے مگر اُسوقت اور قسم کا تعلق ہے غرض کہ قدرت کے متعلق ہونے سے یہ خصوصیت نہیں کہ
مقدور چیز اُس سے حاصل بھی ہو جاوے **تیسری اصل** یہ ہے کہ بندے کا فعل اگرچہ بندے کا کسب ہے لیکن یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے
ارادے سے باہر ہو جاوے اس سے یہ نکلتا ہے کہ ملک اور ملکوت میں جو کچھ ہوتا ہے خواہ پلک جھپکنا ہو یا دل کا التفات یا خیر ہو یا شر نفع ہو یا ضرر
اسلام ہو یا کفر معرفت ہو یا نکرہ ہو یا خسران گمراہی ہو یا ہدایت طاعت ہو یا معصیت شرک ہو یا ایمان سب اُسکے قضا و قدر سے ہوتا ہے اور
اُسکے ارادے اور خواہش سے ظہور میں آتا ہے نہ کوئی اُسکی قضا کو ٹالے اور نہ اُسکے حکم کو پیچھے ہٹاوے جسکو چاہے گمراہ کرے اور جسکو
چاہے ہدایت کرے جو کچھ وہ کرتا ہے اُس سے باز پرس نہیں اور بندوں سے باز پرس ہوگی۔ اور بندوں کے فعلوں کا حق تعالیٰ کی
مشیت سے ہونا دلیل نقلی رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام امت اس جملہ کو باتفاق کہتی ہے کہ ماشاء اللہ کان و ما لم یشأ لم یکن اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان لو
یشاء اللہ لهدی الناس جمیعا اور فرمایا ولو شئنا لآتینا کل نفس هداها اور اسکے لیے دلیل عقلی بھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر معاصی اور قصوروں کو خدائے
تعالیٰ بُرا جانتا ہے اور اُنکا ارادہ نہیں کرتا وہ اُسکے دشمن ابلیس لعین کے ارادے سے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ وہ دشمن خدا ہے اُسکے ارادے
کے موافق زیادہ چیزیں ہوتی ہیں اور خدائے تعالیٰ کے ارادے کے موافق کم ہوتی ہیں تو اب ہمکو یہ بتاؤ کہ مسلمان آدمی خدائے تعالیٰ کی سلطنت
کو ایسے رتبے میں کسطرح گھٹاوے گا کہ اگر اُس رتبے پر کسی گاؤں کے رئیس کو اُتار دیا جاوے تو وہ بھی ریاست سے نفرت کرے یعنی اُس
گاؤں میں اگر کوئی اُسکا دشمن ہو اور اُسکے ارادہ کے موجب زیادہ کام ہوتا ہو اور رئیس کے ارادے کے موافق تعمیل کم ہوتی ہو تو وہ ایسی
ریاست کو ذلت سمجھیگا اور اُس سے دست بردار ہوگا اور چونکہ خلق میں اکثر نافرمانی ہوتی رہتی ہے اور یہ سب بموجب بدعتیوں کے اعتقاد
کے خدائے تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہے تو یہ اس بات پر دال ہے کہ خدائے تعالیٰ ضعیف اور عاجز ہے معاذ اللہ منہا۔ پھر جب یہ ثابت ہو چکا

بدلتے رہتے ہیں بلکہ خدا تعالی کے صفات میں قدیم ہونے کا وصف وہی واجب ہے جو اُسکی ذات کے لیے واجب ہے تاکہ اُسپر تغیرات نہ آویں اور اُسمیں حوادث نہ سماویں بلکہ وہ ہمیشہ سے ازل میں عمدہ صفات کے ساتھ موصوف رہا ہے اور اسی طرح ابد میں رہیگا اور حالات کے تغیر سے منزہ ہے اسلیے کہ جو چیز محل حوادث ہوگی وہ حوادث سے نہ بچیگی اور جو چیز حوادث سے نہ بچے وہ حادث ہے اجسام پر جو وصف حادث ہونے کا ثابت ہو وہ اسی سبب سے ہے کہ اُنپر تغیر آتا ہے اور اوصاف کے بدلنے کو قبول کرتے رہتے ہیں تو اسکا خالق تغیر کے قبول کرنے میں اجسام کا شریک کیسے ہو جاویگا اور اُسپر یہ متفرع ہوا کہ اللہ تعالی کا کلام قدیم اور اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے اور حادث صرف آوازیں ہیں جو کلام موصوف پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جس طرح کہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لڑکے کے پیدا ہونے کے پیشتر تحصیل علم کے لیے امر کرنا اُسکے باپ کے ساتھ قائم ہوتا ہے یہانتک کہ جب لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اُسکو عقل آتی ہے اور جو امر کہ باپ کے دل میں ہے اُسکے متعلق علم خدا تعالی اُسمیں پیدا کر دیتا ہے تو وہ اُس امر کا مامور ہو جاتا ہے جو اُسکے باپ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جبتک کہ لڑکا اُسکو جانے نہ لگا تب تک اس امر کا وجود قائم رہیگا اسی طرح یہ سمجھنا چاہیے کہ جس حکم پر کہ ارشاد خداوندی دال ہے فاخلع نعلیک وہ اللہ تعالی کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہے اور حضرت موسی علیہ السلام کو اُسکا خطاب بعد آپکے وجود کے ہوا یعنی جب کہ اللہ تعالی نے آپ میں اُس حکم کی معرفت پیدا کی اور کلام قدیم کے سننے کے لیے کان بنا دیے۔ **آٹھوین اصل** یہ کہ خدا تعالی کا علم قدیم ہے یعنی وہ ہمیشہ سے اپنی ذات اور صفات کو اور جو کچھ مخلوقات میں حادث ہوتا ہے سب کو ازل سے جانتا ہے اور جب کبھی مخلوقات حادث ہوتے ہیں تو خدا تعالی کو اُنکا علم نیا پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سب حوادث علم ازلی سے اُسکے سامنے منکشف ہیں مثلاً اگر ہمکو زید کے آنے کا علم آفتاب کے نکلنے کے وقت پیدا ہوا اور جبتک کہ آفتاب نکلے تب تک یہ علم بالفرض بیا رہے تو اُسوقت میں زید کا آنا ہمکو اُسی علم سے معلوم ہوگا کوئی نیا علم اُسکے لیے نہوگا پس اللہ تعالی کے علم کو قدیم ہونا بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے **نوین اصل** یہ کہ ارادۂ الٰہی قدیم ہے اور حوادث کے پیدا کرنے کے لیے اُنکے اوقات مخصوصہ اور مناسبہ میں موافق علم سابق کے ازل میں متعلق ہو گیا ہے اس لیے کہ اگر اُسکا ارادہ حادث ہو تو وہ حوادث کا محل ٹھہرتا ہے اور اگر اُسکا ارادہ اُسکی ذات کے سوا دوسرے میں حادث ہوا تو وہ ارادہ کرنے والا ہوگا جیسے اگر حرکت تمھاری ذات میں نہو تو تم متحرک نہ کہلاؤگے اور جس طرح چاہو مانو دونوں صورتوں میں ارادہ کے حدوث کے واسطے دوسرے کی ضرورت ہوگی اور دوسرے کے لیے تیسرے کی یہانتک کہ نوبت تسلسل بے نہایت پہونچے جو محال ہے اسلیے اُسکے ارادہ کا حادث ہونا بھی محال ہے اور اگر یہ ممکن کہا جاوے کہ ارادے کا حادث ہونا بدون دوسرے ارادے کے ہے تو یہ بھی ہو سکیگا کہ عالم کا حادث ہونا بدون ارادے کے ہو **دسوین اصل** یہ جاننا کہ اللہ تعالی عالم ہے علم سے اور زندہ ہے حیات سے قادر ہے قدرت سے مرید ہے ارادے سے متکلم ہے کلام سے سمیع ہے سننے سے بینا ہے دیکھنے سے اور یہ اوصاف اُسکے ان قدیم صفتوں سے ہیں اور جو شخص یوں کہے کہ عالم ہے بدون علم کے تو گو یا یوں کہتا ہے کہ غنی ہے بدون مال کے یا علم ہے بدون عالم کے یا عالم ہے بدون معلوم کے اسلیے کہ علم اور معلوم اور عالم ایک دوسرے کے لازم ہیں جیسے قتل اور مقتول اور قاتل تو جس طرح قاتل بدون قتل اور مقتول کے نہیں متصور ہو سکتا اور نہ مقتول بدون قاتل اور قتل کے اسی طرح عالم بدون علم کے بھی ممکن نہیں اور نہ علم بدون معلوم کے اور نہ معلوم بدون عالم کے بلکہ یہ تینوں عقل میں متلازم ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تو جو شخص عالم کو علم سے علیحدہ ہونا تجویز کرتا ہے اُسکو چاہیے کہ عالم کو معلوم سے بھی جدا ہونا اور علم کو عالم سے علیحدہ ہونا تجویز کرے کیونکہ ان تینوں میں کچھ فرق نہیں سب ایک ہی سے ہیں **تیسرا رکن** اللہ تعالی کے افعال کی معرفت میں اور اُسکا مدار بھی دس اصلوں پر ہے **پہلی اصل** یہ جاننا کہ عالم میں جو حادث ہے وہ اُسی کا فعل اور مخلوق اور اختراع ہے اُسکے سوا نہ کوئی خالق اور نہ کوئی ایجاد کرنے والا [illegible] پیدا کیا اور بندوں کی قدرت اور حرکت کو ایجاد فرمایا پس بندوں کے جتنے افعال ہیں وہ سب اُسکے پیدا کیے ہوئے اور اُسکی قدرت [illegible] اور اُسکی تصدیق اس آیت میں ہے اللہ خالق کل شیء اور اسمیں واللہ خلقکم وما تعملون اور اسمیں [illegible]

چیشی پامال شدہ اور پھر ملے ہوئے کا واجب ہو تاکہ انکو انکی تکلیفوں کا ثواب دے تو وہ شخص دائرۂ شریعت اور عقل دونوں سے خارج
ہو اسلیے کہ ہم اُس سے یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالی پر حشر اور ثواب کے دینے واجب ہونے سے کیا مراد ہی اگر یہ ہو کہ اُسکے ترک سے اُسکو ضرر
ہوگا تب تو محال ہی اور اگر واجب کے کوئی اور معنی ہیں تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ معنی غیر مفہوم ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو معنی واجب کے ہیں
اُنسے یہ قول خارج ہو **ساتویں اصل** یہ ہو کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہتا ہو وہ کرتا ہو اُسپر یہ واجب نہیں کہ جو بندوں کے
حق میں زیادہ مناسب ہو اسی کی رعایت کرے اسلیے کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ خدائے تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں بلکہ اُسکے حق میں وجوب
سمجھ میں نہیں آتا اسلیے کہ جو کچھ وہ کرتا ہو اُس سے پوچھ نہیں ہو سکتی مخلوق سے بازپرس ہوتی ہی اور ہمکو کوئی بتا دے کہ معتزلی جو یہ کہتا ہو کہ
مناسب تر عمل کا کرنا بندوں کے حق میں خدائے تعالی پر واجب ہو وہ اس مسئلہ مفروضہ میں کیا جواب دیگا کہ اگر آخرت میں ایک مردہ لڑکے
اور ایک بالغ مردہ کے درمیان میں مناظرہ ہوا اور دونوں مسلمان مرے ہوں تو اللہ تعالی بالغ کے درجے بڑھا دیگا اور لڑکے پر اُسکو فضیلت
دیگا اسلیے کہ بالغ نے طاعت الٰہی میں بعد بلوغ کے محنت اٹھائی اور ایسا کرنا معتزلی کے قول کے موجب خدا تعالی پر واجب ہو پس اس
صورت میں اگر وہ لڑکا کہے کہ الٰہی تو نے اسکا مرتبہ کیوں زیادہ کیا تو اللہ تعالی فرماویگا کہ اسلیے کہ یہ بالغ ہوا اور طاعت میں محنت کی پھر لڑکا
یہ کہیگا کہ الٰہی تو نے مجھکو تو لڑکپن ہی میں مار دیا تھا تیرے اُوپر واجب تو یہ تھا کہ میری زندگی باقی رکھتا تاکہ میں بالغ ہو جاتا اور طاعت میں کوشش
کرتا تو نے عدل اس بات میں یہ کیا کہ اُسکی عمر زیادہ کی اور میری نہ کی اسمیں میرا قصور نہیں پھر کس وجہ سے اُسکو فضیلت دی اللہ تعالی فرماویگا
اسلیے کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تو بالغ ہوتا تو شرک یا معصیت کرتا تو تیرے حق میں مناسب تر یہی تھا کہ لڑکپن میں مر جاوے یہ عذر خدا تعالی کی
طرف سے معتزلی بیان کرتے ہیں اب اُسپر یہ اعتراض ہوتا ہو کہ جب اللہ تعالی لڑکے کے سوال میں ارشاد اس طرح کریگا تو اُسوقت دوزخ
کے طبقات میں سے کافر پکار اٹھینگے اور کہینگے کہ الٰہی یہ تو تجھے معلوم ہی تھا کہ ہم بڑے ہو کر شرک کرینگے تو تو نے ہمکو لڑکپن ہی میں کیوں نہ مار ڈالا
ہم تو ہیں مسلمان لڑکے کے درجے سے کمتر پر بھی راضی تھے تو اسکا جواب کیا دیا جاویگا اب اس صورت میں یہ یقین کرنا واجب ہو کہ خداوند
کریم کے معاملات جلال کی جہت سے ایسے نہیں کہ معتزلوں کی میزان میں آنکی گنجائش ہو پس اگر یہ کہو کہ اللہ تعالی بندوں کے حق میں مناسب
تر عمل کی رعایت پر قادر بیشک ہی پھر ان پر اسباب عذاب کو مسلط کر دینا قبیح ہو حکمت سے بعید تو اسکا جواب یہ ہو کہ قبیح کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز
غرض کے موافق نہو یہانتک کہ ایک ہی چیز ایک شخص کے حق میں قبیح ہوتی ہو اور دوسرے شخص کے حق میں بشرطیکہ اُسکی غرض کے موافق
پڑے اچھی ہوتی ہو مثلاً کسی کا مارا جانا اُسکے اقربا قبیح جانتے ہیں اور اُسکے دشمن اچھا سمجھتے ہیں تو اگر تمھاری غرض قبیح سے یہ ہو کہ یہ امر
خدائے تعالی کی غرض کے موافق نہیں تب تو محال ہو اسلیے کہ اُسکو کوئی غرض نہیں اسی لیے بندوں کے اعتبار سے اُس سے قبیح متصور
نہیں جیسے کہ ظلم اُس سے متصور نہیں یعنی مِلک غیر میں اُسکا تصرف کرنا ہو نہیں سکتا اسلیے ظلم بھی اُس سے محال ہو اور اگر قبیح سے
یہ غرض ہو کہ جو اوروں کی غرض کے موافق نہو تو اُسکو خدا تعالی پر محال کیوں کہتے ہو یہ تو صرف ایک تمنا ہو اسکے خلاف یہی صورت
شاہد ہو جو ہمنے دوزخیوں کے مناظرہ کی فرض کی ہو علاوہ ازیں حکیم کے معنی یہ ہیں کہ چیزوں کی حقیقتوں سے آگاہ اور اُسکے افعال کو اپنے
ارادے کے موافق مضبوط کرنے پر قادر ہو اور اسمیں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ مناسب تر کی رعایت کرنی حکیم پر واجب ہو اور ہم میں کے
حکیم جو رعایت مناسب تر کی کرتے ہیں وہ صرف اپنے نفس کے لحاظ سے کرتے ہیں کہ دنیا میں اُسکے باعث تعریف حاصل ہو اور
آخرت میں ثواب پاویں یا اُسکی جہت سے کوئی آفت اپنے اُوپر سے دفع کریں اور یہ باتیں اللہ تعالی پر محال ہیں اسلیے اصلح کی رعایت کا اُسپر واجب
ہونا بھی محال ہو **آٹھویں اصل** یہ ہو کہ خدائے تعالی کی معرفت اور طاعت اُسکے واجب کرنے اور اُسکی شریعت کی جہت سے واجب ہو
عقل کی جہت سے واجب نہیں معتزلی اسمیں بھی خلاف کہتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر عقل خدائے تعالی کی طاعت کو واجب

کہ بندوں کے اعمال خدا تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ سب اُسکے ارادے کے موجب ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ جس فعل کو خدا تعالیٰ چاہتا ہے اُس سے منع کیسے فرماتا ہے اور جسکا ارادہ نہیں کرتا اُسکا حکم کیسے کرتا ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ امر اور ہے اور ارادہ دوسری چیز ہے مثلاً اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مارے اور حاکم وقت آقا پر عتاب کرے اور وہ عذر کرے کہ اس غلام نے میرا کہنا نہ مانا تھا اور بادشاہ اُسکو کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے اور وہ اپنے سچ بولنے کو ثابت کرنے کے لیے یہ چاہے کہ کوئی ایسی بات غلام سے کہوں جو بادشاہ کے سامنے نہ کرے اور غلام کو امر کرے کہ اس سواری پر بادشاہ کے سامنے زین باندھ دے تو اس آقا کا یہ امر ایسا ہے جسکی تعمیل اُسکو منظور نہیں اور اگر یہ امر نہ کرتا تو بادشاہ کے سامنے اُسکا عذر ٹھیک نہ تھا اور اگر غلام سے تعمیل کا ارادہ ہو تو اپنے نفس کے قتل کا ارادہ کرنا پڑے اور یہ ہو نہیں سکتا **چوتھی اصل** یہ کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے اور اختراع کرنے اور بندوں کو حکم کرنے میں فضل اور احسان کرنے والا ہے یہ امور اُسپر واجب نہ تھے اور فرقہ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں خدا تعالیٰ پر واجب ہیں اس وجہ سے کہ اُنمیں بندوں کی بہتری ہے اور اُنکا قول محال ہے اسلیے کہ واجب کرنے والا اور حکم اور منع کرنے والا تو وہ ہے وہ کیسے ایجاب اور لزوم کا ہدف ہو سکتا ہے اور واجب سے دو معنی مقصود ہوتے ہیں اول تو ایسا فعل کہ جسکے چھوڑنے سے آیندہ کو یا بالفعل نقصان ہو مثلاً کہیں کہ بندہ پر خدا تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے یعنی اُسکے ترک سے آیندہ کو آخرت میں اُسپر عذاب ہوگا یا کہیں کہ پیاسے پر پانی کا پینا واجب ہے کہ اُسکے ترک سے انجام کو مر جاویگا دوسرے ایسا فعل جسکے نہ ہونے سے محال لازم آوے مثلاً کہیں کہ معلوم کا وجود واجب ہے یعنی اگر معلوم نہ ہو تو محال لازم آویگا وہ یہ ہے کہ علم جہل ہو جاویگا اب اگر معتزلوں کی یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پر پیدا کرنا باعتبار اول معنی کے واجب ہے تب تو گویا خدا تعالیٰ کو معاذ اللہ ضرر کا نشانہ بناتے ہیں اور اگر پیدا کرنا اُسپر دوسرے معنوں کی رو سے کہتے ہیں تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ علم ازلی جب خدا تعالیٰ میں ہے تو اُسکے لیے معلوم کا وجود ضرور چاہیے اور اگر واجب کے کوئی تیسرے معنی لیے ہیں تو وہ ہم سمجھتے نہیں اور یہ جو کہتے ہیں کہ بندوں کی بہتری کے لیے واجب ہے یہ کلام فاسد ہے اسلیے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کی بہتری کو ترک کر دے اور اُس سے اُسکو کچھ ضرر نہ پہنچے تو پھر اُسکے حق میں وجوب کے کچھ معنی نہ ہونگے علاوہ ازیں بندوں کی بہتری تو اسمیں ہے کہ اُنکو جنت میں پیدا کر دیتا اس بات کی طرف کونسا عاقل طمع کرتا کہ دار المصائب میں اُسکو پیدا کرے اور ہدف تیر معاصی بنا دے پھر عذاب کے خطرے اور حساب کے خوف سے ڈراوے **پانچویں اصل** یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو جائز ہے کہ بندوں کو ایسی بات کا حکم کرے جسکی طاقت اُنمیں نہ ہو اسمیں بھی معتزلی خلاف کہتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ امر جائز نہ ہو تو پھر اُسکے دور کرنے کا سوال محال ہے حالانکہ سوال کرنا خدا تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به اور ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابو جہل آپ کی تصدیق نہ کریگا پھر ابو جہل کو یہ حکم کیا کہ سب اقوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے حالانکہ ایک قول آپ کا یہ بھی تھا کہ ابو جہل تصدیق نہ کریگا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس قول کو تصدیق کرے کہ تصدیق نہ کریگا اسکی تصدیق تو امر محال ہے **چھٹی اصل** یہ کہ خدا تعالیٰ کو درست ہے کہ اپنی مخلوق کو بدوں کسی جرم سابق اور ثواب آیندہ کے درد و عذاب پہنچاوے اسمیں معتزلیوں کا خلاف ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے اُسکا تصرف اُسکی ملک سے تجاوز نہیں کرتا اور ظلم اُسکو کہتے ہیں کہ دوسرے کی ملک میں بدون اُسکی اجازت کے تصرف کرے اور اللہ تعالیٰ پر ظلم محال ہے کیونکہ اُسکے سامنے دوسرے کی ملک نہیں ہے کہ اُسمیں تصرف کرنے سے ظلم ہو اور اس امر کا وجود ہی اُسکے درست ہونے کی دلیل ہے یعنی دیکھتے ہیں کہ جانوروں کا ذبح کرنا اور آدمیوں کا انکو انواع تکلیف پہنچانا ظاہر ہے اُنکو موجود بنایا ہے حالانکہ اُنسے کوئی قصور پہلے سرزد نہیں ہوا ہے اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جانوروں کو زندہ کریگا اور جس قدر اُنھوں نے تکلیف اُٹھائی ہوگی اُسکا بدلہ اُنکو عنایت کریگا اور یہ امر اللہ تعالیٰ پر واجب ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر زندہ کرنا ہر ایک

عرب پر اُسکے باعث آپ کو فوق ہوا قرآن مجید ہے کہ باوجودیکہ اہل عرب فصاحت و بلاغت میں دم بھرتے تھے اُسکے مقابلہ سے عاجز ہوئے اسلیے کہ جو کچھ عمدگی اور ترتیب کی خوبی اور عبارت کی درستی اُسمیں ہے آدمی کی طاقت نہیں کہ اُسکو جمع کر سکے اور باتوں میں سب میں مزاحمت کی کہ گرفتار کرنا اور لوٹ لینا اور قتل کا ارادہ کرنا اور وطن سے نکال دینا سب کچھ کیا جا سکا مگر اللہ تعالیٰ نے اُنکا یہ سب حال فرما دیا مگر قرآن کے مثل نہ لا سکے باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناخواندہ تھے اور کتابوں سے مس نہ تھا علاوہ اسکے کلام مجید میں پہلے لوگوں کی خبریں اور بہت سے اُمور میں غیب کے حالات بیان کرتے ہیں جنکا سچ آخر کو معلوم ہوا جیسے یہ آیت ہے لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین اور یہ آیت الم غلبت الروم فی ادنی الارض وہم من بعد غلبہم سیغلبون فی بضع سنین اور معجزہ جو رسول کے سچ ہونے پر دلالت کرتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جو فعل کہ آدمی اُس سے عاجز ہوں وہ بجز خدائے تعالیٰ کے فعل کے دوسرے کا نہ ہوگا تو جب اسطرح کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علامہ کے ساتھ متصل ہوگا تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ گویا خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ رسول سچ کہتا ہے اور اُسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں کھڑا ہوا اور اُسکی رعیت کے سامنے دعویٰ کرتا ہو کہ میں اس بادشاہ کا ایلچی ہوں تو اگر یہ شخص بادشاہ سے یہ کہے کہ اگر میں اس دعوے میں سچا ہوں تو آپ اپنے تخت پر تین بار خلاف عادت اُٹھیے اور بیٹھیے اور بادشاہ اُسکے کہنے سے ویسا ہی کرے تو جو لوگ وہاں موجود ہونگے اُنکو ظاہر یہ معلوم ہو جاویگا کہ بادشاہ نے گویا یہ کہدیا کہ ایلچی سچ کہتا ہے چوتھا رکن سنی ہوئی خبروں کے بیان میں اور جن اُمور کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اُنکو سچ جاننے میں اور اُسکا مدار دس اصلوں پر ہے **پہلی اصل** یہ کہ حشر اور نشر ہوگا کہ شریعت میں اسکی خبر آچکی ہے اور اسکا سچ جاننا واجب ہے اسلیے کہ اسکا وجود عقل میں ممکن ہے اور معنی اسکے یہ ہیں کہ بعد فنا کے دوبارہ موجود ہونا اور یہ امر خدائے تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے جیسے آسمان اول پیدا کیا چنانچہ خود فرماتا ہے قال من یحی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ اسمیں ابتدا سے پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال فرمایا اور دوسری جا ارشاد ہے ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحدۃ اور دوبارہ پیدا کرنا دوسری ابتدا ہے پس وہ مثل ابتدا کے اول ہے لیے ممکن ہے **دوسری اصل** منکر نکیر کا سوال احادیث میں آچکا ہے تو اُسکی تصدیق بھی واجب ہے اسلیے کہ عقل کے رو سے وہ ممکن ہے کیونکہ اُس سے یہی لازم آتا ہے کہ زندگی دوبارہ کسی ایسی جز میں آجاوے جس سے خطاب سمجھا جاوے اور یہ امر بذات خود ممکن ہے اور اُسپر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ میت کے اجزا تو ساکن رہتے ہیں اور ہمکو منکر نکیر کا سوال سنائی نہیں دیتا کیونکہ سوتا آدمی بھی ظاہر میں ساکن ہوتا ہے مگر اندر سے رنج اور لذتیں ایسی پاتا ہے کہ جاگنے کے بعد بھی اُنکا اثر پاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کلام سنتے تھے اور اُنکو دیکھتے تھے اور آپکے لوگ نہ سنتے تھے اور نہ دیکھتے تھے اور نہ آپکے علم میں سے کوئی چیز معلوم کر سکتے تھے الا ما شاء اللہ غرض کہ اُن لوگوں کے لیے سننا اور دیکھنا پیدا نہیں کیا گیا تھا اسلیے حضرت جبرئیل کو نہ دیکھا **تیسری اصل** عذاب قبر شریعت سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف کے سب نیکبختوں سے مشہور چلا آتا ہے کہ وہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے اور قبر کا عذاب ممکن ہے تو اُسکی تصدیق کرنی واجب ہے اور میت کے اجزا کا درندوں کے پیٹ میں اور پرندوں کے پوٹوں میں بٹ جانا عذاب قبر کی تصدیق کا مانع نہیں اسلیے کہ عذاب کا درد تو حیوان میں سے خاص اجزا کو معلوم ہوا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ ادراک اُن اجزا میں پھر سے پیدا کر دے **چوتھی اصل** میزان ہے جسکے باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ اور دوسری جا ارشاد ہے فمن ثقلت موازینہ فاولئک ہم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسہم فی جہنم خالدون اور اسکی

کرے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو بیفائدہ واجب کریگی اور یہ محال ہے اسلیے کہ عقل لغو کی موجب نہیں ہوتی یا کسی فائدہ کے لیے واجب کریگی اور فائدہ
یا تو معبود کا ہوگا اور یہ بھی خدائے تعالیٰ کے حق میں محال ہے کہ وہ سب غرضوں اور عوضوں سے پاک ہے بلکہ کفر اور ایمان اور طاعت اور عصیان اسکے
حق میں دونوں برابر ہیں خواہ بندے کا فائدہ ہوگا اور یہ بھی محال ہے اسلیے کہ فی الحال بندے کی کوئی غرض اُس سے متعلق نہیں بلکہ طاعت پر
جو محنت کرتا ہے اور اپنے شہوات سے اسکے باعث باز رہتا ہے اُسکا انجام بجز ثواب اور عقاب کے اور کچھ نہیں اور یہ کہاں سے جان لیا کہ خدائے
تعالیٰ معرفت اور طاعت پر ثواب ہی عنایت کریگا عذاب نہ کریگا اسکے نزدیک تو طاعت اور معصیت برابر ہیں کیونکہ اُسکو دونوں میں سے کسی
کی طرف میل نہیں اور نہ آپس میں سے کسی کو اُسکے ساتھ خصوصیت ہے بلکہ اُسکی تمیز شریعت ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور جسنے اس امر کو خلق کے
اوپر قیاس کیا کہ مخلوق کی شکرگزاری سے مخلوق خوش اور محظوظ ہوتی ہے اور ناشکری سے ناخوش ہوا کرتی ہے تو اسی طرح خالق کا
حال ہے کہ طاعت سے اُسکو راحت ہوتی ہے اور معصیت سے نہیں ہوتی تو یہ اُس شخص کی خطا ہے پس اگر کوئی یوں کہے کہ جب
طاعت اور معرفت کا وجوب بجز شریعت کے اور کسی چیز سے نہ رہا اور شریعت جبتک نہیں حاصل ہوتی ہے جب تک کہ مکلف
اُسمیں نظر نہ کرے تو اگر مکلف شخص یہ تقریر کرے کہ عقل مجھپر نظر کو واجب نہیں کرتی اور نہ شریعت بدون نظر کرنے کے
مجھپر تاثیر کرے اور میں خود نظر پر جرأت نہیں کرتا تو چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسکا جواب کچھ نہ دے سکیں
تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اُس شخص کا کہنا ایسا ہے جیسا زید عمرو سے کہے اور وہ کسی جگہ میں کھڑا ہو کہ تیرے پیچھے ایک درندہ بلا کو ہے اگر تو یہاں سے نہ ہلیگا
تو وہ تجھے مار ڈالیگا اور اگر تو اپنے پیچھے منہ پھیر کر دیکھیگا تو میرا سچ کہنا تجھے معلوم ہو جاویگا اسکے جواب میں عمرو کہے کہ میرا سچ جب تک میں مڑ کر نہ دیکھوں
مجھے ثابت نہوگا اور جب تک مجھے تیرا سچ ثابت نہو جاوے مڑنا اور دیکھنا کیا ضرور ہے تو ظاہر ہے کہ اس قول سے عمرو کی حماقت پائی جاویگی اور خود
نسانہ تیر بلا ہوگا زید کا اسمیں کیا ضرر ہوگا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے پیچھے موت ہے اور اُسکے اُس طرف درندے
بلا کو اور دہکتی آگ ہے اگر تم اُسسے اپنی تدبیر بچاؤ کی نہ کر لوگے تو تمکو وہ تباہ کر دینگے اور میرا سچ تمکو میرے معجزوں کے دیکھنے سے معلوم ہو جاویگا پس
جو شخص معجزوں کی طرف ملتفت ہو کر اپنا بچاؤ کر لیگا وہ بچ جاویگا اور جسنے التفات نہ کیا اور خطاؤں پر مصر رہا وہ تباہ اور خراب ہوگا اور اگر سارے
آدمی ہلاک ہو جاویں تو اسمیں مجھپر کچھ ضرر نہیں پیغامبر تو صرف صاف صاف کہدینے کا ہے غرض کہ شریعت موت کے بعد بلا کو درندوں کے ہونے
کو بتاتی ہے اور عقل شریعت کے کلام کو سمجھنے اور جاننے کا فائدہ دیتی ہے اور جو باتیں شرع کے قول کے موجب کہ آیندہ کو ہونگی اُنکا امکان جتاتی
اور طبیعت ضرر سے بچ رہنے پر ابھارتی ہے اور واجب ہونے کے معنی یہی ہیں کہ اُسکے ترک کرنے سے ضرر ہو اور شریعت کو جو واجب کرنیوالی
کہتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ شریعت اُس ضرر کو بتاتی ہے جسکی توقع آیندہ کو ہو کیونکہ عقل تو اس بات کی ہدایت نہیں کرتی کہ شہوات کی
پیروی کرنے سے موت کے بعد ضرر کا سامنا پڑیگا پس یہ معنی ہیں شرع اور عقل کے اور واجب کے باب میں اُنکی تاثیر کے اور اگر
بالفرض مامور بہ کے ترک پر عذاب کا خوف نہوتا تو وجوب بھی ثابت نہوتا اسلیے کہ واجب تو اُسی کو کہتے ہیں جسکے ترک کرنے سے آخرت میں
کوئی ضرر متعلق ہو **نوین اصل** یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کا بھیجنا محال نہیں اسمیں فرقہ براہمہ کا خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ رسولوں کے بھیجنے میں
کچھ فائدہ نہیں عقل کے ہوتے اُنسے کچھ مطلب نہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام نہیں معلوم ہوتے جو آخرت میں نجات کے موجب
ہوں جیسے کہ عقل سے وہ دوائیں جو صحت کی مفید ہوں معلوم نہیں ہوتیں تو مخلوق کو انبیا کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے اُنکو طبیب کی حاجت
ہے [illegible] طبیب کا قول تجربہ سے سچ مانا جاتا ہے اور نبی کا معجزہ سے **دسوین اصل** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کی ملتوں کا ناسخ بھیجا اور ظاہر معجزات اور غالب کرامات سے آپ کی تائید [illegible]
[illegible] کی تسبیح پڑھنا اور جانور کا بولنا اور انگلیوں کے بیچ میں سے پانی کا بہنا وغیرہ اور آپکے ظاہر معجزات [illegible]

[illegible]

لوگوں کو سو ہو ہم یہی کہینگے کہ اُسکی امامت درست ہی اسواسطے کہ اگر اُسکو معزول کردیا جاوے تو دو حال سے خالی نہیں یا دوسرا اُسکی جگہ پر ہو
یا بالکل امامت خالی رہے اگر پہلی صورت ہوگی یعنی اُسکی جگہ دوسرا مقرر کیا جاویگا تب تو ضرر مسلمانوں کو فتنہ برپا ہونے سے ہوگا وہ
اُس نقصان کی نسبت کہ زیادہ ہوگا جو امام مذکور میں شروط امامت کے ناقص ہونے کی جہت سے اُنکو ہوگا کیونکہ شروط مذکورہ صرف زیادتی
مصلحت کے لیے ٹھہرائی گئی ہیں تو زیادتی مصلحت کے نہونے کے خوف سے اصل مصلحت کو دور کرنا خوب نہیں جیسے کوئی ایک محل بناوے
اور شہر کو گراوے اور اگر دوسری صورت ہو یعنی شہر امام سے خالی رہیں تو سب مقدمات بگڑ جاوینگے یہ کسی طرح ہو نہیں سکتا اسلیے ضرور اول ہی
صورت قائم رہیگی علاوہ ازیں ہم حکم دیتے ہیں کہ باغیوں کا حکم اُنکے شہروں میں درست ہی اس نظر سے کہ اُنکو حاجت ہوتی ہی تو حاجت اور ضرورت
کے ہوتے ہوے امامت کیسے درست نہوگی۔ غرض کہ یہ چاروں رکن جو چالیس اصول پر مشتمل ہیں یہ عقائد کے قواعد ہیں جو کوئی اُنکا معتقد ہوگا
وہ اہل سنت وجماعت کے موافق اور بدعت کے فرقہ سے علیحدہ ہوگا ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اپنی توفیق سے ہمکو راستی پر رکھے اور
اپنے جود اور احسان وفضل سے راہ حق کی طرف ہمکو ہدایت کرے وصلی اللہ علی سیدنا ومولٰنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

چوتھی فصل

ایمان اور اسلام میں اور ان دونوں میں جو کچھ اتصال اور جدائی ہی اور جو کمی بیشی ان دونوں پر طاری ہوا کرتی ہی اور سلف کے لوگ جو انشاءاللہ
ان دونوں کے باب میں کہتے تھے اُسکی وجہ کے ذکر میں اور اس فصل میں تین مسئلے **اول** اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہی کہ اسلام ایمان
ہی ہی یا دوسری چیز ہی اور اگر دوسری چیز ہی تو اُس سے جدا پایا جاتا ہی یا اُسی کے ساتھ متعلق اور لازم رہتا ہی پس بعض تو یہ کہتے ہیں کہ دونوں
ایک ہی ہیں اور بعض کا قول ہی کہ دو چیزیں ہیں آپس میں ملتی نہیں جدا جدا ہیں اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ دو ہیں مگر ایک دوسرے سے وابستہ رہتی ہیں
اور ابوطالب مکی نے اس باب میں ایک بہت بڑی تقریر نہایت مبہم سی لکھی ہی اب ہم حق صریح کو بیان کرتے ہیں بدون اس بات کے کہ اُسی تقریر
نقل کریں جسمیں کچھ فائدہ نہو۔ واضح ہو کہ اس باب میں تین بحثیں ہیں اول اس باب میں کہ لغت میں دونوں لفظوں کے معنی کیا ہیں دوم شرع
کے بولنے میں ان دونوں سے کیا مراد ہی سوم ان دونوں کا حکم دنیا اور آخرت میں کیا ہی غرض کہ اول بحث لغوی ہی اور دوسری تفسیری اور
تیسری فقہی شرعی **بحث اول** معنی لغوی کے بیان میں اسمیں حق یہ ہی کہ ایمان تصدیق کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی وما انت بمؤمن لنا
مومن سے مراد مصدق یعنی تصدیق کرنے والے سے ہی اور اسلام کے معنی فرمانبرداری کو ماننے اور سرکشی اور انکار اور عناد کو چھوڑنے کے ہیں
اور تصدیق کا ایک محل خاص ہی یعنی وہ دل سے ہوتی ہی اور زبان اُسکی ترجمان یعنی بیان کرنے والی ہی اور ماننا عام ہی دل اور زبان اور اعضا
سب سے ہوتا ہی کیونکہ جو تصدیق دل سے ہی وہ تسلیم اور ترک انکار ہی اسی طرح زبان سے اقرار کرنا اور طاعت اور انقیاد اعضا سے کرنا ہی حاصل
یہ ہی کہ لغت کے اعتبار سے اسلام عام ہی اور ایمان خاص اور اسلام کے اجزا میں سے اشرف کا نام ایمان ہی اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک تصدیق
تسلیم ہی اور یہ نہیں کہ ہر تصدیق تسلیم ہو **بحث دوم** اطلاق شرعی کے ذکر میں اور اس باب میں حق یہ ہی کہ شریعت میں ان دونوں کا استعمال
تینوں طور پر آیا ہی یعنی دونوں کے ایک معنی ہوں یا جدا جدا ہوں یا ایک کے معنوں میں دوسرے کے معنی داخل ہوں دونوں کے ہم معنی ہونیکی
مثال یہ ہی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین اور یہ امر بالاتفاق ثابت ہی کہ ایک ہی گھر تھا
اُسی کے لیے مومنین اور مسلمین ارشاد فرمایا اور فرمایا یا قوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی
کہ بنی الاسلام علی خمس اور ایک بار جو آپ سے ایمان کا حال پوچھا تو اسکے جواب میں بھی یہی پانچوں رکن ارشاد فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان
اور اسلام دونوں ایک ہی ہیں اور دونوں کے جدا جدا ہونے کی مثال یہ آیت ہی قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا یعنی یہ کہو کہ ہم نے
ظاہر میں انقیاد قبول کیا اور اس جگہ ایمان سے مراد فقط دل کی تصدیق ہی اور اسلام سے غرض زبانی خواہ اعضا کی ظاہری فرمانبرداری ہی
اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث میں کہ جب اُنھوں نے آپ سے ایمان کا حال پوچھا تو فرمایا کہ ایمان لانا اللہ پر اور اُسکے رسولوں اور کتابوں

دلیل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جتنا عملوں کا رتبہ ہوتا ہے اسی کے موافق نامۂ اعمال میں وزن پیدا کر دیتا ہے اس سے بندوں کے اعمال
کی مقداریں بندوں کو معلوم ہو جاوینگی تاکہ اُنپر یہ بات کھلجاوے کہ اگر عذاب کریگا تو عدل ہے اور اگر ثواب دیگا تو عفو اور فضل ہے **پانچوین اصل**
پل صراط یعنی دوزخ کی پشت پر بنا ہوا ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاھدوھم الی صراط الجحیم وقفوھم انھم
مسئولون اور اس پل کا ہونا ممکن ہے اسلیے اُسکا سچ جاننا بھی واجب اور وجہ ممکن ہونے کی یہ ہے کہ جو شخص اس بات پر قادر ہے کہ پرند کو ہوا میں
اڑاتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ آدمی کو اُس پل کے اوپر چلاوے **چھٹی اصل** یہ کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموات والارض اعدت للمتقین لفظ اعدت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت مخلوق ہے
اسی لیے اسکو باعتبار ظاہر الفاظ کے رہنے دینا واجب ہے کیونکہ کوئی محال اُسمیں نہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ روز جزا سے پہلے ان دونوں کے پیدا
کرنے میں کچھ فائدہ نہیں تو اُسکا جواب یہ ہے کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کرتا ہے اُس سے اُسکی بازپرس نہیں اوروں سے پوچھ ہوگی **ساتوین اصل**
یہ کہ امام برحق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قطعی کسی امام پر نہیں فرمائی اسلیے کہ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو اولیٰ یہ تھا کہ ظاہر تر ہوتا جو کوئی حاکم یا امیر
آپ نے شہروں میں مقرر فرمایا وہ چھپا نہیں رہا یہ تو اُسکی نسبت زیادہ ظاہر ہونا چاہیے تھا یہ کیسے چھپا رہا اور اگر ظاہر ہو گیا تھا تو پھر کیسے
مٹ گیا کہ ہم تک وہ حال نہ پہونچا حاصل یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق لوگوں کے پسند کرنے اور بیعت کی جہت سے امام ہوئے اور اگر بالفرض
کہا جاوے کہ نص دوسرے کے لیے تھی تو کل صحابہؓ کو کہنا ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کیا اور اجماع کا خلاف کیا ہے
اور یہ بات ایسی ہے کہ رافضیوں کے سوا اور کسی سے اسپر جرأت نہیں ہوتی اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ سب صحابہ کو اچھا کہیں اور جس طرح کہ
خدائے تعالیٰ اور اُسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی تعریف کی اُسی طرح اُنکی تعریف کریں۔ اور جو نزاع کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی
کرم اللہ وجہہ میں ہوا اُسکی بنا اجتہاد پر تھی یہ نہیں کہ امامت کے باب میں حضرت معاویہ کی طرف سے ہوا ہو بلکہ حضرت علیؓ نے یہ گمان کیا کہ
حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کو سپرد کر دینے کا انجام یہ ہوگا کہ امامت کا معاملہ بھی درہم برہم ہو جاویگا باین لحاظ کہ اُنکے قبائل بہت ہیں
اور لشکر میں ملے جلے ہیں اسلیے اُنکے سپرد کرنے میں تاخیر کو اچھا جانا اور حضرت امیر معاویہ نے یہ سمجھا کہ باوجود اتنے بڑے قصور کے اُنکے
باب میں تاخیر کرنی اماموں کے اوپر اُنکو اُبھارنا ہے اور کشت و خون ناحق کے درپے ہونا۔ اور بڑے بڑے علما کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور
بعضے یہ کہتے ہیں کہ صواب کو پہونچنے والا ایک ہی ہوتا ہے اور یہ کسی اہل علم کی تحریر نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو کہا ہو کہ خطا پر تھے **اٹھوین اصل**
یہ کہ صحابہؓ کا فضل اس ترتیب سے ہے جس طرح پر کہ خلافت ہوئی اسلیے کہ فضل واقع میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو اور یہ امر ایسا ہے کہ
بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی اُسپر مطلع نہیں ہوتا اور اُن سب کی تعریف میں آیات اور احادیث بہت سی وارد ہیں اور فضل کے دقائق
اور اُسکی ترتیب کو وہی لوگ جانتے ہیں جو وحی اور قرآن مجید کے اُترنے کو دیکھتے تھے اور قرائن حال سے فضل کے دقائق معلوم کرتے تھے پس
اگر وہ لوگ بزرگی کو اس ترتیب کے ساتھ نہ سمجھے ہوتے تو خلافت کو اس طرح ترتیب نہ دیتے اسلیے کہ وہ لوگ ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے باب میں
ملامت گروں کے طعن سے نہ ڈرتے تھے اور نہ اُنکو امر حق سے کوئی مانع باز رکھتا تھا **نوین اصل** یہ کہ امامت کی شرطین بعد اسلام اور
بلوغ اور عقل اور آزادی کے پانچ ہیں مرد ہونا اور ورع اور علم اور کفایت اور قریشی ہونا اس جہت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا الائمۃ من قریش یعنی امام قریش میں سے ہوتے ہیں اور جب بہت سے لوگ ایسے ہوں جنمیں یہ پانچوں صفتیں موجود ہوں تو امام وہ
ہوگا جسکے لیے بیعت اکثر خلق کی ہو جاوے اور جو اکثر لوگوں کا خلاف کرے وہ باغی ہے اُسکو حق کے انقیاد کی طرف پھیرنا واجب ہے **دسوین**
اصل یہ کہ جو شخص امامت کا کفیل ہو اگر اُسمیں ورع اور علم کا وجود دشوار ہو اور اُسکے معزول کر دینے سے ایسا فتنہ برپا ہوتا ہو جسکی تاب

عت میں ہوگا یہ تو ایک درجہ ہوا دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو باتیں پائی جاویں اور کچھ تیسری بھی ہو یعنی دل سے یقین کرنا اور زبان سے کہنا اور
کچھ عمل پائے جاویں مگر اُس شخص سے ایک یا زیادہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھی کیا ہو تو اس صورت میں معتزلی یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص ایمان سے
خارج ہوگا مگر کفر میں داخل نہیں ہوا بلکہ اُسکا نام فاسق ہے اور یہ ایک درجہ ہے ایمان اور کفر کے درمیان میں اور ایسا شخص دوزخ میں ہمیشہ
رہیگا اور یہ قول باطل ہے چنانچہ عنقریب اُسکا ہم بیان کرینگے تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار پایا جاوے اور اعضا سے
اعمال نہوں ایسے شخص کے حکم میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ابوطالب مکی کا قول یہ ہے کہ عمل کرنا جزو ایمان ہے اور ایمان بدون عمل کے پورا
نہیں ہوتا اور اسپر اجماع کا دعویٰ ایسی دلیلوں سے کیا ہے جس سے اُنکے مطلب کا خلاف معلوم ہوتا ہے جیسے مثلاً دلیل میں یہ آیت نقل
کی ہے الذین آمنوا وعملوا الصالحات کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل ایمان کے سوا اور چیز ہے ایمان میں داخل نہیں ورنہ عمل حکم معاد میں ہوگا
اور تعجب یہ ہے کہ اس قول پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں اور باوجود اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو نقل کرتے ہیں کہ کسی شخص کو
کافر نہ کہا جاوے مگر اُس صورت میں کہ جس چیز کا اقرار کرچکا ہے اُسکا منکر ہوا اور فرقہ معتزلہ جو کبیرہ گناہوں کے سبب دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے
قائل ہیں اُنکے قول کا انکار کرتے ہیں حالانکہ جو اُنکے قول کا قائل ہے وہ بعینہ معتزلوں کے مذہب کا قائل ہوگا کیونکہ ہم اُس سے یہ کہینگے کہ جو
شخص اپنے دل سے تصدیق کرے اور زبان سے شہادت ادا کرے اور اسی وقت مرجاوے تو وہ جنت میں جاویگا یا نہیں اُسکے جواب
میں اور یہی کہیگا کہ ہاں جنت میں جاویگا تو اس صورت میں ایمان بدون عمل کے کہنا پڑیگا اب ہم کچھ زیادہ کرکے پوچھینگے کہ وہی شخص اگر
بالفرض اتنا زندہ رہے کہ اُسپر ایک نماز کا وقت آجاوے اور وہ اُسکو ترک کرے اور مرجاوے یا زنا کرے اور مرجاوے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں
رہیگا یا نہیں اگر وہ جواب دے کہ رہیگا تب تو معتزلوں کا ہی مطلب ہے اور اگر کہے گا کہ نہیں تو اس بات کی تصریح ہے کہ عمل جزو ایمان نہیں
اور نہ ایمان کے وجود میں شرط ہے اور نہ اُسکے باعث جنت کا استحقاق ہے اور اگر یہ کہے کہ میری غرض یہ ہے کہ وہ شخص بہت مدت تک جیوے
اور نماز نہ پڑھے اور نہ اور کوئی عمل شرعی بجالاوے تو ہم یہ کہینگے کہ اُس مدت کو معین کرو اور طاعتوں کے شمار بتلاؤ جنکے چھوڑنے سے ایمان جاتا
رہتا ہے اور کبیروں کی گنتی کیا ہے جنکے ارتکاب سے ایمان باطل ہوتا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ اسکی مقدار نہیں معین ہو سکتی اور نہ کبھی کوئی اس
طرف گیا ہے چوتھا درجہ یہ ہے کہ دل کی تصدیق پائی جاوے اور ہنوز نوبت زبان سے اقرار اور عمل میں مصروف ہونے کی نہ ہوئی ہو کہ مرجاوے
تو اسکا جواب یہ کہیگا کہ اپنے اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایمان سے مرا حالانکہ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور جو شخص کہ ایمان کے پورا ہونے
میں قول زبانی کی شرط کرتا ہے اُسکو یہ کہنا ہوگا کہ یہ شخص ایمان سے پہلے مرا اور یہ قول فاسد ہے اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
کہ دوزخ سے نکلیگا وہ شخص جسکے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا اور اس شخص کا دل تو ایمان سے لبالب تھا یہ کیسے دوزخ میں ہمیشہ رہیگا اور
حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث میں ایمان کی شرط بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسولوں اور کتابوں اور روز آخرت کی
تصدیق کرے جیسے پہلے بیان ہوا پانچواں درجہ یہ ہے کہ دل سے تصدیق کرے اور عمر میں اتنی مہلت بھی ملے کہ شہادت کے دونوں کلمے
کہہ لے اور اُنکا واجب ہونا معلوم کرلے مگر اُنکو زبان سے ادا نہ کرے تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اُسکا ادا نہ کرنا ایسا ہے جیسے نماز کے پڑھنے سے
باز رہنا اور باوجود اسکے ہم کہینگے کہ وہ شخص مومن ہے اور دوزخ میں مدام نہ رہیگا اسلیے کہ ایمان صرف دل کی تصدیق ہے اور زبان اس
اعتقاد دلی کا ترجمان ہے تو ضرور ہے کہ زبان کے ادا سے پیشتر بھی ایمان کامل موجود ہو تاکہ اُسکو زبان ادا کرے اور یہی ظاہر تر ہے اسلیے کہ بجز
معانی کی پیروی کے اور کوئی سند نہیں اور لغت کے رو سے یہ ہے کہ ایمان دل کی تصدیق کو کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ دوزخ سے وہ شخص نکل جاوے گا جسکے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو اور اگر آدمی واجب امر کے بولنے سے سکوت کرے تو دل
سے ایمان نہیں جاتا جیسے فعل واجب کے نکرنے سے نیست نہیں ہوتا اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ زبان سے کہنا بھی ایمان کا

حاشیہ: تنبیہ تعریف ایمان ... اور ابیقہ الی سعید سدھیف ۱۲

اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور مرنے کے بعد اُٹھنے پر اور حساب پر خیر و شر کو اُسی کی طرف سے جاننے پر ایمان ہو پھر پوچھا کہ اسلام کیا
چیز ہو تو جواب میں پانچ خصلتیں مذکور فرمائیں یعنی اسلام کو بیان فرمایا کہ قول اور عمل سے تسلیم کرنے کو کہتے ہیں اور سعد بن ابی وقاص کی حدیث
میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو کچھ عطا کیا اور دوسرے کو نہ دیا تو حضرت سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک
وسلم آپ نے اُس شخص کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ مومن ہو آپ نے فرمایا کہ مومن ہو یا مسلم پھر دوبارہ انھوں نے وہی عرض کیا آپ نے دوبارہ وہی
جواب دیا اور ایک کے معنی دوسرے میں داخل ہونے کی مثال یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں سے کونسا
افضل ہو آپ نے فرمایا کہ اسلام پھر سائل نے عرض کیا کہ اسلام کونسا افضل ہو آپ نے فرمایا کہ ایمان اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ
دونوں مختلف بھی ہیں اور ایک دوسرے میں داخل بھی اور یہ امر لغت کے رو سے استعمالوں میں سب سے اچھا ہو اسلیے کہ ایمان اعمال
میں سے ایک عمل ہو جو سب اعمال سے افضل ہو اور اسلام تسلیم کا نام ہو خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا اعضا سے اور ان سب میں بہتر وہ
تسلیم ہو جو دل سے ہو اور یہ دل کی تسلیم وہی تصدیق ہو جسکو ایمان کہتے ہیں اور ان دونوں کا استعمال جدا گانہ طور پر خواہ متداخل یا مترادف کے
طور پر مجاری اللغۃ کے طریق سے خارج نہیں مثلاً جدا گانہ طور پر اس طرح ہو کہ ایمان کو فقط دل کی تصدیق کا نام کہیں تو یہ لغت کے موافق ہوگا اور
اسلام کو تسلیم ظاہری ٹھہراویں یہ بھی لغت کے موافق ہو اسلیے کہ تسلیم اگر تسلیم کی بعض جگہوں سے بھی ہوگی تو اسکو بھی تسلیم ہی کہینگے یہ تو شرط
نہیں کہ جہاں جہاں معنی کا پایا جانا ممکن ہو لفظ سے وہ سب حاصل ہی ہوں جیسے مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے کو اپنے بدن کے کسی ٹکڑے سے
چھووے تو چھونے والا کہلاویگا گو سب بدن چھونے میں شامل نہیں اسی طرح لفظ اسلام کو صرف ظاہر کی تسلیم پر بولنا جس وقت کہ باطن کی
تسلیم نہو لغت کے مطابق ہو اور اسی بنا پر اللہ تعالی کا قول ہو قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد سعدؓ کی حدیث میں کہ یا مسلم ہو اسلیے کہ آپ نے مومن کو مسلم پر ترجیح دی اور ہماری غرض دونوں کے معنوں کے جدا ہونے سے یہی ہو کہ
ایک دوسرے سے شرکت ہو اور تداخل کے طور بھی لغت کے موافق ہوگا یعنی اسلام کو یہ ٹھہرالیں کہ دل اور قول اور عمل سب سے تصدیق کا نام ہو
اور ایمان کو کہیں کہ بعض تصدیق کا نام ہو جو اسلام میں داخل ہو یعنی صرف دل کی تصدیق اور ہماری غرض تداخل سے یہی ہو اور ایمان کو خاص
کر دیا اور اسلام کو عام کر دیا لغت کے موافق ہو اور اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ہو کہ جب سائل نے عرض کیا کہ کونسا
اسلام افضل ہو تو آپ نے ایمان فرمایا یعنی آپ نے ایمان کو خاص کرکے اسلام میں داخل کر دیا اور اُسکے ایک معنوں میں استعمال کی مثال یہ ہو کہ
اسلام کے معنی تسلیم کے لیے جاویں جو دل اور ظاہر دونوں سے ہو کیونکہ تسلیم بہرحال ہوگی اور ایمان کے معنی بھی یہی کر دیے جاویں اس
صورت میں صرف اتنا تصرف ہوگا کہ ایمان میں جو خصوصیت دل کے تسلیم کی تھی اسکو عام کر دیا جاویگا اور ظاہر کی تسلیم کو بھی اسمیں داخل کیا جاویگا
اور یہ تصرف درست ہو اسلیے کہ ظاہر کی تسلیم قول اور عمل سے باطن کی تصدیق کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتی ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہو کہ درخت بولتے ہیں
اور تسامح کے طور پر اس سے درخت مع پھل مراد ہوتا ہو تو اتنے تصرف سے ایمان ہم معنی اسلام کا اور اسکے مطابق ہو جاویگا نہ اُس سے
زیادہ ہوگا نہ کم اور اسی بنا پر یہ ارشاد خداوندی ہو فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین **تیسری بحث حکم شرعی کے ذکر میں۔** اسلام
اور ایمان کے دو حکم ہیں ایک دنیاوی دوسرے اخروی حکم اخروی یہ ہو کہ آگ دوزخ سے نکالنا اور اسمیں ہمیشہ رہنے کا مانع ہونا کیونکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان اور اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہو کہ یہ حکم کس
چیز پر مترتب ہوتا ہو یعنی وہ ایمان کونسا ہو جسکا نتیجہ آگ دوزخ سے نکلنا ہو پس بعض کا قول تو یہ ہو کہ صرف یقین کرنے کا نام ہو اور بعض یہ
کہتے ہیں کہ دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ہو اور بعض تیسری بات اور بڑھاتے ہیں یعنی اعضا سے عمل کرنا اور ہم اس بات
میں اصل مطلب کو واضح کرتے ہیں کہ واقع میں یہ ہو کہ جو کوئی ان تینوں باتوں کا جامع ہوگا تو اسمیں خلاف کسی کا نہیں کہ بیشک اسکا ٹھکانا

دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا اس سے بھی ایمان والے کا دوزخ میں جانا ثابت ہے کیونکہ اگر دوزخ میں نہ جاویگا تو باہر کیسے نکلے گا اور قرآن سے ثبوت
اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اسمیں جو مغفرت کو اپنی مشیت سے مستثنے فرمایا تو
اس سے مجرموں کا کئی قسم ہونا صاف ظاہر ہے اور دوسری جا ارشاد ہے ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا اور جو لوگ کہ اس
آیت میں کفر کی خصوصیت لگاتے ہیں کہ یہ کافروں کا حال ہے تو یہ انکی زبردستی ہے آیت میں کوئی قرینہ اسکا نہیں اور فرمایا الا ان الظالمین فی
عذاب مقیم اور فرمایا ومن جاء بالسیئۃ فکبت وجوہہم فی النار غرض کہ جیسی عام آیتیں انھوں نے نقل کی ہیں انکے مقابلے میں یہ آیتیں
عام عذاب مجرموں پر دلالت کرتی ہیں اور تخصیص اور تاویل کرنے کے لیے دونوں جانبوں کو ضرورت ہے اسلیے کہ اخبار میں صاف مذکور ہے
کہ عاصیوں کو عذاب ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان منکم الا واردہا بھی گویا صریح ہے اس باب میں کہ آگ میں سب کو جانا ضرور ہے کیونکہ کوئی مومن
گناہ کے مرتکب ہونے سے خالی نہیں اور یہ جو ارشاد ہے لا یصلٰہا الا الاشقی الذی کذب وتولی اس سے مراد ایک خاص جماعت ہے یا لفظ اشقی
سے بھی کوئی شخص معین مراد لیا ہے اور کلما القی فیہا فوج سالہم خزنتہا میں فوج سے مراد کافروں کی فوج ہے اور عام آیتوں کا خاص کرنا کچھ دقت
کی بات نہیں۔ اور اس آیت کے باعث ابو الحسن اشعری اور کچھ اہل کلام عام الفاظ کا انکار ہی کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ اس طرح کے الفاظ میں
توقف کرنا چاہیے جبتک کہ کوئی قرینہ ظاہر ہو جس سے انکے معنی معلوم ہوں۔ اور معتزلوں کو شبہہ ان آیتوں سے پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اہتدی اور فرمایا والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت اور فرمایا وان منکم الا
واردہا کان علی ربک حتما مقضیا پھر یہ ارشاد کیا ثم ننجی الذین اتقوا اور فرمایا ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم اور جو آیتیں اس طرح کی ہیں
کہ خداے تعالیٰ نے اسمیں عمل صالح کو ایمان کے ساتھ مذکور فرمایا ہے اور فرمایا ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا ان آیتوں سے معتزلی
حجت پکڑتے ہیں مگر یہ آیتیں بھی ایسی عام ہیں کہ انہیں خصوصیت لگی ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء یہ بات
کو چاہتی ہے کہ شرک کے سوا اور گناہوں میں اسکی مشیت باقی رہی اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ دوزخ سے نکلے گا وہ
شخص جسکے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد انا لا نضیع اجر من احسن عملا اور یہ فرمایا ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اسی بات پر دلالت
کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک معصیت کی جہت سے اصل ایمان اور سب طاعتوں کا ثواب تلف نہیں فرماوے گا اور یہ جو فرمایا ہے کہ ومن یقتل
مومنا متعمدا اس سے مراد یہ ہے کہ مقتول کو جان بوجھ کر ایمان ہی کی جہت سے مار ڈالے اور اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بھی ایسا ہی
تھا اب اگر کہو کہ تمھاری تقریر سے یہ معلوم ہوا کہ مذہب تمھارا یہ ہے کہ ایمان بدون عمل کے بھی ہوتا ہے حالانکہ اکابر سلف کا قول یوں مشہور رہا ہے کہ ایمان
دل کی تصدیق اور قول زبانی اور عمل کا نام ہے تو اس قول سے کیا غرض ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ عمل کو ایمان میں شمار کرنا کچھ بعید نہیں کیونکہ عمل
ایمان کا تمام کرنے والا اور پورا کرنے والا ہے جیسے کہتے ہیں کہ سر اور دونوں ہاتھ ملکر انسان ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر سر نہو تو انسان بھی نہیں رہتا
لیکن ہاتھ کٹا ہونے سے انسانیت سے خارج نہیں ہوتا اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ تسبیحات اور تکبیریں نماز میں سے ہیں اگرچہ نماز انکے نہونے
سے باطل نہیں ہوتی تو ایمان میں دل کی تصدیق بمنزلہ آدمی کے سر کے ہے کہ اگر وہ نہو تو ایمان بھی نہو اور دوسرے اعمال مثل آدمی کے
ہاتھ پاؤں کے ہیں کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے لا یزنی الزانی حین یزنی وہو مومن
تو صحابہ نے اس حدیث سے معتزلوں کا مذہب اعتقاد نہیں کیا کہ زنا کے باعث آدمی ایمان سے باہر ہو جاوے بلکہ اسکے معنے یہ ہیں
کہ واقع میں انکا ایمان کامل اور تمام نہیں جیسے ہاتھ پاؤں کٹے ہوے کو کہتے ہیں کہ یہ آدمی نہیں یعنے اسمیں کمال انسانی نہیں یہ غرض
نہیں کہ ہاتھ پاؤں کے جاتے رہنے سے ماہیت انسانی بھی نہیں رہی دوسرا مسئلہ اگر یہ کہو کہ سلف کا اتفاق ہے اس بات پر کہ ایمان طاعت
کے سبب سے زیادہ ہوتا ہے اور معصیت کی جہت سے کم ہوتا ہے پس اگر ایمان دل کی تصدیق ہی کا نام ہو تو اسمیں کمی بیشی کیسے ہو سکتی ہے

شرط ہو اسلیے کہ شہادت کے دونوں کلمے دل کے حال سے خبر نہیں دیتے بلکہ وہ دوسرے معاملہ کا انشاء اور ابتدا اور التزام ہیں اور اول قول ظاہر تر ہی اور اس قول میں فرقہ مرجیہ نے یہانتک مبالغہ کیا ہو کہ یہ شخص کبھی آگ میں نہ جاویگا انکا یہ قول ہو کہ مومن اگرچہ نافرمانی کرے مگر دوزخ میں نجاویگا اور ہم انکے قول کو بھی عنقریب باطل کرینگے چھٹا درجہ یہ ہو کہ زبان سے کہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مگر دل میں اسکی تصدیق نکرے تو ہمکو اسبات میں شک نہیں کہ ایسا شخص آخرت کے حکم میں کافروں میں سے ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں رہیگا اور اسمیں بھی شک نہیں کہ دنیا کے احکام میں جو متعلق اماموں اور حکام کے ہیں وہ مسلمانوں سے ہوگا اسواسطے کہ اُسکے دل پر تو خبر ہو ہی نہیں سکتی ہمپر بھی لازم ہو کہ جو کچھ اُسنے زبان سے کہا اُسکو یہ خیال کریں کہ یہ قول اسکے دل کے حال پر مطابق ہو لیکن ایک تیسرے امر میں ہمکو شک ہو کہ اُسکے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کے معاملہ میں حکم دنیاوی اُسپر کیا ہونا چاہیے مثلاً اسی حال میں اگر کوئی اُسکا رشتہ دار مسلمان مرجاوے اور اُسکے بعد وہ دل سے تصدیق ایمان کی کرے پھر فتویٰ پوچھے کہ جب میرا رشتہ دار مرا تھا مجکو ایمان یعنی دل کی تصدیق نہ تھی مگر ظاہر اسلام کی جہت سے اُسکی میراث مجھے مل گئی اور اب وہ میرے پاس ہو تو وہ اس معاملہ میں جو مجھ میں اور خدا تعالیٰ میں ہو مجھپر حلال ہو یا نہیں یا اُسی پہلی حالت میں کسی مسلمان عورت سے اُسنے نکاح کر لیا تھا اور پھر دل سے تصدیق کی تو اب اُسپر نکاح کا دوبارہ کرنا لازم ہو یا نہیں یہ حکم محل تردد ہو اسمیں یہ بھی ہو سکتا ہو کہ کہا جاوے کہ دنیا کے احکام زبانی قول سے ظاہر اور باطن دونوں میں وابستہ ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ قول زبانی سے غیر شخص کے حق میں وابستہ ہیں اسلیے کہ اُسکا باطن غیر پر ظاہر نہیں اور خود اُسکو تو اپنے باطن کا حال ظاہر ہو کہ اُسکے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کیا معاملہ ہو۔ اور ظاہر تر یہی ہو کہ اُسکو وہ میراث ناجائز ہو اور نکاح کا پھر سے کرنا لازم آوے واللہ اعلم۔ اور اسی لیے حضرت حذیفہ اگر منافقین میں سے کوئی مرتا تھا تو اُسکے جنازے پر حاضر نہوتے تھے اور حضرت عمر بھی اسکی رعایت کرتے تھے کہ جب حذیفہ جنازے پر نجاتے تھے آپ بھی تشریف نہ لیجاتے تھے اور نماز دنیا میں ایک فعل ظاہر ہو اگرچہ عبادات میں سے ہو اور حرام سے بچنا بھی اُن امور میں سے ہو جو خدا تعالیٰ کے لیے واجب ہیں جیسے نماز ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ اور یہ تقریر ہماری اس قول کے خلاف نہیں کہ ارث اسلام کا حکم ہو اور وہ بھی تسلیم ہو بلکہ تسلیم تام وہ ہو جو ظاہر اور باطن دونوں کو شامل ہو اور یہ تحقیق فقہی اور ظنی ہیں کہ ظاہر اور عام الفاظ اور قیاسوں پر مبنی ہیں تو جو شخص علوم میں قاصر ہو وہ یہ سمجھے کہ اسبات میں غرض یقین سے ہو اور عادت یہ ہو گئی ہو کہ ایسی چیز کو فن کلام میں ذکر کرتے ہیں جس میں حکم قطعی مطلوب ہوتا ہو تو جو شخص علوم میں عادتوں اور رسموں کی طرف نظر کرتا ہو اُسکو فلاح نہیں ہوتی سو اب اگر یہ کہو کہ معتزلوں اور مرجیوں کے شبہہ پڑنے کی کیا وجہ ہو اور اُنکے قول کے باطل ہونے کی کیا دلیل ہو تو اُسکا جواب یہ ہو کہ وجہ اُنکے شبہوں کی عام آیتیں قرآن مجید کی ہیں چنانچہ مرجیہ کہتے ہیں کہ ایماندار آگ میں نہ جاویگا گو سب طرح کے گناہ کرے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہو فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رہقا اور فرمایا والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون الآیہ اور فرمایا کلما القی فیہا فوج سالہم خزنتہا الم یاتکم نذیر قالوا بلیٰ قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیء اسمیں لفظ کلما القی فیہا کا عام ہو تو یہ چاہیے کہ جو دوزخ میں ڈالا جاوے وہ تکذیب کرنے والا ہو اور فرمایا لا یصلاہا الا الاشقی الذی کذب وتولیٰ اس آیت میں حصر اور اثبات اور نفی تینوں موجود ہیں جیسے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بجز اشقیا اور مکذبین کے اور کوئی آگ میں نجاویگا اور فرمایا من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منہا وہم من فزع یومئذ آمنون اور سب حسنات کی جڑ ایمان ہو تو ایمان والے کو خوف کیسے ہوگا اور فرمایا واللہ یحب المحسنین اور فرمایا انا لا نضیع اجر من احسن عملا یہ انکی دلیل ہو مگر ان آیتوں سے انکا مطلب حاصل نہیں ہوتا اسلیے کہ ان آیتوں میں جہاں ذکر ایمان کا ہو اُس سے ایمان مع عمل مراد ہو چنانچہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لفظ ایمان سے کبھی اسلام بھی مراد لیا کرتے ہیں یعنی موافقت دل اور قول اور عمل کی اور ایمان میں جو ہم یہ تاویل کرتے ہیں اسکی دلیل یہ ہو کہ بہت سی خبریں دربارہ گنہگاروں کے عذاب اور مقدار عذاب کے وارد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ سے نکالا جاویگا وہ شخص کہ

طلب کرنا حلال کا فرض ہو بعد فرض کے ۱۲ طبرانی و بیہقی روایت اس کو بسند ضعیف ۱۲ ت پھر جو کوئی یقین لاوے اپنے رب پر سو نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے ۱۲ ت اور جو لوگ یقین لاتے اللہ پر اور اُسکے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے ۱۲ ت جس بار پڑا دوزخ میں ایک گروہ پوچھا ان سے اسکے داروغہ نے کیا نہ پہنچا تمکو کوئی ڈرانے والا وہ بولے کیوں نہیں ہم پاس پہنچا تھا ڈرسنانے والا [illegible]

دل میں ہو استتار ﴿ دونوں سے ایک طرح کی مانی ہو آب و تاب ﴿ گویا کہ صرف مے ہی نہیں جام کا وجود ﴿ یا یہ کہو کہ پیالہ ہی تھا نہیں شراب ﴿
اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اسلیے کہ یہ جملہ معترضہ علم معاملہ سے خارج ہو مگر علم مکاشفہ اور معاملہ میں بھی اتصال اور ارتباط ہی
اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ علم مکاشفہ ہر دم علم معاملہ کی طرف جھکتا ہی بشرطیکہ تکلف کے ساتھ اُسکو نہ روکو۔ غرض کہ ایمان کو اگر اس اطلاق
موجب دیکھیں تو طاعت کی جہت سے اُسمیں زیادتی ہو جانے کی یہ صورت ہوتی ہی جو کو رہوئی اور اسی بناپر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
نے فرمایا ہی کہ ایمان ایک سفید نشان ظاہر ہوتا ہی پس جب آدمی نیک عمل کرتا ہی تو وہ نشان بڑھتا جاتا ہی یہاں تک کہ تمام دل سفید ہو جاتا ہی
اور نفاق ایک سیاہ نقطہ شروع میں ہوتا ہی مگر جب آدمی بُرے اعمال کا مرتکب ہوتا ہی تو وہ زیادہ ہوتا ہی یہانتک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہی پھر
اُسپر مہر لگجاتی ہی اور یہ آیت آپ نے پڑھی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ **دوسرا اطلاق** یہ ہی کہ ایمان سے تصدیق دل اور عمل دونوں
مراد ہوں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الایمان بضع وسبعون بابا یا فرمایا کہ نہیں زنا کرتا ہی زانی جب زنا کرے اُس حال میں کہ وہ
ایماندار ہو اور جس صورت میں کہ لفظ ایمان کے معنوں میں عمل بھی داخل ہو تو ظاہر ہی کہ اعمال سے اُسمیں کمی بیشی ضروری ہوگی اور یہ بات
کہ اُسکی تاثیر اُس ایمان میں بھی ہوتی ہی کہ نہیں جسکو صرف تصدیق کہتے ہیں اسمیں اختلاف ہی اور ہم اشارہ کر چکے کہ اُسمیں بھی تاثیر ہوتی ہی
تیسرا اطلاق یہ ہی کہ ایمان سے غرض وہ تصدیق یقینی ہو جو کشف اور سینہ کے کھلنے اور نور بصیرت کے مشاہدہ کے طور پر ہو یہ قسم اور
قسموں کی نسبت کہ زیادتی اور کمی کے قبول سے دور تر ہی تاہم ہمارا قول یہ ہی کہ جو امر یقینی کہ اُسمیں شک نہ ہو اُسمیں بھی نفس کا اطمینان مختلف
ہوا کرتا ہی مثلاً ایک بات یہ ہی کہ دو زیادہ ہیں ایک سے اور دوسری یہ ہی کہ عالم بنایا ہوا اور حادث ہی ہر چند ان دونوں میں سے کسی میں شک نہیں
مگر جیسا اطمینان پہلے پر ہو ویسا دوسرے پر نہیں بلکہ تمام یقینی امور واضح ہوتے ہیں اور نفس کے اپر اطمینان کرنے میں مختلف ہوا کرتے ہیں
اور ہمنے اس مضمون کو باب العلم کی اُس فصل میں لکھا ہی جسمیں علماے آخرت کی علامتیں مذکور کی ہیں اسی لیے اب دوبارہ لکھنے
کی حاجت نہیں اور سب اطلاقوں میں ظاہر ہوا کہ جو کچھ سلف والوں نے ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کو کہا ہی وہ درست ہی اور کیسے درست
نہو کہ اخبار میں وارد ہو چکا کہ دوزخ سے نکلیگا وہ شخص کہ اُسکے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اور بعض احادیث میں ویسا ہی مثقال کی قید ہی تو اگر دل کی
تصدیق میں فرق نہو تو ان مقداروں کے مختلف ہونے کے کیا معنی ہیں **تیسرا مسئلہ** اس بات کی وجہ کیا ہی کہ سلف سے منقول ہی کہ ہم
مومن ہیں انشاء اللہ لفظ انشاء اللہ تو شک کے واسطے ہی اور ایمان میں شک کرنا کفر ہی اور سلف کے سب لوگ ایمان کے جواب میں بیقین
کے الفاظ بولنے سے باز رہتے تھے اور احتراز کرتے تھے چنانچہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یوں کہے کہ میں خدا تعالیٰ کے نزدیک
مومن ہوں تو وہ جھوٹا ہی اور جو کوئی یہ کہے کہ میں حقیقت میں مومن ہوں تو اُسکا یہ کہنا بدعت ہی اسمیں یہ شبہہ ہوتا ہی کہ جو شخص واقع میں مومن
ہی وہ جھوٹا کیسے ہوگا کیونکہ جو واقع میں مومن ہی تو خداے تعالیٰ کے نزدیک بھی مومن ہوگا جیسے کوئی لمبا یا بوڑھا واقع میں ہو اور اپنے اس وصف
کو جانے تو وہ خدا کے نزدیک بھی ویسا ہی ہوگا اسی طرح اگر کوئی شخص خوش یا غمزدہ یا سننے والا یا بینا ہو اُسکا حال ہی اور اگر کسی آدمی سے
پوچھا جاوے کہ تم جاندار ہو تو اُسکے جواب میں اگر وہ کہے کہ میں جاندار ہوں انشاء اللہ تو یہ جواب بے موقع ہوگا۔ اور حضرت سفیان ثوری سے
جب پوچھا گیا کہ ایمان کے جواب میں کیا کہنا چاہیے تو فرمایا کہ یہ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ ہمپر اُتارا گیا تو اس جواب میں اور یہ کہنے
میں کہ ہم مومن ہیں فرق کیا ہوا اور حضرت حسن سے جو کسی نے پوچھا کہ آپ مومن ہیں فرمایا کہ انشاء اللہ سائل نے عرض کیا کہ اے ابو سعید
آپ ایمان میں ایسا لفظ شک کا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہی کہ اگر میں ہاں کہدوں تو کہیں خداے تعالیٰ یہ نفرماوے کہ اے
حسن تو جھوٹ کہتا ہی اور پھر مجھپر عذاب کا حکم ثابت ہو جاوے۔ اور حضرت حسن یہ فرمایا کرتے کہ کونسی بات مجکو خوف کرتی ہی اس امر سے
کہ خداے تعالیٰ کو جو امر ناخوش ہوا اُسکو مجھ میں دیکھے کے مجھے بُرا جانے اور کہدے کہ چلا جا میں تیرا عمل قبول نہیں کرتا تو میں نے واسطے

بخاری و مسلم روایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ١٢

بخاری و مسلم روایت ابو سعید ١٢

تو اسکا جواب یہ ہی کہ درحقیقت سلف کے لوگ سچے گواہ ہیں اور انکے قول سے منحرف ہونا کسیکو نہیں چاہیے جو کچھ انھوں نے فرمایا ہی بیشک
درست ہی مگر اسکے سمجھنے میں تامل چاہیے کہ انکے قول سے پایا جاتا ہی کہ عمل ایمان کا جزو نہیں نہ اسکے وجود کا رکن بلکہ ایک زائد چیز ہی جس سے
ایمان بڑھتا ہی اور ظاہر ہی کہ چیز اپنی ذات سے تو بڑھتی ہی نہیں بلکہ زوائد سے بڑھا کرتی ہی چنانچہ یہ نہیں کہ سکتے کہ انسان اپنے سر سے بڑھتا ہی
بلکہ یوں کہتے ہیں کہ ڈاڑھی اور موٹاپے سے زیادہ ہوتا ہی اسی طرح نہیں کہ سکتے کہ نماز رکوع اور سجدے سے زیادہ ہو جاتی بلکہ وہ سنتوں اور مستحبات
کے باعث بڑھا کرتی ہی پس سلف کے قول میں تصریح ہی کہ ایمان کا ایک وجود ہی پھر وجود کے بعد اسکا حال کمی بیشی میں مختلف ہوا کرتا ہی اب اگر
یہ کہو کہ اعتراض تو ابھی قائم ہی یعنی تصدیق کسطرح زیادہ اور کم ہو سکتی ہی وہ تو ایک حالت کا نام ہی تو اسکا جواب یہ ہی کہ جب ہم مداہنت کو ترک
کریں اور شوریوں کے شور کی پرواہ نہ کریں اور پردے تحقیق کے منہ پر سے اٹھا ڈالیں تو یہ شبہہ بھی برطرف ہو جاویگا اسی واسطے ہم کہتے ہیں کہ
لفظ ایمان مشترک ہی اسکا استعمال تین طریقوں پر ہی **طریق اول** یہ ہی کہ اسکا اطلاق اس تصدیق پر کیا جاتا ہی جو بطور اعتقاد اور تقلید کے ہو کشف
کے طور پر اور سینے کے کھلنے سے نہو اس طرح کا ایمان عوام کا بلکہ بجز خواص کے تمام خلق کا ہی اور یہ اعتقاد دل پر ایک گرہ ہوتی ہی کہ کبھی کڑی
ہو جاتی اور کبھی ڈھیلی جیسے ڈورے پر گرہ ہوا کرتی ہی اور اس بات کو بعید مت جانو بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں اور بدعتیوں کے حالات کو دیکھکر
عبرت حاصل کرو کہ انمیں جنکے عقیدے سخت ہیں وہ اسطرح کے ہیں کہ اگر ڈرانے اور دھمکانے یا وعظ و نصیحت یا برہان و حجت سے انکو اس
عقیدے سے نکالنا چاہو تو کبھی ممکن نہیں کہ وہ نکل سکیں اور بعض اسطرح کے ہیں کہ ادنی گفتگو سے شک میں پڑ جاتے ہیں اور انکو انکے عقیدے
سے نکال دینا اور راہ سے پھسلانے یا دھمکانے سے ممکن ہو جاتا ہو گو یہ انکو پہلے عقیدے میں شک نہیں ہوتا جیسے اول قسم کے لوگوں کو نہیں ہی
لیکن دونوں قسموں کے لوگوں میں پختگی کے باب میں فرق ہوتا ہی اور یہ بات اعتقاد امر حق میں بھی موجود ہی اور عمل کرنا اس پختگی کے بڑھانے
میں اور زیادہ کرنے میں تاثیر کرتا ہی جیسے پانی دینا درختوں کے بڑھنے میں تاثیر کرتا ہی اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی فزادتہم ایمانا یعنی زیادہ
کیا انکا ایمان اور دوسری جا ارشاد ہی لیزدادوا ایمانا مع ایمانہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اخبار مرویہ میں ارشاد فرمایا ہی الایمان یزید و
ینقص اور یہ کمی بیشی دل میں طاعتوں کی تاثیر سے ہوتی ہی اور اسکو وہی شخص معلوم کرتا ہی جو اپنے حالات کو دو وقتوں میں دیکھے یعنی ایک تو
اسوقت کہ عبادت میں مصروف ہو اور حضور دل سے خاص عبادت ہی کا ہو رہے دوم اسوقت کہ عبادت نہ کرتا ہو تو جو حال کہ اسکے ایمانی
عقائد کا دوسرے وقت میں ہوگا اسمیں اور پہلے وقت کے حال میں فرق معلوم کریگا کہ حالت اول کا عقیدہ ایسا ہوگا کہ اگر اسمیں کوئی شخص
شک ڈالنا چاہے تو اسکے قابو میں نہ آویگا بلکہ جو شخص یتیم کے اوپر رحم کرنے کا معتقد ہی جب اپنے اعتقاد کے موافق عمل کریگا اور یتیم کے سر پر
ہاتھ پھیر کر اسکے ساتھ لطف سے پیش آویگا اس وقت اپنے باطن میں رحم کرنے کو مضبوط اور دوبالا پاویگا اسی طرح تواضع کا معتقد جب تواضع
کا عمل کریگا اور دوسرے کے سامنے فروتنی کریگا تو عمل کی جہت سے اپنے دل میں زیادتی تواضع کی معلوم کریگا اور یہی حال سب دل کے صفات
کا ہی کہ جب اعضا پر انکے باعث اعمال صادر ہوتے ہیں تو اعمال کا اثر ان صفات پر پہونچتا ہی اور انکو مضبوط اور زیادہ کر دیتا ہی اور اسکا بیان
جلد سوم مہلکات اور جلد چہارم منجیات میں اس مقام پر کیا جاویگا جہاں کہ ظاہر سے باطن کے متعلق ہونے کی وجہ اور عقائد اور دلوں سے
اعمال کے وابستہ ہونے کی دلیل مذکور ہوگی اسلیے کہ یہ امر عالم ملکوت کا عالم ملک کے متعلق ہونے کی جنس سے ہی اور ملک سے ہماری غرض
یہ عالم ظاہر ہی جو حواس سے معلوم ہوتا ہی اور ملکوت سے وہ عالم مراد ہی جو نور بصیرت سے سوجھتا ہی اور دل عالم ملکوت میں سے ہی اور اعضا
اور انکے اعمال عالم ملک سے ہیں اور ان دونوں عالموں میں اس درجہ کا باریک علاقہ ہی کہ بعض لوگوں نے یہی گمان کیا ہی کہ دونوں ایک ہیں
اور دوسرے لوگوں نے یہ ظن کیا ہی کہ سوا عالم شہادت یعنی ان اجسام محسوسہ کے اور کوئی نہیں اور جس شخص نے کہ دونوں عالموں کو معلوم
کیا اور انکے جدا جدا ہونے اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے وابستہ ہونے کو دیکھا تو انکو کہنا پڑا کہ اس قطعہ میں بیان کیا [illegible]

دوسری یہ کہ ایمان طاعتوں کی وجہ سے کامل ہوا کرتا ہے اور کمال کے طور پر طاعتوں کا ہونا معلوم نہیں ہوتا اور عمل سے ایمان کا کامل ہونا
اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاہدوا باموالہم وانفسہم فی سبیل اللہ اولئک ہم الصادقون
تو شک اس سچ میں ہوتا ہے اسی طرح فرمایا ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین اس آیت میں بیس وصف مومن کے بیان فرما کے
سلام پورا کرنا عہد کا اور سختیوں پر صبر کرنا وغیرہ ٹھہرا ارشاد فرمایا اولئک الذین صدقوا اور فرمایا یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات
اور فرمایا لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل الآیۃ اور فرمایا ہم درجات عند اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الایمان عریان
ولباسہ التقوی الحدیث اور فرمایا الایمان بضع وسبعون بابا ادناہا اماطۃ الاذی عن الطریق تو ان آیات واخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا کمال اعمال
سے وابستہ ہے اور نفاق اور شرک خفی کی برات پر اسکے کمال کا متعلق ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جس شخص میں وہ ہو دیں وہ پورا منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور کہے کہ میں مومن ہوں جب بات کہے جھوٹ بولے
اور جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب امانت سپرد کیا جاوے خیانت کرے اور جب کسی سے جھگڑے تو بیہودہ بکے اور بعض روایتوں
میں یہ ہے کہ جب عہد کرے تو فریب دے اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ دل چار ہیں ایک دل صاف جسمیں چراغ روشن
ہو وہ مومن کا دل ہے اور ایک دل دو رخا جسمیں ایمان اور نفاق ہو ایمان کی مثال اسمیں ساگ کی سی ہے جسکو شیریں پانی بڑھاتا ہے اور
نفاق کی مثال اسمیں ایسی ہے جیسے زخم کہ اسکو پیپ اور ریم بڑھاوے تو جو سا مادہ غالب ہوگا اسکو اسی کا حکم دیا جاویگا۔ اور ایک روایت
میں یوں ہے کہ جو مادہ غالب ہوگا وہی اسکو لیجاویگا اور فرمایا کہ اکثر اس امت کے منافق قاری ہیں اور ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ میری
امت میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ ہے جو صاف پتھر پر رینگے اور حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
عہد مبارک میں آدمی ایک بات کہتا تھا جسکے باعث مرنے تک منافق ہو جاتا تھا اور میں تمسے وہی کلمہ دن میں دس دفعہ سنتا ہوں اور
بعض علما کا قول ہے کہ لوگوں میں نفاق سے قریب تر وہ ہے جو یہ سمجھے کہ میں نفاق سے بری ہوں اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ منافق آج اس قدر
سے زیادہ ہیں جتنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اور وہ اسوقت اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھتے تھے مگر اب کے لوگ اسکو ظاہر
کرتے ہیں اور یہ نفاق ایمان کے سچے اور کامل ہونے کے مخالف ہے اور وہ پوشیدہ ہے اور اس سے دور تر وہی ہے جو اس سے خوف کرتا ہو اور اس
قریب تر وہ ہے جو یہ سمجھے کہ میں اس سے بری ہوں چنانچہ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اب نفاق نہیں رہا
آپ نے فرمایا کہ بھائی اگر منافق مر جاویں تو راستوں میں تمکو وحشت ہونے لگے یعنی منافق اس کثرت سے ہیں کہ اگر سب مر جاویں تو راستوں
میں کوئی چلنے والا نہ رہے اور وحشت معلوم ہونے لگے اور یہ بھی حسنؒ یا کسی اور کا قول ہے کہ اگر منافقوں کی دمیں نکل آویں تو پھر ہمسے نہ ہو سکے
کہ زمین پر پاؤں دھر سکیں یعنی تمام زمین انکی دموں سے چھپ جاوے کہ انکی کثرت بہت ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کسی شخص کو سنا
کہ حجاج کو کہا یہ کچھ کہتا تھا آپ نے فرمایا کہ بھلا اگر حجاج ہوتا اور تیری گفتگو سنتا تب بھی تو اسکا ذکر اس طرح کرتا اسنے عرض کیا کہ نہیں آپنے
فرمایا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسکو نفاق تصور کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں
دو زبان والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو آخرت میں منافقین کے زمرہ میں کر دیتا ہے اور فرمایا کہ شر الناس ذو الوجہین الذی یاتی ہؤلاء بوجہ ویاتی ہؤلاء

عمل کرتا ہوں اور حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ہے کہ جب تم سے کوئی کہے کہ تم مومن ہو تو کہو لا الٰہ الا اللہ اور ایک روایت میں فرمایا کہ کہو ہمکو ایمان میں شک نہیں اور تیرا سوال کرنا ہمسے بدعت ہے اور علقمہ سے کسی نے پوچھا کہ تم مومن ہو جواب دیا کہ توقع رکھتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ اور سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ ہم اللہ پر اور اُسکے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ خداے تعالیٰ کے نزدیک ہم کون ہیں تو یہ لوگ جو استثنا کیا کرتے تھے اُسکی وجہ کیا ہے پس اسکا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انشاء اللہ کہنا درست ہے اور اسکی چار وجہیں ہیں دو صورتوں میں تو انشاء اللہ متعلق شک سے ہے مگر یہ شک اصل ایمان میں نہیں ہوتا بلکہ ایمان کے خاتمے اور پورا ہونے میں ہوتا ہے اور دو وجہیں ایسی ہیں کہ انشاء اللہ شک سے متعلق نہیں پہلی وجہ جسمیں شک سے تعلق نہیں یہ ہے کہ یقین سے احتراز اس جہت سے کیا جاوے کہ اسمیں خوف تزکیہ نفس اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا ہے اور اسکی برائی شریعت میں وارد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تزکوا انفسکم اور فرمایا الم تر الی الذین یزکون انفسہم پھر فرمایا انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب اور کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ برا سچ کونسا ہے کہا کہ آدمی کا خود اپنے نفس کی تعریف کرنا اور ایمان بزرگی کے صفات میں سب سے برتر ہے اور اسکو یقین کے ساتھ کہنا اپنی مطلق بڑائی کرنی ہے اسلیے انشاء اللہ کہا گویا اُس بڑائی کو کم کرنا ہے جیسے کسی انسان سے کہیں کہ تم طبیب یا فقیہ یا مفسر ہو تو وہ جواب میں کہے کہ ہاں انشاء اللہ تو اسکی یہ غرض نہیں کہ اظہار شک کرے بلکہ اپنے نفس کو پست کرنے کے لیے انشاء اللہ کہتا ہے اسلیے کہ یہ لفظ خبر کی سستی کے لیے ہے اور چونکہ تزکیہ نفس بھی ایک لازم ہے خبر کے لوازم سے تو گویا اُسکے ضعیف کرنے کے لیے بول دیا اور جب اس لفظ کی تاویل یہ ٹھہری تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے کوئی برا وصف پوچھا جاوے مثلاً یہ کہ تم چور ہو یا نہیں تو اسمیں انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کلمہ کے ذکر کرنے سے خداے تعالیٰ کا نام ہر حال میں لینا اور ہر کام کو اُسکی خواہش پر سپرد کرنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی قاعدہ تعلیم فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ حوالہ مشیت انھیں امور میں کیا جاوے جن میں شک ہو بلکہ ارشاد فرمایا لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ آمنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون حالانکہ اللہ تعالیٰ عالم تھا کہ یہ لوگ بیشک داخل ہونگے اور ہماری مشیت اس امر کے لیے ہو چکی ہے مگر مقصود یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طریق تعلیم فرماوے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی قاعدہ اختیار کیا کہ جس چیز کی آپ خبر دیتے خواہ وہ یقینی ہو یا مشکوک سب میں انشاء اللہ کہتے یہاں تک کہ جب قبرستان میں جاتے تو فرماتے کہ تم پر سلام ہو اے اہل ایمان اور ہم انشاء اللہ تمسے ملینگے حالانکہ اُنسے ملنے میں کچھ شک نہیں لیکن ادب اسی بات کو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیویں اور امور کو اُس سے وابستہ کریں اور اس لفظ میں سے یہ بات نکلتی ہے کیونکہ عرف میں اسکا استعمال رغبت اور تمنا کے اظہار میں ہو گیا ہے مثلاً اگر تمسے کہا جاوے کہ فلاں شخص جلد مریگا اور تم جواب میں کہو کہ انشاء اللہ تو یہ سمجھا جاویگا کہ تمکو رغبت اُسکے موت کی ہے یہ نہیں پایا جاویگا کہ تم اُسکی موت میں شک کرتے ہو اور اگر یہ کہا جاوے کہ فلاں کا مرض جلد دور ہو جاویگا اور تندرست ہو جاویگا اور تم کہو کہ انشاء اللہ تب بھی تمہاری رغبت اُسکے شفا پانے میں مفہوم ہوگی غرض کہ لفظ مذکور شک کے معنوں سے رغبت کے معنوں میں معدول ہو گیا ہے یا ذکر اللہ کے زبان پر آنیکے لیے مستعمل ہو گیا ہے کوئی سا امر ہو اُس سے استثنا درست ہوگا تیسری وجہ کا مدار شک پر ہے اور اُسکے معنی یہ ہیں کہ میں واقع میں مومن ہوں انشاء اللہ اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے چند لوگوں کو خاص کرکے ارشاد فرمایا اولئک ہم المومنون حقا یعنی حقیقت میں وہی لوگ مومن ہیں اس آیت کی جہت سے مومنوں کی دو قسمیں ہو گئیں اور اس صورت میں انشاء اللہ کا شک اصل ایمان کی طرف راجع نہیں بلکہ ایمان کے کامل ہونے کی طرف راجع ہے اور ہر آدمی اپنے ایمان کے پورا ہونے میں شک رکھتا ہے اور یہ شک کرنا کچھ برا نہیں کیونکہ کمال ایمان میں شک کا ہونا دو وجہ سے ضروری ہے اول یہ کہ نفاق ایمان کے کمال کو دور کر دیتا ہے اور نفاق ایک پوشیدہ امر ہے معلوم نہیں ہو سکتا کہ اُس سے برات حاصل ہوئی یا نہیں

خوفناک ہے اور اسی جہت سے بہت سے خوف کرنے والے روتے رہتے ہیں کیونکہ خاتمہ پہلے مقدمہ اور خواہش ازلی کا ثمرہ ہے اور خواہش ازلی مخفی ظاہر ہوتی ہے کہ جب وہ چیز جس پر حکم ہو چکا ہے ظاہر ہو آدمیوں میں سے کسیکو اُسپر اطلاع نہیں غرضکہ خاتمہ کا خوف مثل سابقہ ازلی کے ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حال سے وہ چیز ظاہر ہوتی ہے کہ مشیت سابقہ اُسکے خلاف ہو اس صورت میں کون جان سکتا ہے کہ میں انھیں لوگوں میں سے ہوں جنپر کتاب ازلی خوبی لکھ چکا ہے اور بعضے شخصوں نے وجاءت سکرۃ الموت بالحق کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ حق سے مراد سابقہ ازلی ہے یعنے موت کے وقت اُسکا ظہور ہو جاوے گا۔ اور بعض اکابر سلف کہتے ہیں کہ اعمال میں سے صرف خاتمے کے اعمال تولے جاوینگے۔ اور حضرت ابو درداء اللہ کی قسم کھاکر کہا کرتے کہ جو کوئی اپنے ایمان کے چھین جانے سے نڈر ہوگا اُسکا ایمان چھن جاویگا اور بعض کا قول ہے کہ گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں کہ اُنکی سزا خاتمے کا بُرا ہونا ہے خدا سے تعالیٰ سے ہم اُس گناہ سے پناہ مانگتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ولایت اور کرامت کا جھوٹا دعوی کرنے کی سزا ہے کہ خاتمہ بُرا ہو۔ اور بعض عارف فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض مجھکو مکان کے دروازے پر شہید ہونا ملتا ہو اور حجرے کے دروازے پر صرف توحید پر مرنا حاصل ہو تو میں حجرہ کے دروازے پر توحید پر مرنا اختیار کروں اسلیے کہ مجھے کیا معلوم ہے کہ صحن کو طے کرکے مکان کے دروازے تک جانے میں میرے دل کی توحید میں کیا تبدیل ہو جاویگی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو پچاس برس تک موحد جانوں پھر میرے اور اُسکے بیچ میں ستون حائل ہو جاوے اور وہ مر جاوے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ توحید پر مرا اسلیے کہ اسے عرصہ میں اُسکے دل کا حال معلوم نہیں کہ ویسا ہی رہا ہو۔ اور ایک حدیث میں[۲۷] ہے کہ جو شخص کہے کہ میں مومن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور اس آیت کی تفسیر میں وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا بعضوں کا قول ہے کہ صدق اُس شخص کے لیے ہے کہ ایمان پر مرا ہو اور عدل اُسکے واسطے جو شرک پر مرا ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وللہ عاقبۃ الامور یعنی انجام کاموں کا خدا کے لیے ہے تو جب شک اس درجہ کو ہے پس انشاء اللہ کا کہنا واجب ہے کیونکہ ایمان اُسکو کہتے ہیں کہ مفید جنت کا ہو جیسے روزہ اُسکو کہتے ہیں کہ بری الذمہ کر دے اور جو روزہ عمل غروب کے ٹوٹ جاوے وہ بری الذمہ نہیں کرتا اسی لیے روزہ بھی نہ کہلاویگا ایسا ہی حال ایمان کا ہے بلکہ اس بنا پر تو اگر گذشتہ روزے کا حال کوئی بعد کو پوچھے کہ تمنے کل روزہ رکھا تھا تو اُسکے جواب میں کہنا چاہیئے کہ ہاں انشاء اللہ اسلیے کہ روزہ حقیقی وہ ہے جو مقبول ہو اور مقبول کو سواے خداے تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا اور اسی جہت سے انشاء اللہ کہنا ہر ایک عمل خیر میں اچھا ہے اور اس سے شک اُس عمل کے مقبول ہونے میں ہوگا کیونکہ جب عمل کی سب ظاہر شرطیں پائی جاویں تو بھی اسباب پوشیدہ جنکو سواے خداے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اُس عمل کے قبول ہونے کے مانع ہوا کرتے ہیں اس نظر سے اُسمیں شک کرنا اچھا ہے غرضکہ ایمان کے جواب میں انشاء اللہ کہنے کی یہ وجہیں ہیں اور یہ اخیر ہے قواعد العقائد کا وصلی اللہ علی محمد وآلہ وعلی کل عبد مصطفے

تیسرا باب طہارت کے اسرار کے بیان میں

رباعی: باطن کی طہارت سے ملک ہو انساں ✤ ایماں کا کمال منحصر اُسپر جاں ✤ گر تجھکو تردد ہو تو سُن قول نبی ✤ فرماتے ہیں الطہور شطر الایمان ✤ واضح ہو کہ طہارت کے فضائل ان احادیث و آیات سے ثابت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی الدین علی النظافۃ اور فرمایا مفتاح الصلوۃ الطہور اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الطہور نصف الایمان اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطہرکم پس اہل بصیرت نے ان روایات سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا امر اہم باطن کا طاہر کرنا ہے اسلیے کہ یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ الطہور نصف الایمان سے یہ غرض ہو کہ آدمی اپنے ظاہر کو تو پانی بہا کر صاف و شستہ کر لے اور باطن پلیدیوں اور نجاستوں سے آلودہ رہے یہ ہرگز مقصود نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ طہارت کی چار قسمیں ہیں اور ہر قسم میں جتنا کام پڑتا ہے طہارت اُسکا نصف ہے اور چاروں قسمیں یہ ہیں اول ظاہر بدن وغیرہ کو حدث اور نجاست اور فضلوں

ت ا [۲۷] اور قرآن سے ثابت ہوتی ہے تو ایسا ہی حال ہے کیونکہ معنی ۱۲ اور یہ روایت اس کا ہے روایت ضعیف آخر روایت سنا ہے اور ابو داؤد نے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی ابن مسعود وغیرہ نے ۱۲ اور یہ کل روایات مرفوع ب تا بعین سے مسند ضعیف روایات ہیں ۱۲ اور یہ بات بھی لکھ کا جواب صحیح ہے ۱۲ عراقی ۱۲ ابو داؤد ترمذی روایت ۱۲ یعنی وہ لوگ ہیں جنکو خوش آتی ہے پاک رہنے کی اور اللہ چاہتا ہے ستھرائی والوں کو ۱۲ ترمذی روایت صحیح اور مسلم ۱۲ یعنی اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشکل رکھے لیکن چاہتا ہے کہ تمکو پاک کرے ۱۲

ہو جاوے اور حضرت حسنؒ سے کسی نے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نفاق سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا کہ بخدا اگر مجھکو یہ معلوم ہو جاوے کہ میں
نفاق سے بری ہوں تو میرے نزدیک سونے کے ٹیلوں سے یہ بات محبوب تر ہو اور یہ بھی آپ کا قول ہو زبان کا دل سے مختلف ہونا اور
باطن کا ظاہر سے اور مدخل کا مخرج سے جدا ہونا نفاق میں سے ہو اور ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ سے عرض کیا کہ میں خدا کا خوف
کرتا ہوں اس بات سے کہ منافق ہوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو منافق ہوتا تو نفاق سے نہ ڈرتا منافق نفاق سے بے خوف ہوا کرتا ہو اور ابن ابی ملیکہ
نے کہا ہو کہ میں نے ایکسو تیس صحابہؓ کو اور ایک روایت میں ڈیڑھ سو صحابہ کو پایا ہو کہ سب نفاق سے ڈرتے تھے۔ اور مروی ہو کہ ایکبار
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب میں تشریف رکھتے تھے اصحابؓ نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اُسکی بہت سی ثنا کی اسی اثنا
میں وہ شخص اُن پر نمود ہوا کہ چہرے سے وضو کا پانی بچا ہوا ٹپکتا تھا اور اپنا جوتا ہاتھ میں لٹکائے تھا اور پیشانی پہ سجدہ کا گھٹا تھا لوگوں
نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی شخص ہو جسکی ہمنے تعریف کی آپ نے فرمایا کہ مجھکو اسکے چہرے پر شیطان کی جھپٹ کا
معلوم ہوتا ہو پس جب وہ شخص پاس آیا اور سلام کرکے لوگوں میں بیٹھ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو ارشاد فرمایا کہ میں تجھکو خدا کی قسم دیکر
پوچھتا ہوں کہ جب تو نے اِن لوگوں کو دیکھا تھا تو تیرے دل میں یہ بھی گذرا تھا کہ نہیں کہ ان میں سے کوئی مجھسے بہتر نہیں اُسنے عرض کیا کہ بیشک
گذرا تھا اور آپ نے اپنی دعا میں یہ الفاظ فرمائے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا عَلِمْتُ وَلِمَا لَمْ اَعْلَمْ کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کیا ڈرتے ہیں آپ نے
فرمایا کہ میں کس طرح بے خوف ہو جاؤں کہ دل تو اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں ہو جس طرح چاہتا ہو اُنکو پھیر دیتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہو
وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ اسکی تفسیر میں یوں کہا گیا ہو کہ لوگ عمل کرینگے اور اُنکو نیکیاں سمجھینگے اور قیامت میں وہ اعمال بدی کے
پلے میں ہونگے۔ اور سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی باغ میں جاوے جسمیں سب طرح کے درخت ہوں اور اُنپر سب پرند ہوں اور ہر
پرند اُنمیں سے اُس آدمی سے ایک زبان میں گفتگو کرے اور کہے کہ اے خدا کے ولی سلام اور اُسکا دل اُس بات پر مطمئن ہو تو وہ اُنکے ہاتھوں
میں گرفتار ہوگا۔ حاصل یہ کہ ان اخبار اور آثار سے تمکو معلوم ہوگا کہ نفاق کی باریکیوں اور شرک خفی کی جہت سے معاملہ پرخطر ہو اور اُس سے
بے خوف رہنے کی کوئی صورت نہیں یہانتک کہ حضرت عمرؓ حضرت حذیفہؓ سے اپنے نفس کا حال پوچھا کرتے کہ کہیں میرا ذکر تو منافقین میں
نہیں ہوا۔ اور ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ میں نے بعض امراء سے ایک بات سنی چاہا کہ اُسکا انکار کروں مگر یہ خوف ہوا کہ کہیں میرے قتل کا
حکم نہ دیوے اور مجکو موت کا تو خوف نہ تھا بلکہ اس بات کا خوف تھا کہ جان نکلنے کے وقت دل پر یہ امر پیش ہو جاوے کہ خلق کی نظروں
میں اچھا ہوں اسلیے میں انکار سے باز رہا۔ اور اس قسم کا نفاق اصل ایمان کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اُسکی راستی اور کمال اور صفائی
کے مخالف ہوتا ہو کیونکہ نفاق دو قسم کا ہو ایک تو وہ کہ دین سے خارج کرکے کافروں میں ملا دیتا ہو اور جو لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہینگے اُنکے
زمرہ میں داخل کر دیتا ہو اور دوسرا وہ ہو کہ اپنے مرتکب کو ایک مدت کے لیے دوزخ تک پہونچاتا ہو یا علیین کے درجات اور صدیقوں کے رتبہ
سے کم کر دیتا ہو اس قسم میں شک ہوا کرتا ہو اسی کے لیے ان شاء اللہ کہنا مستحسن ہو اور اس قسم کے نفاق کی اصل ظاہر و باطن میں تفاوت
کا ہونا اور خدائے تعالیٰ کے عذاب سے نڈر ہونا اور عجب اور دوسرے امور ہیں جن سے بجز صدیقوں کے اور کوئی بچا نہیں چوتھی وجہ بھی
شک پر مبنی ہو اور وہ خاتمے کے خوف کے باعث ہو کہ آدمی کو معلوم نہیں کہ موت کے وقت ایمان سلامت رہیگا کہ نہیں اگر خدانخواستہ
خاتمہ کفر پر ہوا تو پہلا ایمان بیکار گیا اسلیے کہ وہ تو انجام کو سلامت رہنے پر موقوف تھا جیسے روزہ دار سے دوپہر کو پوچھیں کہ تیرا روزہ درست ہو
اور وہ یقیناً کہدے کہ میں روزہ دار ہوں اور دن بھر میں افطار کرے تو پہلا قول اُسکا جھوٹا ہو جاویگا اسلیے کہ روزے کی صحت آفتاب کے
غروب ہونے تک پورا رہنے پر موقوف ہو گو سارا دن بھی روزے کا وقت ہو اسی طرح عمر کے سب ایام ایمان کے درستی کی مدت ہیں
مگر اُسکی صحت اور کمال خاتمے کے وقت پر موقوف ہو کہ مومن کے ساتھ وہی ایمان رہتا ہو اور خاتمے کے حال میں شک ہو اور نہایت

ورکبھی جوتیاں اتارنے کو برا جانتے اور کہتے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی محتاج اگر انکی جوتیاں اٹھا لیجاوے غرضکہ ان امور ظاہری میں پہلے
لوگ اس طرح تساہل کرتے تھے بلکہ راستے کی کیچڑ میں ننگے پاؤں چلتے اور اسپر بیٹھ جاتے اور مسجدوں میں زمین پر نماز پڑھتے اور روٹی جو اور گیہوں کی
کھاتے حالانکہ ان کو جانور پاؤں سے کھوندا کرتے ہیں اور پیشاب کرتے ہیں اور اونٹ اور گھوڑوں کے پسینے سے احتراز نہیں کرتے تھے اور جو
یہ اکثر نجاستوں میں لوٹا کرتے ہیں اور انمیں سے کسی کے حال میں نہیں لکھا کہ نجاسات کی باریکیوں میں سوال کرتا ہو وہ تو اس طرح انمیں
سستی کیا کرتے تھے اور اب وہ نوبت آگئی کہ رعونت کا نام ستھرائی رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ دین کی بنا ہے اور اکثر اوقات اپنے ظاہر کی بنیاد دین
سمجھتے ہیں جیسے مشاطہ دلہن کو سنوارا کرتی ہے حالانکہ اسکے باطن کبر اور عجب اور جہالت اور ریا اور نفاق کی آلودگیوں سے بھرے ہیں اسکو برا
نہیں جانتے اور نہ اس سے تعجب کریں اور اگر کوئی شخص استنجا کرنے میں صرف ڈھیلوں پر اکتفا کرے یا زمین پر ننگے پاؤں چلے یا مسجد کے
بوریوں پر بدوں مصلے بچھائے نماز پڑھے یا فرش پر بدوں چمڑے کی چپلیوں کے چلے یا کسی بڑھیا کے برتن سے یا کسی بے تکلف آدمی کے
برتن سے وضو کرے تو اسپر قیامت برپا کریں اور سخت انکار سے پیش آویں اور اسکا لقب ناپاک ٹھہرادیں اور اپنی ذات میں سے اسکو نکال دیں
اور اسکے ساتھ کھانا پینا ملنا چھوڑ دیں سبحان اللہ انکسار اور شکستہ حالی کو جو جزو ایمان ہے ناپاکی کہتے ہیں اور رعونت کو ستھرائی بولتے ہیں تو دیکھو
کہ اسوقت میں کیسی بری بات اچھی ہوگئی ہے اور اچھی بری اور دین کی رسم کیسی جاتی رہی جیسے اسکی ماہیت اور علم جاتا رہا ہے اگر یہ کہو کہ یہ
عادتیں جو صوفیوں نے اپنی صورتوں اور لطافت کے باب میں ایجاد کی ہیں تم کیا انکو ممنوع اور برا کہتے ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ بے تفصیل کیے
مطلق برا ہم نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمارا قول یہ ہے کہ ستھرائی اور تکلف اور برتنوں اور آلات کا تیار کرنا اور چپلیوں کا استعمال کرنا اور انکی غبار کے دور
کرنے کے لیے اوڑھنی اور سوا اسکے اور سامان کو اگر بلا کسی قید کے لحاظ کریں تو یہ چیزیں بذات خود مباح معلوم ہوتی ہیں مگر بعض اوقات انمیں
احوال اور نیتوں کے شامل ہونے سے اچھی باتوں میں ہو سکتی ہیں اور بری میں بھی ہو سکتی ہیں سو انکے مباح ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ
جو شخص یہ باتیں کرتا ہو وہ اپنے مال اور بدن اور کپڑوں میں تصرف کرتا ہے اور یہ تصرف اسکو مباح ہے بشرطیکہ اس میں مال کا تلف کرنا اور
اسراف نہ ہو اور ان چیزوں کے برا ہو جانے کی صورت یہ ہے کہ انکو دین کی اصل ٹھہرا لیجاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد

رح اسی کا باب ہیں اور بکدری ۱۲

فرمایا ہے بنی الدین علی النظافۃ اسکی تفسیر انہیں امور کو سمجھیں یہانتک کہ اگر کوئی شخص انمیں پہلے لوگوں کی طرح تساہل کرے تو اسپر اعتراض
کریں یا یہ صورت ہے کہ ان امور سے غرض ظاہر کی زینت اور خلق کی نظروں میں اچھا معلوم ہوتا ہو تو اس صورت میں یہ امور داخل ریا ہو کے
ممنوع ہونگے پس ان دو لحاظوں سے یہ باتیں بری ہو سکتی ہیں اور اچھی ہونے کا یہ طور ہے کہ انسے غرض بہتری ہو نہ زینت اور جو انکو ترک
کرے اسپر اعتراض نہ کیا جاوے اور نہ انکے باعث اول وقت کی نماز میں تاخیر واقع ہو اور نہ انمیں مصروف ہونے سے کوئی عمل انسے بہتر یا
زینت علم وغیرہ چھوٹنے پاوے پس اگر ان سب باتوں سے متصف ہوں تو انکو مباح کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نیت کی جہت سے ثواب
بھی حاصل ہو لیکن اس قسم کے امور میں ثواب انہیں لوگوں کو ہوتا ہے جو بالفرض اگر طہارت میں مصروف نہ ہوں تو سونے میں یا [illegible]
میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کا طہارت کے دھندے میں لگا رہنا بہتر ہے اسلیے کہ اس سے اور کچھ ہو گا تو یہ ضرور ہو گا کہ ذکر الٰہی اور عبادت
کی یاد دلانے سے ہوگی اسی سبب سے اگر یہ امور اسراف اور برائی کی طرف میل نہ کر جاویں تو کاہل وجودوں کے حق میں بہتر ہیں مگر علم و عمل والوں کو
چاہیے کہ وہ اپنے اوقات ان امور میں حاجت کی مقدار پر صرف کریں اور بے اندازہ حاجت انکے حق میں اچھا نہیں بلکہ جوہر نفیس اپنی عمر کا جس سے
اور عمدہ فوائد لے سکتے ہیں رائگاں کرنا ہے اور اس بات سے تعجب نہ کرنا چاہیے کہ ایک ہی شئے ایک لوگوں کے حق میں اچھی ہو دوسروں کے
حق میں بری کیوں ہوئی اسلیے کہ ایسا ہوا کرتا ہے نیکوں کی خوبیاں مقربوں کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں اور بیکار آدمی کو نہ چاہیے کہ جو اہل
پر نظافت کے باب میں اعتراض کرے اور خود انکا پابند ہو اور دعویٰ کرے کہ میں صحابہ کی مشابہت کرتا ہوں اسلیے کہ انکی مشابہت تو اس

سے پاک کرنا دوم اعضا کو گناہوں اور خطاؤں سے پاک کرنا سوم دل کو اخلاق بد اور خصائل ناپسندیدہ سے پاک کرنا چہارم باطن کو خدا تعالیٰ کے ماسوا چیزوں سے پاک کرنا یہ چوتھی قسم مخصوص انبیا علیہم السلام اور صدیقوں سے ہے اسے ہر ایک قسم کا نصف عمل ہونا مطلب ہے کہ چوتھی قسم میں علت غائی یہ ہے کہ آدمی کو خداے تعالیٰ کی جلال و عظمت منکشف ہو جاوے اور حقیقت میں معرفت الٰہی باطن میں کبھی حلول نہ کریگی جبتک کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور چیزیں اس میں سے نکل نہ جاویں گی اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ اسواسطے کہ وہ دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں اور کسی آدمی کے اندر خداے تعالیٰ نے دو دل نہیں بنائے کہ ایک میں معرفت الٰہی ہو اور دوسرے میں غیر اللہ ہو پس دل میں سے غیر اللہ کو پاک کرنا اور معرفت الٰہی کا آنا دو امر ہوے جن میں سے نصف باطن کا پاک کرنا ہے اسی طرح تیسری قسم میں علت غائی یہ ہے کہ دل اخلاق حمیدہ اور عقائد شرعی سے معمور ہو جاوے اور ظاہر ہے کہ دل انکے ساتھ متصف نہ ہوگا جبتک کہ انکے مقابل کے اخلاق بد اور عقائد فاسدہ سے پاک نہ ہو پس یہاں بھی دو باتیں ہوئیں جن میں سے نصف دل کا پاک کرنا ہوا جو دوسری بات کے لیے شرط ہے اسی طرح اعضا کا معاصی سے پاک کرنا ایک بات ہے اور انکا طاعات سے معمور کرنا دوسری بات تو اعضا کا پاک کرنا نصف ہوا اس عمل کا جو اعضا سے ہونا چاہیے اور علیٰ ہذا القیاس ظاہر کی پاکی کو سمجھنا چاہیے پس طہارت کو نصف ایمان کہا اس اعتبار سے ہے جو اوپر مذکور ہوا غرضکہ ایمان کے یہ مقامات ہیں اور ہر مقام کا ایک درجہ ہے اور بندہ اوپر کے درجے کو ہرگز نہیں پہونچتا جبتک کہ نیچے کے درجے کو طے نہ کر لے مثلاً باطن کو اخلاق ذمیمہ سے پاک کرنے اور صفات محمودہ سے معمور کرنے پر نہ پہونچیگا جبتک کہ دل کی طہارت اخلاق مذموم سے نہ کر لیگا اور اچھی عادتوں سے اسکو معمور نہ کر لیگا اور جو شخص کہ اعضا کو مناہی سے پاک کر کے طاعت میں انکو مصروف نہ کر چکیگا وہ دل کی طہارت کو نہ پہونچیگا اور جسقدر کہ مقصود عزیز اور شریف ہوتا ہے اسی قدر اسکا طریق اور مسلک مشکل اور طویل ہوتا ہے اور اسمیں گھاٹیاں بہت ہوتی ہیں شاید تمکو یہ خیال گذرے کہ یہ باتیں آرزو سے حاصل ہو جاتی ہیں اور بدون کوشش سہل الوصول ہوتی ہیں ہاں جس شخص کی چشم دل ان درجات کے دیکھنے سے اندھی ہوتی ہیں وہ طہارت صرف ظاہر کی طہارت کو سمجھتا ہے جو بہ نسبت اور اقسام کے ایسی ہے جیسے اوپر کا پوست مغز کی نسبت کہ ہوتا ہے اور اسی کو مقصود سمجھ کر اسمیں خوب غور کرتا ہے اور اسکے طریقوں میں نہایت مبالغہ کرتا ہے اور اپنے تمام اوقات استنجا اور کپڑوں کے دھونے اور ظاہر کی ستھرائی میں اور بہت سے بہتے پانی کی تلاش میں صرف کرتا ہے اس جہت سے کہ اسے وسوسہ اور فساد عقل سے یہی خیال کرتا ہے کہ طہارت مقصود اور شریف یہی ظاہر کی طہارت ہے اسکو اول لوگوں کی سیرت معلوم نہیں کہ وہ لوگ اپنی تمام ہمت اور فکر دل کے پاک کرنے میں مشغول رکھتے تھے اور طہارت ظاہری کے باب میں مسامحت فرماتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے باوجود اپنے علو شان کے ایک نصرانی عورت کی ٹھلیا سے وضو کیا تھا اور وہ لوگ کھانا کھانے کے بعد چربی وغیرہ کے دور کرنے کیلیے ہاتھ نہ دھوتے تھے بلکہ انگلیوں کو تلووں سے پونچھ لیا کرتے تھے اور اشنان اور بیسن کو بدعت نو ایجاد میں سے جانتے تھے مسجدوں میں ننگی زمین پر بدون فرش کے پڑھتے اور راہوں میں پیادہ چلتے اور جو شخص اپنے لیٹنے میں زمین پر کچھ نہ بچھاتا کہ خاک پر لیٹ رہتا وہ اکابر میں سے ہوتا تھا اور استنجا میں ڈھیلوں پر اکتفا کیا کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ اور دوسرے اہل صفہ کا قول ہے کہ ہم گوشت بھنا ہوا کھاتے اور تکبیر نماز کی ہو جاتی تو ہم انگلیوں کو کنکروں میں ڈال کر مٹی سے مل دیتے اور نماز میں شامل ہو جاتے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم اشنان کو نہ جانتے تھے ہمارے رومال ہمارے پاؤں کے تلوے ہوتے تھے کہ جب کچھ چکنائی کھاتے تو تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے اور کہتے ہیں کہ بعد زمانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار چیزیں اول ایجاد ہوئیں ایک چھلنی دوسری اشنان تیسری دسترخوان چوتھی پیٹ بھر کر کھانا پس ان لوگوں کی توجہ بالکل باطن کی طہارت پر تھی یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ نماز جوتوں سمیت پڑھنا افضل ہے اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نعلین مبارک جب اتاری تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپکو خبر دی تھی کہ انمیں نجاست لگی ہے اور لوگوں نے بھی اپنی جوتیاں اتاریں تو آپ نے انکو ارشاد فرمایا کہ تمنے اپنی جوتیاں کیوں اتار ڈالیں

[حاشیہ:] ...کہ اللہ پھر چھوڑ دے انکو اپنی بکواس میں کھیلا کریں ۱۲ ؎ ابن ماجہ روایت عبد اللہ بن الحارث اور روایت ابوہریرہ کو نہیں ملی ۱۲ ؎ ابن ماجہ ... روایت ... مسلم ... روایت ... ابوسعید ۱۲

سے کے اول ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد اگر کچھ اثر نجاست کا رہ جاوے تو وہ معاف ہے بشرطیکہ نکلنے کی جگہ سے نہ بڑھ جاوے دوسرے راستوں
کیچڑ اور گوبر کا غبار راہ میں معاف ہے باوجودیکہ نجاست کا یقین ہو مگر اسقدر معاف ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہو یعنی جس پر یہ حال گذرے اُسکو
کوئی یہ نہ کہے کہ اُسنے خود لتھیڑا ہے یا پھسلکر گرا ہے یہ تری وہ نجاست کہ موزوں کے تلے میں لگ جاتی ہے اس جہت سے کہ راہوں میں ضرور پڑی
رہتی ہے تو وہ بھی معاف ہے رگڑنے کے بعد کیونکہ اُسکے دور کرنے میں حرج ہے چوتھی پسوؤں کا خون تھوڑا ہو یا بہت لیکن اگر عادت کی حد سے
گذر جاوے تو البتہ معاف نہیں خواہ تمہارے کپڑے میں ہو یا غیر کے کپڑے میں ہو اور تمنے اُسکو پہن لیا ہو پانچویں پھنسیوں کا خون اور جو کچھ
اُنمیں سے پیپ اور کچ لہو بہے معاف ہے حضرت ابن عمرؓ نے اپنے مہاسے کو رگڑ دیا اُسمیں سے خون نکلا آپ نے اُسکو نہ دھویا اور نماز پڑھ لی
اور اُسی کے حکم میں ہیں وہ رطوبات جو ناسوروں سے نکلتی ہیں یا فصد کے بعد خون کا چکتا رہتا ہے یہ بھی معاف ہیں لیکن جو امور کم واقع ہوں
جیسے زخم لگنا وغیرہ تو اُسکا حکم خون استحاضہ سے ملا دیا جاویگا ان پھنسیوں کا سا حال ہوگا جیسے انسان اکثر خالی نہیں رہتا اور شریعت میں جو ان
پانچوں نجاستوں سے چشم پوشی کی گئی اس سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ طہارت کا معاملہ سہولت پر مبنی ہے اور جو کچھ اس باب میں نیا ایجاد ہوا ہے وہ صرف
وسوسہ ہے اُسکی کچھ اصل نہیں **دوسرا بیان** اُن چیزوں کے ذکر میں جن سے نجاست دور کی جاوے وہ دو طرح کی ہیں یا جامد ہیں یا بہتی ہوئی
جامد چیز استنجا کا ڈھیلا ہے یہ خشک کرنے سے پاک کر دیتا ہے اور اُسمیں شرط یہ ہے کہ سخت ہو اور پاک ہو اور نجاست کو چوستا ہو اور حرمت نہ رکھتا ہو اور
بہتی چیزوں میں سے سوائے پانی کے اور کسی چیز سے نجاست دور نہیں ہوتی اور پانی بھی سب دور نہیں کرتے بلکہ نجاست کا دور کرنے والا وہ
پانی ہے جو پاک ہو اور کسی سے حاجت چیز کے ملنے سے اُسمیں تغیر فاحش نہ ہو گیا ہو اگر پانی میں کوئی نجاست ملجاوے جس سے اُسکا مزا یا رنگ یا بو
بدلجاوے تو وہ پانی پاک نہیں رہتا اور اگر نجاست کے پڑنے سے ان تینوں وصفوں میں سے کوئی نہ بدلے اور پانی مقدار میں قریب دو مشکوں کے
یا سوا چھ سو تول میں ہو تو وہ نجس نہوگا اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا اور اگر اس مقدار سے کم ہوگا
تو امام شافعیؒ کے نزدیک نجس ہو جاویگا یہ حال ٹھہرے ہوئے پانی کا ہے لیکن بہتا پانی اگر نجاست سے بدل جاوے تو جتنا بدلا ہوا ہو وہ ناپاک ہے
اُس سے اوپر اور نیچے کا ناپاک نہیں اسلیے کہ پانی کے بہاؤ سے سب جدی جدی ہیں اور اسی طرح اگر بہتی نجاست پانی کے بہاؤ میں چلے تو جس
جگہ وہ پانی میں پڑی ہے وہ نجس ہے اور جو اُسکے داہنے بائیں پانی ہے وہ نجس ہے بشرطیکہ پانی قلتین سے کم ہو اور اگر پانی کی چال نہ جا سکتی چال سے
قوی تر ہو تو نجاست کے اوپر کی جانب کا پانی پاک ہے اور نیچے کی جانب کا نجس ہے گو دور ہو اور بہت ہو لیکن جس صورت میں کہ کسی حوض میں بمقدار
قلتین کے پانی جمع ہو جاویگا تو نجس نہ رہیگا اور نجس پانی اگر دو قلوں کے برابر اکٹھا ہو جاوے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور پھر جدا کرنے سے ناپاک
دوبارہ نہیں ہوتا یہ مذہب امام شافعی کا ہے اور مجھکو یوں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ امام شافعیؒ کا مذہب پانی کے باب میں امام مالک کے مذہب کے
موافق ہوتا یعنے پانی اگرچہ تھوڑا ہو مدوں تینوں وصفوں میں سے ایک کے بدلنے کے امام مالک کے نزدیک نجس نہیں ہوتا تو امام شافعیؒ کا مذہب
بھی یہی ہوتا تو خوب تھا اسواسطے کہ ضرورت تو پڑتی ہی ہے اور قلتین کی قید لگانے سے وسوسے اُٹھتے ہیں اور اسی جہت سے لوگوں پر یہ شرط
گراں ہے اور درواقع میں بھی یہ قیاس مشقت کا سبب ہے جو کوئی اُسکا تجربہ کرے اور سوچے اُسکو کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اور اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ اگر
قلتین کی شرط لگی ہوتی تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بطریق اولے طہارت دشوار ہوتی اسلیے کہ ان دونوں جگہوں میں نہ بہتے پانی کی کثرت ہے
نہ ٹھہرے کی اور اول زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آخر زمانہ صحابہ تک کوئی واقعہ طہارت کے باب میں منقول نہیں اور نہ کوئی
سوال نجاستوں سے پانی کے بچانے کی کیفیت کے دریافت کرنے میں پایا جاتا ہے اور ان لوگوں کے پانی کے برتنوں پر لڑکوں اور لونڈیوں اور
ایسے لوگوں کا تصرف رہتا تھا جو نجاستوں سے احتراز نہیں کرتے۔ اور حضرت عمرؓ نے اس پانی سے وضو کیا جو نصرانی عورت کے گھڑے میں
تھا اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بجز عدم تغیر پانی کے اور کسی شرط پر اعتماد نہیں کیا ورنہ نصرانی عورت اور اُسکے برتن کا نجس

ارح بیچ
کے پانی
مقدار دو مشکوں
کے تو ہیں
ڈھائی پیپے کا
۱۲ احیاء
کی ... رُوش
... ۱۲
تحقیق نصف
پانی کی نجاست
میں ۱۲

بات میں ہوتی ہو کہ بجز امر اہم کے اور کسی بات کی فرصت ہو چنانچہ داؤد طائی سے کسی نے کہا کہ تم اپنی ڈاڑھی میں کنگھی کیوں نہیں کرتے انھوں
نے جواب دیا کہ مجکو فرصت اس کام کی کہاں یہ امر تو بیکاری سے متعلق ہو اسی وجہ سے عالم اور عاقل کو ہماری دانست میں مناسب نہیں کہ
دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں میں وہم کرے کہ اسنے دھونے میں کمی کی ہوگی اور خود اُنکے دھونے میں اوقات صائع کرے کیونکہ پہلے
قرن کے لوگ تو بکی ہوئی پوستین سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے حالانکہ دھوئے ہوئے اور بکے ہوئے میں طہارت اور نجاست کے باب میں بہت فرق ہو
بلکہ انکا دستور تھا کہ نجاست کو جب آنکھ سے دیکھتے تو اُس سے اجتناب کرتے یہ نہیں کہ باریک باتیں تہموں کی نجاست میں نکالا کرتے ہوں
ہاں ریاکی اور ظلم کی باریکیاں سوچتے تھے یہانتک کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ساتھی کے ایک مکان کے اونچے دروازے پر
گذرے رفیق کو ارشاد فرمایا کہ لو اونچا محل مت بنانا اسلیے کہ اگر آدمی اس مکان کو نہ دیکھتے تو اسکا مالک کبھی اتنا اسراف نہ کرتا اس سے یہ نکلا کہ
دیکھنے والا مسرف کو اُسکے اسراف پر معین ہوتا ہو غرضکہ ایسے ذہن کو وہ تو اسطرح کی دقائق کے نکالنے میں لگاتے تھے نجاستوں کے
وہم اور وسوسوں میں نہ پھنساتے تھے ہاں اگر کوئی عالم کسی عامی کو پاوے کہ وہ اسکے کپڑے دھونے میں احتیاط کے ساتھ مشغول ہو تو بہتر بات ہو
اسلیے کہ سستی کی نسبت کرتو بہتر ہو اور عامی مذکور کو یہ فائدہ بھی ہو کہ اُسکا نفس امارہ ایک مباح کام میں لگا ہوا ہو اتنی ہی دیر معاصی سے باز
رہیگا کیونکہ نفس اگر کسی کام میں مصروف نہیں ہوتا تو آدمی کو اپنے دھندے میں لگا لیتا ہو اور جبکہ عامی مذکور اس کپڑے دھونے سے عالم
کا تقرب چاہتا ہو تو یہ امر اسکے نزدیک سب امور ثواب کی نسبت کہ افضل ہو اسلیے کہ عالم کا وقت اس جیسے کاموں کے مشغول ہونے سے اشرف
ہو تو عامی کے مشغول ہو جانے سے عالم وقت محفوظ رہیگا اور عامی کے لیے اشرف وقت یہ ہو کہ ایسے ہی کاموں میں مصروف ہو تو اُسی پر سب
طرف سے خیر و برکت ہوگی۔ اور اس مثال سے اور عملوں کی نظیروں کو اور اُنکے مصالح کی ترتیب کو اور ایک دوسرے پر اُسکے مقدم ہونے کو
سمجھ لینا چاہیے اسلیے کہ عمر کے لحظوں کو افضل بات میں صرف کرنے کے لیے خوب حساب کرنا اس سے اہم ہو کہ تمام دنیاوی امور میں تدقیق
کیجاوے اور جب ہم اس مقدمے کو جان چکے اور ظاہر ہو گیا کہ طہارت کے چار مرتبے ہیں تو اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ہم اس باب میں صرف ایک
قسم کی طہارت کو ذکر کرتے ہیں یعنی ظاہر کی طہارت کو اسلیے کہ ہم اس کتاب کے اول حصے میں جان بوجھ کر بجز ظاہر باتوں کے اور کچھ نہیں لکھتے
پس ہم کہتے ہیں کہ طہارت ظاہر تین قسم ہو اول نجاست ظاہری سے پاک ہونا دوم نجاست حکمی سے پاک ہونا جسکو حدث کہتے ہیں سوم بدن کے
فضلوں سے پاک ہونا اور فضلات بدن سے طہارت یا کاٹنے یا استرے سے یا نورا لگانے وغیرہ سے ہوتی ہو **قسم اول نجاست ظاہری سے**
پاک ہونے کے ذکر میں اسمیں تین باتوں کا دیکھنا ہو ایک جس چیز کو دور کریں اور ایک جس چیز سے دور کریں اور ایک طریق دور کرنے کا **بیان اول**
اُن اشیا کا ذکر جو دور کی جاویں دور کرنے کی چیزیں نجاستیں ہیں اور اعیان تین طرح کے ہیں اول جمادات یعنی جن میں زندگی نہیں دوم حیوان
سوم اجزاے حیوان انمیں سے جمادات کا یہ حال ہو کہ سواے شراب کے اور کل نشہ آور چیز کے سب پاک ہیں اور حیوانات سواے کتے
اور سور کے اور جو جانور دونوں سے پیدا ہو اُسکے سواے پاک ہیں اور حیوان جب مرجاویں تو سوا پانچ حیوانوں کے سب نجس ہیں اور وہ پانچ یہ ہیں
آدمی اور مچھلی اور ٹیڑی اور سیب کا کیڑا اور اسمیں داخل ہو وہ کیڑا جو کھانے یا سرکہ وغیرہ میں پڑ جاتا ہو پانچواں وہ جانور جسمیں بہتا ہوا خون نہیں
جیسے مکھی اور گبریلا وغیرہ کہ اسطرح کی چیزیں اگر پانی میں گر جاویں تو پانی اس سے نجس نہوگا۔ اور حیوانات کے اجزا دو طرح کے ہیں اول وہ کہ حیوان
سے علیحدہ ہو گئے ہوں اُنکا حکم مردہ کا سا ہو مگر بال علیحدہ ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا اور ہڈی ناپاک ہو جاتی ہو دوسرے وہ رطوبتیں جو حیوان
کے اندر سے نکلتی ہیں انمیں سے جو اسطرح کی ہیں کہ تبدیل نہیں ہوتیں اور اُنکے ٹھہرنے کی جا مقرر نہیں وہ پاک ہیں جیسے آنسو اور پسینا اور
لعاب اور رینٹ اور جن چیزوں کا ٹھکانا مقرر ہو اور وہ تبدیل ہوتی ہیں وہ نجس ہیں بجز اُس چیز کے جو حیوان کی اصل ہو مثلاً منی اور انڈے کہ پاک
ہیں اور خون اور پیپ اور پاخانہ اور پیشاب تمام حیوانات کا نجس ہو اور ان نجاسات میں سے تھوڑی ہوں یا بہت معاف کچھ نہیں سوا پانچ چیزوں

دھوویں اور بتنے پانی اور پانی کے پینے برتن جھکا دیتے ہیں یہی صورت ہو اور یہ مت خیال کرنا کہ یہ صورت معاف ہونے کی ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو استنجا
کے ازار اور سوؤں کے حوض کی طرح ہوتا کہ جو پانی اُس سے لگتا وہ ناپاک ہوتا حالانکہ دھوون ناپاک نہیں ہوتا نہ تھوڑا پانی بلی کے منھ ڈالنے سے ناپاک
ہوتا ہو۔ اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ لا یحمل خبثا یعنی نجاست کو نہیں اُٹھاتا تو یہ لفظ اپنی ذات سے مبہم ہو کیونکہ جب متغیر ہوتا ہو
تب تو نجاست کو اُٹھاتا ہی ہو اور اگر یہ کہو کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جب متغیر نہیں ہوتا اُسوقت نجاست کو نہیں برداشت کرتا تو ممکن ہو کہ یہ کہیں کہ اس سے مراد
یہ ہو کہ وہ پانی اکثر اوقات میں معتاد نجاستوں سے متغیر نہیں ہوتا تو یہ بات قلتین سے کم میں بھی متمسک ہو مگر کمتر میں اسکی رعایت نہ کرنی ان دلیلوں سے
جو ہم نے لکھی ہیں ممکن ہو اور لا تحمل خبثا کے ظاہر الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حمل یعنی برداشت کی نفی ہو جسکے یہ معنے ہیں کہ نجاست کو
اپنی صفت پر بدل لیتا ہو جیسے یہ کہتے ہیں کہ کان نمک کتے وغیرہ کو برداشت نہیں کرتی یعنے اُسمیں جو چیزیں ہیں ویسی ہو جاتی ہیں اور ان معنوں کے
لینے کی وجہ یہ ہو کہ لوگ تھوڑے پانیوں میں استنجا کیا کرتے ہیں اور اپنے نجس برتن اُسمیں ڈبویا کرتے ہیں پھر تردد کیا کرتے ہیں کہ یہ پانی اتنے اچھے
متغیر ہو گیا یا نہیں تو جب مقدار قلتین کے پانی ہو گا معلوم ہو جاویگا کہ ان معتاد نجاستوں سے متغیر نہیں ہوتا پس اگر یہ کہو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ نجاست کو برداشت نہیں کرتا اور جب نجاست زیادہ ہو گی تب تو برداشت کرتا ہو تو یہ سوال اُلٹا
تمھیں پر پڑیگا کہ جب نجاست زیادہ ہو گی تب اُسکی برداشت حکم کی رو سے بھی کریگا جیسے دیکھنے میں کرتا ہو پس دونوں صورتوں
میں معتاد نجاستوں کی خصوصیت لگانی ضرور ہو۔ حاصل یہ کہ نجاستوں کے معاملہ میں ہمارا میل آسانی برتنے کی طرف ہو اس وجہ
سے کہ پہلے لوگوں کی سیرت سے ہمنے اسی طرح پائی اور وسواس کی جڑ اکھاڑنی منظور ہو اور اسی وجہ سے ان مسئلوں میں اگر کہیں خلاف واقع
ہوا ہو تو ہمنے طہارت کا حکم دیا ہو **تیسرا بیان** نجاست کے دور کرنے کی کیفیت میں نجاست اگر غیر مرئی ہو یعنی اُس کا جسم نہ دکھائی دیتا ہو تو
اُسپر جہاں جہاں پڑی ہو پانی کا بہانا کافی ہو اور اگر نجاست جسم دار ہو تو اُسکے جسم کا دور کرنا ضروری ہو اور جبتک مزہ اُسکا باقی رہیگا تب تک معلوم
ہو گا کہ اُسکا جسم باقی ہو اور یہی حال رنگ کے باقی رہنے کا ہو لیکن جس صورت میں کہ رنگ چمٹ جاوے اور رگڑنے اور ملنے سے نہ جاوے تو وہ
معاف ہو اور بو کا باقی رہنا نجاست کے باقی رہنے پر دال ہو اور معاف نہیں لیکن اگر کوئی چیز نہایت تیز بو کی ہو کہ اُسکا دور کرنا مشکل ہو تو اُسوقت
ملنا اور چند مرتبے پانی نچوڑ نچوڑ کر ڈالنے کے قائم مقام ہو اور وسواس کے دور کرنے کی یہ تدبیر ہو کہ یوں سمجھنا چاہیے کہ چیزیں یقیناً پاک پیدا ہوئی ہیں
تو جسپر نجاست نہ دکھائی دیتی ہو اور نہ یقینا معلوم ہو کہ نجس ہو تو اُس سے نماز پڑھ لے اور اس بات کی ضرورت نہیں کہ نجاستوں کی مقدار مقرر
کرنے کے لیے اسباب کیے جاویں **دوسری قسم** حدث کی طہارت کے بیان میں۔ اور اس طہارت میں وضو اور غسل اور تیمم داخل ہیں اور
ان سب سے مقدم استنجا ہو ہم ان سب کی کیفیت ترتیب مع آداب و سنت کے لکھتے ہیں اور شروع میں وضو کے سبب کو یعنے قضائے حاجت
کو لکھتے ہیں بعون اللہ تعالی **بیان اول** پاخانہ پھرنے کے آداب اسمیں اتنی باتیں ملحوظ رکھنی چاہییں کہ دیکھنے والوں کی نظر سے جنگل میں
دور جاوے اور کسی چیز کی آڑ اگر ہو سکے تو کر لے اور جبتک بیٹھنے کے مقام پر نہ پہونچ جاوے تب تک اپنی ستر نہ کھولے اور سورج اور چاند کی
طرف منھ کرکے نہ بیٹھے اور نہ قبلہ کی طرف منھ کرے نہ پیٹھ پھیرے مگر جس صورت میں کہ مکان میں پاخانہ ہو تو مضائقہ نہیں اور اس صورت میں بھی
مستحب یہی ہو کہ قبلہ سے پھر کر بیٹھے اور جنگل میں اگر اپنی سواری کی یا دامن کی آڑ کر لے تو جائز ہو اور آدمیوں کی باتیں کرنے کی جگہ میں بیٹھے سے
اجتناب کرے اور ٹھہرے ہوئے پانی میں اور پھل دار درخت کے نیچے اور سوراخ کے اندر پیشاب نہ کرے اور جو جگہ نہایت سخت ہو اور ہوا کے
رخ پیشاب نہ کرے تاکہ چھینٹوں سے بچا رہے اور بیٹھنے میں بائیں پاؤں پر زور دے لے اور اگر مکانات کے پاخانوں میں جاوے تو اندر جانے میں
بایاں پاؤں اول رکھے اور باہر نکلتے وقت دہنا اول نکالے اور کھڑا ہو کر پیشاب نہ کرے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو کوئی تمسے یہ بیان کرے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اُسکے قول کو سچا نہ جانو۔ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہوتا ایسا ہی کہ ظن غالب سے ادنیٰ تامل معلوم ہوتا ہے۔ پس امام شافعیؒ کے مذہب پر مشکل سے قائم ہوا اور پیغمبر کے قرنوں میں اس امر کا اتفاق
ہوتا ایک دلیل ہے جس سے پانی میں قلتین کی شرط لگانی ناممکن معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کا فعل دوسری دلیل ہے اور تیسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے لیے برتن جھکا دیا تھا اور اس وقت کے لوگ بلی سے برتنوں کو ڈھانپتے نہ تھے حالانکہ دیکھتے تھے کہ بلی چوہا کھاتی
ہے اور انکے شہروں میں حوض نہ تھے کہ جن میں بہت [illegible] ہوں [illegible] اکثر بلیاں برتنوں ہی میں سے پانی پیا کرتی تھیں
اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ جس پانی سے نجاست دھوئی جاوے اسکا دھوون پاک ہے بشرطیکہ اسکا کوئی وصف نہ بدلے
اور اگر بدل جاوے تو دھوون ناپاک ہے پس پانی کی نجاست پر ڈالنے میں اور نجاست کے پانی میں گرنے میں کونسا فرق ہے اور بعض جو یہ کہتے ہیں
کہ پانی کے گرنے کی قوت نجاست کو دفع کرتی ہے تو اگر وہ نجاست پانی سے نہیں ملتی تو پھر اسکے کیا معنی کہ نجاست دور ہوجاتی ہے اور اگر یہ کہو کہ حاجت
کے سبب ایسا ہوتا ہے تو حاجت تو اسکی طرف بھی ہے کہ سوائے تغیر اوصاف کے اور جیسا پانی کے نجاست میں لگائی جاوے اور اسمیں کیا فرق ہوا
کہ جس طاس میں نجس کپڑا ہوا اسمیں پانی ڈالدیا یا جس طشت میں پانی ہو اسمیں ناپاک کپڑا ڈالدیا کپڑوں اور برتنوں کے دھونے میں دونوں طرح
کی عادت ہے۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ تھوڑے پانی بہتے ہوئے کے کناروں پر استنجا کیا کرتے تھے اور امام شافعیؒ کے مذہب میں باتفاق
ثابت ہے کہ جب بہتے پانی میں پیشاب پڑ جاوے اور وہ متغیر نہ ہووے تو اس سے وضو کرنا درست ہے گو پانی تھوڑا ہو تو پھر بہتے اور ساکن میں فرق کیا
اور اسکو کوئی یہ بتاوے کہ متغیر ہونے پر حوالہ کرنا بہتر ہے یا بہنے کے سبب سے پانی کی قوت پر حوالہ کرنا اچھا ہے پھر اس قوت کی حد کیا ہے آیا جو پانی کہ حمام
کی ٹونٹیوں میں سے نکلے ہے (اس پر یہ قاعدہ جاری ہے کہ نہیں اگر نہیں جاری تو فرق بتانا چاہیے اور اگر جاری ہے تو ناپاکی اس پانی میں پڑ جاوے
اور جو برتنوں میں سے نال بہنے کی جگہ پڑ جاوے دونوں میں فرق کیا ہے آخر یہ بھی پانی بہتا ہے علاوہ ازیں پیشاب بہتے پانی میں بہ نسبت بستہ
نجاست کے خوب ملجاتا ہے تو عجب ہے یہ حکم دیدیا کہ جو پانی بستہ نجاست پر کو گرے وہ نجس ہے یہانتک کہ ایک ایسے حوض میں جمع ہو کہ اسکی مقدار قلتین
ہو تو بستہ نجاست اور بہتی نجاست میں کیا فرق ہے پانی تو ایک ہی ہے اور ملجانا بہ نسبت اوپر کے گدرنے کے زیادہ ہے تو کیا وجہ کہ پیشاب ملنے سے
وضو درست ہوا اور سیدھی نجاست پر گدرنے سے ناجائز ہو۔ چھٹی دلیل یہ ہے کہ قلتین پانی میں اگر آدھ سیر پیشاب پڑ جاوے اور وہ پانی علیحدہ کیا جاوے
تو جو پیالہ اس میں سے بھرا جاویگا وہ پاک ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اسمیں کچھ قطرے پیشاب کے ضرور ہونگے گو تھوڑے ہوں پس اب یہ بتاؤ کہ پانی کی
طہارت کی علت متغیر نہ ہونے کو کہنا اچھا ہے یا کثرت کی قوت کو بتانا بہتر ہے حالانکہ کثرت تو پیالہ میں علیحدہ کرنے سے جاتی رہی اور اجزائے نجاست
اسمیں موجود ہیں۔ ساتویں دلیل یہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں حماموں میں پہلے پہلے آدمی وضو کیا کرتے تھے اور اپنے ہاتھ اور برتن ان حوضوں
میں باوجود پانی کے تھوڑا ہونے کے ڈالدیتے تھے گو یہ معلوم تھا کہ ان میں ناپاک اور پاک سب طرح کے ہاتھ پڑتے ہیں۔ تو یہ دلیلیں مع شدت
حاجت دل میں اسبات کو قوت دیتی ہیں کہ پہلے لوگ متغیر ہونے کو دیکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر اعتماد رکھتے تھے
کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو پاک پیدا کیا ہے اسکو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی بجز اسکے کہ اسکے مزہ یا رنگ یا بو کو بدل دے۔ اور یہ بات پانی میں واقع میں ہے یعنی
ہر بہنے والی چیز کی سرشت ہے کہ جو چیز اسمیں پڑے اسکو اپنی صفت پر بنالے اور وہ چیز اس سے مغلوب ہو جیسے نمک کی کان میں کتا گر پڑے تو وہ
بھی نمک ہوجاتا ہے اور اسکی طہارت کا حکم لگتا ہے اس سبب سے کہ اس میں سے کتے ہونیکا وصف جاتا رہا نمک ہوگیا اسی طرح اگر تھوڑا سا سرکہ یا دودھ
پانی میں گرجاویگا تو اسکی صفت سے متصف ہوجاویگا اور اسی کی خاصیت اختیار کریگا مگر جس صورت میں کہ بہت اور غالب ہو تب پانی
نہ ہوگا اور اسکا غلبہ مزہ یا رنگ یا بو کے غالب ہونے سے ہوتا ہے تو پس اوصاف کا متغیر ہونا جانچ کی خبر ہے اور شریعت نے نجاست کے دور
کرنے کے لیے پانی میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مناسب ہے کہ اسپر اعتماد کیا جاوے تاکہ تنگی دفع ہو اور علت پانی کے پاک ہونے کی
[illegible] دوسری چیز پر غالب ہوتا ہے تاکہ اسکو پاک کرے [illegible] قلتین سے زیادہ ہونے کی صورت [illegible]

ماہر نکلیں اور جو مقام ظاہر ہوا اور اُسپر حکم نجاست کا ہو جاتا ہے تو اُسکے پاک ہونے کی حد یہ ہے کہ پانی اُس جگہ پہونچ جاوے اور نجاست دور
کردے زیادہ وسواس کی کوئی بات نہیں اور جب استنجا سے فراغت پاوے تو یوں کہے اللھم طھر قلبی من النفاق وحصن فرجی من الفواحش
یعنی الٰہی میرے دل کو نفاق سے پاک کر اور میرے مقام شرم کو زنا سے محفوظ رکھ پھر اپنا ہاتھ دیوار سے یا زمین سے بو کے دور کرنے کے لیے
رگڑ ڈالے اگر وہ کئی ہو اور پانی اور ڈھیلوں کا دونوں کا استعمال کرنا مستحب ہے چنانچہ مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری فیہ رجال یحبون ان یتطھروا
واللہ یحب المتطھرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا والوں کو ارشاد فرمایا کہ وہ کون سی طہارت ہے جسپر خدا تعالیٰ نے تمھاری تعریف
کی انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے اور پانی دونوں استعمال کرتے ہیں **دوسرا بیان** وضو کی کیفیت کے ذکر میں - جب
استنجا سے فارغ ہو چکے تو وضو میں مشغول ہو اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ قضائے حاجت کے بعد آپ نے وضو
نہ کیا ہو اور وضو میں شروع مسواک سے کرے کہ اُسکے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھارے منھ قرآن کے راستے ہیں پس
انکو مسواک سے اچھا کرو پس چاہیے کہ مسواک کرنے کے وقت نیت کرلے کہ اپنا منھ نماز کے اندر قرآن کی قرات اور ذکر اللہ کے لیے پاک کرتا ہوں
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک کے بعد کی نماز بدون مسواک کی پچیس نمازوں سے بہتر ہوتی ہے اور فرمایا لولا ان اشق علی امتی
لامرتھم بالسواک عند کل صلوۃ اور فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم میرے پاس زرد دانتوں سے آتے ہو مسواک کیا کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
رات کو کئی مرتبہ مسواک کیا کرتے تھے - اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہمکو مسواک
کا حکم کیا کرتے تھے یہانتک کہ ہمنے گمان کیا کہ آپ پر اسکے باب میں عنقریب کوئی آیت اُتریگی اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لازم پکڑو مسواک
کرنے کو کہ وہ منھ کو پاک کرتی ہے اور باعث خوشنودی اللہ تعالیٰ کی ہے - اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ مسواک حافظہ بڑھاتی ہے اور بلغم
دور کرتی ہے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مسواک کو کانوں پر رکھکر چلا کرتے تھے اور کیفیت اسکی یہ ہے کہ مسواک پیلو کی یا اور درختوں
کی شاخ کی کرے جو دانت کی زردی دور کردے اور مسواک عرض اور طول دونوں جانب میں کرے یعنی ڈاڑھوں کی جانب میں بھی پھراوے
اور سوڑھوں کی جانب میں بھی اور اگر ایک ہی طرف پر کفایت کرے تو عرض میں کرے اور مسواک ہر نماز اور ہر وضو کے وقت کرے گو وضو
کے بعد نماز نہ پڑھے اور جب سونے یا بہت دیر چپ بیٹھنے یا بو دار چیز کھانے سے منھ کی بو بری ہو گئی ہو اُسوقت مسواک کرے پھر مسواک
سے فارغ ہونے کے بعد وضو کے لیے قبلہ رخ بیٹھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بسم اللہ نہ کہے اسکا
وضو نہیں ہوتا یعنی بدون بسم اللہ کے کامل نہیں ہوتا اور اسوقت کہے اعوذ بک من ھمزات الشیطان واعوذ بک رب ان یحضرون پھر اپنے ہاتھ
برتن میں ڈالنے سے پہلے پہونچوں تک تین بار دھووے اور کہے اللھم انی اسالک الیمن والبرکۃ واعوذ بک من الشوم والھلکۃ یعنی الٰہی میں
تجھسے سوال کرتا ہوں یمن اور برکت کا اور نحوست اور تباہی سے تجھسے پناہ مانگتا ہوں پھر حدث کے دور کرنے اور نماز کے مباح ہو جانے کی
نیت کرے اور منھ دھونے تک یہ نیت باقی رکھے اگر منھ دھونے کے وقت بھول جاویگا تو وضو نہ ہوگا پھر چلو میں منھ کے لیے پانی لیوے
اور اُس سے تین کلیاں کرے اور غرارہ کرے اور اگر روزہ دار ہو تو غرارہ نہ کرے کلیاں ہی کرلے اور کہے اللھم اعنی علی تلاوۃ کتابک وکثرۃ
ذکرک یعنی الٰہی اپنی کتاب کے پڑھنے اور اپنے ذکر کے زیادہ کرنے پر میری مدد کر پھر ناک کے لیے چلو بھرے اور تین دفعہ ناک میں پانی دے
اور سانس سے پانی کو نتھنوں میں چڑھا دے اور جو کچھ نتھنوں میں ہو اُسکو سنک ڈالے اور ناک میں پانی دینے کے وقت یہ دعا کہے اللھم
اوجدنی رائحۃ الجنۃ وانت عنی راض یعنی الٰہی تو مجکو جنت کی خوشبو سونگھا اُس حال میں کہ تو مجھسے خوش ہو اور ناک سنکنے کے وقت کہے اللھم
انی اعوذ بک من روائح النار ومن سوء الدار الٰہی میں تجھسے پناہ مانگتا ہوں دوزخ کی بدبوؤں سے اور برے گھر سے پہلے دعا ناک میں پانی پہونچانے
کا مستحب ہے اور یہ ناک سے کوئی چیز دور کرنے کے مناسب ہے پھر چلو اپنے منھ کے لیے لیوے اور اُسکو جہاں سے کہ پیشانی پھیلنی شروع ہوتی

مجھکو کھڑے ہوئے پیشاب کرتے دیکھکر فرمایا کہ اے عمر کھڑا ہو کر پیشاب مت کر اور اس باب میں اجازت مروی ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور میں آپ کے لیے وضو کا پانی لایا آپ نے وضو کر کے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور
نہانے کی جگہ میں پیشاب نہ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اکثر وسواس اسی سے ہوتا ہے۔ اور ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر
پانی بہتا ہوا ہو تو اسمیں پیشاب کرنے کا مضائقہ نہیں اور پاخانے میں اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ لیجاوے جسپر نام خدا کا یا اسکے رسول صلی
اللہ علیہ وسلم کا ہو اور پاخانہ میں ننگے سر نجاوے اور پاخانے میں جانے کے وقت کہے بسم اللہ اعوذ باللہ من الرجس النجس الخبیث المخبث
الشیطان الرجیم یعنی شروع کرتا ہوں اللہ کا نام پناہ مانگتا ہوں اللہ سے ناپاک پلید خبیث مخبث شیطان مردود سے اور نکلتے وقت کہے الحمد للہ
الذی اذہب عنی ما یؤذینی وابقی علی ما ینفعنی یعنی شکر ہے خدا کا کہ اسنے مجھ میں سے وہ چیز دور کی جو مجھے ایذا دے اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے
کام آوے مگر یہ دعائیں پاخانے کے باہر کہے اور استنجا کے ڈھیلے بیٹھنے سے پہلے گن لے اور جہاں پاخانہ پھرے اس جگہ پانی سے طہارت
نہ کرے اور پیشاب کے بعد کھنکھارے اور تین دفعہ آلہ تناسل کو سونت دے اور اسکے نیچے کی جانب ہاتھ پھیر دے اور اس باب میں زیادہ
فکر نہ کرے ورنہ وسوسے میں گرفتار ہوگا اور کام مشکل پڑجاویگا اور اگر بعد کو کچھ تری معلوم ہو تو یہ سمجھے کہ پانی کا اثر ہے اور اگر یہ امر اسکو ایذا دیتا ہو تو
اس مقام پر پانی چھڑک لے تاکہ نفس میں خوب جم جاوے کہ پانی کا اثر ہے قطرہ نہیں اور وسوسہ کرنے سے اپنے اوپر شیطان کو مسلط نہ کرے اور
حدیث شریف میں یہ فعل مروی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی چھڑکا ہے اور پہلے لوگوں میں جو استنجا میں جلد فراغت کرتا تھا وہ زیادہ
فقیہ ہوتا تھا تو جو شخص اسمیں وسوسہ کرے معلوم ہوگا کہ اسکو سمجھ کم ہے اور حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو سب
چیزیں تعلیم فرمائیں یہانتک کہ پاخانہ پھرنا تعلیم فرمایا اور حکم دیا کہ ہڈی سے اور لید سے استنجا نہ کریں اور منع فرمایا اس بات سے کہ پیشاب یا پاخانہ میں
قبلہ رخ بیٹھیں۔ اور ایک بدوی نے جھگڑے کے وقت کسی صحابی سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تمکو پاخانہ پھرنا بھی اچھی طرح نہیں آتا انھوں نے
فرمایا کہ کیوں نہیں میں تو اس سے خوب ماہر ہوں راستے سے دور جاتا ہوں اور ڈھیلے گن لیتا ہوں جھنڈی کی طرف منھ کرتا ہوں اور ہوا کی
طرف پشت پھیرتا ہوں پنجوں پر زور دیتا ہوں اور سرین اوپر کو رکھتا ہوں۔ اور جائز ہے کہ آدمی دوسرے شخص کے قریب اس سے آڑ کرکے پیشاب
کرلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجودیکہ بہت حیا رکھتے تھے لوگوں کی تعلیم کے لیے ایسا کیا ہے اب استنجا کی کیفیت معلوم کرو کہ بعد
پاخانہ سے فارغ ہونے کے تین ڈھیلوں سے اپنے مقام کو صاف کرے اگر صاف ہو جاوے تو خیر ورنہ چوتھا ڈھیلا لے اور اسی طرح اگر حاجت
پڑجاوے تو پانچواں استعمال کرے اسواسطے کہ پاک کرنا واجب ہے اور عدد طاق مستحب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من استجمر فلیوتر
یعنی جو ڈھیلے استعمال کرے چاہیے کہ طاق لیوے اور ڈھیلے کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر اپنے مقام پاخانہ کے اگلے کنارے پر نجاست سے
اسطرف رکھے اور پیچھے کو پونچھتا ہوا اور ڈھیلے کو پھیرتا ہوا لیجاوے پھر دوسرا ڈھیلا لیوے اور اسکو پیچھے کی طرف رکھکر آگے کو اسی طرح لاوے اور
تیسرا ایک مقعد کے گرد گھما دے اور اگر گھمانا دشوار ہو اور آگے سے پیچھے تک پونچھ لیا ہو تو کافی ہے پھر ایک بڑا سا ڈھیلا اپنے داہنے ہاتھ میں لے
اور ذکر کو بائیں ہاتھ میں اور ڈھیلے سے اسکو پونچھے اور بائیں ہاتھ کو حرکت دے یعنی اس سے تین بار تین جگہ میں پونچھ دے یا تین ڈھیلوں
میں یا تین جگہ ایک دیوار میں پونچھے یہانتک کہ پونچھنے کی جگہ میں پیشاب کی تری معلوم نہو اگر یہ بات دو دفعہ ہو جاوے تو تیسرا طاق کرنے کے
لیے استعمال کرے اور جس صورت میں کہ صرف ڈھیلے پر کفایت کرنی منظور ہو تو تری کا موقوف کرنا واجب ہے اور اگر چار ڈھیلوں میں صاف
ہوا تو پانچواں طاق کرنے کے واسطے لیوے پھر اس جگہ سے سرکے اور دوسری جگہ پانی سے آبدست لے اسطرح کہ داہنے ہاتھ سے پانی مقام
نجاست پر ڈالے اور بائیں سے ملے یہانتک کہ اثر نجاست چھونے سے معلوم نہو اور اسمیں زیادہ مبالغہ نہ کرے کہ اندر تک دھووے اسلیے
کہ وسوسہ اسی کا گذر ہو اور یہ واضح ہو کہ جہاں پانی نہیں پہونچتا وہ مقام اندر کہلاتا ہے اور اس جگہ کے فضلات پر نجاست کا حکم نہیں لگتا جبتک کہ

۱۲ بخاری و مسلم مع اصحاب سنن کی روایت عبداللہ بن مغفل ۱۲ ابوداؤد و نسائی ۱۲ بروایت بیہقی ۱۲ الحکم ۱۲ مسلم ۱۲ بخاری و مسلم ۱۲ بروایت حذیفہ ۱۲ بخاری ۱۲ مسلم

يوم تزل الاقدام في النار الٰہی میرا پاؤں سیدھے راستے پر جما دے جس روز کہ پاؤں دوزخ میں پھسلیں اور بائیں پاؤں کے دھونے میں
کہے اعوذ بك ان تزل قدمي على الصراط يوم تزل اقدام المنافقين في النار الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں پل صراط پر میرا پاؤں پھسلنے سے جس
روز کہ منافقوں کے پاؤں دوزخ میں پھسلیں گے اور پانی کو اپنی نصف ساق تک اونچا کرے جب فارغ ہو تو منہ آسمان کی طرف اٹھاوے اور
کہے اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله سبحانك اللهم وبحمدك لا اله الا انت عملت سوءا وظلمت نفسي استغفرك
اللهم واتوب اليك فاغفر لي وتب علي انك انت التواب الرحيم اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين واجعلني من عبادك الصالحين
واجعلني عبدا صبورا شكورا واجعلني اذكرك ذكرا كثيرا واسبحك بكرة واصيلا کہتے ہیں کہ جو شخص بعد وضو کے یہ دعا پڑھے تو اسکے وضو پر مہر
کی جاتی ہے اور عرش کے نیچے اسکو پہنچایا جاتا ہے اور وہاں وہ خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتی رہتی ہے اور اسکا ثواب قیامت تک اس
شخص کے لیے لکھا جاتا ہے اور وضو میں چند باتیں مکروہ ہیں اول تین مرتبہ سے زیادہ دھونا اور پانی کو فضول بہانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے تین بار اعضا دھوئے اور فرمایا کہ جسنے زیادہ مرتبے دھوئے اُسنے ظلم کیا اور برا کیا اور فرمایا کہ عنقریب اس امت میں سے ایک قوم ہوگی
جو دعا اور وضو میں حد سے تجاوز کریگی اور کہتے ہیں کہ طہارت میں آدمی کا پانی پر حریص ہونا اسکے علم کی سستی کی علامت ہے اور ابراہیم
بن ادہم فرماتے ہیں کہ یوں کہتے ہیں کہ اول جو شروع وسواس کا ہوتا ہے تو پاک کرنے کی جہت سے ہوتا ہے اور حضرت حسنؓ کا قول ہے کہ ایک
شیطان وضو کے اندر آدمی پر ہنسا کرتا ہے جسکو ولہان کہتے ہیں دوسرے ہاتھوں کا جھٹکنا کہ پانی دور ہو جائے تیسرے وضو کے اندر بولنا
چوتھے منہ پر پانی کو طمانچہ کی طرح مارنا اور بعض لوگوں نے پانی کو بدن پر سے خشک کرنا بھی مکروہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ پانی میزان اعمال میں وزن
کیا جاویگا اسلیے اسکا خشک کرنا مکروہ ہے یہ قول سعید بن مسیب اور زہریؒ کا ہے لیکن حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے چہرہ مبارک کو اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھا ہے اور حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خشک
کرنے کا کپڑا رہتا تھا مگر اس روایت میں طعن کیا گیا ہے۔ اور مکروہ ہے کانسے کے برتن سے وضو کرنا اور اس پانی سے جو دھوپ میں گرم ہو گیا
ہو اور اسکی کراہت طب کی رو سے ہے۔ اور حضرت ابن عمر اور ابوہریرہؓ سے کانسے کے برتنوں کی کراہت مروی ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ شعبہؒ
کے لیے کانسے کے برتن میں پانی آیا تو انھوں نے اس سے وضو کرنے کا انکار کیا اور اس امر کا مکروہ ہونا حضرت ابن عمر اور ابوہریرہؓ سے
منقول فرمایا۔ اور جسوقت آدمی وضو سے فارغ ہو کر نماز پر متوجہ ہو تو چاہیے کہ اپنے دل میں سوچے کہ میرا ظاہر پاک ہو گیا جسکو خلق دیکھتی ہے تو بڑی شرم
کی بات ہے کہ بدون دل کے پاک کرنے کے خدائے تعالیٰ سے مناجات کروں کہ دل اسکے دیکھنے کا مقام ہے اور یہ ٹھان لے کہ توبہ سے دل
کو پاک کرنا اور اخلاق بد سے خالی ہونا اور عمدہ اخلاق کا عادی ہونا بہت بہتر ہے اور جو شخص کہ صرف ظاہر کے پاک کرنے پر اکتفا کرتا ہے اسکی مثال
ایسی ہے کہ کسی بادشاہ کو اپنے گھر میں بلاوے اور گھر کو خس و خاشاک سے آلودہ چھوڑ کر باہر کے دروازے پر گچ اور چونا پھروا دے تو ظاہر
ہے کہ ایسا شخص مستحق غضب سلطانی ہوگا

وضو کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من توضا فاحسن الوضوء
وصلى ركعتين لم يحدث فيهما بشيء من الدنيا خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه اور دوسری روایت میں لم يسه فيهما غفر له ما تقدم من ذنبه اور ایک حدیث
میں اسطرح ارشاد فرمایا الا انبئكم بما يكفر الله به الخطايا ويرفع به الدرجات اسباغ الوضوء في المكاره ونقل الاقدام الى المساجد وانتظار الصلوة

[illegible]

اس بات میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible]

عائشہؓ سے مروی ہے [illegible] کامل پورا کرنا ایسے وقتوں میں کہ دل نہ چاہے اور مسجدوں کی طرف قدم اٹھانے اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا [illegible] اللہ کی راہ میں [illegible]

پیشانی سے لیکر جس جگہ تک ٹھوڑی سامنے معلوم ہوتی ہے اُسکی انتہا تک طول میں اور ایک کان سے لیکر دوسرے تک عرض میں دھووے
اور منھ کی حد میں پیشانی کے دونوں گوشے جو بالوں کے اندر چلے جاتے ہیں داخل نہیں بلکہ وہ سر میں شامل ہیں اور دونوں کنپٹیوں کے اوپر
بھی پانی پہونچانا چاہیے اور یہ وہ جگہ ہے کہ عورتوں کو وہاں سے بال ہٹانے کی عادت ہوتی ہے اگر ایک ڈورے کا ایک سرا کان کے سر پر
رکھیں اور دوسرا پیشانی کے گوشے پر تو اس ڈورے کے نیچے کی طرف جو منھ کی جانب پڑے اُسکو تر کرنا چاہیے اور چار بالوں یعنی بھووں
اور مونچھوں اور زلفوں اور پلکوں کی جڑوں میں پانی پہونچانا چاہیے کیونکہ یہ چیزیں اکثر تھوڑی ہی ہوتی ہیں اور ڈاڑھی اگر ہلکی ہو تو اُسکی
جڑوں میں بھی پانی پہونچانا چاہیے اور ہلکی کی علامت یہ ہے کہ چہرے کی کھال اُسمیں نظر آتی ہو اور اگر ڈاڑھی گھنی ہو تو اُسکی جڑوں میں پہونچانا ضرور نہیں
اور وہ بال جو نیچے کے ہونٹھ اور ٹھوڑی کے درمیان ہوتے ہیں جنکو بچی کہتے ہیں اُنکا حکم ہلکی اور گھنی ہونے میں ڈاڑھی کا سا ہے پھر یہ دھوئیں
دفعہ کہے اور ڈاڑھی جو لٹکی ہوئی ہو اُسکے اوپر اوپر پانی بہا دے اور آنکھ کے کویوں اور میل اور سرمہ کے اکٹھے ہونے کی جگہیں انگلی سے
صاف کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے اور توقع کرے کہ اس عمل سے آنکھوں کا قصور باہر ہو جاویگا اور اسی طرح سب
اعضا کے دھونے میں توقع کرے کہ اُنکی خطائیں دور ہونگی اور منھ دھونے کے وقت کہے اللّٰہم بیّض وجھی بنورک یوم تبیض وجوہ اولیائک
ولا تسود وجھی بظلماتک یوم تسود وجوہ اعدائک الٰہی میرے منھ کو اپنے نور سے سفید کر جس روز کہ تیرے دوستوں کا منھ سفید ہوا اور میرے
منھ کو اپنی تاریکیوں سے سیاہ مت کر جس روز کہ تیرے دشمنوں کے چہرہ سیاہ ہوں۔ اور منھ دھونے میں گھنی ڈاڑھی میں خلال کرے کہ
مستحب ہے پھر اسکے بعد اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھووے اور انگوٹھی کو ہلاوے اور پانی کہنیوں سے آگے تک پہونچاوے
کیونکہ قیامت کو وضو کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ وضو کے نشان کے باعث روشن ہونگے تو جتنی دور پانی پہونچیگا اتنا ہی عضو اُنکا روشن اور
منور ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من استطاع ان یطیل غرتہ فلیفعل اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تبلغ الحلیۃ من المومن حیث
یبلغ الوضوء اور پہلے داہنا ہاتھ دھووے اور کہے اللّٰہم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا الٰہی میرا نامۂ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دینا
اور مجھسے حساب ہلکا کرنا اور بائیں ہاتھ کو دھونے میں کہے اللّٰہم انی اعوذبک ان تعطینی کتابی بشمالی او من وراء ظھری الٰہی میں تجھسے پناہ
مانگتا ہوں اس سے کہ تو میرا نامۂ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں دے یا پشت کی جانب سے پھر اپنے سارے سر کا مسح کرے اس طرح کہ دونوں
ہاتھوں کو تر کرکے دونوں کی انگلیوں کے سرے ملائے اور انکو پیشانی کے پاس سر پر رکھے اور گدی کی طرف کو لیجاوے اور وہاں سے پھر آگے کی
طرف کو کھینچے یہ ایک مسح ہوا اسی طرح تین بار کرے اور کہے اللّٰہم غشنی رحمتک وانزل علی من برکاتک واظلنی تحت ظل عرشک یوم لا ظل الا
ظلک الٰہی مجھکو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور مجھپر اپنی برکتیں نازل کر اور اپنے عرش کے تلے سایہ دے اُس روز کہ بجز تیرے سایہ کے اور
سایہ نہوگا پھر اپنے دونوں کانوں کا مسح اندر اور باہر نئے پانی سے کرے اس طرح کہ دونوں انگشت شہادت کو کانوں کے دونوں سوراخوں
میں داخل کرے اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے باہر کی جانب گھماوے پھر کانوں پر دونوں ہتھیلیاں پستی کے لیے رکھ دے اور یہ مسح
بھی تین بار کرے اور یہ کہے اللّٰہم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اللّٰہم اسمعنی منادی الجنۃ مع الابرار الٰہی مجھکو اُن لوگوں میں سے
کر کہ قول کو سنیں اور اُسمیں سے بہتر کا اتباع کریں الٰہی مجھکو جنت کے منادی کی آواز نیک بندوں کے ساتھ میں سنا پھر اپنی گردن کا مسح
نئے پانی سے کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گردن کا مسح کرنا قیامت کے دن کے طوق سے بچاتا ہے اور مسح گردن میں
یہ کہے اللّٰہم فک رقبتی من النار واعوذبک من السلاسل والاغلال الٰہی میری گردن کو دوزخ سے آزاد کر اور میں زنجیروں اور طوقوں سے
تجھسے پناہ مانگتا ہوں پھر اپنا داہنا پاؤں دھووے اور بائیں ہاتھ سے پاؤں کی انگلیوں کو نیچے کی جانب سے خلال کرے اور داہنے پاؤں
کی چھنگلیا سے شروع کرکے بائیں کی چھنگلیا پر خلال ختم کرے اور داہنے پاؤں کو دھونے میں یہ کہے اللّٰہم ثبت قدمی علی الصراط المستقیم

پس غسل مستحب ہیں **چوتھا بیان تیمم کے ذکر میں** جس شخص کو پانی کا استعمال دشوار ہو کہ دور ہونے کی جہت سے نہ ملتا ہو یا اُس تک کسی وجہ سے نہیں پہونچ سکتا مثلاً درندہ کے خوف سے یا دشمن کے ڈر سے یا پانی موجود ہو مگر اپنے یا اپنے ساتھی کی پیاس کے لیے ہو یا دوسرے کی ملک ہو کہ وہ نرخ معمولی سے زیادہ دام کو بیچتا ہو یا اُسکے بدن پر کوئی زخم خواہ مرض ہو کہ پانی کے استعمال سے عضو کے بیکار ہونے یا شدت سے دُبلا ہو جانے کا خوف ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ جب نماز فرض کا وقت آجاوے اُسی وقت زمین پاک کا قصد کرے جسپر خاک پاک خالص اور نرم ہو کہ اُسمیں غبار اُٹھتا ہو اُس زمین پر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جوڑ کر ایک دو ہتڑ مارے اور اُنکو اپنے تمام چہرے پر ایکبار پھیر اوے اور اُسوقت نماز کے مباح ہونے کی نیت کر لے اور غبار کو بالوں کے نیچے پہونچانے کی دقت نہ اُٹھاوے خواہ بال تھوڑے ہوں یا بہت مگر اس بات میں کوشش کرے کہ چہرے کے تمام ظاہر پر غبار پہونچ جاوے اور یہ ایک ضرب سے ہو جاویگا کیونکہ چہرے کا عرض دو ہتھیلیوں سے زائد نہیں اور ظن غالب کی رو سے تمام چہرے پر غبار کا پہونچ جانا کافی ہے پھر اپنی انگوٹھی نکال لے اور دوسری ضرب انگلیاں کھلی رکھکر لگاوے پھر دہنی کی چاروں انگلیاں جوڑ کر بائیں کی چاروں انگلیوں پر رکھے اسطرح کہ بائیں انگلیوں کے اندر طرف ہوں اور دہنے کی پشت کی جانب اور دونوں انگوٹھے علیحدہ ہوں اور ایک ہاتھ کی پوریں دوسرے کی انگشت شہادت کے عرض سے باہر ہونے پاویں پھر بائیں کی چاروں انگلیوں کو دہنے ہاتھ کی پشت کی جانب کہنی تک سرکاتا ہوا لیجاوے کہ ہتھیلی شامل ہو جب کہنی پر پہونچ جاوے تو ہتھیلی بائیں کی دہنے کے اندر کی طرف پر پلٹ کر اوپر کی طرف سرکاتا ہوا پہونچے تک چلا آوے اور بائیں انگوٹھے کے اندر کی طرف دہنے انگوٹھے کے باہر کی جانب پر پھیر دے پھر اسی طرح دہنے ہاتھ سے بائیں پر عمل کرے کہ چار انگلیاں اول انگلیوں سے لیکر کہنی تک لیجاوے اور وہاں سے ہتھیلی اندر کی طرف پلٹ کر پہونچے تک لے آوے اور انگوٹھے کو انگوٹھے پر پھیر اوے پھر اپنی دو ہتھیلیاں ایک دوسرے سے ملے اور انگلیوں کے درمیان خلال کرے اور غرض اس تکلف سے یہ ہے کہ ایک ضرب میں کہنیوں تک پورا ہاتھ غبار کا پھر جاوے پس اگر یہ بات دشوار ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ دو ضربوں اور زیادہ سے پورا کر لے اور اگر اس تیمم سے فرض پڑھ لیے ہوں تو نفل کا اختیار ہے جتنی چاہے اُس سے پڑھ لے لیکن اگر دو فرضوں کو ایک ساتھ پڑھے تو چاہیے کہ دوسرے فرض کے لیے تیمم دوبارہ کرے اسی طرح ہر فرض کے لیے ایک تیمم جداگانہ کرے **تیسری قسم فضلات ظاہری سے پاک ہونے کے بیان میں** اور فضلات دو نوع پر ہیں اول میل دوم اجزا اسلیے دو بیانوں میں اسکو لکھا جاتا ہے **بیان اول میل** اور رطوبتیں جو آدمی میں ہوتی ہیں آٹھ ہیں اول جو سر کے بالوں میں میل اور جوئیں ہو جاتی ہیں اُنکی صفائی دھونے اور کنگھی کرنے اور تیل ڈالنے سے مستحب ہے تاکہ بالوں کا الجھاو اور چہرے کا وحشی پن دور ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنے بالوں میں تیل ڈالتے اور کنگھی کرتے اور فرماتے کہ کبھی کبھی تیل ڈالا کرو اور آپ نے فرمایا کہ جس کسی کے بال ہوں چاہیے کہ اُنکی خدمت کرے یعنی اُنکو میلوں سے بچاوے اور آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا کہ اُسکی داڑھی کے بال پراگندہ تھے آپ نے فرمایا کہ کیا اُسکے پاس تیل نہ تھا جس سے بالوں کو درست کر لیتا پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی آتا ہے جیسے شیطان ہو دوم وہ میل کہ کان کے پیچوں میں جمع ہو جاتا ہے اُسمیں سے جو اوپر ہوتا ہے وہ مسح سے دور ہو جاتا ہے اور جو سوراخوں کے اندر ہوتا ہے اُسکے لیے چاہیے کہ حمام سے باہر آنے کے وقت نرمی کے ساتھ اُسکو صاف کرے اور اگر زیادہ ایسا کریگا تو وہ قوت سامعہ کو مضر ہو سوم وہ رطوبت جو ناک میں جمع ہو کر جم جاتی ہے اور نتھنوں میں چمٹ جاتی ہے وہ ناک میں پانی دینے اور سنکنے سے جاتی رہتی ہے چہارم وہ میل کہ دانتوں پر اور زبان کے کناروں پر جمع ہوتا ہے وہ کلی اور مسواک سے دور ہو جاتا ہے اور ان دونوں کا حال ہم ذکر کر چکے ہیں پنجم جو میل اور جوئیں داڑھی میں جمع ہو جاتی ہیں جس صورت میں کہ اُسکی خدمت نہ کی جاوے تو اُسکا دور کرنا دھونے اور کنگھی کرنے سے مستحب ہے اور حدیث مشہور میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں کنگھی اور دانتا مدری اور آئینہ کبھی نہ چھوڑتے تھے ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے اور یہ عرب والوں کا دستور ہے کہ یہ چیزیں ساتھ رکھتے ہیں

بعد الصلوٰۃ فذلکم الرباط اور اس کلمہ کے اخیر یعنی فذلکم الرباط کو تین بار ارشاد فرمایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ایک ایک بار اعضا کو دھویا اور فرمایا کہ یہ وضو ہو کہ اللہ تعالی بدون اُسکے نماز قبول نہیں کرتا اور دو دو بار اعضا کو دھویا اور فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور دو دو بار اعضا دھووے اللہ تعالی اُسکو ثواب دو بار عنایت فرماویگا اور تین تین بار اعضا دھوئے اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہو اور مجھسے پیشتر کے انبیا اور اللہ تعالی کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا اور فرمایا کہ جو شخص وضو کرنے میں خدائے تعالی کو یاد کرے اللہ تعالی اُسکا سب جسم پاک کر دیتا ہو اور جو شخص ذکر اللہ کا نہ کرے اُسکا جسم صرف اسی قدر پاک ہوگا جہاں پانی لگیگا۔ اور فرمایا جس نے وضو پر وضو کیا کتب اللہ لہ عشر حسنات اور فرمایا الوضوء علی الوضوء نور علی نور ان دونوں روایتوں سے نئے وضو کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہو۔ اور فرمایا کہ جب بندہ مسلمان وضو کرتا ہو اور کلی کرتا ہو تو خطائیں اُسکے منہ سے نکل جاتی ہیں اور جب ناک صاف کرتا ہو تو اُسکی ناک سے گناہ باہر ہوتے ہیں اور جب منہ دھوتا ہو تو چہرے سے خطائیں دور ہوتی ہیں یہانتک کہ پلکوں کے بالوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں اور جب ہاتھ دھوتا ہو تو ہاتھوں سے قصور دور ہوتے ہیں حتی کہ ناخنوں کے تلے سے نکل جاتے ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہو تو سر سے خطائیں کانوں تک کی نکل جاتی ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہو تو دونوں پاؤں کی خطائیں ناخنوں تک کے نیچے سے دور ہو جاتی ہیں پھر اُسکا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنی دونوں زائد بچتی ہیں۔ اور مروی ہو کہ طاہر مثل صائم کے ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے پھر اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھا کر کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ تو اُسکے لیے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں کہ جس دروازے میں سے چاہے اُسکے اندر جاوے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہو کہ عمدہ وضو تجھسے شیطان کو دور کر دیگا۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص سے ہو سکے وہ یہ کرے کہ جب سووے طاہر اور ذاکر اور استغفار پڑھتا ہوا سووے کیونکہ روحیں اسی حال پر اُٹھینگی جسپر قبض ہونگی **تیسرا بیان غسل کے بیان میں** اُسکی کیفیت یہ ہو کہ برتن کو اپنے داہنی جانب رکھے پھر بسم اللہ کہکر اپنے ہاتھ تین بار دھووے پھر استنجا کرے جیسا ہمنے اوپر لکھا ہو اور بدن پر اگر نجاست ہو اُسکو دور کرے پھر نماز کی طرح وضو کرے جیسے مذکور ہوا مگر پاؤں اُسوقت نہ دھووے نہانے کے بعد دھووے کیونکہ اُنکو دھو کر زمین پر رکھنا پانی کا ضائع کرنا ہو پھر وضو کے بعد تین بار اپنے داہنے شانے پر تین بار پانی ڈالے پھر بائیں طرف پر تین بار پھر سر پر تین بار پھر اپنا بدن آگے اور پیچھے سے ملے اور سر اور داڑھی کے بالوں میں خلال کرے اور گھنی ہوں یا تھوڑی اُنکی جڑوں میں پانی پہونچا وے اور عورت کو مینڈھیوں کا کھولنا ضرور نہیں مگر اُس صورت میں کہ جانے کہ پانی بالوں کے اندر نہ پہونچیگا اور بدن کی سلوٹوں کی جگہ پر خیال رکھے کہ پانی سب میں پہونچ جاوے اور نہانے کے بیچ میں اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ نہ لگاوے اور اگر ہاتھ لگاوے تو وضو پھر سے کرے اور اگر وضو غسل سے پہلے کر لیا ہو تو غسل کے بعد دوبارہ وضو نہ کرے غرض کہ وضو اور غسل کا طریق یہ ہو جسے ہمنے اُسکو اسقدر لکھا ہو کہ طریق آخرت کے سالک کے لیے جسقدر اُسکا جاننا اور کرنا ضروری ہو اور اُسکے سوا اور مسائل کہ بعض احوال میں اُنکی ضرورت پڑتی ہو اُنکے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے غسل میں جو ہمنے یہ باتیں لکھی ہیں اُنمیں سے دو باتیں واجب ہیں ایک نیت کرنا دوسرے تمام بدن کو دھونا اور وضو میں اتنی چیزیں واجب ہیں نیت منہ کا دھونا دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اور سر کا مسح اسقدر کرنا کہ جسکو مسح کہ سکیں اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا اور ترتیب یعنی پہلے منہ دھونا پھر ہاتھ دھونے پھر مسح کرنا پھر پاؤں دھونے۔ اور پے در پے دھونا واجب نہیں۔ اور چار قسم کے غسل واجب ہیں اول منی کے نکلنے سے دوم عورت و مرد کی شرمگاہیں ملنے سے سوم حیض کے بعد چہارم نفاس کے بعد اور کچھ اور غسل سنت ہیں جیسے دونوں عیدوں کا نہانا اور جمعے کے روز اور احرام کے لیے اور عرفات یا مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لیے اور مکے میں داخل ہونے کے واسطے اور ایام تشریق کے تین دن کا نہانا اور ایک قول کے بموجب طواف وداع کے لیے غسل کرنا اور کافر کے مسلمان ہونے کے وقت بشرطیکہ ناپاک نہ ہو اور مجنون کے ہوش میں آنے کے وقت اور میت کو غسل دینے کے بعد نہلانے والے کا غسل کرنا

کے غبار سے گرم جاتا ہے اُسکو حمام میں نہانے سے دور کرے اور حمام میں نہانے کا کچھ مضائقہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
شام کے حماموں میں گئے ہیں اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ حمام اچھا گھر ہے کہ بدن کو پاک کرتا ہے اور آگ کو یاد دلاتا ہے یہ قول حضرت ابودرداء
اور ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے اور بعضوں نے یہ فرمایا ہے کہ حمام بُری جگہ ہے کہ برہنگی کو ظاہر کرتا ہے اور حیا کو دور کرتا ہے اس قول سے اُسکی
بُرائی معلوم ہوتی جیسے پہلے قول سے فائدہ مفہوم ہوتا تھا اور اُسکے فائدے کی طلب کرنی درصورت محفوظ رہنے اُسکی آفت کے کچھ
مضائقہ نہیں اسلیے جو باتیں کہ حمام کرنے والے کو چاہییں خواہ سنت ہوں یا واجب وہ ہم لکھے دیتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ حمام
کرنے والے پر دو امر تو اپنی برہنگی کے باب میں واجب ہیں اور دو باتیں دوسرے شخص کی برہنگی کے باب میں واجب ہیں جو دو باتیں
کہ خاص اپنی برہنگی میں واجب ہیں انہیں سے اوّل یہ ہے کہ اُسکو دوسروں کی نگاہ سے محفوظ رکھے دوسری یہ کہ دوسرے کے چھونے سے اُسکو
بچاوے اس سے یہ نکلا کہ اس جگہ میل دور کرنا اور ملنا اپنے آپ کرے حمامی کو منع کردے کہ ران کو اور ناف سے لیکر پیڑو کو ہاتھ نہ لگاوے ہرچند
سوائے مقام شرم کے اور جگہ پر ہاتھ لگانا میل کے دور کرنے کے لیے اباحت کا احتمال رکھتا ہے لیکن قیاس یہی چاہتا ہے کہ حرام ہو اس جہت سے
کہ دونوں شرمگاہوں کو ہاتھ لگانا حرمت کے باب میں اُنکے دیکھنے میں ملا دیا گیا ہے تو باقی برہنگی کا بھی یہی حال ہونا چاہیے جیسے نگاہ کرنا
حرام ہوا اُنکا ہاتھ لگانا بھی حرام ہونا چاہیے اور غیر شخص کی برہنگی کے باب میں دو امر واجب یہ ہیں اوّل تو اپنی نظر اُسپر نہ ڈالے دوم اُسکو
اُسکے کھولنے سے منع کرے اسلیے کہ بُری بات سے منع کرنا واجب ہے اور اُسکے ذمہ صرف ذکر کر دینا ہے یہ تو نہیں کہ دوسرے کا قبول کرنا بھی ہو اور
ذکر کرنے کا وجوب اُسکے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ خوف پٹنے یا گالی یا اور کسی بات کا ہو جو فی نفسہ حرام ہو ایسی صورت
میں اسپر واجب نہیں کہ بُری بات کو ذکر کرکے دوسرے کو مرتکب دوسرے حرام کا کرے ہاں نہ ذکر کرنے کی یہ وجہ کہنی کہ میں جانتا ہوں کہ ذکر کرنا
مفید ہوگا اور اُسپر کوئی عمل نہ کریگا پوچ ہے یہ عذر نہ مانا جاویگا بلکہ ذکر کرنا ضرور چاہیے اسلیے کہ کہنے کا اثر دل پر ہوا ہی کرتا ہے اور جب گناہ کا عیب
لگایا جاتا ہے تو دل میں اُس سے احتراز کرنا آیا کرتا ہے اور اس سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ سننے والے کی نگاہ میں اُس گناہ کو بُرا کر دیتا ہے اور اپنے نفس
کو اُس سے علیحدہ رکھنے پر آمادہ کرتا ہے اسلیے ذکر کرنے کو چھوڑنا جائز نہیں اور انہیں جیسی باتوں کی وجہ سے احتیاط اسمیں ہے کہ حمام میں آجکل کے
زمانے میں داخل ہو کہ برہنگیاں ضرور کھلی رہتی ہیں خصوص ناف کے نیچے سے پیڑو کا کھلنا کہ لوگ اُسکو برہنگی نہیں جانتے حالانکہ شرع نے
اس مقام کو برہنگی میں لاحق فرمایا اور اُسکو گویا حد اور احاطہ برہنگی کا ٹھہرایا اور اسی نظر سے مستحب یہ ہے کہ حمام میں تنہا جاوے اور بشر فرماتے
کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف ایک درم ہو اور وہ حمامی کو اس غرض سے دیدے کہ وہ حمام کو صرف اُسکے لیے خالی کردے تو میں اس
شخص کو اس بات میں ملامت نہ کرونگا اور حضرت ابن عمرؓ کو لوگوں نے حمام میں دیکھا کہ منہ اپنا دیوار کی طرف کیے ہے اور آنکھوں پر پٹی باندھ لی
اور بعض کا قول ہے کہ حمام میں جانیکا مضائقہ نہیں مگر دو چادریں لے ایک کی لنگی کرے اور ایک کو سر پر ڈال لے کہ آنکھوں کے سامنے گھونگھٹ
ہو جاوے۔ اور حمام میں نہانے کے مستحبات یہ ہیں اوّل نیت کرنا یعنی دنیا کے لیے اور صرف اپنی خواہش نفس کے واسطے داخل نہ ہو بلکہ
یہ قصد کرے کہ نماز کے واسطے جو صفائی چاہیے اُسکے لیے نہاتا ہوں دوسرے حمامی کو اجرت حمام میں جانے سے پیشتر دیدے اسلیے کہ جو کچھ اُس سے
کام لیگا وہ مجہول ہے اور یہی حال حمامی کا ہے کہ جو کچھ اُسکو ملنے کی توقع ہے وہ معلوم نہیں تو پیشتر دینے میں ایک طرف سے جہالت دور ہو جائیگی
اور نفس کو آسایش ملیگی تیسرے داخل ہونے کے وقت بایاں پاؤں اوّل رکھے اور وہ دعا پڑھے جو پاخانہ جانے کے باب میں مذکور ہوئی
چوتھے تخلیہ کے وقت حمام میں جاوے یا تکلف حمام کو خالی کراوے کیونکہ اگر بالفرض حمام میں بجز دینداروں اور محتاط شخصوں کے اور
کوئی نہ ہو تب بھی اُنکے ننگے بدنوں کو دیکھنے میں ایک طرح کی شرم کی کوتاہی ہے اور ننگے بدنوں کو دیکھکر برہنگیوں کا دھیان دل میں گزرتا ہے
علاوہ ازیں لنگی باندھنے وغیرہ حرکات میں انسان برہنگی کھلنے سے خالی نہیں رہتا تو برہنگی پر نگاہ دانستہ پڑ جاتی ہے اور اسی وجہ سے حضرت

اور ایک حدیث غریب میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن میں دو بار اپنی داڑھی میں کنگھی کیا کرتے تھے[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور حضرت ابوبکر کی داڑھی بھی ایسی ہی تھی اور حضرت عثمانؓ کی داڑھی لمبی اور پتلی تھی اور حضرت علیؓ کی داڑھی خوب چوڑی تھی کہ دونوں شانے گھیر لیے تھے اور ایک حدیث اس سے بھی زیادہ غریب میں ہو کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع ہوئے آپ اُنکے پاس جانے کو ہوئے میں نے دیکھا کہ آپ نے پانی کے مٹکے میں جھانک کر اپنے بال سر اور ریش مبارک کے درست کیے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ یہ کام کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو محبوب جانتا ہو کہ جب اپنے بھائیوں کے پاس جاوے تو بن سنور کے جاوے جاہل آدمی اس سے کبھی یہ گمان کرتا ہو کہ یہ امر لوگوں کے لیے زینت کرنے کی محبت ہو اور آپ کے اخلاق کو غیروں پر قیاس کرتا ہو اور فرشتوں کو لوہاروں سے تشبیہ دیتا ہو حالانکہ یہ بات نہیں اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دعوت تھا اور یہ امر آپ کے لوازم میں سے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے بڑا کرنے کے واسطے سعی فرماویں تاکہ اُنکے نفس آپ کو حقیر نہ جانیں اور اپنی صورت اُنکی نظروں میں اچھی بناویں تاکہ اُنکی آنکھوں تلے چھوٹے نہ معلوم ہوں اور وہ لوگ آپ کے پاس سے بھڑک نہ جاویں اور نہ منافقوں کو کوئی موقع اُنکے بدگمانی کا ہاتھ لگے اور یہ بات ہر ایک عالم کے لیے واجب ہو کہ جو خلق کو خدائے تعالیٰ کی طرف بلانے کے درپے ہو کہ اپنے ظاہر حال میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ کوئی امر ایسا نہو جس سے لوگ اُس سے نفرت کریں اور ان باتوں میں نیت کا اعتبار ہو کیونکہ یہ امور بھی بذات خود وہ عمل ہیں جو مقصود سے اوصاف حاصل کرتے ہیں غرض اس نیت سے زینت کرنا اچھا ہو اور اگر بالوں کی پراگندگی اس لیے باقی رکھے کہ لوگ جانیں کہ یہ شخص زاہد ہو اور نفس کی پروا نہیں کرتا تو ممنوع ہو اور اگر بالوں کی نسبت دوسرے اہم احکام میں مصروف ہو کر اُنکی درستی نہ کرے تو اچھا ہو اور یہ حالات باطنی ہیں جو بندے کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں عاقل آدمی اُنکو خوب جانتا ہو کسی حال میں اُسکو ایک صورت کا دوسرے پر شبہہ نہیں پڑتا۔ اور بہت سے جاہل ایسے ہیں کہ وہ ان امور کو کرتے ہیں اور اُنکی توجہ خلق ہی کی طرف ہوتی ہو اور خود بھی مغالطہ میں ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارا قصد بہتر ہو مثلاً بہت سے عالم دیکھوگے کہ عمدہ لباس پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا قصد بدعتیوں اور جدل کرنے والوں کو ذلیل کرنا اور خدائے تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہو اور یہ بات اُس روز کھلیگی جس روز باطن کا امتحان لیا جاویگا اور قبروں میں سے مردے اٹھائے جاوینگے اور سینوں کے اندر کی باتیں علانیہ ہونگی اُس روز خالص ڈھلا ہوا سونا کھوٹے سے علیحدہ ہو جاویگا ہم اللہ تعالیٰ سے اُس بڑی پیشی کے دن کی رسوائی سے پناہ مانگتے ہیں ششم میل جو انگلیوں کے اوپر سلوٹوں میں جمع ہوتا ہو عرب کے لوگ ان جگہوں کو بہت نہ دھوتے تھے اس وجہ سے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھوتے تھے اسی جہت سے ان سلوٹوں میں میل رہ جاتا تھا اور یہیں لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو ان مقامات کے دھونے کے لیے ارشاد فرمایا ہفتم انگلیوں کے پوروں کے صاف کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کو ارشاد فرمایا یعنی جو میل کہ انگلیوں کے سروں پر اور ناخنوں کے نیچے ہو اُسکو دور کریں اسلیے کہ ہر وقت ناخنوں کا ترشنا تو ہو نہیں سکتا اسلیے اُنمیں میل جمع ہو جاتا ہو اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخنوں کے کاٹنے اور بغل اور زیرناف کے بالوں کے دور کرنے کے لیے چالیس دن کی مدت مقرر فرمادی اور ناخنوں کے نیچے کے میل کے صاف کرنے کا حکم دیا اور ایک روایت میں ہو کہ ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے میں دیر ہوگئی جب حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم تم پر کیسے اتریں کہ تم نہ اپنی انگلیوں کے بیچ کے جوڑ دھوتے ہو نہ پوروں کو صاف کرتے ہو نہ زردی دانت سے کے لیے مسواک کرتے ہو اپنی امت کو ارشاد فرمائیے کہ وہ یہ امور بجالاویں اور بعضوں نے اس آیت کی تفسیر میں فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ یہ فرمایا ہو کہ اُف ناخن کے میل کو کہتے ہیں اور تف کان کے میل کو اور معنے یہ ہیں کہ ماں باپ کو اُنکے ناخن کے میل کا عیب مت لگا اور بعض نے یوں کہا ہو کہ اُنکو اتنی ایذا بھی مت دے جتنی ناخن کے نیچے میل ہونے سے ہوتی ہو ہشتم وہ میل جو تمام بدن پر پسینے اور راہ کی [illegible]

[1] ترمذی نے شمائل میں روایت کی ۔ روایت کیا ہے کہ کنگھی آپ نے داڑھی میں [illegible] اور سند اُسکی ضعیف ہو ۔ آپ کی داڑھی کا گھنا ہونا شمائل میں بروایت ہند بن ابی ہالہ ۔ ترمذی سے [illegible]

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرد کو جائز نہیں کہ اپنی بی بی کو حمام میں جانے دے درصورتیکہ گھر میں غسلخانہ موجود ہو اور مشہور یہ ہے کہ مردوں
کو حمام میں بدون تہبند کے جانا حرام ہے اور عورت کو حمام کرنا بدون نفاس یا مرض کے حرام ہے اور حضرت عائشہؓ نے ایک بیماری کی وجہ سے حمام کیا تھا
پس اگر عورت کسی ضرورت سے حمام میں جاوے تو پوری چادر لپیٹ کر جاوے اور اُسکے خاوند کو مکروہ ہے کہ حمام کرنے کی اُجرت اُسکو دیوے ورنہ وہ بری
بات پر اُسکا مددگار ٹھہریگا **دوسرا بیان** بدن کے ان زوائد اجزا کے ذکر میں جنکا دور کرنا چاہیئے۔ ایسے اجزا آٹھ ہیں اول سر کے بال ہیں تو جو شخص
صفائی کا قصد کرے اُسکو اُنکا منڈوا ڈالنا مضائقہ نہیں اور جو شخص اُن میں تیل ڈالے اور کنگھی کرے اُسکو رہنے دینے میں کچھ حرج نہیں لیکن اسطرح
کا رکھنا کہ کہیں ہوں اور کہیں نہیں جیسے چوٹیاں اور پٹے اور گردے تو یہ درست نہیں یہ وضع شہدوں اور برے لوگوں کی ہے اور مینڈھیوں کا چھوڑنا
شریفوں کے طور پر نہیں چاہیئے کہ یہ اُنکی علامت ہو گئی ہے اور یہ شخص اگر شریف یعنی علوی ہوگا تو ایسا فعل کرنا دھوکا دینے میں شامل ہوگا دوسرے
موچھوں کے بال جنکے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قصوا الشوارب واعفوا اللحیٰ اور بعض روایات میں جزوا الشوارب اور حفوا
الشوارب آیا ہے قص اور جز کے معنی تو تراشنے کے ہیں اور حف کے معنی یہ ہیں کہ ہونٹھوں کے گرد انکو کرو تو یہ لفظ مشتق حاف سے ہے جسکے معنی گرد کے
ہیں اور اسی سے یہ آیت ہے وتری الملائکۃ حافین من حول العرش اور ایک روایت میں احفوا آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جڑ سے اوڑانا مقصود ہے اور
حفوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے کم تراشنی چاہیئے کیونکہ احفا مبالغہ کے لیے مستعمل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان یسألکموہا فیحفکم تبخلوا یعنی سوال میں تم پر
نہایت مبالغہ کرے۔ اور مونڈنا موچھوں کا کسی حدیث میں وارد نہیں ہوا اور احفا یعنی کترانا قریب مونڈنے کے صحابہؓ سے منقول ہے بعض تابعین
نے کسی شخص کو دیکھا کہ اپنی موچھوں کو جڑ سے کترایا ہے فرمایا کہ تو نے مجھکو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا۔ اور مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے
ہیں کہ مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میری موچھیں بڑھی ہوئی ہیں فرمایا کہ یہاں آؤ اور پاس بلاکر میری موچھیں مسواک پر دھرکر کاٹ دیں
اور موچھوں کے اطراف کے بالوں کا رکھنا مضائقہ نہیں۔ حضرت عمرؓ وغیرہم نے ایسا کیا ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہ بال منہ کو نہیں ڈھانپتے اور
نہ اُن میں کھانے کی چربی رہتی ہے کیونکہ وہاں تک پہونچتی ہی نہیں اور واعفوا اللحیٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اُسکے یہی معنی ہیں کہ داڑھیوں
کو بڑھاؤ اور حدیث میں ہے کہ یہود اپنی موچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں کتراتے ہیں تو تم اُنکے خلاف کرو اور بعض علما نے مونڈنے کو مکروہ
اور بدعت فرمایا ہے تیسرے بغلوں کے بال انکو چالیس دن میں ایکبار اکھاڑ ڈالنا مستحب ہے اور یہ بات اُس شخص پر سہل ہے جو ابتدا میں اکھاڑنے
کا عادی ہوگیا ہو لیکن جسکو مونڈنے کی عادت ہو اُسکو مونڈنا کافی ہے کہ اکھاڑنے میں درد ہوتا ہے اور مقصود اُنکا صاف کرنا اور اُنکے درمیان
میل کو اکٹھا ہونے دینا ہے یہ مونڈنے سے بھی ہوسکتا ہے چوتھے موئے زیر ناف اُنکا دور کرنا بھی مونڈنے خواہ نورہ کے استعمال سے مستحب ہے
اور چاہیئے کہ چالیس دن سے زیادہ نہ گذرنے پاویں۔ پانچویں ناخنوں کا تراشنا مستحب ہے اسلیے کہ جب بڑھ جاتے ہیں تو اُنکی صورت بُری ہو جاتی
ہے اور اُن میں میل اکٹھا ہوجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ اپنے ناخن تراشو اسلیے کہ جو اُن میں سے بڑھتا ہے اُسپر شیطان
بیٹھتا ہے اور اگر ناخن کے نیچے میل ہو تو وضو کی صحت کا مانع نہیں ہوتا یا تو اس وجہ سے کہ پانی کے پہونچنے کا مانع نہیں ہوتا یا یہ کہ حاجت کے
سبب سے اسمیں آسانی کردی گئی ہے خصوصاً مردوں کے ناخنوں میں اور اُن میلوں میں کہ عرب اور دیہاتیوں کی انگلیوں کی پشت اور پاؤں
کی پشت پر جمع ہوجاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے لوگوں کو ناخن تراشنے کے لیے ارشاد فرماتے تھے اور اُن میں جو میل دیکھتے
تھے اُسکو بُرا جانتے تھے مگر یہ نہیں فرماتے تھے کہ نماز اپنی پھر سے پڑھو اور اگر آپ اُسکا بھی حکم فرما دیتے تو یہ فائدہ ہوتا کہ تاکید اور زجر اس امر میں
زیادہ ہوجاتی اور میں نے کتابوں میں ناخنوں کے تراشنے میں ترتیب کے باب میں کوئی خبر مروی نہیں دیکھی مگر سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے ناخن اسطرح ترشوائے کہ دہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کرکے دہنے انگوٹھے پر ختم کیے انگشت شہادت سے چھنگلیا تک
تراشکر بائیں ہاتھ میں چھنگلیا کے پہلے تراشے پھر ترتیب انگوٹھے تک چلے آئے اور سب سے پیچھے دہنے انگوٹھے کے تراشے

ابن عمرؓ نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی تھی یا پچھویں حمام میں گھسنے کے وقت دونوں ہاتھ دھووے پیچھے گرم حمام میں جانے کی جلدی نہ کرے یہاں تک کہ اول درجے میں پسینا آجاوے سا تو یں پانی بہت نہ ڈالے بلکہ قدر حاجت پر اکتفا کرے اسواسطے قرینہ حال کے رو سے اسی قدر کی اجازت اُسکو ہے اور زیادتی کا حال اگر حمامی کو معلوم ہو تو برا جانے خصوصاً گرم پانی کہ بدون پیسے اور محنت کے نہیں ہوتا آٹھویں حمام کی گرمی سے دوزخ کی حرارت یاد کرے اور اپنے آپ کو گرم درجے میں محبوس فرض کر کے جہنم کو اُسپر قیاس کرے کہ وہ درجہ جہنم کے بہت مشابہ ہے کہ نیچے آگ ہوگی اور اوپر اندھیرا نعوذ باللہ منہا بلکہ عاقل آخرت کی یاد سے کسی لحظہ غافل نہیں ہوتا کیونکہ وہی اُسکا مقام اور ٹھکانا ہے تو جو کچھ وہ آگ یا پانی وغیرہ دیکھتا ہے اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرتا ہے اسلیے کہ ہر شخص اپنے حوصلے کے موافق ہی دیکھا کرتا ہے مثلاً اگر بزاز اور بڑھئی اور معمار اور جولاہا کسی مکان آباد میں جاویں کہ اُسمیں فرش لگا ہوا ہو تو دیکھوگے کہ بزاز کی نظر فرش پر پڑیگی اور اُسکی قیمت سوچیگا اور جولاہا کپڑوں کو دیکھکر اُنکی ساوٹ میں غور کریگا اور بڑھئی چھتوں میں نظر کر کے اُنکی ترکیب اور پاٹنے میں غور کریگا اور معمار کی نگاہ دیواروں پر ہوگی اُنکی مضبوطی اور سیدھے ہونے کو سوچیگا یہی حال طریق آخرت کے سالک کا ہے کہ جب کوئی چیز دیکھتا ہے اُسکو نصیحت اور یاد آخرت ہوتی ہے بلکہ جس چیز کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکے لیے عبرت کا طریق کھول دیتا ہے مثلاً اگر سیاہی کو دیکھتا ہے تو لحد کا اندھیرا یاد کرتا ہے اور اگر سانپ کو دیکھتا ہے تو جہنم کے سانپ یاد کرتا ہے اور اگر بری صورت اُسکے نظر پڑتی ہے تو منکر اور نکیر کو اور دوزخ کے فرشتوں کو یاد کرتا ہے اور اگر خوفناک آواز سنتا ہے تو نفخہ صور کو یاد کرتا ہے اور اگر کوئی عمدہ چیز دیکھتا ہے تو جنت کی نعمت یاد کرتا ہے اور بازار میں یا گھر میں کوئی بات رد یا قبول کی سنتا ہے تو اُس سے اپنا انجام حساب کے بعد یاد کرتا ہے کہ رد ہوگا یا قبول اور عاقل کے دل پر اس امر کا چھایا رہنا نہایت مناسب ہے کیونکہ دنیا کے کاروبار ہی عاقل کو اس فکر سے روکتے ہیں اور اگر دنیا کے ٹھہرنے کی مدت کو آخرت میں ٹھہرنے کے زمانے سے مقابلہ کرے تو دنیا کے علائق کو پوچ اور ہیچ جانے بشرطیکہ ان لوگوں میں سے ہو جنکے دل غافل اور چشم باطن نابینا ہیں نویں حمام میں جانے کے وقت سلام نہ کرے اور کوئی سلام کرے تو اُسکا جواب لفظ سلام سے نہ دیوے بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص جواب دیدے تب تو چپکا ہی رہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو عافاک اللہ کہے اور حمام کے اندر کسی شخص سے مصافحہ کرنا اور اسکو ابتداہی میں عافاک اللہ کہنا کچھ مضائقہ نہیں پھر اُسکے اندر زیادہ گفتگو نہ کرے اور نہ آواز سے قرآن پڑھے ہاں آہستہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنے کا مضائقہ نہیں دسویں حمام میں عشا اور مغرب کے درمیان اور آفتاب کے ڈوبنے کے قریب نہ جاوے اسلیے کہ یہ وقت شیطانوں کے پھیلنے کا ہے اور اُسکا مضائقہ نہیں کہ دوسرا شخص بدن ملے چنانچہ یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے وصیت کی کہ مجھکو فلاں شخص جو آپکے شاگردوں میں سے تھا غسل دیوے اور فرمایا کہ اُسنے میرا بدن حمام میں ایکبار ملا تھا میں یہ چاہتا ہوں کہ اُسکے عوض میں کوئی ایسا کام اُس سے لوں جس سے وہ خوش ہو تو یہ تجویز میں نے کی ہے اس سے وہ خوش ہوگا اور اس بات کے جائز ہونے پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں ایک مقام میں اترے اور اپنے پیٹ کے بل لیٹے اور ایک غلام حبشی آپ کی پشت مبارک کو دباتا تھا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھکو اونٹنی نے گرا دیا اسلیے کمر دبواتا ہوں گیارھویں جب حمام سے فارغ ہو تو اللہ عزوجل کا شکر اس نعمت پر کرے اسلیے کہ مروی ہے کہ جاڑے میں گرم پانی وہ نعمت ہے جس سے سوال کیا جاویگا اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ حمام اُن نعمتوں میں سے ہے جنکو لوگوں نے ایجاد کیا ہے یہ فضیلت شرع کی رو سے ہے اور طب کی جہت سے یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ نورہ کے استعمال کے بعد حمام کرنا جذام سے محفوظ رکھتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر مہینے میں ایکبار نورہ کا استعمال کرنا حرارت کو بجھاتا ہے اور رنگت کو صاف کرتا ہے اور قوت باہ کو بڑھاتا ہے اور بعض اطبا کا قول ہے کہ جاڑے میں حمام کے اندر کھڑے ہو کر ایکبار پیشاب کرنا دوا کے پینے سے زیادہ نافع ہوتا ہے اور کسی کا یہ قول ہے کہ گرمیوں میں حمام کے بعد سو رہنا دوا پینے کے برابر ہے اور حمام سے نکلنے کے بعد سر پانی سے دھونا [illegible] سے بچاتا ہے اور نکلنے کے وقت سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنا مکروہ ہے اور ایسا ہی ٹھنڈا پانی پینا اچھا نہیں یہ حکم مردوں کا ہے [illegible]

وسکنات کی باگ خواہش نفس کے ذریعہ سے شیطان کے ہاتھ میں ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات کا ضبط آپ کے سرمہ لگانے
پر ہی قیاس کر لو کہ آپ اپنی داہنی آنکھ میں تین سلائیاں ڈالتے تھے اور بائیں میں دو اور داہنی آنکھ سے شروع کرتے تھے کہ وہ شرافت رکھتی ہے
اور دونوں آنکھوں میں کم و بیش کی وجہ یہ تھی کہ عدد طاق ہو کہ طاق کو جفت پر فضیلت ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق ہی اسکو
پسند ہے پس بندے کا فعل بھی خدائے تعالیٰ کے اوصاف میں سے کسی وصف کی مناسبت سے خالی نہ ہونا چاہیے اور یہی جہت
استنجا کے ڈھیلوں میں عدد طاق مستحب ہوا اور باوجودیکہ تین سلائیاں بھی طاق تھیں مگر اس پر اکتفا نہ کیا اسلیے کہ اس صورت میں بائیں
آنکھ میں ایک سلائی پڑتی اور ایک دفعہ کے ڈالنے میں سرمہ پلکوں کی جڑوں میں پورا نہیں پہونچتا اور داہنی میں ایک زیادہ اسلیے ڈالی کہ
طاق کو فضیلت ہے اور داہنی بھی افضل ہے اسلیے افضل ہی فضیلت کی مستحق زیادہ ہے اور اگر تم کہو کہ بائیں آنکھ میں دو پر اکتفا کیوں کیا دو تو جفت
ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اکتفا ضرورت کی جہت سے ہے کیونکہ اگر ہر ایک میں عدد طاق کی رعایت ملحوظ رہتی تو سب عدد جفت ہو جاتے
کیونکہ طاق اور طاق ملکر جفت ہو جاتا ہے اسلیے طاق کی رعایت تمام سرمہ لگانے میں کہ ایک فعل ہی بہتر ہے بہ نسبت ہر آنکھ میں رعایت
طاق رکھنے سے اور اس باب میں ایک اور صورت بھی ہے یعنی ہر آنکھ میں تین بار لگاوے جیسے وضو میں اعضا کو تین تین بار دھوتے ہیں
اور یہ فعل بھی حدیث صحیح میں آپکا ہے یہی بہتر ہے اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حرکات میں رعایتوں کو پورا لکھنا چاہیں تو بہت
طول ہو جاوے اسلیے جو بات تمہیں اوپر بتلائے ہوئے ہے اسکو قیاس کر لو۔ جاننا چاہیے کہ عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث جبھی ہوتا ہے
کہ سب شریعت کی علتوں پر مطلع ہو جاوے یہاں تک کہ اُس میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف فرق نبوت کے درجہ کا رہ جاوے
اور یہی درجہ وارث اور مورث میں فرق کا ہے اسلیے کہ مورث وہ ہے جسنے مال کو وارث کے لیے حاصل کیا اور جو اسی کمائی سے بند تھا اور
اسپر قادر ہوا اور وارث وہ ہے جسنے نہ کمایا نہ قادر ہوا بلکہ مورث کے پاس سے اسکے پاس چلا آیا اور پیچھے اسکا تھا اسنے اسی سے نقل
کیا تو اس طرح کی باتیں باوجودیکہ عجائب اسرار کی نسبت کر بہت سہل ہیں پھر بھی اللہ اکبر انکا دریافت کرنا اور جو لوگ لائق ہیں انبیا علیہم السلام
کے اوروں سے نہیں ہوسکتا اور انبیا کی تنبیہ کرنے کے بعد انکو استنباط بھی کوئی نہیں کر سکتا بجز ان علما کے جو وارث انبیا علیہم السلام کے
ہیں۔ چھٹے اور ساتویں ناف اور سر ذکر کی کھال کا دور کرنا ان میں سے ناف پیدا ہونے کے وقت دور کی جاتی ہے اور ختنوں کرنا
میں یہودیوں کی عادت ہے کہ پیدایش کے ساتویں روز کر دیتے ہیں اس باب میں انکی مخالفت کرنی اور اگلے دانت نکلنے تک تاخیر کرنی مستحب
ہے اور خطرہ سے دور تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ختنہ کرنے مردوں کے لیے سنت ہیں اور عورتوں کے لیے عزت و حیا
عورتوں کے ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کیا جاوے ام عطیہ جو ختنہ کیا کرتی تھیں انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام عطیہ
ذراسی بو سونگھا دے اور زیادہ مت کاٹ کہ اسقدر سے چہرہ کی آب زیادہ ہوگی اور خاوند کو اچھی معلوم ہوگی اس حدیث میں آپ کے لفظوں
کی کنایہ کی خوبی معلوم کرو کہ تھوڑا کاٹنے کو بو سونگھانے سے تعبیر فرمایا اور دنیا کی مصلحت جو کچھ اس سے تھی اسکو ارشاد فرمایا کہ چہرہ کی رونق
اور خون اس سے زیادہ ہوتا ہے اور خاوند کو ہم بستر ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے اور تامل کرو کہ نور نبوت کی پہونچ آخرت کی مصلحت پر کتنی ہوگی جو نبوت
کے مقاصد میں سے اہم تو وہی مصلحتیں ہیں جس حال میں کہ دنیا کی مصلحتیں ایسے ادنے معاملہ میں آپ کو ظاہر ہوگئیں کہ اگر اس سے غفلت
واقع ہو تو ضرر کا خوف ہے باوجودیکہ آپ امی تھے پس پاک ہے وہ ذات جسنے آپ کو لوگوں کی رحمت کے لیے بھیجا تاکہ آپ کے مبعوث ہونے
کی برکت سے انکے لیے دنیا اور دین کی مصلحتیں جمع فرماوے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین آٹھویں داڑھی کا بڑھانا اور اسکو
سب سے پیچھے اسلیے ذکر کیا تاکہ اسکے باب میں جو سنتیں اور بدعتیں ہیں انکو بھی ملا دیں کیونکہ یہی موقع انکے ذکر کا خوب ہے لوگوں نے اس
باب میں اختلاف کیا ہے کہ داڑھی اگر لمبی ہو جاوے تو کیا کرنا چاہیے بعض کا قول ہے کہ اگر مقدار مشت چھوڑ کر باقی کو کتر ڈالے تو کچھ مضائقہ

اور جب میں نے اس ترتیب کو سوچا تو میرے دل میں وہ بات گذری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اس باب میں صحیح ہے کیونکہ
ایسی بات ابتدا میں بدون نور نبوت کے نہیں معلوم ہوتی عالم صاحب بصیرت کی بڑی دوڑ یہ ہے کہ جب اُسکے سامنے فعل کی نقل کیجاوے
تو اُس فعل میں سے وہ استنباط کر سکتا ہے ابتدا میں نہیں سوجھتی اب مجکو جو بات سوجھی ہے وہ یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کے ناخنوں کو تو تراشنا
ضروری ہے اور ہاتھ بہ نسبت پاؤں کے اشرف ہے تو اسلیے اول ہاتھ سے شروع کیا پھر داہنا بہ نسبت بائیں کے اشرف ہے اسلیے داہنے
ہاتھ سے شروع کیا پھر داہنے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں اور اُنمیں اشرف انگشت شہادت ہے کہ شہادت کے دونوں کلموں میں اسی سے
اشارہ ہوتا ہے اور دوں سے نہیں ہوتا اسواسطے اُسکا ناخن اول تراشا اُسکے بعد اُسکا ہونا چاہیے جو اُسکے داہنی طرف ہو کیونکہ شرع پاک کرنے
وغیرہ کے گردش داہنی طرف کو مستحب بتاتی ہے اب اگر ہاتھ کی پشت زمین پر رکھی جاوے تو انگشت شہادت کے داہنی طرف انگوٹھا ہوتا ہے
اور اگر ہتھیلی کی طرف سے رکھو تو بیچ کی انگلی داہنی پڑتی ہے اور ہاتھ کو اگر اپنی سرشت پر چھوڑ دو تو ہتھیلی زمین کی طرف مائل ہوگی کیونکہ داہنے
ہاتھ کی حرکت بائیں طرف کو ہے اور یہ حرکت اکثر بھی پوری ہوتی ہے کہ ہاتھ کی پشت اوپر رہے اسلیے جو امر کہ طبیعت کی خواہش کے موجب
ہے اُسی کی رعایت کی گئی اور بیچ کی انگلی بعد شہادت کی انگلی کے ٹھہری علی ہذا القیاس چھنگلیا تک پھر اگر ایک ہتھیلی کو دوسری پر رکھ لیا جاوے
تو دسوں انگلیاں گویا ایک دائرے کے حلقے میں ہو جاوینگی تو دور کی ترتیب یہ چاہتی ہے کہ انگشت شہادت کے داہنی طرف کو چل کر پھر اُسی
پر آجاویں اس حساب سے بائیں میں اول چھنگلیا پڑیگی اور آخر کو انگوٹھا ہوگا اب داہنا انگوٹھا بچ رہا اُسی پر ناخن تراشنے کو تمام کرنا چاہیے
اور ہتھیلی کو دوسرے پر رکھا ہوا اسلیے فرض کر لیا کہ ساری انگلیاں مثل حلقہ کے شخصوں کے ہو جاویں تاکہ انکی ترتیب ظاہر ہو اور یہ فرض
کرنا اس بات کے فرض کرنے سے بہتر ہے کہ داہنے کی ہتھیلی بائیں کی پشت پر رکھیں یا ایک کی پشت کو دوسرے کی پشت پر رکھیں اسلیے
کہ اُن دونوں صورتوں کو طبیعت مقتضی نہیں۔ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخن تراشنے میں اگر کوئی روایت ثابت ہو تو میرے نزدیک بہتر
یہ ہے کہ داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کرکے بائیں کی چھنگلیا پر ختم کرے جیسے وضو میں خلال کرتے ہیں کیونکہ جو وجہیں ہاتھ کے باب میں
سب نے لکھی ہیں وہ پاؤں میں نہیں ہیں اسلیے کہ پاؤں میں کوئی شہادت کی انگلی نہیں بلکہ پاؤں کی دسوں انگلیاں ایک قطار میں زمین پر رکھی
ہوئی ہیں تو داہنی طرف سے شروع کرنا چاہیے اور انکو حلقہ کر نہیں سکتے تاکہ دور حلقہ کا داہنی طرف سے کیا جاوے اور اگر ایک تلوے کو دوسرے
پر رکھکر حلقہ کریں تو طبیعت اور سرشت اُسکو نہیں مانتی اور یہ ترتیب کی باریکیاں نور نبوت سے دم کے دم میں معلوم ہو جاتی ہیں دشواری
صرف ہم لوگوں پر ہے اگر بالفرض ہمسے ابتدا کوئی ترتیب کو پوچھے تو کیا عجب ہے کہ دھیان میں بھی نہ آوے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا فعل ہمارے سامنے ترتیب وار مذکور ہوتا ہے اُس علت کا نکال لینا بعید نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس میں ملاحظہ
فرمائی ہو اسلیے کہ آپ کے فعل میں حکم کی شہادت اور علت پر تنبیہ ہوا کرتی ہے تو اُسکے باعث استنباط کرنا بہت دشوار نہیں۔ اور یہ مت گمان
کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال آپ کی سب حرکات میں میزان اور قانون اور ترتیب سے خارج ہوں بلکہ جتنے اُمور اختیاری کہ
جن میں سے دو قسموں یا زیادہ میں کرنے والا تردد کیا کرتا ہے اُن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہ رہتا کہ کسی کام پر اتفاقاً اقدام کرتے
بلکہ جب کوئی بات مقتضی اقدام اور تقدیم کی ملاحظہ فرما لیتے تھے اُسوقت اُسپر اقدام کرتے تھے اسلیے کہ ایسے کاموں کو بے تُک کرنا جیسا
بہ اتفاق سے ہو جاوے چوپایوں کی خصلت ہے اور عمدہ علتوں کی میزان میں انکو تلا ہوا رکھنا اولیاء اللہ کی خصلت ہے اور انسان کی حرکتیں
اور خطرے جسقدر ضبط سے قریب تر اور مہمل ہونے سے بعید تر ہونگے اُسی قدر اُسکا رتبہ انبیا اور اولیا سے قریب تر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو [illegible]
اُسکے لیے ظاہر تر اسلیے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوگا حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ سے قریب ہیں تو وہ خدائے تعالیٰ سے بھی قریب
ہوگا کیونکہ قریب کا قریب دوسرے کی نسبت کہ قریب ہوتا ہے ہم خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہمارے حرکات

ہزا اور اُسکی غرض یہ تھی کہ چھوٹی عمر ہونے کی جہت سے یہ تنبیہ دینگے پوچھا کہ قاضی صاحب کی حد اندر کرے عمر کیا ہو فرمایا کہ عتاب ابن اسید
برابر ہوں جسوقت آنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا حاکم اور قاضی مقرر فرمایا تھا وہ شخص اس بات کو سنکر لاجواب ہوگیا
امام مالکؒ سے مروی ہو کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہو کہ تمکو ڈاڑھی دھوکا نہ دے کیونکہ ڈاڑھی تو بکرے کے
ہوتی ہو۔ اور ابو عمرو بن علا کہتے ہیں کہ جب تم کسیکو دیکھو کہ لمبا قد اور چھوٹا سر اور چوڑی داڑھی ہو تو جان لو کہ بیوقوف ہو اگرچہ امیہ
عبد الشمس ہی ہو۔ اور ایوب سختیانی کا قول ہو کہ میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ ایک لڑکے کے پیچھے جاتا ہو اور اُس سے علم سیکھتا ہو۔
حضرت امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس علم تجھسے بیشتر آوے وہ اُس علم میں تیرا امام ہو اگرچہ عمر میں تجھسے چھوٹا ہو۔
ابو عمرو بن علا سے کسی نے پوچھا کہ بوڑھے کو بھلا اچھا معلوم ہوتا ہو کہ صغیر سے علم سیکھے فرمایا کہ اگر جہل اُسکو برا معلوم ہوتا ہو تو سیکھنا اچھا معلوم
ہوگا۔ اور یحیی ابن معین نے امام احمد حنبل کو دیکھا کہ امام شافعی کے خچر کے پیچھے جاتے ہیں کہا کہ ای ابو عبد اللہ تمنے سفیان ثوری کی حدیث
جو انکی بزرگی کے ترک کیا اور اس لڑکے کے خچر کے پیچھے جاتے ہو اور اُسسے حدیث سنتے ہو امام احمد نے جواب دیا کہ اگر تم اُنکے
کی قدر پہچانو تو دوسری طرف خچر کے تم ساتھ چلو اگر سفیان ثوری کا علم مجکو اُنکی برتری کی جہت نہ ملا تو پیچھے کے رستے میں اترنے سے
گیا اس جوان کی عقل تو ایسی ہو کہ اگر مجھسے رہ جاویگی تو مجکو نہ اوپر ملے نہ پیچھے چوتھی ڈاڑھی کے سفید بالوں کا اکھاڑنا تو بڑھاپے کو برا
اس سے حدیث میں ممانعت آئی ہو آپؐ نے فرمایا ہو کہ سفیدی مومن کا نور ہو اور اسکا حال سیاہ خضاب کا سا ہو اُسکی علت
بیان ہوئی اور سفیدی نور خدا ہو اُس سے اعراض کرنا اور سے منھ پھیرنا ہو یا پچھین ڈاڑھی کو کل کو یا کسی قدر کو لغو اور ہوس کے
منڈوانا یہ امر بھی مکروہ اور صورت کو بگاڑنا ہو اور بچی کے دونوں طرف کے بال اکھاڑنے بدعت ہیں ایک شخص جو یہ بال اکھاڑا کرتا تھا
حضرت عمر بن عبد العزیز کی عدالت میں آیا آپ نے اُسکی گواہی قبول نہ فرمائی۔ اور حضرت عمرؓ اور ابن ابی لیلی قاضی مدینہ منورہ نے
شخص کی گواہی قبول نہ فرمائی جو اپنی ڈاڑھی کو اکھاڑا کرتا تھا۔ اور شروع میں داڑھی کا اکھاڑنا اس نظر سے کہ لڑکے سے رہیں نہایت
بات ہو اسلیے کہ داڑھی مردوں کی زیبائش ہو کہ اللہ تعالی کے فرشتے یوں قسم کھاتے ہیں کہ قسم ہو اُس ذات کی جسنے بنی آدم کو ڈاڑھیوں
سے کیا اور یہ انسان کی تمامی ہو اور اسی سے مردوں کو عورتوں سے تمیز کرتے ہیں اور ایک تاویل غریب میں اللہ تعالی کے ارشاد یزید
فی الخلق ما یشاء میں زیادتی سے غرض داڑھی ہی ہو۔ اور احنف بن قیس کے ڈاڑھی نہ تھی اُسکے شاگرد کہتے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر
بھی بیس ہزار کو ملتی تو اُنکے لیے خرید دیتے۔ اور شریح قاضی نے کہا ہو کہ اگر میری ڈاڑھی دس ہزار کو ہاتھ لگے تو لے لوں۔ اور داڑھی
کیسے ہو سکتی ہو اُسکے باعث تو آدمی کی تعظیم ہوتی ہو اور علم و وقار کی نظر سے لوگ اُسکو دیکھتے ہیں اور مجلسوں میں اونچا بٹھاتے ہیں
لوگ اُسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور جماعت میں امام مانتے ہیں اور آبرو محفوظ رہتی ہو کیونکہ جو گالی دیتا ہو تو طرف مائل کے اگر ڈاڑھی ہو تو
پہلے اُسی پر چوٹ کرتا ہو کہ تھوک ہو اس ڈاڑھی پر۔ اور کہتے ہیں کہ جنت کے لوگ بے ریش ہونگے بجز حضرت ہارون برادر حضرت
موسی علیہما السلام کے اُنکی ڈاڑھی ناف تک ہوگی یہ اُنکی خصوصیت اور فضیلت کی جہت سے ہو چھٹی ڈاڑھی کو ایسی طرح کترنا کہ تہیں سی
معلوم ہوں اس نظر سے کہ عورتوں کو اچھی معلوم ہو خواہ بناوٹ پائی جاوے۔ کعبؓ کا قول ہو کہ آخر زمانے میں کچھ قومیں ہونگی کہ اپنی ڈاڑھیوں
کو کبوتروں کی دموں کی طرح پر کترینگے یعنی گول کرینگے اور اپنی جوتیوں سے دمامیوں کی سی آواز نکالینگے ان لوگوں کو دین سے کچھ بہرہ نہیں
ساتوین ڈاڑھی میں کچھ بڑھا لینا یعنی دونوں رخساروں پر جو بال کنپٹیوں سے ہوتے ہیں اور واقع میں وہ سر کے ہیں اُنکو ڈاڑھی میں شمار
کرنا اور جبڑے کی ہڈی سے تجاوز کرکے نصف رخسار تک نوبت پہونچانی یہ بھی مکروہ ہو کہ نیک لوگوں کی صورت سے مخالف ہو آٹھوین ڈاڑھی
کو لوگوں کے واسطے کنگھی کرنی بشر فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی میں دو چنال ہیں لوگوں کی خاطر کنگھی کرنی اور زہد جتلانے کو اُنکو چھوڑنی نوین

زردی و
سائی روایہ
عمرو بن شعیب
۳۰ ترمذی
بیدالیمنی ہیں
۹ علاے ۱۷

نہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اور بہت سے تابعین نے ایسا کیا ہے اور شعبی اور ابن سیرین نے اسکو اچھا جانا ہے اور حسن اور قتادہؓ نے اسکو مکروہ فرمایا ہے
اور کہا ہے کہ اسکو لٹکی رہنے دینا مستحب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور کترا ہی مجھے کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ
نوبت داڑھی کے کترنے اور سب طرف سے گول کرنے کی نہ پہونچے کیونکہ زیادہ لمبا کرنا بھی بیہ الیس کو برا کرتا ہے اور غیبت کرنے والوں کی زبان
اسپر کھلتی ہے کہ فلاں لمبی ڈاڑھی والا ہے تو اس بہت سے کہ ان دونوں باتوں سے محفوظ رہے کترانے کا مضائقہ نہیں نخعی کہتے ہیں کہ مجھے تعجب آتا ہے
کہ جو شخص عاقل ہو لمبی ڈاڑھی رکھتا ہے وہ انمیں سے کیوں نہیں جیسا تھا دو داڑھیوں کے درمیان میں اسکو کیوں کرتا ہے ہر چیز میں توسط کا درجہ
اچھا ہوتا ہے اور اسی واسطے کہا گیا ہے کہ جب داڑھی لمبی ہو جاتی ہے تو عقل رخصت ہوتی ہے **اور داڑھی کے مکروہات دس ہیں** اور بعض
کی نسبت کہ بعض زیادہ مکروہ ہیں اول سیاہی سے خضاب کرنا اس سے منع وارد ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے جوانوں میں سے بہتر وہ ہے
جو بوڑھوں کی صورت بناوے اور بوڑھوں میں سے بدتر وہ ہے جو جوانوں کی صورت بناوے بوڑھوں کی صورت بنانے سے غرض یہ ہے کہ وقار اور فروتنی
میں بوڑھوں کی طرح ہو یہ نہیں کہ بال سفید کرے اور جوانوں کی صورت بنانے سے مراد سیاہی سے خضاب کرنے سے ہے اور فرمایا کہ وہ خضاب
دوزخیوں کا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ سیاہی سے خضاب کرنا کافروں کا خضاب ہے اور ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے عہد میں نکاح کیا
اور وہ سیاہ خضاب کرتا تھا جب کھونٹیاں نکل آئیں تو بوڑھا نکل گیا عورت کے خویش واقارب نے یہ مقدمہ حضور میں حضرت عمرؓ کے پیش
کیا آپ نے نکاح فسخ کر دیا اور اسکو خوب پیٹا اور فرمایا کہ تو نے ان لوگوں کو جوانی سے فریب دیا اور بوڑھاپے کو چھپایا۔ اور کہتے ہیں کہ اول
جس شخص نے خضاب سیاہ کیا فرعون ملعون تھا اور حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ
میں کچھ لوگ ہونگے جو سیاہ خضاب کبوتروں کے پوٹوں کی صورت کا کرینگے وہ جنت کی بو نہ پاوینگے **دوسرا خضاب** زردی و سرخی سے
کرنا یہ خضاب لڑائی میں کافروں پر بوڑھاپا چھپانے کو درست ہے اور اگر اس نیت سے ہو کہ دینداروں کی صورت بنانے کو ہو حالانکہ خود ویسا
نہ ہو تو برا ہے اور اس خضاب کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زردی اسلام والوں کا خضاب ہے اور سرخی ایمانداروں کا
اور پہلے لوگ مہندی سے سرخی کے لیے خضاب کرتے تھے اور خلوق اور کتم کو زردی کے لیے لگاتے تھے اور بعض علما نے جہاد کے
لیے سیاہ خضاب بھی کیا ہے اور جس صورت میں کہ آدمی کی نیت درست ہو اور خواہش نفس اور شہوت کی پابندی نہ ہو تو سیاہ کا بھی مضائقہ
نہیں تیسرے گندھک سے بالوں کو سفید کرنا اسلیے کہ جلدی سے عمر زیادہ معلوم ہو اور لوگ عزت کریں اور گواہی مقبول ہو اور استادوں
سے روایت کرنے کو پہنچ جائیں اور جوانوں سے فوقیت حاصل ہو اور علم زیادہ معلوم ہو اس خیال سے کہ عمر میں زیادہ ہو اور بزرگی زیادہ کرتا ہے
حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ جاہل کو عمر کا زیادہ ہونا جہل ہی زیادہ کرتا ہے کیونکہ علم ثمرہ عقل کا ہے اور وہ سرشتی ہے بوڑھا ہونا اسمیں تاثیر نہیں کرتا اور
جس شخص کی سرشت حمق ہو اسکو زیادہ دن گذرنے سے بجز حماقت کی زیادتی کے اور کیا ہوتا ہے اکابر سلف کا دستور اس قول کے بموجب تھا
شعر کودک کہ بعقل پیر بود * نزد اہل خرد کبیر بود * یعنی بوڑھے لوگ علم کی جہت سے جوانوں کو آگے کرتے تھے حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ
کو بڑے بڑے صحابہ پر مقدم کرتے تھے حالانکہ عمر میں حضرت ابن عباسؓ چھوٹے تھے اور انسے پوچھا کرتے تھے اور ان سے نہ پوچھتے تھے
اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے علم اپنے بندے کو جوانی ہی میں دیا ہے اور سب بہتری جوانی ہی میں ہے پھر آپ نے
یہ آیتیں پڑھیں قالوا سمعنا فتی یذکرہم یقال لہ ابراہیم اور انہم فتیۃ آمنوا بربہم وزدناہم ہدی اور واتیناہ الحکم صبیا اور حضرت انسؓ روایت
کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حالانکہ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال سفید نہ تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا
کہ یا حضرت اسکی وجہ کیا ہے آپ کی عمر تو زیادہ تھی آپ نے فرمایا کہ خدا تعالی نے انکو بوڑھاپے کا عیب نہ لگایا لوگوں نے کہا کہ کیا
بوڑھاپا عیب ہے انہوں نے فرمایا کہ تم سب اسکو برا جانتے ہو اور کہتے ہیں کہ یحیی بن اکثم اکیس برس کے تھے کہ قاضی ہوگئے ایک شخص نے ان کی عمر پوچھی

الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد اور سعید بن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جنگل
میں نماز پڑھے تو ایک فرشتہ اسکے داہنے سے نماز پڑھتا ہے اور ایک بائیں جانب پس اگر اذان اور تکبیر کہتا ہے تو اسکے پیچھے پہاڑوں
کے برابر فرشتے نماز پڑھتے ہیں **دوسرا بیان فرض نماز کی فضیلت میں** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خمس صلوات کتبہن اللہ علی العباد فمن جاء بہن ولم یضیع منہن شیئا استخفافا بحقہن کان لہ عند
اللہ عہدا ان یدخلہ الجنۃ ومن لم یات بہن فلیس لہ عند اللہ عہد ان شاء عذبہ وان شاء ادخلہ الجنۃ اور فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے
جیسے بہت شیریں پانی کی نہر تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو اور وہ اسمیں دن بھر میں پانچ بار گھستا ہو تو یہ پانچ بار نہانا تمہاری دانست
میں اسپر کچھ میل چھوڑیگا لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہ چھوڑیگا آپ نے فرمایا کہ تو پانچوں نمازیں گناہوں کو ایسا ہی دور کرتی ہیں جیسے پانی
میل کو دور کرتا ہے اور ایک حدیث میں فرمایا ان الصلوات کفارۃ لما بینہن ما اجتنبت الکبائر اور فرمایا کہ ہم میں اور منافقوں میں فرق عشاء اور
صبح کا حاضر ہونا ہے کہ منافق ان دونوں میں نہیں آسکتے اور فرمایا جو شخص اللہ سے ملے اور وہ نماز کا تلف کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اسکی
نیکیوں میں سے کسی کا اعتبار نہ کریگا۔ اور فرمایا کہ نماز دین کا رکن ہے جسنے اسکو ترک کیا اسنے دین کو مسمار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
کسی نے سوال کیا کہ اعمال سے کونسا افضل ہے آپ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنی۔ اور فرمایا کہ جو شخص نماز پنجگانہ کی حفاظت کرے کہ وضو
کامل سے عین وقت پر ادا کرے تو وہ نماز قیامت کو اسکے لیے نور اور برہان ہوگی اور جو کوئی اسکو تلف کریگا اسکا حشر فرعون اور ہامان کے
ساتھ ہوگا اور فرمایا کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔ اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے توحید کے بعد اپنی مخلوق پر نماز سے محبوب تر کوئی چیز نہیں فرض
کی اور اگر نماز سے محبوب تر خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی اور چیز ہوتی تو فرشتوں کے لیے اسکو عبادت مقرر فرماتا حالانکہ ایسے نماز کے
افعال لیتا ہے کہ کوئی انمیں سے رکوع کرنے والا ہے اور کوئی سجدہ کرنے والا اور کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے نماز کو جانکر چھوڑا
وہ کافر ہوگیا مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ وہ شخص کفر کے قریب ہوگیا کہ اسکے تمسک کی چیز ڈھیلی ہوگئی اور سہارا گر گیا جیسے کوئی شخص
شہر کے قریب پہونچتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ شہر میں آگیا اور پہونچ گیا۔ اور ایک حدیث میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے نماز
جانکر چھوڑی اس سے ذمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بری ہوگیا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح
کرے پھر نماز کا قصد کرکے گھر سے نکلے تو جب تک نماز کی نیت کریگا اسوقت تک اپنی نماز ہی میں رہیگا اور ایک قدم پر اسکو نیکی لکھی جاویگی
اور دوسرے پر ایک بدی مٹا دی جاویگی پس اگر تم میں سے کوئی تکبیر سنے تو دوڑنا چاہیے کیونکہ بڑا ثواب اسی کو ہوگا جسکا گھر دور ہوگا لوگوں
نے پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے فرمایا کہ قدموں کی کثرت کی جہت سے ثواب کی کثرت ہے۔ اور مروی ہے کہ قیامت میں جو آدمی کے اعمال دیکھے جاوینگے
ان میں سب سے اول نماز ہوگی وہ اگر پوری پائی جاویگی تو اسکے سارے عمل مقبول ہونگے اور اگر اسمیں نقصان ہوگا تو تمام عمل اسکے
نامنظور ہونگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو ارشاد فرمایا کہ ای ابوہریرہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم کر خدا
تعالیٰ تجھکو روزی ایسی جگہ سے پہونچاویگا کہ تو گمان نہ کرتا ہو۔ اور بعض علما کا قول ہے کہ نمازی کا حال مثل سوداگر کے ہے کہ جب تک اسکو سرمایہ حاصل
نہیں ہوتا نفع نہیں ملتا اسی طرح نماز کی نفلیں مقبول نہیں ہوتیں جبتک کہ فرض کو ادا نہیں کر لیتا اور حضرت ابوبکرؓ جب نماز کا وقت آتا
تو فرماتے کہ کھڑے ہو اور جو آگ تم نے بھڑکائی ہے اسکو بجھاؤ یعنی نماز کو اپنے گناہوں کا کفارہ کرو **تیسرا بیان ارکان نماز کے پورا کرنے کی**

اور دسوین داڑھی کی سیاہی خواہ سفیدی کو عجب کی نگاہ سے دیکھنا اور یہ برائی تمام اجزاے بدن میں ہو سکتی ہے بلکہ سب اعمال اور اخلاق میں عجب کرنا برا ہے چنانچہ اسکا بیان عنقریب آویگا۔ غرض کہ زینت اور نظافت کے اقسام میں سے ہمکو اسی قدر بیان کرنا منظور تھا اور تین حدیثون سے جسم کے اندر بارہ چیزیں سنتوں پائی گئی ہیں پانچ انمیں سے سر میں ہیں مانگ نکالنا کلی کرنی ناک میں پانی دینا مونچھ کتروانا مسواک کرنی اور تین ہاتھ اور پاؤں میں ہیں یعنی ناخن تراشنا اور اوپر کی ساوتین انگلیوں کی اور پیچھے کے جوڑون کو صاف کرنا اور چار جسم میں ہیں یعنی بغل کے بال اکھاڑنے اور موے زیر ناف مونڈنے اور ختنہ کرنے اور پانی سے استنجا کرنا یہ سب امور احادیث میں وارد ہیں اور چونکہ غرض اس کتاب میں طہارت ظاہری سے تعرض ہونے سے ہے یہ باطن کے پاک کرنے سے اسی لیے مناسب ہے کہ ہم اسی قدر پر اکتفا کرین اور اسکو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ باطن کے فضلے اور میل جنکو پاک کرنا واجب ہے وہ زیادہ از حد شمار ہیں اور انکی تفصیل انشاء اللہ جلد چہارم میں عنقریب مذکور ہوگی اور بتایا جاویگا کہ انکے دور کرنے کی تدبیر اور دل کو ان سے پاک کرنے کا طریق کیا ہے۔ خدا کی عنایت سے باب اسرار طہارت پورا ہوا اور اسکے بعد اسرار نماز کا ذکر ہوتا ہے والحمد للہ اولا و آخرا و صلی اللہ علی محمد و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم

چوتھا باب نماز کے اسرار کے بیان میں

رباعی مفتاح جنت کہتے ہیں جو وہ نماز ✤ اخلاص و خشوع سے جو ہووے دمساز ✤ اسرار صلوٰۃ پہ نظر کر احسن ✤ تا دل پہ ترے در معنا ہو باز ✤ جاننا چاہیے کہ نماز دین کا رکن اور یقین کا تمسک اور ثواب کی چیزوں کی اصل اور طاعتوں میں عمدہ ہے اور ہمنے اپنی فقہی کتابوں بسیط اور وسیط اور وجیز میں اسکے فروع و اصول کو خوب بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور بہت سی تفریعات نادر اور عجیب و غریب مسائل انمیں درج کیے ہیں کہ وقت حاجت مفتی کے واسطے ذخیرہ ہوں کہ کام کے وقت انکی طرف رجوع کرے اور مدد لے اور اب ہم اس باب میں صرف وہ باتیں لکھتے ہیں کہ طریق آخرت کے ارادہ کرنے والے کے لیے ضروری ہیں یعنی نماز کے اعمال ظاہری اور اسرار باطنی زیب تحریر کرتے ہیں اور اسکے حصہ معانی کے دقائق کو واضح کرتے ہیں اور خشوع اور اخلاص اور نیت کے معنی شرح وار بیان کرتے ہیں کہ ان امور کو فن فقہ میں لکھنے کی عادت نہیں اور اس باب کو سات فصلون پر منقسم کرتے ہیں

فصل اول نماز اور سجدہ اور جماعت اور اذان وغیرہ کی فضیلت میں مشتمل سات بیانون پر بیان اول اذان کی فضیلت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن تین آدمی مشک سیاہ کے ٹیلوں پر ہونگے کہ نہ انکو خوف حساب ہوگا نہ اور کسی طرح کی دہشت یہانتک کہ اس حال سے فراغت کیجاویگی جو لوگون میں ہوگا ایک تو وہ شخص جسنے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے قرآن مجید پڑھا ہوگا اور لوگوں کی امامت کی ہوگی اور وہ اس سے خوش رہے ہونگے اور ایک وہ شخص جسنے مسجد میں خداے تعالیٰ کی مرضی کی طلب میں اذان دی ہوگی اور لوگون کو خداے تعالیٰ کی طرف بلایا ہوگا اور ایک وہ شخص کہ دنیا میں غلامی میں مبتلا ہو گیا ہو اور اس بات نے اسکو آخرت کے عمل سے نہ روکا ہو اور فرمایا لا یسمع صوت المؤذن جن ولا انس ولا شیء الا شہد لہ یوم القیامۃ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ موذن کے سر پر رہتا ہے یہانتک کہ اپنی اذان سے فارغ ہو۔ اور بعض مفسرون نے کہا ہے کہ آیت ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا موذنوں کے باب میں اتری ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن اور یہ امر اچھا اور مستحب ہے کہ جو موذن کہے وہی آپ بھی کہتا جاوے مگر جب وہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والا کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور جب وہ کہے قد قامت الصلوٰۃ تو کہے اقامہا اللہ وادامہا ما دامت السموات والارض اور فجر کی اذان میں جب کہے الصلوٰۃ خیر من النوم تو کہے صدقت و بررت اور جب اذان کہچکے تو یہ دعا پڑھے اللہم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ محمد

عراق کی حکومت کی نسبت کہ زیادہ پسند ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ من صلی اربعین یوما الصلوات فی جماعۃ لا تفوتہ فیہا تکبیرۃ الاحرام کتب اللہ لہ براءتین براءۃ من النفاق وبراءۃ من النار اور کہتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ انکے چہرے روشن ستارے کی طرح چمکتے ہونگے فرشتے ان سے کہینگے کہ تمھارے اعمال کیا تھے وہ کہینگے کہ جب ہم اذان سنا کرتے تھے تو طہارت کو اٹھ کھڑے ہوتے تھے پھر دوسرا کام ہمکو حارج ہوتا تھا پھر ایک جماعت اٹھے گی کہ انکے منھ چاند جیسے ہونگے وہ فرشتوں کے سوال کے بعد یہ کہینگے کہ ہم وقت سے پہلے وضو کیا کرتے تھے پھر کچھ لوگ ایسے اٹھینگے کہ انکے چہرے آفتاب کی طرح چمکتے ہونگے وہ کہینگے کہ ہم اذان مسجد ہی میں سنا کرتے تھے۔ اور روایت ہے کہ اکابر سلف سے اگر تکبیر اولی فوت ہو جاتی تھی تو تین دن اپنے نفسوں پر سختی کرتے اور اگر جماعت فوت ہوتی تھی تو سات روز۔ **پانچواں بیان سجدے کی فضیلت میں**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما تقرب العبد الی اللہ بشیء افضل من سجود خفی اور فرمایا ما من مسلم یسجد للہ سجدۃ الا رفعہ اللہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا سیئۃ اور مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھکو آپ کی شفاعت والوں میں سے کرے اور جنت میں آپ کی رفاقت نصیب کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو کثرت سجدہ سے میری مدد کر۔ اور مروی ہے کہ بندہ زیادہ تر قریب اللہ تعالی سے اسوقت ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے والا ہو اور یہی مراد ہے اس ارشاد خداوندی میں واسجد واقترب اور اللہ تعالی فرماتا ہے سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود اس آیت میں اثر سجدہ سے بعضوں نے یہ مراد لی ہے کہ سجدہ کے وقت جو چہرہ پر خاک لگ جاتی ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ نور خشوع ہے جو باطن سے ظاہر پر چمکتا ہے اور یہ قول اصح ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے غرض وہ روشنی ہے کہ وضو کے نشان کی جہت سے قیامت کو چہرے پر ہوگی۔ اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان علحدہ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے مصیبت آسکو سجدے کا حکم ہوا اسنے سجدہ کیا تو اسکو جنت ہوئی اور مجھکو سجدے کا حکم ہوا اور میں نے نافرمانی کی تو مجھکو دوزخ ملی۔ اور علی بن عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ وہ ہر روز ہزار سجدے کیا کرتے تھے۔ اور لوگ اسی جہت سے انکو سجاد کہتے تھے اور مروی ہے کہ عمر بن عبد العزیز بجز مٹی کے اور کسی چیز پر سجدہ نہ کرتے تھے اور یوسف بن اسباط کہا کرتے تھے کہ اے گروہ جوانان مرض سے پیشتر تندرستی کیطرف سبقت کرو کہ میں بجز اُس شخص کے اور کسی پر حسد نہیں کرتا جو اپنا رکوع اور سجدہ پورا کرتا ہے اور مجھ میں اور رکوع سجدہ کرنے میں اب مرض حائل ہوگیا ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ میں دنیا کی کسی چیز پر رنج نہیں کرتا بجز سجدہ کے اور عقبہ بن مسلم نے کہا ہے کہ کوئی خصلت بندہ میں اللہ تعالی کے نزدیک اس سے محبوب تر نہیں کہ بندہ خدائے تعالی کے ملنے کو پسند کرے اور کوئی ساعت ایسی نہیں جسمیں بندے کو قرب الہی زیادہ ہو بجز سجدہ کرنے کی ساعت کے اور حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا ہے کہ بندہ زیادہ تر قریب خدائے تعالی سے سجدے کے وقت ہوتا ہے پس سجدہ میں زیادہ دعا کیا کرو۔ **چھٹا بیان خشوع یعنے فروتنی کی فضیلت میں**۔ اللہ تعالی فرماتا ہے واقم الصلوۃ لذکری اور فرمایا ولا تکن من الغافلین اور فرمایا لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون اس میں سکاری سے بعضوں نے یہ مراد لی ہے کہ کثرت غم سے متوالے ہوں اور بعضوں نے کہا کہ دنیا کی محبت سے مست ہوں۔ اور وہب فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ظاہر معنی ہیں کہ نشے سے مست ہو غرض کہ اس میں تنبیہ ہے دنیا کے نشے پر کیونکہ علت کو بیان فرما دیا ہے کہ جب تک تم جانو کہ کیا کہتے ہو اور بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ نشا نہیں پیے ہوتے ہیں مگر انکو نہیں خبر ہوتی کہ نماز میں کیا کہ رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من صلی

فضیلت میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز فرض کی مثال مانند ترازو کے ہے جو پورا دیگا پورا لیگا۔ اور یزید رقاشی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز برابر تھی گویا تلی ہوئی ہے یعنی سب ارکان پورے ایک طرح ادا فرماتے تھے۔ اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو شخص میری امت میں سے نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں ان دونوں کا رکوع اور سجدہ ایک ہی ہے مگر دونوں کی نمازوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس میں آپ نے خشوع کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کیطرف نہ دیکھیگا جو رکوع اور سجدہ کے درمیان میں اپنی پشت سیدھی نہیں کرتا۔ اور فرمایا کہ جو شخص نماز میں اپنا منھ پھیرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ خدا تعالیٰ اسکے منھ کو گدھے کے منھ سے بدل دے۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے نماز کو اسکے وقت پر پڑھا اور اسکے لیے وضو اچھی طرح کی اور اسکا رکوع اور سجدہ اور خشوع پورا کیا تو وہ نماز روشن ہوکر اوپر چڑھتی ہے اور کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تیری حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی اور جس نے نماز کو بے وقت پڑھا اور وضو پوری نکی اور نہ اسکے رکوع اور سجدہ اور خشوع کو کامل طور پر ادا کیا تو یہ نماز سیاہ رنگ ہوکر اوپر جاتی ہے اور کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تجکو ضائع کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا یہانتک کہ جب وہاں پہونچتی ہے جہاں خدا کی مرضی ہو تو وہ کپڑے کی طرح لپیٹی جاتی ہے اور اس شخص کے منھ پر ماری جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں سے چوری کرے۔ اور حضرت ابن مسعود اور سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ نماز ایک پیمانہ ہے جو پورا دیگا پورا پاویگا اور جو اسمیں کمی کریگا تو اسکو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیمانہ کے کم کرنے والے کے باب میں کیا کہا ہے

چوتھا بیان جماعت کی فضیلت میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ الجمع تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ اور حضرت ابو ہریرۃ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم کروں اور جو ان لوگوں کو تلاش کروں جو نماز میں نہیں آتے اور انکے گھر پھونک دوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز سے پیچھے رہتے ہیں پھر حکم کروں کہ لکڑیوں کے گٹھوں سے انکے گھر پھونک دیے جاویں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ مجکو پر گوشت ہڈی یا عمدہ پائے بکری کی ملینگے تو نماز عشا میں ضرور آوے۔ اور حضرت عثمان مرفوعاً فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز عشا میں حاضر ہوا وہ گویا آدھی رات شب بیدار رہا اور جو صبح کی نماز میں آیا وہ گویا ایک رات شب بیدار رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص جماعت میں نماز پڑھتا ہے تو اسکا سینہ عبادت سے بھر جاتا ہے اور سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ بیس برس کے عرصے سے میرا یہ حال ہے کہ جب موذن نے اذان دی ہے تو میں مسجد ہی میں ہوا ہوں۔ اور محمد بن واسع نے فرمایا ہے کہ میں دنیا سے صرف تین چیزیں چاہتا ہوں اول بھائی کہ جب میں کج ہوں مجھے سیدھا کر دے دوسری غذا رزق حلال سے کہ خالی از حق جھگڑا ہو تیسری نماز جماعت کی کہ اسکی بھول مجھے معاف کر دی جاوے اور اسکی بزرگی میری لیے لکھ دیجاوے۔ اور روایت ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے ایکبار کچھ لوگوں کو نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ اسوقت شیطان میرے ساتھ لگا تھا یہانتک کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ مجکو اوروں پر برائی ہے اب میں امامت کبھی نکروں گا۔ اور حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جو آدمی علما کے پاس آمد و رفت نرکھتا ہو اسکے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ اور نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کی امامت بدون علم کے کرتا ہے وہ ایسا ہے کہ سمندر کے پانی کو ناپتا ہے کہ اسکی کمی اور بیشی کو کچھ نہیں جانتا۔ اور حاتم اصم کا قول ہے کہ مجکو ایکبار جماعت کی نماز نہ ملی تو ابو اسحاق بخاری نے صرف میری تعزیت کی اور اگر میرا لڑکا مر جاتا تو دس ہزار آدمیوں سے زیادہ تعزیت کرتے مگر یہ کہ دین کی مصیبت لوگوں کے نزدیک دنیا کی مصیبت سے آسان ہے اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اذان سنی اور نماز کو حاضر ہوا اسنے بہتری کا قصد نہ کیا نہ اس سے کچھ بھلائی مقصود ہے۔ اور فرمایا ہے کہ آدمی کے کانوں میں رانگ پگھلا کر بھر دیا جاوے تو اس سے بہتر ہے کہ اذان سنے اور نماز کو نہ آوے [illegible] ہیں آنے کی سے ان سے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھکر چلے گئے کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون [illegible]

انکو وحی بھیجی کہ اے داؤد جو شخص میری عظمت کے سامنے فروتنی کرتا ہو اور اپنا دن میری یاد میں کاٹتا ہو اور اپنے نفس کو میرے سبب شہوات سے روکتا ہو بھوکے کو کھانا کھلاتا ہو اور مسافر کو جگہ دیتا ہو اور مصیبت والے پر ترس کھاتا ہو وہی میرے گھر میں رہیگا اور اُسی کی میں نماز قبول کرتا ہوں اُسی شخص کا نور آسمانوں میں مثل آفتاب کے چمکتا ہو اگر وہ مجھکو پکارتا ہو تو میں جواب دیتا ہوں اور جو مجھسے مانگتا ہو میں اسکو عطا کرتا ہوں جہل کی میں اُسکے لیے حلم کردیتا ہوں اور غفلت کی اُسکے لیے ذکر اور اندھیرے کو اُجالا کردیتا ہوں اُسکی مثال لوگوں میں ایسی ہو جیسے جنت فردوس اور جنتوں میں ہو کہ نہ اُسکی نہریں خشک ہوں نہ میوے گریں اور حاتم اصم کے حال میں کہتے ہیں کہ اُنسے کسی نے اُنکی نماز کا حال دریافت کیا فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہوجاتا ہو تو میں وضو کامل کرکے اُس جگہ آتا ہوں جہاں نماز پڑھنے کا ارادہ ہو وہاں اگر بیٹھتا ہوں یہانتک کہ میرے اعضا ساکن ہوجاویں پھر میں نماز کو کھڑا ہوتا ہوں اور کعبے کو اپنے ابرو کے سامنے اور پل صراط کو اپنے قدم کے تلے اور جنت کو دہنی طرف اور دوزخ کو بائیں طرف اور ملک الموت کو پشت کے پیچھے کرتا ہوں اور اس نماز کو سب سے پچھلی نماز جانتا ہوں پھر خوف و رجا کے ساتھ کھڑا ہوا اللہ اکبر آواز سے کہتا ہوں اور قرأت اچھی طرح پڑھتا ہوں اور رکوع تواضع کے ساتھ اور سجدہ خشوع کے ساتھ کرتا ہوں اور بائیں سرین پر جھککر بائیں پاؤں کو بچھا لیتا ہوں اور دہنے پاؤں کے انگوٹھے کو کھڑا رکھتا ہوں اور ساری نماز میں اخلاص کا اتباع کرتا ہوں پھر میں نہیں جانتا کہ وہ مجھسے قبول ہوئی یا نہیں اور حضرت ابن عباس نے فرمایا ہو کہ متوسط دو رکعتیں تفکر کے ساتھ ایک رات کی تمام بیداری سے بہتر ہیں جسمیں دل غافل ہو

ساتواں بیان مسجد اور نماز کی جگہ کی فضیلت میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہو انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ اور فرمایا من الف المسجد الفہ اللہ تعالیٰ اور فرمایا اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس اور فرمایا کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز مسجد کے اندر پڑھنے کے نہیں ہوتی اور فرمایا کہ فرشتے تم سے ایک پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اسی نماز پڑھنے کی جگہ میں رہتا ہو فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی اس شخص پر رحمت بھیج الٰہی اسپر مہر کر الٰہی اُسکو بخشدے بشرطیکہ نماز ہی سے وضو ہو جاوے یا مسجد سے باہر جاوے اور فرمایا کہ آخر زمانے میں میری اُمت میں سے کچھ لوگ آوینگے کہ مسجدوں میں آکر حلقہ باندھکر بیٹھینگے اُنکا ذکر دنیا اور دنیا کی محبت ہوگی تم اُنکے پاس مت بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ کو اُنسے کچھ مطلب نہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہو کہ میری زمین میں میرے گھر مسجدیں ہیں اور میری زیارت کرنے والے اُنکے اندر وہ ہیں جو اُنکو آباد رکھنے والے ہیں پس خوشحالی ہو اُس بندے پر کہ اپنے گھر سے پاک و صاف ہوکر میرے گھر میں میری زیارت کو آوے اور گھر والے پر حق ہو کہ اپنے یہاں آنے والے کا اکرام کرے اور فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد کا عادی ہو تو اُسکے ایمان کی گواہی دو اور حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا ہو کہ جو شخص مسجد میں بیٹھے وہ اپنے رب کے ساتھ ہمنشینی کرتا ہو تو اُسکے حق میں نہایت مناسب ہو کہ بجز خیر کے اور کچھ نہ کہے اور کسی قول تابعی یا حدیث میں مروی ہو کہ مسجد میں بات کرنی نیکیوں کو ایسا کھاتی ہو جیسے چوپائے گھاس کو کھاتے ہیں اور نخعی فرماتے ہیں کہ اکابر سلف کا اعتقاد یہ تھا کہ اندھیری رات میں مسجد کو جانا جنت کا موجب ہو اور حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں چراغ جلاوے تو جبتک اُسکی روشنی مسجد میں رہتی ہو تب تک اُس شخص کے لیے فرشتے اور عرش کے اُٹھانے والے مغفرت طلب کرتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرجاتا ہو تو زمین میں سے اُسکی نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں سے اُسکے عمل کے چڑھنے کی جگہ اُسپر روتی ہیں اور اسکی تصدیق کے لیے یہ آیت پڑھی فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین اور حضرت ابن عباس نے فرمایا ہو کہ زمین اُس شخص پر چالیس روز روتی ہو اور عطاء خراسانی نے کہا ہو کہ جو آدمی کسی جگہ زمین میں سے سجدہ کرتا ہو تو وہ ٹکڑا زمین کا قیامت کو اُسکی شہادت دیگا اور جسدن وہ مریگا اُسپر روئیگا اور انس بن مالک نے فرمایا ہو کہ جس زمین کے ٹکڑے پر خدائے تعالیٰ کا ذکر نماز سے خواہ یاد سے ہوتا ہو وہ ٹکڑا اپنے گرد کے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہو اور ذکر الٰہی کی بشارت انتہا سے ساتوں درجہ زمین تک پہونچاتا ہو اور جو بندہ کہ کھڑا ہوکر نماز پڑھتا ہو اُسکے لیے زمین آراستہ ہوتی ہو اور کہتے ہیں کہ جس منزل میں لوگ اُترتے ہیں صبح کو وہ منزل یا اُنپر رحمت بھیجتی ہو یا لعنت کرتی ہو دوسری

رکعتین لم یحدث نفسہ فیہما بشیء من الدنیا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ اور فرمایا کہ انما الصلوٰۃ تمسکن وتواضع وتضرع وتباؤس وتنادم وتضع یدیک فتقول اللہم اللہم فمن لم یفعل فہی خداج - اور اللہ تعالیٰ سے بعض پہلی کتابوں میں یوں مروی ہے کہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں ہر ایک نمازی کی نماز مقبول نہیں کرتا بلکہ اُس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے فروتنی کرے اور میرے بندوں پر تکبر نہ کرے اور بھوکے فقیر کو کھانا میری رضا کے لیے کھلاوے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز کا فرض ہونا اور حج اور طواف کا حکم ہونا اور دوسرے ارکان کا مقرر ہونا صرف ذکر الٰہی کے برپا کرنے کے لیے ہے پس اگر تیرے دل میں جو مقصود ہے اُسکی یاد نہوا اور عظمت اور ہیبت مطلوب سے خالی ہو تو تیرے ذکر کی قیمت کچھ نہیں - اور جس شخص کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی اُسکو ارشاد فرمایا کہ اذا صلیت فصل صلوٰۃ مودع یعنی اپنے نفس اور خواہش اور عمر کو رخصت کرکے اپنے مولیٰ کی طرف چلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الانسان انک کادح الیٰ ربک کدحا فملاقیہ اور فرمایا واتقوا اللہ واعلموا انکم ملاقوہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اُسکی نماز فحش اور برائی سے منع نہ کرے تو وہ خدا تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جاویگا - اور نماز تو خدائے تعالیٰ سے مناجات کرنے کا نام ہے تو غفلت کے ساتھ کیسے ہو جاویگی - اور بکر بن عبد اللہ کا قول ہے کہ اے ابن آدم اگر تو اپنے آقا کے پاس بدوں اُسکی اجازت کے جانا چاہے اور بدون کسی دلال واسطے کے اُس سے گفتگو کرنی چاہے تو ہو سکتا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہا کہ وضو کامل کرکے محراب میں جا کھڑے ہو کہ اپنے مالک کے سامنے بدون اجازت چلے جاؤگے پھر اُس سے بدون ذریعہ درمیانی باتیں کرو - اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کیا کرتے تھے اور ہم آپ سے کچھ کہتے تھے مگر جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو آپ گویا ہمکو جانتے تھے اور ہم آپ کو نہ پہچانتے تھے اسقدر خدائے تعالیٰ کی عظمت میں مشغول ہوتے تھے - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا ینظر اللہ الیٰ صلوٰۃ لا یحضر الرجل فیہا قلبہ مع بدنہ - اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز کو کھڑے ہوتے تو آپکے دل کی آواز اضطراب دو میل کے فاصلے پر سنائی دیتی تھی اور سعید تنوخی جب نماز پڑھتے تو آپکے آنسو رخساروں پر سے داڑھی پر گرنے سے نہ تھمتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتا ہے فرمایا کہ اگر اسکا دل خشوع کرتا تو اُسکے اعضا بھی خشوع کرتے - اور روایت ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کنکروں سے کھیل رہا ہے اور کہتا ہے کہ الٰہی میرا نکاح حور عین سے کردے آپ نے فرمایا کہ تو اچھا خواستگار نہیں دیکھا کہ حور عین سے نکاح چاہتا ہے اور کنکروں سے کھیلتا ہے - اور خلف بن ایوب سے کسی نے کہا کہ کیا نماز میں تمکو مکھی نہیں ستاتی کہ تم اُسکو ہٹا دو فرمایا کہ میں اپنے نفس کو ایسی چیز کا عادی نہیں کرتا کہ میری نماز کو فاسد کرے سائل نے کہا کہ تمکو صبر کیسے ہوتا ہے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ فاسق بادشاہی کوڑوں کے نیچے صبر کرتے ہیں تاکہ لوگ کہیں کہ بڑے صابر ہیں اور اس بات کا آپس میں فخر کرتے ہیں اور میں تو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو کیا اُسکی مکھی سے جنبش کروں - اور مسلم بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ نماز کا ارادہ کرتے تھے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم آپس میں باتیں کرو اب میں تمہاری گفتگو نہیں سنونگا اور ایک روز وہ بصرے کی جامع مسجد میں نماز پڑھتے تھے کہ مسجد کی ایک طرف گر گئی اسکے لیے لوگ جمع ہوئے مگر انکو نماز سے فارغ ہونے تک کچھ بھی معلوم نہوا - اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا دستور تھا کہ جب وقت نماز کا آتا تو آپ کانپتے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا پس آپ سے لوگ پوچھتے کہ یا امیر المومنین آپکا کیا حال ہے فرماتے کہ اُس امانت کا وقت آیا جسکو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی اور اُسکے اٹھانے سے سب نے انکار کیا اور انسان نے اُسکو اٹھا لیا - اور حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب وضو کرتے تو آپکا رنگ زرد ہو جاتا آپکے گھر والے پوچھتے کہ وضو کے وقت آپکو کیا عادت ہے آپ نے فرمایا کہ تم جانتے نہیں کہ میں کس شخص کے سامنے کھڑا ہوا چاہتا ہوں - اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی مناجات میں کہا کہ الٰہی تیرے گھر میں یعنی جنت میں کون رہیگا [illegible]

ایسا نکرے کہ ہ کے بعد واو سی معلوم ہو جس کو بہت بڑھانے سے واو پیدا ہو جاتی ہے اور اکبر کی ب کے بعد الف نہ کہے کہ اکبار کہا پایا جاوے اور
اکبر کی ر کو جزم کرے اُسپر پیش نہ پڑھے یہ صورت اللہ اکبر کہنے اور اُسکے ساتھ کے اعمال کی ہے قراءت پھر شروع کی دعا پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ
اللہ اکبر کے بعد یوں ملا کر پڑھے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا انّی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من
المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا من المسلمین اسکے بعد کہے سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک
اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک تاکہ جتنے متفرق امور اخبار میں وارد ہیں سب جمع ہو جاویں اور اگر امام کے پیچھے ہو اور امام اتنا سکتہ نہ کرے
کہ جسمیں ساری الحمد پڑھ لے تو اسی قدر دعا پر کفایت کرے اور اگر اکیلا ہو یا امام کے پیچھے مہلت پاوے تو بعد دعا کے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
کہکر سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرے اور سب تشدیدوں اور حرفوں کو پورا پڑھے اور کوشش کرے کہ ضاد و ظا میں ملنے نہ پاوے
اور الحمد کے آخر میں آمین کچھ کھینچکر کہے اور آمین کو ولا الضالین میں نہ ملاوے اور نماز صبح اور مغرب اور عشا میں قراءت پکار کر پڑھے بشرطیکہ مقتدی
نہو اور آمین پکار کر کہے پھر ایک سورت یا مقدار تین آیتوں خواہ زیادہ کے پڑھے اور سورت کے آخر کو رکوع کے اللہ اکبر میں نہ ملاوے بلکہ دونوں
میں فاصلہ بمقدار سبحان اللہ کہنے کا رکھے اور صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھے اور مغرب میں قصار مفصل اور ظہر اور عصر اور عشا میں والسماء
ذات البروج اور اسکے مثل اور سورتیں پڑھے اور صبح کی نماز میں سفر کی حالت میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھے اور فجر کی سنتوں اور
دوگانہ طواف اور دوگانہ تحیت میں بھی یہی دونوں پڑھے اور قراءت کی انتہا تک کھڑا رہے اور ہاتھ اُسی طرح باندھے رہے جیسا اوپر ہمنے بیان
کیا ہے **رکوع** اور اسکے لواحق پھر رکوع کرے اور اسمیں کئی باتوں کا خیال کرے یعنی رکوع کے لیے اللہ اکبر کہے اور اس تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کے
اور تکبیر کو اتنا بڑھاوے کہ رکوع میں پہونچنے تک تمام ہو اور اپنی ہتھیلیاں رکوع کے اندر دونوں زانو پر رکھے اور انگلیاں پھیلی ہوئی سیدھی کے طول
کیجانب قبلہ رخ ہوں اور اپنے گھٹنوں کو سیدھا رکھے انکو ٹیڑھا نہ کرے اور اپنی کمر کو برابر پھیلاوے اور گردن اور سر اور پیٹھ ایک سطح جیسے ہوں
کہ نہ سر نیچا ہو نہ اونچا اور اپنی کہنیوں کو دونوں پہلو سے علیحدہ رکھے اور عورت اپنی کہنیاں پہلو سے ملی رکھے اور رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم
کہے اور تین بار سے زیادہ سات اور دس بار تک بہتر ہے بشرطیکہ امام نہو پھر رکوع سے قیام کی طرف اٹھے اور دونوں ہاتھ شانوں تک اٹھاوے
اور سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور سیدھا مطمئن کھڑا ہو اور کہے ربنا لک الحمد ملاء السموات وملاء الارض وملاء ما شئت من شیء بعد اور اس قیام کو بجز صلوٰۃ الصبح
کے اور نمازوں میں طول نہ دے اور صبح کے وقت دوسری رکعت میں سجدہ سے پیشتر دعاے قنوت اُن الفاظ سے پڑھے جو احادیث میں مروی ہیں
سجدہ پھر تکبیر کہتا ہوا سجدہ کو جھکے اور اپنے گھٹنے زمین پر رکھے اور پیشانی اور ہتھیلیاں کھلی ہوئی زمین پر رکھے اور جھکنے کے وقت اللہ اکبر کہے
اور بدون رکوع کے اور جگہ ہاتھ شانوں تک نہ اٹھاوے اور چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے زانو زمین پر رکھے اُسکے بعد دونوں ہاتھ اور آخر کو منھ
اور سجدہ میں ناک بھی زمین پر رکھے اور کہنیوں کو پہلو سے علیحدہ رکھے اور عورت ایسا نہ کرے اور پاؤں کی انگلیاں پھیلی رکھے اور عورت یہ نہ کرے
اور سجدے میں پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے اور رانیں جدی جدی ہوں اور عورت پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو آپسمیں ملی ہوئی رکھے
اور ہاتھوں کو شانوں کے مقابل زمین پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلاوے نہیں بلکہ آپسمیں مع انگوٹھے کے ملاوے اور اگر انگوٹھے کو
نہ ملاوے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اپنے ہاتھ زمین پر نہ بچھاوے جیسے کتا بچھاتا ہے بلکہ کہنیاں اٹھی رکھے کہنیاں زمین پر لگانے سے نہی وارد ہے
اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلی کہے اور اگر زیادہ دفعہ کہے تو بہتر ہے مگر جس صورت میں کہ امام ہو تین بار سے زیادہ نہ کہے پھر سجدے سے
اٹھکر اطمینان سے بیٹھ جاوے یعنی اپنا سر تکبیر کہتا ہوا اٹھاوے اور بائیں پاؤں پر بیٹھکر دہنے قدم کو کھڑا رکھے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں
پر رکھے اور انگلیاں کھلی رکھے اُنکے ملانے میں تکلف نہ کرے نہ پھیلانے میں مبالغہ کرے اور اس جلسے میں کہے رب اغفرلی وارحمنی وارزقنی واہدنی

نماز کے اعمال ظاہری کی کیفیت اور تکبیر شروع اور اس سے پہلے کے احوال کے ذکر میں۔ جب نمازی وضو سے اور بدن اور مکان اور کپڑے کی نجاست کے پاک کرنے سے فارغ ہوا اور ستر عورت کا ناف سے لیکر زانو تک کر چکے تو چاہیے کہ قبلہ رخ دونوں پاؤں میں کچھ فاصلہ دیکر کھڑا ہو اور دونوں پاؤں کو آپس میں نہ ملا دے اسطرح کھڑا ہونا آدمی کی عقل اور سمجھ پر دلالت کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں صفد اور صفن سے منع فرمایا ہے صفد تو اسکو کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں ایک ساتھ جوڑ لے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے مقرنین فی الاصفاد اور صفن یہ ہے کہ ایک پاؤں پر زور دیکر دوسرے کو ٹیڑھا کر لے جیسا اس آیت میں ہے الصافنات الجیاد یہ صورت تو دونوں پاؤں میں قیام کے وقت قابل لحاظ ہے اور دونوں زانو اور کمر میں یہ لحاظ چاہیے کہ سیدھے قائم رہیں اور سر کو چاہیے سیدھا رہنے دے خواہ گردن جھکا لے اور گردن جھکانا فروتنی کے قریب تر ہے اور نظر کو نیچا رکھنا ہے اور چاہیے کہ نظر جانماز پر رہے جسپر نماز پڑھتا ہے اور اگر جانماز نہو دیوار کے قریب کھڑا ہو یا اپنے اطراف میں لکیر کھینچ لے کہ نگاہ کی مسافت اس سے بھی کم ہو جاتی ہے اور فکر کو پراگندہ نہیں ہونے دیتی اگر جانماز کے کنارون یا لکیر کی حدوں سے نگاہ باہر نکلے تو اسکو روکنا چاہیے اور اس قیام کو اسی طرح رکوع تک رکھنا چاہیے کہ کسی طرف دھیان نہو یہ قاعدہ قیام کا ہے جب قیام قبلہ رخ سیدھا کر لے اور ہاتھ پاؤں بھی سب برابر ہوں اسوقت قل اعوذ برب الناس شیطان سے محفوظ رہنے کے لیے پڑھے پھر تکبیر کہے اور اگر کسی مقتدی کے آجانے کی توقع ہو تو اول اذان کہدے پھر نیت کو حاضر کرے یعنی مثلا ظہر میں دل کے اندر نیت کرے اور کہے کہ میں ظہر کے فرض اللہ کے لیے ادا کرتا ہوں اسمیں ادا کے لفظ سے تو قضا سے تمیز ہو جاویگی اور فرض کے کہنے سے نفل سے علیحدگی ہوگی اور ظہر کہنے سے عصر وغیرہ سے فرق ہو جاویگا اور چاہیے کہ ان الفاظ کے معانی دل میں موجود رہیں کہ نیت اسی کو کہتے ہیں الفاظ تو صرف یاد دلانے والے اور اُنکے دل میں موجود ہونے کے اسباب ہیں اور یہ کوشش کرے کہ یہ نیت تکبیر کے آخر تک قائم رہے کہ غائب نہونے پاوے جب دل میں یہ بات موجود ہو جاوے تو اپنے دونوں ہاتھ دونوں شانوں تک اُٹھا دے اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں مقابل دونوں شانوں کے ہوں اور دونوں انگوٹھے مقابل کانوں کی لو کے اور انگلیوں کے سر مقابل دونوں کانوں کے ہوں تاکہ اس باب میں جتنی احادیث وارد ہیں سب کا جامع ہو اور دونوں ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے اور انگلیوں کو کھلا رکھے یعنی نہ بند کرے نہ پھیلانے میں تکلف کرے بلکہ انکو انکی طبیعت پر چھوڑ دے اسلیے کہ آثار میں انکا پھیلانا اور ملا رکھنا منقول ہے اور یہ صورت دونوں کے درمیان ہے اس جہت سے یہی اولی ہے اور جبکہ ہاتھ اپنے ٹھکانے پر ٹھہر جاویں تب نیت کا دل میں حاضر کرنا اور اللہ اکبر کہنا اور ہاتھوں کو جھکانا شروع کرے اور اللہ اکبر پورا کر کے دونوں کو ناف کے اوپر اور چھاتی کے نیچے باندھے اسطرح کہ دہنا ہاتھ اوپر ہو اور بایاں نیچے تاکہ دہنے کو فضیلت ہو کہ بائیں کے اوپر رہے اور دہنے ہاتھ کی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی بائیں ہاتھ کے ساعد پر پھیلا دے اور انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں کے پہونچے کو پکڑ لے اور اللہ اکبر کہنا روایتوں میں ہاتھ اُٹھانے کے ساتھ بھی آیا ہے اور اسوقت کہ وہ اٹھکر ٹھہر جاویں اسوقت بھی آیا ہے اور انکو باندھنے کے لیے جھکانے کے ساتھ بھی وارد ہے اور ان کل صورتوں میں کچھ حرج نہیں لیکن جھکانے کے وقت میں اللہ اکبر کہنا میرے نزدیک لائق تر ہے اسلیے کہ یہ کلمہ عقد کا ہے اور ایک ہاتھ کا دوسرے پر رکھنا اس عقد کی صورت ہے اور یہ صورت ہاتھوں کو جھکانے سے شروع ہوتی ہے اور انکے باندھنے تک پوری ہوتی ہے اور شروع اللہ اکبر کا الف ہے اور تمامی رے کو مناسب ہے کہ فعل اور عقد میں مطابقت کا لحاظ کیا جاوے باقی رہا ہاتھوں کا اٹھانا وہ اس شروع کا مقدمہ ہے اس سے اللہ اکبر کی مناسبت نہیں جیسی جھکانے کی صورت سے ہے۔ پھر اللہ اکبر کہنے میں اپنے ہاتھ بہت آگے نہ بڑھا دے اور نہ شانوں کے پیچھے انکو لیجاوے اور نہ دونوں [illegible] جھٹکے اللہ اکبر کہکر چلے بلکہ انکو آہستہ اور نرمی سے نیچے لٹکا دے پھر نئے سرے سے دہنا ہاتھ بائیں پر ہاتھ کو لٹکانے کے بعد رکھ لے [illegible] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہنے کے بعد اپنے ہاتھ لٹکا دیتے تھے اور جب قرات کا ارادہ کرتے تھے تو [illegible] ہاتھ کو بائیں پر رکھ لیتے تھے تو یہ حدیث اگر صحیح ہو تو جو ہمنے ذکر کیا ہے اس سے یہ بہتر ہے اور چاہیے کہ اللہ اکبر کی [illegible]

واہدنی وعافنی واعف عنی اور اس جلسہ کو بجز صلوٰۃ التسبیح کے اور نماز میں بہت نہ بڑھاوے پھر پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کرے اور اسکے
بعد تھوڑا سا جلسہ استراحت کرے اور یہ جلسہ استراحت ہر رکعت کے بعد جسمیں التحیات نہ ہو ہوتا ہے پھر ہاتھ کا سہارا زمین پر دیکر اٹھ کھڑا ہو مگر اٹھنے
میں کوئی پاؤں آگے نہ بڑھاوے اور تکبیر کو اتنا بڑھاوے کہ بیٹھنے کے درمیان سے کھڑے ہونے کے درمیان تک حاوی ہو جاوے یعنی اللہ کی
ہ تو سر اٹھنے تک میں ادا ہو اور اکبر کا کاف زمین پر سہارا دینے کے وقت نکلے اور را اسوقت پوری ہو کہ آدھا کھڑا ہو جاوے اور شروع اکبر
کہنا اسوقت سے کرے کہ جب بیٹھنے کے پہلے نصف اٹھ رکا ہو تاکہ سارا اللہ اکبر اس حالت تبدیل میں ہو جاوے قیام اور سجدہ اس سے دونوں
خالی رہیں اور یہ صورت تعظیم سے قریب تر ہے اور دوسری رکعت مثل اول کے ہے اسکے شروع میں اعوذ دوبارہ پڑھے تشہد پھر دوسری رکعت
کے بعد اول تشہد پڑھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی آل پر درود بھیجے اور التحیات پڑھنے میں اسی طرح بیٹھے جیسا دو سجدوں کے
بیچ میں بیٹھا تھا یعنی بائیں پاؤں پر بیٹھے اور داہنے کو کھڑا رکھے اور داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھے اور اسکی انگلیاں سوائے انگشت شہادت کے
بند کر لے اور انگوٹھے کے کھلا رکھنے کا بھی کچھ مضائقہ نہیں اور صرف داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے الا اللہ کہنے کے وقت اشارہ کر دے
نہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے وقت اور اخیر کی التحیات میں بعد درود شریف کے دعائے ماثور کو پورا پڑھے اور اخیر تشہد کا طریق مثل اول تشہد کے ہے مگر
اتنا فرق ہے کہ اسمیں بائیں چوتڑ پر بیٹھے کیونکہ اب اسکا ارادہ اٹھنے کا نہیں بلکہ ٹھہرا ہوا ہے اور اپنے بائیں پاؤں کو نیچے سے داہنی طرف نکالدے
اور داہنے کو کھڑا رہنے دے اور اگر دشوار ہو تو پاؤں کے انگوٹھے کا سر قبلہ رخ رکھے پھر ان سب اعمال کے بعد داہنی طرف کو منہ پھیر کر کہے
السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور منہ اتنا پھیرے کہ جو شخص اسکے پیچھے داہنی طرف نماز پڑھتا ہو وہ اسکا داہنا رخسار دیکھ لے پھر بائیں طرف منہ پھیر کر
اسی طرح دوسرا سلام کہے اور سلام پھیرنے میں سب نمازوں کے ختم ہونے کی نیت کرے اور اول سلام میں اپنے داہنے ہاتھ کے فرشتوں اور
مسلمانوں کی نیت کرے اور اسیطرح دوسرے سلام میں نیت کرے اور سلام کو تخفیف کے ساتھ کہے بہت کھینچے نہیں کہ سنت اسیطرح ہے
یہ صورت اکیلے شخص کی نماز کی ہوتی اور امام اللہ اکبر پکار کر کہے اور الگ اسی قدر آواز سے کہے کہ اپنے آپ سن لے اور امامت کی نیت کرلے کہ
ثواب ملے اگر نیت نہ کریگا اور مقتدی اسکے پیچھے اقتدا کی نیت سے نماز پڑھ لینگے تو انکی نماز درست ہو جاویگی اور جماعت کا ثواب سب کو ملیگا اور
امام شروع نماز کی دعا اور اعوذ باللہ آہستہ سے پڑھے جیسا اکیلا پڑھتا ہے اور الحمد اور سورہ دونوں رکعتوں میں صبح کی اور دو پہلی رکعتوں میں
مغرب اور عشا کی پکار کر پڑھے اور ایسا ہی حال تنہا پڑھنے والے کا ہے اور جن نمازوں میں قرأت پکار کر پڑھتے ہیں آمین امام آمین پکار کر
کہے اور مقتدی بھی امام کے ساتھ ہی پکار کر آمین کہیں اس سے پیچھے نہ کہیں اور امام الحمد کے بعد کسی قدر خاموش رہے تاکہ سانس درست
ہو جاوے اور مقتدی اس حالت خاموشی میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ امام جسوقت قرأت پڑھے اسوقت اسکی قرأت سنیں اور مقتدی جہری
نمازوں میں سورہ نہ پڑھے مگر جس صورت میں کہ آواز امام کی نہ سنتا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور امام رکوع سے سر اٹھانے میں سمع اللہ لمن حمدہ
پکار کر کہے اور مقتدی بھی یہی کہے اور امام رکوع اور سجدہ کی تسبیحیں تین سے زیادہ نہ کہے اور نہ اول کی التحیات میں اللہم صل علی محمد و علی آل
محمد کہنے کے بعد کچھ اور زیادہ کرے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف الحمد پر کفایت کرے اور لوگوں پر اسکا طول نہ دے اور اخیر کی تشہد میں التحیات
اور درود کے بعد دعا اتنی پڑھے کہ ان دونوں چیزوں سے زیادہ ہو جاوے اور امام اپنے سلام میں جسطرح قوم کی نیت کرتا ہے مقتدی اپنے
سلام میں اسکے جواب کی نیت کرے اور امام سلام کے بعد اسقدر توقف کرے کہ لوگ سلام سے فارغ ہو جاویں پھر لوگوں کی
طرف اپنا منہ پھیرے اور اگر مردوں کی صف کے پیچھے عورتیں بھی پڑھتی ہوں تب بہتر یہ ہے کہ قبلہ رخ بیٹھا رہے تاکہ عورتیں چلی جائیں
نہ ٹھہریں اور جب تک امام نہ اٹھے مقتدیوں میں سے کوئی نہ اٹھے امام جدھر سے چاہے پھرے خواہ داہنے ہاتھ کو خواہ بائیں کو اور
میرے نزدیک داہنے طرف کو پھرنا پسند ہے اور امام صبح کی قنوت میں خاص اپنے لیے دعا نہ مانگے بلکہ اللہم اہدنا کہے بجائے اہدنی کے

دوم اعضائے ظاہر کی جہت سے ارتباط تو ذات روح ہی اور ظاہر کے اعضا معلوم ہی ہیں اور ان اعضا میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ انکے نہ ہونے سے انسان میت ہو جاتا ہی جیسے دل اور جگر اور دماغ اور دوسرے اعضا جنکے عدم سے حیات جاتی رہتی ہی اور بعض اعضا ایسے ہیں کہ انکے نہونے سے زندگی تو نہیں جاتی مگر زندگی کے مقصود فوت ہو جاتے ہیں جیسے آنکھ اور ہاتھ اور پانوں اور بعض اعضا ایسے ہیں کہ انکے نہ ہونے سے نہ زندگی فوت ہو نہ اُسکے مقاصد مگر اُسکے نہونے سے خوبصورتی جاتی رہتی ہی جیسے بھویں اور داڑھی اور پلکیں اور رنگ کی خوبی اور بعض ایسے ہیں کہ ایسے اصل خوبصورتی نہیں جاتی مگر کمال خوبی کا جاتا رہتا ہی جیسے بھووں کا محراب ہونا اور داڑھی اور پلکوں کا سیاہ ہونا اور اعضا کا متناسب ہونا اور رنگ کا سرخ و سفید ہونا غرض کہ یہ درجات جدا جدا ہیں اسی طرح عبادت بھی ایک صورت ہی کہ شریعت نے اُسکو بنایا ہی اور اس صورت کا حاصل کرنا ہمارے لیے عبادت مقرر ہوا ہی اس صورت کی روح اور حیات باطنی تو خشوع اور نیت اور دل کا حاضر ہونا اور اخلاص ہی جیسا کہ آگے لکھا جاویگا اس جگہ اُسکے اجزائے ظاہری کا ذکر کرتے ہیں پس رکوع اور سجدہ اور قیام اور دوسرے فرائض بمنزلہ دل اور سر اور جگر کے ہیں کہ انکے نہونے سے نماز نہیں ہوتی اور سنتیں جو ہم نے لکھی ہیں یعنی رفع یدین اور شروع کی دعا اور تشہد اول بمنزلہ دونوں ہاتھوں اور آنکھوں اور پانوں کے ہیں کہ انکے نہونے سے صحت تو نہیں جاتی جیسے اُن اعضا کے نہونے سے زندگی نہیں جاتی بلکہ آدمی بُری صورت کا ہو جاتا ہی لوگوں کو اس سے نفرت ہوتی ہی اسی طرح جو شخص نماز میں اُسی قدر پر اکتفا کرے کہ نماز درست ہو جاوے اور سنتوں کو بجا نہ لاوے تو اُسکی مثال ایسی ہی جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کے پاس ایک غلام تحفہ بھیجے کہ زندہ تو ہو مگر ہاتھ پاوں کٹے ہوں۔ اور مستحبات جو سنتوں سے کم درجہ کے ہیں وہ بمنزلہ حسن کے لوازم کے ہیں جیسے بھویں اور داڑھی اور پلکیں اور رنگ کی خوبی بدن میں ہیں۔ اور لطائف آداب یعنی ذکر وغیرہ جو اُن سنتوں میں ہیں وہ حسن کی تکمیل ہیں جیسے ابرو کا محراب ہونا اور داڑھی کا گول ہونا وغیرہ ہیں۔ حاصل یہ کہ نماز تیرے پاس ایک ذریعہ قرب اور تحفہ ہی جس سے تو حضرت شاہنشاہ حقیقی کی جناب میں تقرب چاہتا ہی جیسے کوئی شخص بادشاہ دنیا کی قربت کی طلب کے لیے غلام اُسکی بارگاہ میں تحفہ بھیجتا ہی اور یہ تیرا تحفہ اللہ عز و جل کے حضور میں پیش ہو کر تیری ہیشی کے دن پھر تجھے ملیگا اب تجھے اختیار ہی چاہے اُسکی صورت اچھی بنا چاہے بُری اگر اچھی بناویگا تو اپنے واسطے اور بُری بناویگا تو اپنے واسطے اور تجھکو یہ چاہیے کہ فقہ کی مہارت میں سے اسی پر بس کرلے کہ فرض اور سنت کے درمیان فرق معلوم کرلے اور سنت کو سمجھ لے کہ اُسکا نہ کرنا جائز ہی اور اس خیال سے اُسکو چھوڑ دے کیونکہ اگر ایسا کریگا تو اُسکی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی طبیب کہے کہ آنکھ پھوڑ دینے سے آدمی کا وجود نہیں جاتا مگر اُس آدمی کو اگر کوئی شخص ہدیہ کے طور پر بادشاہ کے یہاں پیش کرکے متوقع تقرب کا ہو تو یہ بات تو آنکھ کے جانے سے جاتی رہتی ہی یہی حال سنتوں اور مستحبات کے فوت ہونے کا سمجھنا چاہیے کہ جو نماز کہ آدمی اُسکا رکوع اور سجدہ پورا نہ کریگا تو اُسکی اول دشمن وہی ہوگی اور کہیگی کہ جا سے تعالیٰ تجھے برباد کرے جیسا تو نے مجھے برباد کیا چنانچہ نماز کے ارکان پورا کرنے کے باب میں ہم احادیث لکھ آئے ہیں اُنکو دیکھو تاکہ اِن باتوں کی وقعت تمکو معلوم ہو

تیسری فصل نماز کے اندر باطنی شرطوں کے ذکر میں جو دل سے متعلق ہیں اس فصل میں ہم اول نماز کا وابستہ ہونا خشوع اور حضور دل کے ساتھ ذکر کرینگے پھر امور باطنی جنسے نماز کامل ہوتی ہی اور اُنکے حدود اور اسباب اور تدبیرات کو لکھینگے پھر اُن امور کی تفصیل کرینگے جو ہر رکن نماز کے رکنوں میں سے موجود ہونے چاہییں تاکہ نماز توشۂ آخرت ہو جاوے غرض اس فصل میں چار بیان ہیں **بیان اول** خشوع اور حضور دل کے شرط ہونے میں واضح ہو کہ اس بات کی دلیلیں بہت ہیں نماز کے اندر خشوع اور حضور دل شرط ہی چنانچہ ایک دلیل یہ ارشاد خداوندی ہی اقم الصلوٰۃ لذکری الفاظ امر سے بظاہر وجوب سمجھا جاتا ہی یعنی حضور دل کا ہونا واجب ہی اور غفلت ذکر کی ضد ہی تو جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہیگا وہ نماز کا برپا رکھنے والا خدا سے تعالیٰ کی یاد پر کیسے ہوگا اور ایک جا ارشاد فرمایا ولا تکن من الغافلین اسمیں نہی کا صیغہ ہی جو بظاہر تحریم پر دلالت کرتا ہی اور فرمایا حتی تعلموا ما تقولون اسمیں نشہ والے کو نماز سے منع کرنے کی علت ہی اور یہ علت اس شخص کو بھی

فرض ہیں اول نیت دوسری اللہ اکبر کہنا تیسری کھڑا ہونا چوتھی الحمد پڑھنا پانچویں رکوع میں جھکنا اسطرح کہ ہتھیلیاں زانو پر اطمینان کے ساتھ لگ جاویں چھٹی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا ساتویں اطمینان کے ساتھ سجدہ کرنا اور اسمیں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا واجب نہیں آٹھویں سجدے سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھنا نویں دوسرا قعدہ دسویں اخیر تشہد پڑھنا گیارھویں اخیر تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا بارھویں اول سلام پھیرنا اور نماز سے باہر آنے کی نیت واجب نہیں۔ اور جو باتیں کہ ان بارہ کے سوا ہیں وہ واجب نہیں بلکہ سنتیں اور مستحبات ہیں افعال میں چار باتیں سنت ہیں اول تکبیر احرام میں ہاتھوں کا اٹھانا دوم رکوع کی تکبیر میں سوم ومد کی تکبیر میں انکا اٹھانا چہارم تشہد اول کے لیے بیٹھنا باقی اور باتیں جیسے انگلیوں کو پھیلانا اور رفع یدین کی حد وغیرہ یہ باتیں رفع یدین کی تابع ہیں اور سرین پر بیٹھنا اور پاؤں کا بچھانا جلسہ کے تابع ہیں اور سر جھکانا اور التفات نہ کرنا قیام کے تابع ہے اور صورت کو اچھا کرنے اور جلسۂ استراحت کو ہمنے اعمال کی سنتوں میں شمار نہیں کیا اسلیے کہ یہ دونوں گویا سجدہ سے قیام کے لیے اٹھنے کی حرکت میں داخل ہیں خود اپنی ذات سے مقصود نہیں اور اسی وجہ سے انکا ذکر بھی جداگانہ نہیں کیا گیا۔ اور ذکر میں سنتیں یہ ہیں اول شروع کی دعا دوم اعوذ باللہ پڑھنا سوم آمین کہنا کہ سنت مؤکدہ ہے چہارم قرات سورت کی پنجم ایک رکن سے دوسرے میں جانے کے لیے اللہ اکبر کہنا ششم رکوع اور سجدہ میں تسبیحیں کہنی اور قومہ میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہفتم اول التحیات اور اسمیں درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھنا ہشتم دعا پچھلے تشہد کے آخر میں نہم دوسرا سلام پھیرنا۔ اور ان چیزوں کو اگرچہ ہمنے سنت میں داخل کرکے لکھا ہے مگر انکے درجات جدا جدا ہیں کیونکہ انمیں سے چار چیزیں ایسی ہیں کہ انکا تدارک سجدہ سہو سے ہوتا ہے۔ اور اعمال کی سنتوں میں صرف ایک ہی کا جبر سجدۂ سہو سے ہوتا ہے یعنی پہلا جلسہ اول تشہد کے واسطے اسلیے کہ وہ جلسہ نماز کے انتظام کی ترتیب میں تاثیر رکھتا ہے کہ دیکھنے والے اس سے یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ دو رکعتیں ہیں یا زائد بخلاف رفع یدین کے کہ اسکو انتظام کے تبدل میں کچھ تاثیر نہیں اسی لیے اسکو بعض اور جز سے تعبیر کیا گیا اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ اجزا کا جبر سجدۂ سہو سے کیا جاتا ہے مگر ذکروں میں سے بجز تین ذکروں کے اور کوئی سجدہ سہو کا مقتضی نہیں اور وہ تینوں قنوت اور پہلا تشہد اور اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے بخلاف تکبیروں رکوع و سجدہ اور انکی تسبیحات کے اور قومہ اور جلسہ کے ذکر کے اسلیے کہ رکوع اور سجدہ کی صورت ہی ایسی ہے کہ عادت کے خلاف ہے تو اگر ان دونوں میں چپ رہیگا تب بھی مقصود عبادت انکی صورت سے ظاہر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسکے درمیان میں ذکر کا ہونا عبادت کی ہیئت کو نہیں بدلتا اور پہلے التحیات کے لیے بیٹھنا ایک فعل عادت کا ہے اسکو جو نماز میں بڑھایا ہے تو صرف تشہد کے لیے زیادہ کیا ہے اگر تشہد اسمیں نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ صورت عادت رہیگی اور دعائے استفتاح اور سورہ کا چھوڑنا بھی صورت عبادت کے بدلنے میں مؤثر نہیں کیونکہ قیام اگرچہ فعل عادت کے مطابق ہے مگر الحمد کے اسمیں پڑھنے سے عادت سے علیحدہ ہو گیا اسی طرح اخیر تشہد میں کی دعا اور قنوت کا جبر سجدۂ سہو سے کرنا بعید معلوم ہوتا ہے مگر صبح کی نماز میں قیام کا طول اسی قنوت کے سبب سے شروع ہوا ہے تو اسکا حال ایسا ہوا جیسے جلسۂ استراحت کہ وہ بھی بڑھانے اور التحیات اسمیں پڑھنے سے پہلے تشہد کے لیے جلسہ ہو گیا ہے پس اگر قنوت نہ پڑھا جاوے تو قیام لمبا عادت کے موافق رہ جاویگا جسمیں کوئی ذکر واجب نہیں اور لمبے قیام کی قید اسلیے لگادی کہ صبح کے سوا اور نمازیں اسمیں داخل نہوں اور ذکر واجب سے خالی ہونے کی قید اسلیے ہے کہ نماز کے اندر اصل قیام سے احتراز ہو جاوے اب اگر یہ کہو کہ سنتوں کا فرق فرضوں سے تو سمجھ میں آتا ہے کہ فرض اسکو کہتے ہیں جسکے جاتے رہنے سے نماز کی درستی بھی جاتی رہے اور سنت کے جانے سے صحت فوت نہیں ہوتی یا یہ کہ فرض کے چھوڑنے پر عذاب ہوتا ہے اور سنت پر نہیں ہوتا مگر سنتوں کے آپس میں جدا ہونے اور کم و زیادہ ہونے سے کیا مراد ہے سب سنتوں کا امر استحباب کے طور پر ہے اور کسی کے ترک سے عذاب نہیں ہے اور کرنے پر سب کے ثواب [illegible] تو پھر فرق کیا ہوا پس اسکا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ثواب اور عذاب اور استحباب میں سب سنتیں مشترک ہیں تو اس سے انمیں فرق دور نہ ہوگا اور ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کیے دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان کو جو موجود اور کامل کہتے ہیں تو وہ دو وجہ سے کہتے ہیں ایک [illegible]

درست ہوگا کہ وہ اسے فعل سے کسی بت کی تعظیم کرے جو اُسکے سامنے رکھا ہوا اور وہ اُس بت سے غافل ہو یا کسی دیوار کی تعظیم کرے جو اُسکے سامنے ہو اور اُسکو اُس سے غفلت ہو۔ اور جب رکوع اور سجدہ تعظیم سے خالی ہوں تو صرف نشست اور سر کی حرکت رہ گئی اور اُسمیں کچھ اتنی دشواری نہیں جس سے امتحان مقصود ہو یا اُسکو دین کا رکن کیا جاوے اور کفر اور اسلام کا فرق قرار دیا جاوے اور حج اور تمام عبادات سے مقدم کیا جاوے اور خاص اسی کے چھوڑنے سے قتل واجب ہو اور ہمکو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تمام عظمت نماز کے اندر صرف اُسکے اعمال ظاہری کی جہت سے ہو ہاں اگر مناجات کا مقصود اسمیں زائد کیا جاوے تو یہ ایسا امر ہے کہ روزہ اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ سے بڑھکر ہے بلکہ اضحیہ اور قربانی جو خدا تعالی نے نقصان مال کا مجاہدہ نفس کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اُسکے باب میں ارشاد ہے لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم اسمیں تقوی سے وہ صفت مراد ہے جو دل کے اوپر غالب ہو کر اسکو امتثال امر کی موجب ہووے اور وہی مطلوب ہے تو نماز میں وہ کیسے ہوگی اُسکے اعمال سے تو کچھ غرض ہی نہیں تو معنی کے رو سے یہ روایتیں حضور دل کے شرط ہونے پر دال ہیں۔ اب اگر یہ کہو کہ تمنے جو حضور دل کو نماز کی صحت میں شرط کر دیا اور بدوں اُسکے نماز کے باطل ہونے کا حکم دیا تو اُسمیں تمنے سب فقہا کے خلاف کیا کہ اُنھوں نے حضور دل کو صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت شرط کیا ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ باب العلم میں پہلے گذر چکا ہے کہ فقہا باطن میں تصرف نہیں کرتے اور نہ دل کو چیر کر باطن کا احوال جانیں اور نہ طریق آخرت میں تصرف کریں بلکہ ظاہر دین کے احکام کو اعضا کے ظاہر اعمال پر بنا کرتے ہیں اور ظاہر اعمال قتل کے ساقط ہونے اور سلطان کے یہاں کی سزا سے محفوظ رہنے کو کافی ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ اعمال آخرت میں کارآمد ہوں تو یہ امر فقہ کے حدود سے باہر ہے علاوہ ازیں بدوں حضور دل کے اعمال کے کامل ہو جانے پر اجماع کا دعوی نہیں ہو سکتا دیکھو بشر بن حارث سے منقول ہے اُس روایت میں کہ ابو طالب مکی نے سفیان ثوری سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ جو شخص خشوع نہ کرے اُسکی نماز فاسد ہے اور ایک روایت حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ جس نماز میں دل حاضر ہو وہ عذاب کی طرف جلد جاتی ہے اور حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جو شخص نماز میں ہو اور قصداً پہچانے کہ اُسکے داہنے اور بائیں کون ہے تو اُسکی نماز ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنھوں نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ نماز پڑھتا ہے اور اُسمیں سے اُسکے لیے چھٹا حصہ اور دسواں حصہ بھی نہیں لکھا جاتا صرف اُسقدر لکھا جاتا ہے جسقدر کو اُسمیں سے سمجھتا ہے۔ اور یہ امر اگر کسی امام سے منقول ہوتا تو مذہب ٹھہر لیا جاتا تو اب اسپر تمسک کیسے نہ کیا جاوے۔ اور عبد الواحد بن زید نے فرمایا ہے کہ علما کا اتفاق ہے اس بات پر کہ بندے کو اُسکی نماز میں سے اُسی قدر ملیگا جسقدر کو اُسنے اُسمیں سے سمجھا ہے اُنھوں نے حضور دل پر اجماع ہی ٹھہرا دیا اور اس قسم کی باتیں جو پرہیزگار فقہا اور علماے آخرت سے منقول ہیں وہ خارج از حد شمار ہیں اور حق یہی ہے کہ شرعی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اخبار و آثار سے ظاہرا یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور دل شرط ہے لیکن فتوی کا مقام احکام ظاہری میں خلق کے قصور کے موافق ٹھہرالیا جاتا ہے اس لحاظ سے ممکن نہیں کہ آدمیوں پر تمام نماز میں دل کا حاضر ہونا شرط کر دیا جاوے اسلیے کہ اس سے بجز بہت تھوڑے لوگوں کے تمام آدمی عاجز ہیں اور جبکہ تمام نماز میں شرط کرنا ممکن نہوا تو چار ناچار اُسکو ایسی طرح شرط کرنا پڑا کہ ایک ہی لحظہ کو لفظ حضور دل اسپر صادق آوے اور سب لحظوں کی نسبت اللہ اکبر کہنے کا لحظہ اس شرط کے لیے انسب تھا اسلیے حکم دینے میں اُسی قدر حضور دل پر اکتفا کیا اور باوجود اسکے ہمکو توقع ہے کہ جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے اُسکا حال اُس شخص کا سا ہوگا جو بالکل نماز ہی نہ پڑھے اسلیے کہ غافل نے کچھ تو فعل پر ظاہر میں اقدام کیا اور دل کو ایک لحظہ حاضر کیا اور یہ کیسے ہوگا حالانکہ جو شخص بے وضو بھولے سے نماز پڑھ لے تو اُسکی نماز خدا تعالی کے نزدیک باطل ہے مگر اُسکو کسی قدر ثواب موافق اُسکے فعل اور عذر کے ہوگا لیکن اس توقع کے ساتھ یہ بھی خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں غافل کا حال تارک نماز کی نسبت کہ برا ہو کیونکہ جو شخص خدمت کو حاضر ہو کر حضور میں سستی کرے اور کلام غافلوں اور حقارت کرنے والوں کے سے منہ سے نکالے اُسکا حال اُس

یہ حدیث ابن المبارک نے مرسلاً روایت کی لیکن اسکو پہونچا ہے ہمارے دل کا اور ابو داؤد اور نسائی ۱۲

عام ہے جو غافل اور وسوسوں میں مستغرق اور دنیاوی فکروں میں ڈوبا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انما الصلوۃ تمسکن وتواضع اس حدیث میں صلوۃ پر الف ولام کے داخل ہونے اور کلمہ انما سے شروع ہونے سے جو تحقیق ما بعد اور مابعد کی نفی کے لیے آتا ہے حصر ثابت ہے یعنی نماز وہی ہے جسمیں مسکنت اور تواضع ہو چنانچہ فقہا نے انما الشفعۃ فیما لم یقسم سے بھی حصر اور اثبات اور نفی سمجھا ہے اور فرمایا کہ جس شخص کو اسکی نماز برائی اور فحش سے باز نہ رکھے تو وہ نماز اسکو خدائے تعالی سے دوری ہی بڑھا دیگی اور ظاہر ہے کہ غافل کی نماز فحش اور برائی سے مانع نہیں۔ اور فرمایا کہ بہت کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ انکی نماز سے انکو حصہ صرف رنج ومشقت ہی ہے اس سے بجز غافلوں کے اور کوئی لوگ مراد نہیں۔ اور فرمایا کہ بندہ کے لیے اسکی نماز میں سے اُسی قدر ہے جسقدر کو وہ سمجھے اور اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اپنے رب سے مناجات کرتا ہے چنانچہ حدیث میں یہ مضمون آگیا ہے اور جو کلام غفلت کے ساتھ ہوگی وہ یقینا مناجات نہ ہوگی۔ اور اسکا بیان یہ ہے کہ زکوۃ سے اگر بالفرض آدمی غافل ہو جاوے تو وہ بذات خود شہوت کے مخالف اور نفس پر سخت ہے اسی طرح روزہ قوتوں کو دبانے والا اور اُس خواہش نفس کا توڑنے والا ہے جو دشمن خدا ابلیس کا آلہ ہے تو کچھ بعید نہیں کہ روزہ سے اگر غفلت بھی ہو تاہم اُسکا مقصود حاصل ہو جاوے اور یہی حال حج کا ہے کہ اُسکے اعمال شاق اور سخت ہیں اور اُنمیں اتنی محنت ہے کہ جس سے امتحان حاصل ہو جاتا ہے خواہ اعمال کے ساتھ دل حاضر ہوا ہو لیکن نماز میں بجز ذکر اور قرأت اور رکوع اور سجدہ اور قیام اور قعود کے اور کچھ نہیں اب دیکھنا چاہیے کہ ذکر جو خدا تعالی کے ساتھ مناجات کرتا ہے اس سے خطاب اور ہمکلامی مقصود ہے یا فقط حروف وآواز کا نکلنا زبان کے اعمال کے امتحان کے طور پر منظور ہے جیسے معدہ اور شرمگاہ کا امتحان روزہ میں روکنے سے کیا جاتا ہے اور بدن کا امتحان حج کی مشقتیں اُٹھانے سے اور دل کا امتحان زکوۃ نکالنے اور مال محبوب کو جدا کرنے کی مشقت سے ہوتا ہے اور اسمیں کسی طرح کا شبہ نہیں کہ ذکر سے یہ مقصود ہو تا کہ زبان سے حروف وآواز کا امتحان ہو باطل ہے اسلیے کہ غافل پر ہذیان سے زبان کا ہلانا نہایت سہل ہے پس عمل ہونے کے اعتبار سے ذکر میں کچھ امتحان نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ذکر نطق ہے اور نطق اُسی صورت میں ہوگا کہ ما فی الضمیر کو ظاہر کرے اور ما فی الضمیر کو ظاہر کرنا بدون حضور دل کے حاصل نہیں ہوتا مثلاً اگر دل غافل ہوا اور اھدنا الصراط المستقیم زبان سے جاری کیا تو اس سے کیا سوال ہوگا پس جس صورت میں ذکر سے فروتنی اور دعا کا ہونا مقصود ہو تو غفلت کے ساتھ زبان ہلانے میں کونسی وقت پڑیگی خصوصاً عادت پڑنے کے بعد تو کچھ بھی دشواری ہوگی بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی قسم کھاوے اور کہے کہ میں فلاں شخص کا شکر کرونگا اور اُسکی تعریف کرونگا اور اُس سے ایک حاجت کا سوال کرونگا پھر یہ باتیں جسپر قسم کھائی ہے خواب میں اُسکی زبان پر جاری ہو جاویں تو وہ اپنی قسم میں سچا ہوگا اور اگر بالفرض یہ الفاظ اُسکی زبان پر اندھیرے میں جاری ہوں اور وہ شخص بھی موجود ہو مگر کہنے والے کو اُسکا ہونا معلوم نہ ہوا اور نہ اُسکو دیکھتا ہو تب بھی قسم میں سچا ہوگا اسلیے کہ اُسکی کلام اُس شخص سے نہیں ہوگی اور نہ اپنے دل کی بات اُسکے ساتھ کریگا جبتک کہ وہ اُسکے دل میں حاضر نہ ہوگا پس اگر اُسی طرح دن کی روشنی میں یہ کلمات اُسکی زبان پر جاری ہوں مگر یہ شخص کسی فکر میں ڈوبا ہوا ہونے کی جہت سے ان کلمات سے غافل ہوا اور اُسکا ارادہ ان کلمات کے بولنے کے وقت اُس شخص سے خطاب کرنے کا نہو تب بھی اپنی قسم میں سچا ہوگا۔ اور اُسمیں شک نہیں کہ قرأت اور ذکر سے مقصود خدا تعالی کی حمد وثنا اور اُسکے سامنے تضرع اور دعا ہے اور جس سے خطاب چاہیے وہ ذات پاک اللہ جل جلالہ کی ہے تو جس صورت میں کہ حجاب غفلت اُسکے دل پر پڑا ہوا ہوگا اور اپنے مخاطب کو نہ دیکھتا ہوگا نہ اُسکے سامنے ہوگا تو ضرور ہے کہ مخاطب سے غافل ہوگا اور عادت کی وجہ سے اُسکی زبان چلتی ہوگی پس ظاہر ہے کہ ایسا شخص نماز کے مقصود یعنی دل کی جلا اور ذکر الٰہی کی تجدید اور عقد ایمان کی پختگی ہونے سے [illegible] قرأت اور ذکر کا ہے جو شخص کہ نطق میں اس خاصیت کے انکار کرنے کی اور اُسکو فعل سے جدا کرنے کی کوئی [illegible] [illegible] نے یقینا تعظیم مقصود ہو اور اگر یہ بات ثابت ہو کہ آدمی اپنے فعل سے خدائے تعالی کی تعظیم اُس سے [illegible]

اور یہ بات آدمی کی سرشت میں ہے کہ فکر واسطے کام میں خواہ مخواہ حاضر رہتا ہے اور نماز میں اگر دل حاضر نہ ہو تو نہ رہیگا بلکہ دنیا کے امور میں سے
جس بات میں آدمی کی ہمت یعنی فکر مصروف ہوگی اُسی میں دل لگا ہوا ہوگا پس نماز میں دل کے حاضر کرنے کا کوئی حیلہ اور علاج نہیں بجز اسکے
کہ ہمت کو نماز کی طرف پھیر لاوے اور ہمت نماز کی طرف پھیرنی جب تک ظاہر ہو جاوے کہ غرض مطلوب اُسی سے متعلق ہے یعنی اس بات کا
یقین اور تصدیق کرنا کہ آخرت بہتر اور پائدار اور غرض مطلوب ہے اور نماز اُس مطلوب کے حصول کا ذریعہ ہے پس جب اس بات کو دنیا اور اسکے
مہمات کے حقیر جاننے کے ساتھ ملاؤ تو ان دونوں کے مجموعہ سے نماز میں حضور دل حاصل ہوگا۔ اور جب تم کسی حاکم کے پاس جاتے ہو جو تمہارا
نہ نفع کر سکے نہ ضرر تو اُس وقت اسی قدر بات سے تمہارا دل حاضر رہتا ہے تو اگر شاہنشاہ حقیقی کی مناجات کے وقت جسکے قبضۂ قدرت
میں ملک اور ملکوت اور نفع اور نقصان ہے تمہارا دل حاضر نہ ہو تو اسکا سبب سوائے اپنے ایمان کے ضعیف ہونے کے اور کچھ مت گمان
کرنا اور اس صورت میں تمکو اپنے ایمان کے قوی کرنے میں کوشش کرنی چاہیے اور اسکا طریق کامل طور پر دوسری جگہ بیان کیا جاویگا اور
فہم کا سبب بعد حضور دل کے فکر کا دائم رکھنا اور ذہن کو معنی کے ادراک کی طرف پھیرنا ہے اور اسکی تدبیر وہی ہے جو دل کے حاضر ہونے کی
ہے اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی ہو کہ فکر پر متوجہ ہونا اور جو وسوسے کہ دل کو ... اُنکے دور کرنے کے لیے مستعد رہنا چاہیے اور اس قسم کے وسوسے
دفع کرنے کا علاج یہ ہے کہ انکا مواد قطع کر ڈالے یعنی جن چیزوں کی طرف کہ وسوسے دوڑتے ہوں اُنمیں سے کوئی اپنے پاس نہ رکھے اور جب تک
یہ مواد نہ دور ہوگا تب تک وسوسے نہ پلٹ جاوینگے کیونکہ جو شخص کسی چیز کو چاہتا ہے اُسکا ذکر بہت کرتا ہے اسلیے محبوب چیز کا ذکر یقیناً دل پر ہجوم کرتا ہے
اور اسی وجہ سے دیکھتے ہو کہ جو شخص غیر اللہ سے محبت رکھتا ہے اسکی کوئی نماز وسوسوں سے صاف نہیں ہوتی۔ اور تعظیم دو چیزوں کے جاننے
کے سبب سے دل میں پیدا ہوتی ہے اول خدا تعالیٰ کے جلال و عظمت کا پہچاننا جو اصل ایمان ہے کیونکہ جو شخص معتقد اُسکی عظمت کا نہ ہوگا اُسکا
نفس اُسکی عظمت کے سامنے نہ دبیگا دوم نفس کی حقارت اور خست کو پہچاننا اور اُسکو بندہ مسخر مملوک سمجھنا ان دونوں باتوں کے جاننے سے
فروتنی اور انکسار اور اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کرنا پیدا ہوتا ہے جسکو تعظیم کہتے ہیں اور جبتک کہ نفس کی حقارت کی معرفت خدا تعالیٰ کے جلال کی
معرفت سے نہیں ملتی تب تک تعظیم اور خشوع کی حالت نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص ہر شے سے مستغنی اور اپنے نفس پر مامون ہو ہو سکتا ہے کہ وہ
دوسرے کی صفت جانے مگر خشوع اُسکو نہ ہو اس وجہ سے کہ دوسری بات یعنی نفس کی حقارت اور اُسکا محتاج ہونا اُسکے علم کا ضمیمہ نہیں ہوا
اور ہیبت اور خوف نفس کی حالت ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور سطوت اور اسکی خواہش کے نافذ ہونے اور کم پروا کرنے کو جاننے سے پیدا
ہوتی ہے یعنی یوں سمجھنے سے کہ اگر خدا تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو ... ہلاک کر دے تو اُسکے ملک میں سے ایک ذرہ کم نہ ہوگا اور اسکے
ساتھ ہی وہ باتیں دیکھے جو انبیا اور اولیا پر مصیبتیں اور طرح طرح کی بلائیں آئی ہیں باوجودیکہ اُنکے دور کرنے پر قادر ہیں اور زمین کے سلاطین کا حال
اُسکے خلاف معلوم ہوتا ہے غرض کہ جتنا اللہ تعالیٰ کا علم آدمی کو زائد ہوگا اتنا ہی خوف اور ہیبت زیادہ ہوگی اور جلد چہارم کتاب میں عنقریب باب
خوف میں اسکے سبب مذکور ہونگے۔ اور رجا کا سبب یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کے لطف و کرم اور انعام عمیم اور صنعت کے لطائف کو پہچانے
اور نماز کے باعث جو اُسنے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اُس وعدہ کو سچا جانے پس جب وعدہ پر یقین اور اُسکے لطف کی معرفت حاصل ہوگی تو ان
دونوں کے مجموعہ سے بیشک رجا پیدا ہوگی۔ اور حیا اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ عبادت میں اپنے آپ کو قصور وار سمجھے اور جانے کہ خدا تعالیٰ کا
جتنا بڑا حق ہے اسکی بجا آوری سے میں عاجز ہوں اور اس بات کو اپنے نفس کے عیب اور اسکی آفتوں کے پہچاننے اور اسکی قلت اخلاص اور خبث
باطن اور برے افعال میں سر دست کے فائدے پر راغب ہونے کو خیال کرنے سے قوت دے اور اسکے ساتھ ہی یہ جانے کہ خدا تعالیٰ کا
جلال کونسی عظمت کا مقتضی ہے اور یہ کہ وہ باطن پر اور دل کے وسوسوں پر خواہ کیسے ہی باریک و خفیہ ہوں مطلع ہے حاصل یہ کہ جب یہ معرفتیں
حاصل ہونگی تو یقیناً ایک حالت پیدا ہوگی جسکو حیا کہتے ہیں۔ ان چھوں صفت کے سبب یہی جو مذکور ہوئے پس جس صفت کا طلب کرنا

شخص کی نسبت کہ برا ہوگا جو حدث ہی۔ غرض اور حکم اسباب جو د ، ور جاکے ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور معاملہ فی نفسہ خطرناک
ہی تو اب ہمکو اُسکے بعد احتیاط کرنے خواہ سستی کرتے ہیں احتیاط بہتر ہی اور باوجود اسکے فقہا جو نماز کی درستی کا حکم غفلت کے ہوتے ہوئے دیتے ہیں
اُسکے خلاف حکم نہیں دے سکتے اسلیے کہ مفتی کو تو یہ حکم مجبوری دینا ہی پڑتا ہی جیسے پہلے مذکور ہوا اور جو شخص کہ نماز کے بھید سے واقف ہو
اُسکو معلوم ہو جاوے کہ غفلت نماز کو مضر ہی مگر جیسا کہ ہم اب قواعد العقائد میں علم باطن اور ظاہر کے فرق کے بیان میں لکھ آئے ہیں
کہ اسرار شریعت میں سے جو منکشف ہوتے ہیں اُنکی تصریح کا مانع ایک یہ ہی کہ خلق اُنکے فہم سے قاصر ہی لہذا ہم اس بحث سے اسی قدر پر
اکتفا کرتے ہیں کہ اسقدر بھی طالب آخرت کے لیے کافی ہی اور جو شخص جدل کرنے والا ہو مانع ہی اُس سے ہم اب کلام کرنا نہیں چاہتے
اور حاصل اس تقریر کا یہ ہی کہ حضور دل نماز کی روح ہی اور کم سے کم مقدار جس سے کہ یہ روح باقی رہے اللہ اکبر کہنے کے وقت حضور دل
کا ہونا ہی اور اسقدر سے اگر کم ہوگا تو صورت تباہی ہی اور جسقدر اس سے زیادہ حضور دل ہوگا اسی قدر روح نماز کے اجزا میں پھیلیگی اور
جو زندہ ایسا ہو کہ اُسکو حرکت نہ ہو وہ مردہ کے قریب ہی پس جو شخص اپنی ساری نماز میں غافل رہے صرف اللہ اکبر کہنے کے وقت حضور
دل ہو اُسکی نماز ایسے ہی زندہ کی مثل ہی جسمیں حرکت نہو اللہ تعالی سے ہم سوال کرتے ہیں کہ غفلت کے دور کرنے اور حضور دل میسر ہونے میں
ہماری اچھی طرح مدد فرماوے دوسرا بیان اُن امور باطنی کا جنسے نماز کی زندگی پوری ہوتی ہی واضح ہو کہ اِن امور کے لیے بہت سے الفاظ
ہیں مگر چھ لفظ اُن سب کو شامل ہیں جنکی تفصیل مع اسباب اور علاج کے ہم آگے لکھتے ہیں انمیں سے اول حضور دل ہی اور اس سے
ہماری یہ غرض ہی کہ جس کام کو آدمی کر رہا ہی اور جس کلام کو بول رہا ہی اُسکے سوا دوسری چیزوں سے دل فارغ ہو یعنی دل کو فعل اور قول
دونوں کا علم ہو اور ان دونوں کے سوا اور کسی چیز میں فکر جولانی نہ کرتا ہو اور جب کہ آدمی کا فکر جس کام میں وہ لگا ہوا ہی اس سے دوسری
طرف نہ جاوے اور اُس کام کی یاد دل میں ہو اور اُسکی کسی چیز سے غفلت نہو تو حضور دل حاصل ہی دوسری بات فہم ہی یعنی کلام کے معنی کو
سمجھنا اور یہ حضور دل کے سوا دوسری بات ہی اسلیے کہ اکثر ایسا ہوتا ہی کہ دل لفظوں کے ساتھ حاضر ہوتا ہی اُنکے معنوں کے ساتھ حاضر
نہیں ہوتا تو ہمارا مقصود فہم سے دل میں معنی لفظ کا علم ہونا ہی اور اس مقام میں لوگ مختلف ہوتے ہیں کیونکہ معانی قرآن اور تسبیحات کے سمجھنے میں
سب لوگ یکساں نہیں ہوتے اور بہت سے لطیف معانی ایسے ہوتے ہیں کہ نمازی عین نماز میں اُنکو سمجھ لیتا ہی حالانکہ وہ اُسکے دل میں
پہلے کبھی نہ گذرے تھے اور اسی وجہ سے نماز فحش اور برائی سے منع کرتی ہی یعنی ایسی باتیں سمجھاتی ہی کہ وہ برائی سے خواہ مخواہ مانع ہوں تیسری
بات تعظیم ہی جو حضور دل اور فہم کے علاوہ ہی کیونکہ آدمی اپنے غلام سے کوئی کلام کرتا ہی اور دل بھی اُسکا حاضر ہوتا ہی اور معنی اپنے کلام کے
سمجھتا ہی مگر غلام کی تعظیم نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ تعظیم حضور دل اور فہم سے بڑھکر ہی چوتھی ہیبت ہی یہ تعظیم سے بھی بڑھکر ہی بلکہ ہیبت اُس
خوف کو کہتے ہیں جسکا منشا تعظیم ہو کیونکہ جسکو بالکل خوف نہو اُسکو ہیبت زدہ نہیں کہتے اور بچھو سے اور غلام کی بدخلقی اور دوسری اسی
جیسے ادنی چیزوں سے ڈرنے کو ہیبت نہیں کہتے ہیں بلکہ بڑے بادشاہ سے خوف کرنے کو ہیبت کہتے ہیں غرض کہ ہیبت وہی خوف ہی
جو جلال اور تعظیم کی جہت سے پیدا ہوا ہو پانچویں رجا ہی اسمیں کچھ شک نہیں کہ رجا اُن پہلی باتوں کے علاوہ ہی بہت ایسے لوگ ہیں کہ کسی بادشاہ
کی تعظیم کرتے ہیں اور اُسکے دبدبے سے ڈرتے ہیں مگر اُس سے توقع کچھ نہیں رکھتے اور بندے کو چاہیے کہ اپنی نماز سے خدا تعالی کے ثواب کی
توقع رکھے جیسے کہ گناہ سے اُسکے عذاب کا خوف کرتا ہی چھٹی حیا ہی اور پانچوں سے علیحدہ ہی کیونکہ اسکا منشا اپنی خطا پر واقف ہونا اور اپنے
قصور کا وہم گذرنا ہی تو تعظیم اور خوف اور رجا ایسے ہو سکتے ہیں جنمیں حیا نہو یعنی اگر تقصیر کا وہم اور گناہ کے ارتکاب کا خیال نہو تو ظاہر ہی کہ حیا
نہوگی غرض کہ ان چھ باتوں سے نماز کی روح پوری ہوتی ہی اب انکے اسباب کو جدا جدا سنو کہ حضور دل کا سبب ہمت ہوتی ہی اسلیے کہ
آدمی کا دل اُسکی ہمت کا تابع ہوتا ہی اور ہمت ہم سے مشتق ہی جسکے معنی فکر کے ہیں تو جو بات آدمی کو فکر میں ڈالتی ہی اُسی میں دل حاضر [illegible]

معلوم کرنا چاہیے کہ اُسکے وارد ہونے کا سبب یا تو امر خارجی ہوتا ہی یا کوئی امر ذاتی پوشیدہ ہوتا ہی امر خارجی وہ چیزیں ہیں کہ کان اور آنکھ میں پڑتی ہیں
یعنی بعض اوقات فکر کو اُچاٹ کر دیتی ہیں یہاں تک کہ فکر اُن اشیا کے درپے ہو کر اُنہیں تصرف کرتا ہی اور اُسیسے اور اشیا کی طرف کھچ جاتا ہی اور اسی طرح
اور سلسلہ بندھ جاتا ہی کہ اول بینائی فکر کا سبب ہوئے پھر یہ فکر دوسری فکر کا سبب ہوا اور علی ہذا القیاس اور جس شخص کا رتبہ قوی اور ہمت عالی ہو اُسکے
حواس کے سامنے کچھ گذر جائے اُسکو غافل نہیں کرتا مگر ضعیف شخص کا فکر ضرور پراگندہ ہو جاتا ہی اور اسکا علاج یہ ہی کہ ان اسباب کو قطع کرے اسطرح کہ اپنی آنکھیں
بند کرلے یا اندھیرے مکان میں نماز پڑھے یا اپنے سامنے کوئی ایسی چیز نہ رکھے جس سے حواس مشغول ہوں اور نماز کے وقت دیوار کے قریب رہے تاکہ مسافت
دیکھنے کی پھیلنے نہ پاوے اور راستوں اور نقش و نگار کی جگہ میں اور رنگین فرشوں پر نماز پڑھنے سے احتراز کرے اور اسی وجہ سے عابد لوگ ایک چھوٹے
حجرۂ تاریک میں نماز پڑھتے تھے کہ صرف سجدہ کی گنجائش ہو سکے تاکہ فکر مجتمع رہے اور قوی شخص مسجدوں میں حاضر ہو کر اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے تھے
اور نظر کو سجدے کے مقام سے آگے نہ بڑھاتے تھے اور نماز کا کمال اسمیں سمجھتے تھے کہ اس بات کو نہ جانیں کہ دہنے کون ہی اور بائیں پر کون ـ
اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سجدہ کی جگہ میں نہ تلوار چھوڑتے تھے نہ کلام مجید اور اگر کچھ لکھا پاتے تو اُسکو مٹا دیتے تھے ـ اور اسباب باطنی وسوسوں کے
سخت تر ہیں اسلیے کہ جس شخص کی فکر دنیا کے معاملات میں پھیل جاتے ہیں اُسکا فکر ایک فن میں منحصر نہیں رہتا بلکہ ہمیشہ ایک جانب سے دوسری
کی طرف اڑتا رہتا ہی اور آنکھوں کا نیچا کرنا اسکو کافی نہیں ہوتا اسلیے کہ جو بات دل میں پہلے سے پڑ گئی ہی وہی شغل کو کافی ہی تو باطنی وسوسے
دور کرنے کا طریق یہ ہی کہ نفس کو زبردستی اس بات پر لاوے کہ جو کچھ نماز میں پڑھے اُسکو سمجھے اور اُسمیں لگا رہے دوسری چیز میں مشغول نہو اور اس
امر پر اُسکو اعانت ہوگی اگر اُسکی تیاری نیت باندھنے سے پہلے کرے اس طرح کہ اپنے نفس کو آخرت کی یاد دلاوے اور مناجات کا موقعہ
اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کا خطرہ اور موت کے بعد کے احوال اُسکے سامنے پیش کرے اور دل کو پیشتر سے فکر کی چیزوں
سے خالی کرلے اور کوئی شغل ایسا نہ چھوڑے جسکی طرف دل التفات کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی شیبہ کو ارشاد فرمایا
کہ انی نسیت ان اقول لک ان تخمر القدر الذی فی البیت فانہ لا ینبغی ان یکون فی البیت شیء یشغل الناس عن صلوتہم غرض کہ فکروں کے
ساکن کرنے کا یہ طور ہی اور اگر اس تدبیر سے فکروں کا اُبھار ساکن نہ ہو تو نجات کی سبیل بجز مسہل کے اور کوئی نہیں جو کہ مرض کے مادہ کو رگوں کی جڑوں
سے نکال پھینکے اور وہ مسہل یہ ہی کہ جو امور شغل میں ڈالنے اور حضور دل سے پھیرنے والے ہیں اُنکو دیکھے اور اسمیں شک نہیں کہ وہ اسکے مہمات ہی
ہونگے اور وہ بھی صرف شہوات کی جہت سے مہمات ہوگئے ہونگے تو اپنے نفس کو سزا دے بایں کہ اُن شہوات سے اجتناب کرے اور ان علاقوں کو
قطع کردے اسلیے کہ جو چیز آدمی کو اسکی نماز سے روکے وہ اُسکے دین کی ضد اور اُسکے دشمن ابلیس کا لشکر ہی تو اُسکا روک رکھنا بہ نسبت دور کرنیکے
زیادہ مضر ہی اس سے نجات یہی ہی کہ جب اسکو علیحدہ کردے چنانچہ مروی ہی کہ ابوجہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر بانات جسکے دو نقش تھے
لائے اور اسکو آپ نے پہن کر نماز پڑھی تو بعد نماز کے اُسکو اُتار ڈالا اور فرمایا کہ اسکو ابوجہم کے پاس لیجاؤ کہ اسنے مجھکو اسوقت میری نماز سے غافل کر دیا
اور مجھکو انکی سادی چادر لادو ـ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوتی میں نیا تسمہ لگانے کے لیے حکم فرمایا اور نماز میں اسکی طرف دیکھا اس
جہت سے کہ نیا تھا تو حکم دیا کہ اسکو نکالکر پرانا تسمہ پھر ڈالدو ـ اور ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوڑا پہنا اور وہ آپ کو اچھا معلوم ہوا
تو آپ نے سجدہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے تواضع اور فروتنی کی تاکہ مجھپر غضبناک نہو پھر اسکو باہر لیگئے اور جو سائل اول ملا
اُسکو حوالہ کردیا پھر حضرت علی رض کو حکم کیا کہ ایک جوڑا نرم چمڑے کا پُرانا میرے لیے خرید دو اُسکو آپ نے اپنے پاؤں سے مشرف فرمایا اور ایکبار
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرمت سے پیشتر سونے کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنے ہوئے تھے اُسکو نکالکر پھینک دی اور فرمایا کہ اسنے مجھے مشغول
کردیا کبھی اسکو دیکھتا ہوں کبھی تمکو ـ اور مروی ہی کہ حضرت ابوطلحہ رض نے اپنے باغ میں نماز پڑھی اسکے درختوں میں ایک جانور اودے رنگ کا
پھرنے کو اُڑا اُنکو وہ پسند اچھا معلوم ہوا اور گھڑی بھر تک اسکو دیکھا کیے اور یہ یاد نہ رہا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ابو نعیم و سلمہ ۱۲
... عبداللہ ... عائشہ ... ۱۲
نسائی ... ابن عباس ... سونے کی انگوٹھی ... ۱۲
مالک نے عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کیا ہی ۱۲

منظور ہو اُنکی تدبیر یہی ہے کہ اُسکے سبب کو پیدا کرنا چاہئے کیونکہ سبب کے معلوم کرنے سے علاج خود معلوم ہوجاتا ہے۔ اور ان سب سے مقصود کا رابطہ ایمان و یقین ہے یعنی یہی معرفتیں جنکا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے یقینی ہوجاویں کہ اُنمیں کسی طرح شک نہ رہے اور دل پر غالب ہوجاویں اور یقین کے معنی شک نہ رہنے اور دل پر مسلط ہونے کے باب العلم میں ہم لکھ چکے ہیں اور جسقدر یقین ہوتا ہے اُسی قدر دل خشوع کرتا ہے اور اسی جہت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمسے باتیں کرتے تھے اور ہم اُنسے باتیں کرتے تھے مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو گویا وہ نہ ہمکو جانتے اور نہ ہم اُنکو جانتے۔ اور روایت ہے کہ خدائے تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسی جب تو مجھکو ذکر کرے تو ایسی طرح ذکر کر کہ اپنے اعضا کو جھاڑ اور میرے ذکر کے وقت خشوع اور اطمینان سے رہ اور جب میرا ذکر کرے تب اپنی زبان اپنے دل کے پیچھے کرے اور جب میرے سامنے کھڑا ہو تو ذلیل بندے کی طرح کھڑا ہو اور مجھسے مناجات زبان صادق اور دل خائف کے ساتھ کر۔ اور مروی ہے کہ اللہ تعالی نے اُن پر وحی بھیجی کہ اپنی امت کے گنہگاروں سے کہدے کہ میرا ذکر نہ کریں کہ میں نے اپنے نفس پر قسم دے لی ہے کہ جو کوئی میرا ذکر کریگا تو میں اُسکا ذکر کرونگا پس اگر وہ میرا ذکر کرینگے تو میں اُنکا ذکر لعنت کے ساتھ کرونگا۔ یہ حال گناہگار کا ہے جو غافل نہ ہو اور اگر غفلت اور معصیت دونوں جمع ہوجاویں تب کیا حال ہوگا۔ اور جن امور کو ہمنے ذکر کیا ہے اُنکے مختلف ہونے سے آدمیوں کی کئی قسمیں ہو گئیں بعضے تو ایسے غافل ہیں کہ نماز سب پڑھتے ہیں مگر دل کا حضور ایک لحظہ کو نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نماز پوری پڑھتے ہیں اور ایک لحظہ کو بھی دل غائب نہیں ہوتا بلکہ بعض وقت ایسی طرح فکر کو نماز میں لگاتے ہیں کہ اُنکے سامنے کوئی حال گذر جاوے اُنکو خبر ہی نہیں ہوتی اسی وجہ سے مسلم بن یسار کو مسجد کے ستون گرنے اور اُسکے لیے لوگوں کے جمع ہونے کی کچھ خبر نہیں ہوئی اور بعض اکابر مدت تک جماعت میں حاضر ہوئے مگر کبھی نہ پہچانا کہ داہنے پر کون ہے اور بائیں پر کون اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے جوش کی آواز دو میل کے فاصلے پر سنائی دیتی تھی اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ نماز کے وقت اُنکے چہرے زرد ہوجاتے تھے اور شانے تھراتے تھے اور یہ امور ہونے کچھ بعید نہیں اسلیے کہ ایسے دو چند دنیا داروں کے افکار اور پادشاہان زمین کے خوف سے مشاہدہ ہوتے ہیں حالانکہ یہ عاجز اور ضعیف ہیں اور جو کچھ اُنسے ملتا ہے وہ بھی حقیر و خفیف یہاں تک کہ کوئی شخص بادشاہ یا وزیر کے پاس جاکر کسی مقدمے میں بات کرتا ہے اور چلا آتا ہے اُس سے اگر پوچھا جاوے کہ بادشاہ کے گرد کون لوگ تھے اور اُسکا لباس کیا تھا تو ہرگز نہ بتلا سکیگا کیونکہ اپنے مقصد ہی کی فکر میں ڈوبے رہنے سے اُسکو اتنی مہلت کہاں تھی کہ اُسکے لباس یا گرد کے لوگوں کو دیکھے اور چونکہ ہر شخص کو اپنے اعمال میں مختلف حصے ملینگے تو نماز میں ہر ایک کا حصہ اسی قدر ہوگا جتنا خوف اور خشوع اور تعظیم اُسمیں کی ہوگی کیونکہ اللہ تعالی کے دیکھنے کی جگہ دل ہیں ظاہر کے حرکات نہیں اور اسی لیے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ آدمی قیامت کو اُس شکل کی صورت پر اُٹھینگے جو اُنکی شکل نماز میں ہوگی یعنی اطمینان اور سکون اور نماز میں لذت کا پانا جسقدر ہوگا اُسی قدر قیامت میں یہ چیزیں اُسکو حاصل ہونگی اور واقع میں اُنھوں نے درست کہا کیونکہ آدمی کا حشر اُسی بات پر ہوگا جسپر مریگا اور مریگا اُس حال پر جسپر کہ زندہ رہا ہے اور اس بات میں اُسکے دل کے حال کی رعایت کیجاویگی جسم ظاہری کے حال کا لحاظ ہوگا اسلیے کہ دلوں کے صفات ہی سے دار آخرت میں صورتیں ڈھالی جاوینگی اور نجات اُسی کو ہوگی جو اللہ تعالی کے پاس دل سالم لے کر جاویگا خدا ہمکو بھی توفیق اپنے لطف و کرم سے عنایت فرماوے تیسرا بیان اُس تدبیر کے ذکر میں جو حضور دل میں مفید پڑے۔ واضح ہو کہ مومن کے لیے ضرور یہی ہے کہ خدائے تعالی کی تعظیم کرنے والا اور اُس سے ڈرنے والا اور توقع رکھنے والا اور اپنی تقصیر سے نادم ہو یعنی ایمان کے بعد ان حالات سے جدا نہو اگرچہ اُنکی قوت موافق اُسکے یقین کی قوت کے ہوگی پس نماز میں ان حالات کا نہونا اسی جہت سے ہوگا کہ فکر پراگندہ ہو اور دھیان بٹے اور دل مناجات میں حاضر نہو اور نماز سے غافل ہو اور نماز سے غفلت انھیں وسوسوں کے باعث ہوتی ہے جو دل پر وارد ہوکر اُسکو مشغول کرتے ہیں اس صورت میں حضور دل کی تدبیر یہی ہے کہ اُن وسوسوں کو دور کیا جاوے اور چیز جبھی دور ہوتی ہے جب اُسکا سبب دور ہو تو اُسکے سبب

مرور کرلو کہ یہ تمہارے معبود کے دیکھنے کی جگہ ہے۔ اور ستر عورت سے یہ سمجھو کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ بدن کے برے مقامات لوگوں کی نظر سے
چھپائے جاویں کہ ظاہر بدن پر لوگوں کی نگاہ پڑتی ہے تو پھر کیا بات ہے کہ باطن کی برائیاں جنپر بجز پروردگار کے اور کوئی مطلع نہیں ہوتا چھپائی
جاویں پس اُن سب عیبوں کو اپنے دل میں حاضر کرو اور نفس سے اُنکے چھپانے کی درخواست کرو اور یہ بات دل میں ٹھان لو کہ خدائے تعالیٰ کی
نظر سے وہ عیب اور کوئی سی چیز چھپ نہیں سکتی مگر ایسا نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے حیا اور خوف کرنا اُنکا کفارہ ہوجاتا ہے تو اُنکو اپنے دل میں
حاضر کرنے سے تمکو یہ فائدہ ہوگا کہ تمہارے دل میں خوف اور حیا جہاں جہاں چھپے ہوئے ہیں اُبھر کھڑے ہونگے اُسوقت تمہارا نفس دبے گا
اور خجالت دل پر چھا جاویگی اور خدائے تعالیٰ کے سامنے ایسے کھڑے ہوگے جیسے غلام گنہگار بدکردار بھاگا ہوا اپنے کردار سے پشیمان ہوکر
اپنے آقا کے سامنے سر جھکائے ترسیدہ خوف زدہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور قبلہ رخ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ظاہر چہرے کو سب طرف سے پھیر کر
خدائے تعالیٰ کے خانہ کعبہ کی طرف کرلو پھر کیا تم سمجھتے ہو کہ دل کا پھیرنا تمام معاملات سے خدائے تعالیٰ کے امر کی طرف تم سے مطلوب نہیں ہے ہرگز
مت سمجھنا بلکہ یوں سمجھو کہ اسکے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہے ظاہر کے اعمال سب باطن کی تحریک کے واسطے اور اعضا کو ضبط سے رکھنے اور اُنکو
ایک طرف میں ساکن کرنے کے لیے ہیں تاکہ یہ اعضا دل پر بغاوت نہ کریں کیونکہ اگر دل پر بغاوت کرینگے اور ایسی حرکات میں اور اپنی اپنی جہات
کی طرف التفات میں ظلم کرینگے تو دل کو بھی اپنے پیچھے لگا کر خدا کی طرف سے اُسکو پھیر دینگے اس صورت میں چاہیے کہ تمہارے بدن کی توجہ کے
ساتھ ہی دل کی توجہ بھی ہو یعنی جس طرح پر کہ چہرہ خانہ کعبہ کی طرف بجز اس بات کے نہیں ہو سکتا کہ اُسکو اور سب طرفوں سے پھیر لیا جاوے
اسی طرح دل بھی خدائے تعالیٰ کی طرف نہیں پھرتا جب تک کہ اُسکو ماسوائے خالی نہ کرلیا جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ
نماز کو کھڑا ہوا اور اُسکی خواہش اور منہ اور دل خدائے تعالیٰ کیطرف ہوں تو وہ نماز سے ایسا فارغ ہوگا جیسے جس روز کہ اُسکی ماں نے اُسکو
جنا تھا۔ اور سیدھا کھڑا ہونے سے یہ غرض ہے کہ بدن اور دل سے خدائے تعالیٰ کے سامنے خدمت کو کھڑے ہو اس صورت میں چاہیے
کہ سر جو تمہارے اعضا میں سب سے اونچا ہے اسکا ڈھلکا ہوا اور جھکا ہوا ہو اور سر کی اونچائی دور کرنے سے یہ تنبیہ ہو کہ دل پر فروتنی اور ذلت لازم رہے
اور اُسوقت کے کھڑے ہونے سے اُس روز کا کھڑا ہونا یاد کرو کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوکر سوال کیا جاونگا اور اب یہ سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ
کے سامنے کھڑے ہو اور وہ تمکو دیکھ رہا ہے۔ اگر تم سے اُسکی کنہ جلال کا دریافت کرنا ہو سکے تو اُسکے سامنے اسی طرح کھڑے ہو جیسے
دنیا کے کسی بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہو بلکہ تمام نماز کے قیام میں یہ فرض کرلو کہ تمکو کوئی تمہارے گھر کا نیک بخت آدمی خوب دیکھ رہا ہے
یا جسکو تم ایسی نیکبختی جتلایا چاہتے ہو وہ تمہاری طرف نظر کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی ایسا آدمی دیکھتا ہے تو اُسوقت تمہارے ہاتھ پاؤں ساکن اور
اعضا ڈھیلے اور اخیر سکوت کے ساتھ رہتے ہیں اس ڈر سے کہ کہیں وہ بندہ جو حقیقت میں عاجز ہے تمکو یہ نہ کہے کہ فروتنی کم کرتے ہو پس جب بندہ
مسکین کے ہوتے تم اپنے نفس کا یہ حال معلوم کرو تو اُسپر عتاب کرو اور کہو کہ تو دعویٰ خدائے تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا کرتا ہے تجھے اُسکے
سامنے جرات کرنے سے شرم نہیں آتی حالانکہ اُسکے ایک ادنی بندے کی توقیر کرتا ہے اور لوگوں سے خوف کرتا ہے خدا سے نہیں ڈرتا حالانکہ وہ ڈرنا
زیبا ہے اور اسی وجہ سے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کسطرح ہوتی ہے
تو آپ نے فرمایا کہ اس سے اسطرح حیا کرو جیسے اپنے گھر کے کسی نیکبخت شخص سے حیا کرتے ہو۔ اور نیت میں یہ بات دل میں پکی کرنی چاہیے
کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم نماز کا کیا اُسکو ہم نے مانا اور اُسکے پورا پڑھنے اور اُسکے نواقض اور مفسدات سے باز رہنے پر اور ان سب امور کو خاص خدائے تعالیٰ
کی رضا کے لیے کرنے پر عزم کرنا چاہیے اس غرض سے کہ توقع اُسکے ثواب کی اور خوف اُسکے عذاب کا اور طلب اُسکی نزدیکی کی ملحوظ خاطر رہے اور اس
بات میں اسکا احسان اپنی گردن کا طوق جانے کہ باوجود ہمارے بے ادب اور کثرت سے گنہگار ہونے کے ہمکو اجازت اپنی مناجات کی دی اور
اپنے دل میں اُسکی مناجات کی بڑی قدر جانے اور دیکھے کہ میں کس سے مناجات کرتا ہوں اور کسطرح مناجات کرتا ہوں ایسی صورت میں چاہیے

[illegible] ... روایت کی ... ۱۲

کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ آج یہ فتنہ مجھ پر گذرا اور عرض کیا کہ اب یہ باغ صدقہ ہے جہاں چاہیے وہاں اسکو صرف فرمائیے۔ اور ایک کسی اور شخص کا ذکر ہے کہ اسنے
باغ میں نماز پڑھی اور اسکے خرما کے درخت پھلوں کے مارے جھکے پڑتے تھے کہ انکو جو دیکھا تو اچھے معلوم ہوئے اور یہ بھول گئے کہ کتنی نماز پڑھی ہے
ماجرا حضرت عثمان غنی رضہ سے ذکر کیا اور عرض کیا کہ وہ باغ صدقہ ہے اسکو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کیجیے حضرت عثمان رضہ نے اسکو پچاس ہزار کو بیچا۔
اکابر سلف فکر کی جڑ کاٹنے کو اور نماز کے نقصان کے کفارہ کے لیے یہ تدبیریں کرتے تھے اور قلع قمع میں علت کے مادے کو جڑ سے اکھاڑنے کی تدبیر یہی ہے اسکے
سوا دوسری بات مفید ہوگی کیونکہ جو بات ہمنے لکھی ہے کہ نفس کو نرمی ساکن کرنا چاہیے اور ذکر کے سمجھنے پر لانا چاہیے تو وہ ضعیف شہوتوں اور ان فکروں میں کارآمد ہے
جو دل کے اطراف ہی کو گھیرے ہوں مگر شہوت قوی جو جوش و روں پر ہو انہیں ساکن کرنا مفید نہیں بلکہ وہ تمکو کھینچے گی اور تم اسکو کھینچتے رہوگے پھر وہی غالب
رہیگی اور ساری نماز اسی کشاکش میں گذریگی اور اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھکر یہ چاہے کہ میرا فکر صاف ہو اور اسپر کی
چڑیاں بول بول کر اسکی فکر کو منتشر کرتی ہوں اور وہ ایک لکڑی کو ہاتھ میں لیکر انکو اڑا دے اور پھر اسی فکر میں مشغول ہو اور چڑیاں پھر
غل کرنے لگیں پھر یہ لکڑی سے بھگانے لگے اور کوئی اس سے کہے کہ یہ چال جو تم چلے ہو کبھی پوری نہوگی اگر تم اس سے چھٹی چاہتے ہو
تو درخت کو اکھاڑ ڈالو یہی حال شہوات کے درخت کا ہے کہ جب اسکی شاخیں پھیل جاتی ہیں تو اسپر فکر اسی طرح دوڑتے ہیں جیسے چڑیاں درخت پر
دوڑتی ہیں یا مکھی غلاظت پر اور انکے دفع کرنے میں کام بڑھتا ہے کیونکہ مکھی کو جب ٹالدو پھر چلی آتی ہے یہی حال وسوسوں کا ہے اور شہوتیں
بہت سی ہیں اور بندہ انسے بہت کم خالی ہوتا ہے اور ان سب کی جڑ ایک ہے یعنی دنیا کی محبت یہ ہر ایک برائی کی جڑ اور ہر نقصان کی بنیاد اور
ہر ایک فساد کا منبع ہے اور جس شخص کا باطن دنیا کی محبت پر مائل ہو اور اسکی کسی چیز کی طرف رغبت کرے نہ اس غرض سے کہ اسکو توشۂ آخرت بناوے
یا آخرت پر اس سے مدد چاہے تو اسکو طمع نہ کرنی چاہیے کہ نماز میں لذت مناجات کبھی اسکو صاف حاصل ہو لیکن تاہم اسکو مجاہدہ کا چھوڑنا نہ چاہیے
اور جس طرح ہوسکے دل کو نماز کی طرف پھیرے اور اسباب فکر میں ڈالنے والوں کی کمی کرے غرض یہ دوا تلخ ہے اور اسکی تلخی کی جہت سے طبیعتیں
اسکو مکروہ جانتی ہیں اور روگ پرانا اور درد لاعلاج ہوگیا یہاں تک کہ اکابر نے قصد کیا کہ دو رکعتیں ایسی پڑھیں جنمیں دنیا کے امور کو اپنے دل میں
نہ لاویں تو یہ انسے نہو سکا جب ان لوگوں کو اس طرح کا دوگانہ میسر نہوا تو ہم جیسوں کو اسکی طمع نہیں ہو سکتی اور کاش ہمکو نماز میں سے آدھی
خواہ تہائی وسواس سے خالی ملجاوے تو ہم ایسے لوگوں میں سے ہوجاویں جنہوں نے نیک اعمال میں اعمال بد کو ملا جلا دیا۔ حاصل یہ کہ دنیا کی
فکر اور آخرت کی ہمت دل میں ایسی ہیں جیسے تیل کے بھرے پیالے میں پانی ڈالو کہ جسقدر پانی پیالے میں جاویگا اسی قدر یقیناً تیل
نکل جاویگا یہ نہوگا کہ دونوں جمع ہوجاویں۔ **چوتھا بیان** ان امور کی تفصیل میں جنکا دل میں حاضر ہونا نماز کے ہر ایک رکن اور شرط وغیرہ میں
ضرور ہے۔ اگر تمکو آخرت منظور ہے تو تمپر پہلے لازم یہ ہے کہ جو تنبیہات کہ نماز کی شرطوں اور رکنوں میں ہم لکھتے ہیں انسے غافل نہو۔ نماز کی شرطیں
اور جو امور اس سے پیشتر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں اذان اور طہارت اور برہنگی کا ڈھانپنا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا اور سیدھا کھڑا ہونا اور نیت
کرنی پس جب موذن کی اذان سنو تو اپنے دل میں قیامت کے پکار کی دہشت حاضر کرو اور اذان کو سنتے ہی اپنے ظاہر اور باطن سے
اسکی اجابت کے لیے مستعد ہو اور جلدی کرو کیونکہ جو لوگ موذن کی اذان کے لیے جلدی کرینگے وہ قیامت کے روز لطف کے ساتھ
پکارے جاوینگے اور اذان پر اپنے دل کا جائزہ لو اگر اسکو خوشی اور فرحت سے بھرا پاؤ اور جلد چلنے کی رغبت سے پر ہو تو جان لو کہ روز جزا میں
تمکو بشارت اور فلاح پانے کی آواز آویگی اور اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ارحنا یا بلال یعنی نماز سے اور اسکی اذان دینے سے
ہمکو راحت پہنچاؤ اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہی میں تھی اور طہارت کا حال یہ ہے کہ جب تم نماز کی جگہ کو پاک کرلو جو تمہارا ظرف بعید ہے پھر کپڑوں کو
پاک کرلو جو تمہارا غلاف قریب ہے پھر ظاہری جلد کو پاک کرلو جو تمہارا بہت نزدیک کا پوست ہے تو اپنے مغز اور ذات یعنی دل کی طہارت سے غافل نہو
اسکی طہارت کے لیے توبہ میں اور خطاؤں پر نادم ہونے میں کوشش کرو اور آئندہ قصد صمیم ان قصوروں کے نہ کرنے کا کرلو دل کی طہارت ان امور سے

ع دارقطنی روایت بلال [illegible] ابو داؤد [illegible] ۱۲

قلعہ میں پناہ لینے والا وہ شخص ہے جسکا معبود سواے خداے تعالیٰ کے اور کوئی نہو لیکن جس شخص نے کہ اپنا معبود اپنی خواہش نفس کو بنا رکھا ہو تو وہ
شیطان کے میدان میں ہے نہ خداے تعالیٰ کے قلعہ میں۔ اور معلوم کرنا چاہیے کہ شیطان کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ آدمی کو نماز کے اندر آخرت
کی فکر میں اور خیرات کے کاموں کے سوچنے میں لگا دیتا ہے تاکہ جو کچھ نماز میں پڑھے اسکے سمجھنے سے باز رہے تو یاد رکھو کہ جو چیز تمکو معنی قرارت کے
سمجھنے کی مانع ہو وہ وسواس ہے اسلیے کہ زبان کا ہلانا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود معانی ہیں اور قرارت کے باب میں آدمی تین طرح کے ہیں
ایک وہ کہ اسکی زبان متحرک ہے اور دل غافل اور ایک وہ کہ زبان چلتی ہے اور دل زبان کی پیروی کرتا ہے اور اسکے الفاظ کو اسی طرح سمجھتا اور سنتا ہے کہ
گویا دوسرے شخص سے اسکو سنتا ہے یہ درجہ اصحاب یمین کا ہے اور ایک شخص وہ ہے کہ اسکا دل اول معانی کی طرف دوڑتا ہے پھر دل کی زبان تابع ہو کر اُن
معانی کو ترجمہ کرتی ہے اور بہت فرق ہے اس بات میں کہ زبان دل کی ترجمان ہو یا دل کی معلم ہے مقرب لوگوں کی زبان دل کی ترجمان اور اُسکی تابع
ہوتی ہے اور دل اسکا تابع نہیں ہوتا۔ اور قرارت کے ترجمے کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم کہو بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو
بہت مہربان اور رحم والا ہے تو اس سے یہ نیت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے شروع کرنے کے لیے اس سے تبرک چاہتا ہوں اور یہ سمجھو کہ اسکے
معنی یہ ہیں کہ سب امور اللہ سے ہیں اور اسم سے غرض اس جگہ مسمیٰ ہے اور جبکہ سب کام اللہ کے ہوے تو الحمد للہ رب العالمین بھی ٹھیک ہوا کہ اسکے
معنی ہیں کہ شکر خدا کا ہے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا کیونکہ نعمتیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو شخص کہ کسی نعمت کو غیر اللہ کی جانب سے
جانتا ہے یا اپنے شکر سے غیر اللہ کا قصد کرتا ہے اور اسکو اللہ تعالیٰ کے حکم کا مسخر نہیں سمجھتا تو اسکو بسم اللہ اور الحمد للہ کہنے میں اسی قدر نقصان ہوگا جسقدر کہ
وہ غیر اللہ کی طرف التفات رکھتا ہوگا اور جب تم کہو الرحمن الرحیم تو اپنے دل میں اُسکے تمام انواع لطف کو حاضر کرلو تاکہ تمکو اُسکی رحمت کا حال کھلے
اور اُس سے تمہاری امید ابھرے پھر مالک یوم الدین کہنے سے اپنے دل میں سے اُسکی تعظیم اور خوف کو ابھارو عظمت اس جہت سے کہ ملک بجز
اُسکے اور کسیکا نہیں اور خوف اس جہت سے کہ اُسکے معنی یہ ہیں کہ وہ مالک ہے روز جزا اور حساب کا پس اس دن کے ہول سے ڈرنا چاہیے پھر ایاک نعبد
یعنی تجھی کو عبادت کرتے ہیں کے کہنے سے اخلاص از سر نو کرو اور طاقت و قوت سے عاجزی اور بیزارت اس قول سے نئی کرو وایاک نستعین یعنی
تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور خوف دل میں ٹھان لو کہ ہمکو بدوں اُسکی اطاعت کے طاعت میسر نہیں ہوئی اور اُسکا بڑا احسان ہے کہ اپنی طاعت کی
توفیق دی اور عبادت کی خدمت ہمسے لی اور ہمکو اپنی مناجات کا اہل بنایا اگر بالفرض ہمکو توفیق سے محروم رکھتا تو ہم بھی شیطان لعین کے ساتھ
مین راندۂ درگاہ ہوتے پھر جب اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور الحمد للہ اور مطلق اعانت کی حاجت ظاہر کرنے سے فارغ ہو چکے تو اب اپنے سوال کو
معین کرو اور اُس سے وہی چیز مانگو جو تمہاری حاجتوں میں سب سے زیادہ مہم ہو اور یہ کہو اہدنا الصراط المستقیم دکھا ہمکو راہ سیدھی جو ہمکو تیرے پاس
پہونچاوے اور تیری مرضیات تک لیجاوے اور اُسکی شرح اور تفصیل اور تاکید زیادہ کرنے کو کہو صراط الذین انعمت علیہم یعنی اُن لوگوں کا راستہ
جنپر تونے نعمت ہدایت کا فاضہ فرمایا اور وہ انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین ہیں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین نہ اُن لوگوں کی راہ جنپر
غصہ ہوا یا بھٹکنے والے ہیں اور وہ کافر یہود اور نصاریٰ اور صابئین ہیں پھر اُس درخواست کے قبول ہونے کی طلب کرو اور کہو کہ آمین یعنی
ایسا ہی کر جب تم الحمد کو اس طرح پڑھوگے تو عجب نہیں کہ تم اُن لوگوں میں سے ہو جنکے باب میں اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں جسکی خبر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے آپ میں اور اپنے بندے میں آدھوں آدھ کرلی ہے آدھی میری ہے اور آدھی میرے بندے کی
اور میرے بندے کو وہ ملیگا جو اُسنے مانگا ہے بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد اور تعریف کی
اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنے سے غرض یہی ہے آخر حدیث تک یعنی اسکے معنی یہ ہیں کہ سنا اللہ نے اُسکا قول جسنے اُسکی تعریف کی۔ پس اگر تمکو نماز میں
کوئی اور بات نہو تی بجز اسکے کہ خداے تعالیٰ نے باوجود اپنی عظمت و جلال کے تمکو یاد کیا تو یہی کافی اور غنیمت تھا اور جس صورت میں کہ تمکو ثواب
اور فضل الٰہی کی توقع اُس سے ہی تو پھر کیا کہنا ہے۔ اور اسی طرح جو سورت تم پڑھو اُسکے معنی کو سمجھو چنانچہ باب تلاوت قرآن میں اُسکا ذکر آویگا حاصل یہ

تو یہی کہ تمھاری پیشانی میں عرق ہوا اور ہیبت سے شانے تھرا ویں اور خوف کے مارے رنگ زرد پڑجاوے۔ اور اللہ اکبر کہنے میں جب زبان کو
ان الفاظ سے گویا کرو تو چاہیے کہ تمھارا دل اس قول کو جھوٹا نہ کرے یعنی اگر دل میں کوئی چیز خداے تعالی سے بڑی جانتے ہوگے تو
اللہ تعالی گواہی دیگا کہ تم جھوٹے ہو اگرچہ قول تمھارا سچا ہو جیسے سورۂ منافقون میں منافقوں کی بات کہنے کو ارشاد فرمایا کہ اللہ شاہد ہے کہ منافق
جھوٹے ہیں یعنی دل سے اقرار رسالت نہیں کرتے صرف زبان سے کہتے ہیں کہ تم رسول ہو پس اگر خداے تعالی کے امر کی نسبت تمھاری
خواہش نفس تم پر غالب ہوگی اور تم بہ نسبت خداے تعالی کے اسکی اطاعت زیادہ کرتے ہوگے تو گویا تمنے اپنا معبود اسی کو ٹھہرالیا
اور اسی کو بڑا جانا تو کیا عجب ہے کہ تمھارا اللہ اکبر کہنا صرف ایک کلمۂ زبانی ہی ہو اس وجہ سے کہ دل میں تو اسکی موافقت ہی نہیں اور اس
امر کا خوف نہایت بڑا ہے بشرطیکہ توبہ اور استغفار اور اللہ تعالی کے لطف وکرم اور عفو پر حسن ظن ہو اور شروع کی دعا میں اول تم یہ کہتے ہو
کہ وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض یعنی میں نے اپنا منہ کیا اسکی طرف جسنے بنائے آسمان و زمین اسمیں مراد منہ سے ظاہر کا منہ نہیں
اسلیے کہ ظاہر چہرہ کو تو تم قبلہ کی طرف کیے ہو اور خداے تعالی اس بات سے پاک ہے کہ کوئی جہت اسکو گھیر سکے تو بدن کی توجہ اسکی
طرف نہیں ہو سکتی ہاں دل کا منہ ہے جسکو تم خالق ارض وسما کی طرف کر سکتے ہو پس تامل کرو کہ چہرہ دل گھر اور بازار کی مہمات میں اور اپنی شہوات
کی طرف مائل ہے یا خالق ارض وسموات کی طرف متوجہ ہے اور خبردار ایسا مکر نہ کرنا کہ اپنی مناجات کے شروع ہی میں جھوٹ اور بناوٹ کو دخل دو
اور اللہ تعالی کی طرف روے دل اسوقت پھرتا ہے کہ اسکو اسکے غیر کیطرف سے پھیر لو تو اب تمکو کوشش کرنی چاہیے کہ دل کی توجہ خداے تعالی ہی
کی طرف ہو اور اگر یہ بات ساری نماز میں میسر ہو تو جسوقت یہ کلمہ زبان پر ہو اسوقت تو قول سچا ہو اور جب زبان سے کہو حنیفا مسلما یعنی ایک طرفہ
مسلمان ہوکر تو اپنے دل میں یہ سوچنا چاہیے کہ مسلمان وہ ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے رہیں پس اگر تم ایسے نہیں ہو تو اس
قول میں جھوٹے ہو تو اس بات کے لیے آیندہ ہی زمانے میں کوشش کرو اور جو احوال پہلے گذر رہے ہوں اُنپر ندامت کرو اور جب یہ کہو وما انا من
المشرکین یعنی میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں تو اپنے دل میں شرک خفی کو تامل کرو اسلیے کہ یہ آیت لمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا
یشرک بعبادۃ ربہ احدا اس شخص کے باب میں اتری ہے جو اپنی عبادت سے رضاے خدا اور لوگوں کی تعریف چاہتا ہو پس اس شرک سے بہت احتراز
چاہیے اور جس صورت میں کہ تمنے زبان سے تو کہا کہ میں مشرک نہیں اور اس شرک سے برات نہیں کی تو اپنے دل میں شرمندہ ہونا چاہیے کہ شرک
تھوڑی اور بہت سبھی کو کہتے ہیں۔ اور جب کہو محیای ومماتی للہ یعنی میرا جینا اور مرنا اللہ کے واسطے ہے تو یہ جانو کہ یہ حال اس غلام کا ہے کہ اپنے نفس کے
حق میں مفقود ہو اور آقا کے حق میں موجود ہو اور یہ کلمہ جب ایسے شخص سے صادر ہو کہ اسکی رضا اور غضب اور اٹھنا بیٹھنا اور زندگی کی رغبت اور موت
کی دہشت دنیا کے کاموں کے لیے ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ کلمہ کہنا اسکے حال کے مناسب نہیں۔ اور جب یہ کہو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم میں پناہ
مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے تو یہ جانو کہ شیطان تمھارا دشمن ہے اور تاک لگائے ہوے ہے کہ کسی طرح تمھارے دل کو خداے تعالی کیطرف سے پھیر دے
کیونکہ اسکو تمھاری مناجات پر اور خداے تعالی کے لیے سجدہ کرنے پر حسد ہے کہ اسکو ایک سجدہ کے چھوڑنے سے طوق لعنت گلے میں پڑا اور مردود
ابدی ہوا اور یہ سمجھو کہ تم جو شیطان سے پناہ مانگتے ہو تو یہ جب ٹھیک ہو کہ جو چیز شیطان کو محبوب ہو اسکو ترک کردو اور اسکے بدلے میں خداے تعالی
کی محبوب چیز اختیار کرو یہ نہیں کہ صرف زبان سے پناہ کا مانگنا کافی ہو جیسا اگر کسی شخص پر درندہ خواہ دشمن مارنے کے ارادے سے آوے اور وہ اپنی
جگہ سے نہ ہلے اور زبان سے کہے کہ میں تجھسے اس مضبوط قلعے کی پناہ چاہتا ہوں تو یہ کہنا اسکو کیا کام آویگا بلکہ پناہ جبھی ہوگی کہ اپنی جگہ چھوڑ کر گڑھی میں
چلا جاوے اسی طرح جو شخص اپنی شہوات کا تابع ہو جو شیطان کو محبوب اور رحمن کو ناپسند ہیں تو اسکو زبان سے اعوذ باللہ کہہ لینا مفید نہوگا بلکہ اس
زبانی قول کے ساتھ خداے تعالی کے قلعہ میں پناہ لینے کا بھی ارادہ کرے اور اسکا قلعہ لا الہ الا اللہ ہے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہمکو خبر دی ہے کہ خداے تعالی فرماتا ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے امن میں ہوا اور اس

تمام ہو اور ان کلمات کو مکرر کہو تا کہ دل میں اس عظمت کی تاکید ہو پھر اپنا سر رکوع سے اُٹھاؤ اور یہ توقع کرو کہ وہ رحم کرنے والا ہے اور اپنے اس دل کی
توقع کی تاکید ان لفظوں سے کرو سمع اللہ لمن حمدہ یعنی جو شکر اللہ تعالیٰ کا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکی سنتا ہے پھر اُسکے بعد شکر بیان کرو کہ اُس سے زیادتی
نعمت کی ہوتی ہے اور یہ کہو ربنا لک الحمد اور حمد کی کثرت کے لیے یہ الفاظ کہو ملأ السموات والارض یعنی اے رب ہمارے تجکو شکر ہے بمقدار آسمانوں
اور زمین کے بھرنے کے پھر سجدہ کے واسطے جھکو کہ سب میں زیادہ درجہ کی ذلت ہے یعنی اپنا منہ جو سب اعضا کی نسبت عزیز تر ہے اُسکو سب چیزوں میں سے
ذلیل تر یعنی مٹی پر رکھو اور اگر یہ بات تم سے ہو سکے کہ زمین پر سجدہ کرو اور زمین میں اور چہرے میں کوئی حائل نہو تو ایسا ہی کرو کیونکہ اس صورت سے
فروتنی بہت حاصل ہوتی ہے اور ذلت خوب معلوم ہوتی ہے اور جب تم اپنے آپکو ذلت کی جگہ میں رکھ چکے تو جانو کہ تم نے اپنے نفس کو جہاں کا تھا
وہاں رکھدیا اور فرع کو اصل تک پہونچا دیا اور تمہاری اصل پیدایش مٹی ہی سے ہوئی اور اُسی کی طرف دوبارہ جاؤ گے اس وقت اپنے دل میں
خدا تعالیٰ کی عظمت از سر نو کرو اور کہو سبحان ربی الاعلیٰ اور اُسکو مکرر کہکر دل میں کی عظمت کی تاکید کرو کہ ایک دفعہ کے کہنے کا اثر ضعیف
ہوتا ہے پس جب تمہارا دل نرم ہوا اور یہ بات تمکو معلوم ہو جاوے تو خدا تعالیٰ کی رحمت کی توقع کرو کہ اُسکی رحمت ضعف و ذلت ہی کیطرف
جھپٹتی ہے تکبر اور شیخی پر نہیں دوڑتی اسلیے سر کو اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھاؤ اور اپنی حاجت ان الفاظ سے مانگو رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم یا جو
دعا تمکو منظور ہو طلب کرو پھر تواضع کو دوبارہ سجدہ کرنے سے پختہ کرو اور اُسی طرح دوسرا سجدہ کرو۔ اور جب تشہد کے لیے بیٹھو تو ادب سے بیٹھو
اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں خواہ صلوات ہوں یا طیبات یعنی اخلاق طاہرہ وہ سب اللہ کے لیے ہیں اور اُسی طرح ملک خدا کے لیے ہے
اور یہی معنی التحیات کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور کہو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اپنے
دل میں سچی آرزو کرو کہ یہ سلام آپکو پہونچیگا اور آپ اسکا جواب تمہارے سلام کی نسبت کامل تر عنایت فرما وینگے پھر تم اپنے اوپر اور اللہ تعالیٰ کے
نیک بخت بندوں پر سلام کہو اور یہ توقع کرو کہ خدا تعالیٰ تمکو اس سلام کے جواب میں بقدر شمار نیک بندوں کے پورے سلام مرحمت فرماویگا
پھر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر شہادت کرو اور خدا تعالیٰ کے عہد کو شہادت کے دونوں جملے
پڑھکر نیا کرو پھر اپنی نماز کے آخر میں جو دعا حدیث میں آئی ہو تواضع اور خشوع اور مسکنت اور عاجزی اور قبول ہونے کی سچی توقع کے ساتھ پڑھو
اور اپنی دعا میں اپنے ماں باپ اور سب ایمانداروں کو شریک کرو اور سلام کے وقت نیت کرو کہ فرشتوں اور حاضرین پر سلام کہتا ہوں اور سلام سے نماز
کے پورا ہونے کی نیت کرلو اور خدا تعالیٰ کے شکر کا دل میں خیال کرو کہ تمکو اس طاعت کے پورا کرنے کی توفیق دے اور یہ سمجھو کہ تم اپنی اس نماز کو
رخصت کرتے ہو اور شاید پھر تمہاری زندگی ہو کہ پھر ایسی نماز پڑھو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو وصیت کی تھی فرمایا تھا کہ نماز رخصت
کرنے والے کی سی پڑھ۔ پھر اپنے دل میں نماز میں قصور کرنے کا خوف اور شرم کرو اور اس بات سے ڈرو کہ کہیں نماز نامقبول ہو اور کسی گناہ ظاہر
یا باطن کی جہت سے نری ٹھہر کر منہ پر نہ ماری جاوے اور اسکے ساتھ ہی یہ توقع رکھو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اُسکو قبول فرمائیگا یحییٰ بن وثاب جب
نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور اُنکے چہرے سے آثار بحالی اور غم کے معلوم ہوتے تھے۔ اور ابراہیم تیمی بعد نماز کے ایک گھنٹہ ٹھہرے رہتے
گویا بیمار ہیں یہ صورت اُن نمازگزاروں کی ہوتی ہے جو خشوع کرتے ہیں اور نماز کی نگاہداشت اور مداومت کرتے ہیں اور جتنی اُنکو بندگی میں مقدور
و طاقت ہوتی ہے اُسکے موافق اللہ تعالیٰ کی ساعات میں مصروف ہوتے ہیں پس آدمی کو چاہیے کہ جو نماز پڑھے اُنھیں انہیں باتوں کا پابند رہے
اور جسقدر اُنکو ان میں سے حاصل ہو اُس سے خوش ہونا چاہیے اور جو حاصل نہوا اُسپر حسرت کرنی زیبا ہے اور اُسکے علاج میں کوشش کرنی لازم
اور غافلوں کی نماز تو مقام خطر ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کرے تو کیوں نہیں کہ اُسکی رحمت وسیع اور کرم عام ہے ہم اللہ سے سوال
کرتے ہیں کہ ہمکو اپنی رحمت میں ڈھانپ لے اور اپنی مغفرت سے ہماری پردہ پوشی کرے کہ ہمکو بجز اس بات کے کہ اُسکی طاعت کی بجا آوری سے عاجزی کا
اقرار ہے اور کوئی وسیلہ نہیں۔ اور جان لو کہ نماز کو آفات سے پاک کرنا اور صرف خدا کی ذات کے لیے اُسکو خالص کرنا اور مع شروط باطنی مذکورہ بالا

کہ قرأت کے پڑھنے میں تمکو اُسکے امر اور نہی اور وعدہ اور وعید اور نصیحت اور انبیا کی خبریں بتلائی اور احسانات کے ذکر کرنے میں غفلت نکرنی چاہیے
اور ان میں سے ہر ایک بات کا ایک حق ہے مثلاً وعدہ کا حق رجا ہے اور وعید کا حق خوف ہے اور امر اور نہی کا حق عزم مصمم اُنکی تعمیل کا ہے اور نصیحت کا حق اُس سے نصیحت
حاصل کرنا ہے اور احسان کے ذکر کرنے کا حق اُسکا شکر کرنا ہے اور نبیوں کی خبریں دینے کا حق عبرت پکڑنا ہے ان حقوق کو مقرب لوگ پہچانتے ہیں
اور وہی یہ حقوق ادا کرتے ہیں چنانچہ زرارہ بن ابی اوفی نماز میں جب اس قول خداوندی پر پہونچے فاذا نقر فی الناقور یعنی جب پھونکا جاویگا
صور میں تو یکبارگی گر پڑے اور مر گئے۔ اور ابراہیم نخعی جب اذا السماء انشقت کو سنتے معنی یہ ہیں کہ جب پھٹ جاوے آسمان تو اتنا بیقرار
ہوتے کہ اُنکے سارے جوڑ تھرا تے۔ اور عبداللہ بن واقد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رض کو دیکھا کہ نماز ایسی صورت سے پڑھتے تھے جیسا
کوئی غمزدہ ہوتا ہے اور آدمی کو شایاں یہی ہے کہ اُسکا دل اپنے آقا کے وعدہ اور وعید سے سوختہ ہو جاوے کیونکہ وہ بندہ گنہگار اور ذلیل سامنے جبار
قہار کے ہے اور یہ باتیں درجات کے فہم کے موجب ہوا کرتی ہیں اور فہم اُسقدر ہوتا ہے جسقدر علم اور دل کی صفائی زیادہ ہوتی ہے اور اسکے درجات
کی کچھ انتہا نہیں اور نماز دلوں کی کنجی ہے انمیں الفاظ کے اسرار واضح ہوتے ہیں۔ یہ ہے قرأت کا حق اور ذکر اور تسبیحوں کا حق بھی یہی ہے پھر قرأت میں
سورت کا لحاظ کرو یعنی حروف کو اچھی طرح ادا کرو اور جلد نہ پڑھو کیونکہ آہستہ پڑھنے سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور رحمت اور عذاب کی آیتوں کو اور
وعد اور وعید اور تمجید اور تحمید کی آیتوں کو جدا جدا لحنوں میں پڑھو اور ابراہیم نخعی جب اس جیسی آیت پڑھتے ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ تو اپنی
آواز پست کر دیتے جیسے کسی کو اس بات سے شرم آوے کہ خدائے تعالی کا ذکر اُن اوصاف سے کرے جو لائق اُسکی جناب پاک کے نہوں۔ اور مروی ہے
کہ قرآن والے کو قیامت کے دن کہا جائیگا کہ پڑھ اور ترقی کر اور اچھی طرح پڑھ جیسے تو دنیا میں اچھی طرح پڑھا کرتا تھا۔ اور ساری قرأت میں کھڑا رہنے سے
یہ اشارہ ہے کہ دل اللہ تعالی کے ساتھ حضور کی صفت پر ایک ہی طرح قائم رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نمازی کی طرف متوجہ
ہوتا ہے جبتک کہ نمازی اور طرف دھیان نکرے۔ اور جس طرح کہ سر اور آنکھ کی حفاظت اور طرف دیکھنے سے واجب ہے اسی طرح باطن کی حفاظت نماز
کے سوا اور طرف دھیان کرنے سے واجب ہے پس جس صورت میں کہ دل اور طرف متوجہ ہو تو اُسکو یاد دلاؤ کہ خدائے تعالی تیرے حال پر مطلع ہے
اور مناجات کرنے والے کو حالت مناجات میں اُس ذات سے غفلت کرنی جس سے مناجات کرتا ہے اُسکے پاس سے مارے جانے کو بہت بری ہے۔ اور اپنے
دل پر خشوع کو لازم کر لو کیونکہ ظاہر و باطن کے اور طرف دھیان کرنے سے نجات خشوع ہی کا نتیجہ ہے جب باطن خشوع کریگا تو ظاہر بھی فروتنی کریگا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے میں اپنی داڑھی سے کھیل کرتے دیکھکر فرمایا کہ اگر اسکا دل خشوع کرتا تو اُسکے اعضا بھی خشوع کرتے۔
اسلیے کہ رعیت کا حال حاکم کی طرح کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے دعا میں یہ وارد ہوا ہے کہ الٰہی راعی اور رعیت دونوں کو درست کر اور راعی دل ہے
اور اعضا رعیت ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں میخ کی طرح ہوتے تھے اور ابن زبیر رض لکڑی کی طرح اور بعض کا رکوع میں ایسے
ہوتے تھے کہ اُن پر چڑیاں پتھر سا جانکر بیٹھ جاتی تھیں۔ اور یہ سب باتیں دنیا میں بادشاہوں کے سامنے باقتضائے طبیعت ہو جاتی ہیں تو شہنشاہ
حقیقی کے سامنے جن لوگوں کو اُسکا حال معلوم ہے کیسے ہونگی اور جو شخص غیر اللہ کے سامنے تو خشوع بیٹھکر کرے اور خدائے تعالی کے سامنے
اُسکے ہاتھ پانوں ہلتے چلتے رہیں تو وہ خدائے تعالی کے جلال کی معرفت میں قاصر ہے اور نہیں جانتا کہ اللہ تعالی میرے دل اور وسوسہ پر آگاہ ہے
حضرت عکرمہ نے اس آیت کی تفسیر میں الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین فرمایا ہے کہ قیام اور رکوع اور سجدہ اور جلسہ کے وقت میں
دیکھتا ہے اور رکوع اور سجدہ میں یہ چاہیے کہ اُنکے ادا کرنے کے وقت نئے سر سے خدائے تعالی کی بزرگی کو یاد کرو پھر نئی ہیبت و [illegible]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدائے تعالی کے عذاب سے اُسکے عفو کی پناہ مانگتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور [illegible]
[illegible] رکوع سے ادا کرو اور اپنے دل کے نرم کرنے اور [illegible] خشوع کرنے میں کوشش کرو اور اپنی ذلت اور اپنے معبود کی عزت کا خیال کرو
اور دل میں اس بات کے ہوتے ہوئے زبان سے مدد لو یعنی زبان سے سبحان ربی العظیم کہو [illegible]

فرشتوں کو عنایت فرمایا ہے وہ ایک ہی طرح پر مدام رہتا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم جیسا کہ خود انکا قول کلام مجید میں نقل فرمایا وما منا الا له مقام معلوم اور
انسان کا حال اس باب میں فرشتوں کا سا نہیں ہے ایک درجے سے دوسرے پر ترقی کرتا رہتا ہے کیونکہ ہمیشہ تقرب الی اللہ کرتا ہے اور زیادتی حاصل
کرتا ہے اور زیادتی کا باب فرشتوں کے لیے مسدود ہے انمیں ہر ایک کا وہی رتبہ ہے جسپر وہ کھڑا ہے اور وہی عبادت ہے جسمیں وہ مشغول ہے نہ اس
رتبہ سے ملے نہ عبادت میں قصور کرے جیسا کہ خدا تعالی خود فرماتا ہے لا یستکبرون عن عبادته ولا یستحسرون یسبحون اللیل والنهار لا یفترون
اور زیادتی کے درجات کی کنجی نمازیں ہیں اللہ تعالی فرماتا ہے قد افلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خاشعون یہاں لوگوں کا وصف ایمان کے بعد ایک نماز مخصوص سے
فرمایا خشوع کے ساتھ مقرون ہو پھر ان فلاح پانیوں کے اوصاف کو نماز پر ختم فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے والذين هم على صلواتهم يحافظون پھر ان صفات
ثمرہ کے بیان میں ارشاد فرمایا اولئك هم الوارثون الذين يرثون الفردوس هم فيها خالدون اول وصف فلاح سے فرمایا اور آخر میں فردوس کی وراثت
سے اور ہمکو معلوم نہیں ہوتا کہ زبان کے لپر لپر کرنے کو باوجود دل کی غفلت کے اس درجہ کی فضیلت ہو اور یہی وجہ ہے ان لوگوں کے مقابلوں کے
باب میں اللہ تعالی نے فرمایا ما سلککم في سقر قالوا لم نك من المصلين غرض کہ نمازی ہی فردوس کے وارث اور وہی اللہ تعالی کے نور کے مشاہدہ کرنے والے اور اسکے قرب
و جوار سے تمتع پانے والے ہیں خدا تعالی ہمکو بھی انمیں سے کرے اور ایسے لوگوں کے عذاب سے ہمکو بچاوے جنکی باتیں اچھی اور فعل برے ہوں
وہ کریم و منان اور قدیم الاحسان ہے اب ہم کچھ حکایتیں اور اخبار خشوع کرنے والوں کی نماز کی لکھتے ہیں **حکایت خاشعین** واضح ہو کہ خشوع
ایمان کا ثمرہ اور یقین کا نتیجہ ہے کہ خدا تعالی کے جلال و عظمت سے حاصل ہوتا ہے اور جسکو خشوع نصیب ہوتا ہے وہ نماز میں اور غیر نماز میں خشوع
کیا کرتا ہے یہانتک کہ تنہائی میں اور پاخانہ میں بھی فروتنی کرتا ہے کیونکہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ خدا تعالی بندے کے حال پر مطلع ہے
اور اسکی عظمت کو اور اپنی تقصیر کو پہچاننا انھیں تین معرفتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہ معرفتیں نماز سے خصوصیت نہیں رکھتیں اور نہیں جہت بعض
اکابر سے مروی ہے کہ انھوں نے خدا تعالی سے شرم کے مارے اور خشوع کی جہت سے چالیس برس تک اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا اور
ربیع بن خثیم اتنا آنکھوں کو نیچے رکھتے اور سر جھکائے رکھتے کہ بعض لوگ خیال کرتے کہ یہ اندھے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر بیس برس تک
جایا آیا کرتے جب ان کی لونڈی انکو دیکھتی تو آپ سے کہتی کہ آپکا اندھا دوست آیا حضرت ابن مسعود اس قول کو سنکر تبسم فرماتے اور جب دروازے پر دستک
دیتے تو لونڈی نکل کر انکو گردن جھکائے آنکھیں بند کئے دیکھتی اور حضرت ابن مسعود رض جب انکو دیکھتے تو فرماتے وبشر المخبتين یعنی خوشخبری سنا فروتنی
کرنے والوں کو اور کہتے کہ بخدا اگر تمکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ تمکو محبوب جانتے اور ایک روز
حضرت ابن مسعود کے ساتھ لوہاروں میں گئے جب بھٹیوں کو دھونکتے اور آگ کو لپٹ مارتے دیکھا تو چیخ مار کر بیہوش گر پڑے حضرت ابن مسعود رض
انکے سر کے پاس نماز کے وقت تک بیٹھے انکو ہوش نہ آیا ناچار انکو اپنی پشت پر اٹھا کر اپنے گھر لے آئے اور وہ اسی طرح بیہوش رہے یہانتک
کہ دوسرے روز اسی وقت کے قریب جسمیں بیہوش ہوئے تھے ہوش آیا اور پانچ نمازیں انکی قضا ہو گئیں اور حضرت ابن مسعود رض انکے سرہانے
کہتے تھے کہ بخدا خوف اسے کہتے ہیں۔ اور ربیع رح کہا کرتے کہ میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اسمیں مجھکو اور کوئی فکر ہوئی ہو بجز اسکے کہ میں کیا
کہتا ہوں اور مجھسے کیا کہا جاویگا۔ اور عامر بن عبد اللہ نماز کے اندر خشوع والوں میں سے تھے جب نماز پڑھتے تو انکی لڑکی دف بجاتی اور عورتیں گھر میں
جو کچھ چاہتیں آپس میں باتیں کرتیں مگر وہ نہ سنتے اور کچھ نہ سمجھتے اور ایک روز کسی نے انسے کہا کہ نماز کے اندر تمہارا نفس کوئی بات کرتا ہے فرمایا
کہ ہاں اپنا کھڑا ہونا خدا تعالی کے سامنے اور وہاں سے دو مکانوں میں سے ایک کیطرف پھر آنا دل میں گذرتا ہے کسی نے انسے کہا کہ کچھ امور دنیا کی
باتیں ہمکو دل میں گذرتی ہیں انمیں سے بھی تم کچھ اپنے دل میں پاتے ہو فرمایا کہ اگر مجھ میں کو برچھیاں ادھر کی ادھر نکل جاویں تو یہ مجھے محبوب
تر ہے اس سے کہ نماز میں وہ امور معلوم کروں جو تم پاتے ہو اور کہا کرتے کہ اگر پردہ اٹھا لیا جاوے تو میں یقین میں کچھ زیادہ نہوں۔ اور مسلم بن
یسار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھے سنا ہے کہ نماز پڑھتے میں مسجد کا ستون گر پڑا اور انکو خبر نہوئی۔ اور بعض اکابر کا عضو کچھ سڑ گیا تھا انمیں ضرورت

یعنی خشوع اور تعظیم اور حیا کے ساتھ اُسکو پڑھا دلوں میں انوار کے حاصل ہونے کا سبب ہے اور یہ انوار علوم مکاشفہ کے لیے کنجیاں ہوتے ہیں پس اولیاء اللہ
جو آسمان اور زمین کے ملکوت اور ربوبیت کے اسرار کو مکاشفہ سے معلوم کرتے ہیں تو وہ بھی نماز ہی کے اندر خصوص سجدہ کی حالت میں معلوم کرتے
ہیں کیونکہ سجدہ کے باعث بندہ اپنے پروردگار سے قریب ہوجاتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا واسجد واقترب یعنی سجدہ کر اور قرب حاصل کر
اور ہر ایک نمازی کو نماز میں مکاشفہ اُتنی قدر ہوتا ہے جسقدر کہ وہ دنیا کی کدورتوں سے صاف ہوتا ہے اور یہ بات قوت اور ضعف اور قلت اور کثرت اور
ظہور اور خفا میں مختلف ہوا کرتی ہے یہانتک کہ بعضوں کو چیز بعینہ منکشف ہوتی ہے اور بعضوں کو اُسکی صورت مثالی معلوم ہوتی ہے جیسے بعضوں کو دنیا
مردار کی صورت میں معلوم ہوئی اور شیطان کو کتے کی طرح اُسپر جھپٹتی دھرتے دیکھا کہ اُسکی طرف بلاتا ہے اور مکاشفہ کا اختلاف کشف کی چیز میں بھی
ہوتا ہے مثلاً بعضوں کو خدا تعالی کے صفات اور جلال منکشف ہوتے ہیں اور بعضوں کو اُسکے افعال اور بعض کو علوم معاملہ کی باریکیاں۔ اور ان
باتوں کے معین کرنے کے لیے ہر وقت میں اتنے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں جنکی انتہا نہیں اور سب میں زیادہ سخت ان اسباب میں فکر دلی کی مناسبت
ہے کہ وہ جب کسی معین چیز میں مصروف رہتا ہے تو وہی چیز منکشف ہونے کے واسطے اولی ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ باتیں جلا کیے ہوئے آئینوں میں بھی
پرتو افگن ہوتی ہیں اور آئینے سب زنگ خوردہ ہیں اور اسی وجہ سے اُسپر عکس ہدایت نہیں پڑتا نہ اس جہت سے کہ منعم حقیقی کی جہت سے بخل ہو
بلکہ اس وجہ سے کہ ہدایت کے گرنے کے مقام پر میل کی تہیں جم رہی ہیں اسلیے زبانیں اُن مکاشفہ کی باتوں کے انکار پر دوڑ پڑیں کیونکہ یہ امر طبیعت کی
سرشت میں ہے کہ جو چیز موجود نہیں اُسکا انکار کرنے لگے اگر بالفرض پیٹ کے بچے کو عقل ہوتی تو وہ ہوا کے اندر انسان کے وجود کے امکان کا انکار
کرتا اور اگر صغر سن لڑکے کو تمیز ہوتی تو وہ اُن امور کا انکار کرتا جو عاقل لوگوں کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت اور اسرار معلوم ہوتے ہیں اور یہی حال
انسان کا ہے کہ جس حال میں ہوتا ہے اُسکے بعد کے احوال کا گویا منکر ہوتا ہے اور جو شخص ولایت کے حال کا منکر ہو اُسپر یہ لازم آویگا کہ نبوت کے حال کا
منکر ہو حالانکہ خلق کی پیدائیش بہت سے حالات میں ہوئی ہے پس آدمی کو نہیں چاہیے کہ جو درجہ اپنے درجے کے بعد ہو اُسکا انکار کر بیٹھے۔ ہاں انتہا
کہ ان لوگوں نے اس فن کو مجادلہ اور پراگندہ مباحثہ سے تلاش کیا اور غیر اللہ سے دل کو صاف کرکے طلب کیا اسی واسطے اُس سے محروم رہے اچھا
ہے اُسکا انکار کیا۔ اور جو شخص مکاشفہ والوں میں سے ہو تو اس سے کمتر تو ہونا چاہیے کہ غیب پر ایمان اور تصدیق ہی رکھے جب تک کہ تجربہ سے
خود مشاہدہ کرے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالی اپنے اور اُسکے درمیان میں سے پردہ اُٹھا دیتا ہے اور اُسکو
اپنے منھ کے سامنے پکڑ لیتا ہے اور فرشتے اُسکے مونڈھے سے لیکر ہوا تک کھڑے ہوتے ہیں اُسکی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اُسکی دعا پر آمین کہتے ہیں
اور نمازی پر آسمان کے جو سے لیکر اُسکے سر کی مانگ تک نیکی برستی ہے اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اگر یہ مناجات کرنے والا جانتا کہ کس شخص سے
مناجات کرتا ہوں تو ادھر اُدھر متوجہ نہ ہوتا اور یہ کہ آسمان کے دروازے نمازیوں کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالی اپنے فرشتوں پر نمازی کے
صدق سے فخر کرتا ہے پس کھلنا آسمان کے دروازوں کا اور روبرو ہونا خدا تعالی کا نمازی سے اُسی کشف سے اشارہ ہے جسکو ہمنے ذکر کیا ہے۔
اور توریت میں مکتوب ہے کہ اے ابن آدم اس بات سے عاجز نہو کہ تو میرے سامنے روتا ہوا نماز پڑھتا کھڑا ہو کہ میں وہ اللہ ہوں کہ تیرے دل سے نزدیک
ہوا اور تو نے غیب سے میرا نور دیکھا راوی کہتا ہے کہ ہم جانا کرتے تھے کہ رقت اور بکا اور فتوح جو نمازی اپنے دل میں پاتا ہے وہ اسی جہت سے ہے
کہ اللہ تعالی دل سے قریب ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ یہ قرب مکان کی جہت سے نہیں کہ اُس سے خدائے تعالی بری ہے تو ضرور ہے کہ ہدایت اور رحمت اور پردہ
دور کرنے کے اعتبار سے قرب مراد ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اُس سے دس صفیں فرشتوں کی تعجب کرتی ہیں جن میں کی ہر ایک
صف دس ہزار کی ہوتی ہے اور اللہ تعالی اس بندے سے ایک لاکھ فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کے لیے نماز میں قیام اور قعود اور
رکوع اور سجدہ ایک ساتھ ہیں حالانکہ اللہ تعالی نے ان چیزوں کو چالیس ہزار فرشتوں پر بانٹ رکھا ہے کہ کھڑے ہونے والے قیامت تک رکوع
نہ کرینگے اور سجدہ والے سر نہ اُٹھاوینگے اور یہی حال ہے رکوع اور قعود کرنے والوں کا اور ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرب اور رتبہ

کہا کہ وہ تو خدا کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور اسکا دل خواہش نفس کی طرف مائل ہوتا ہے اور امر باطن کا جو اسپر چھایا ہوا رہتا ہے مشاہدہ کرتا ہے
غرض کہ حکایات گذشتہ سے صفت خاشعین کی معلوم ہوئی اور یہ حکایات اور اخبار بیان گذشتہ اس بات پر دال ہیں کہ نماز کے اندر اصل خشوع
اور دل کا حاضر ہونا ہے اور صرف حرکات غفلت کے ساتھ آخرت میں مفید کم پڑینگے خدا تعالیٰ ہمکو بھی اپنے لطف و احسان سے توفیق عبادت عطا فرماوے

چوتھی فصل امامت کے ذکر میں ۔ جاننا چاہیے کہ امام پر کچھ اعمال نماز سے پیشتر اور کچھ قراءت کے اندر اور کچھ ارکان نماز میں اور بعض سلام کے
بعد ہیں اسی سبب سے اس فصل کو چار قسموں میں لکھا جاتا ہے **قسم اول نماز کے پیشتر کے امور میں** نماز سے پہلے چھ کام امام پر ہیں **اول** یہ
کہ جو قوم اپنے آپ کو پسند کرے اُنکی امامت نہ کرے اور اگر بعض ناپسند کریں اور بعض پسند کریں تو اعتبار اُنکا ہوگا جو بہت ہوں لیکن جس صورت میں
کہ کمتر نیک بخت اور دیندار ہوں تو کمتر ہی کا اعتبار کرنا بہتر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کی نماز اُنکے سر کے اوپر نہیں اُٹھتی ایک غلام
بھاگا ہوا دوسرے وہ عورت کہ اُسکا خاوند اُس سے ناراض ہو تیسرے امام اُن لوگوں کا جو اُسکی امامت سے ناخوش ہوں ۔ اور جیسے آگے
بڑھنا لوگوں کی ناخوشی کے ساتھ ممنوع ہے اسی طرح اُس صورت میں بھی نہ چاہیے کہ مقتدیوں میں کوئی اُس سے زیادہ فقیہ اور قاری ہو ہاں اگر وہ
امامت نہ کرے تو آگے بڑھنا مضائقہ نہیں اور اگر ان امور میں سے کوئی نہو تو جب لوگ آگے بڑھنے کو کہیں بڑھ جاوے بشرطیکہ اپنے نفس میں
شروط امامت کی بجا آوری معلوم کرے اور اُس صورت میں مکروہ ہے کہ ایک دوسرے کو امامت کے واسطے کہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے
تکبیر ہونے کے بعد امامت کو ایک دوسرے پر ٹالا تو وہ زمین میں دھنسا دیے گئے اور صحابہ رض سے جو امامت کا ایک دوسرے پر ٹالنا مروی ہے
تو سبب اُسکا یہ تھا کہ وہ اُسکو ترجیح دیتے تھے جو امامت کے لائق رہتا تھا یا اپنے نفس پر سہو کا خوف اور لوگوں کی نماز کے تاوان کا ڈر رکھتے تھے کہ امام
مقتدیوں کی نماز کے کفیل ہوتے ہیں اور ایک وجہ یہ بھی کہ اُن لوگوں میں سے جو شخص امامت کا عادی نہ تھا اُسکا دل مقتدیوں سے شرمندگی
کی وجہ سے مشغول ہوجاتا تھا اور اخلاص نماز میں جاتا رہتا تھا خصوصاً قراءت کو پکار کے پڑھنے کی صورت میں غرض کہ اُن لوگوں میں سے جو امامت
سے گریز کرتا تھا تو اُسکا سبب اسی قسم کا ہوتا تھا **دوم** یہ کہ اگر آدمی کو اذان اور امامت میں اختیار دیا جاوے تو چاہیے کہ امامت اختیار کرے کیونکہ
ہر چند فضیلت دونوں کو ہے مگر دونوں کا اکٹھا کرنا مکروہ ہے امام اور ہی ہونا چاہیے اور موذن دوسرا اور جمع کرنا اُنکا دشوار ہے تو امامت بہتر ہے اور بعضوں نے
کہا ہے کہ اذان بہتر ہے چنانچہ اُسکی فضیلت ہم ذکر کر چکے اُنہی فضیلتوں کی وجہ سے اذان کو بہتر کہتے ہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ الامام ضامن والموذن موتمن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امامت میں ضمانت کا خطرہ ہے ۔ اور فرمایا الامام امیر فاذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا
اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر امام نماز کو پورا کریگا تو ثواب اُسکو اور مقتدیوں کو سب کو ہوگا اور اگر ناقص کریگا تو وبال اُسی پر ہوگا نہ مقتدیوں پر اور جہت سے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم ارشد الائمة واغفر للموذنین تو مغفرت کی طلب کرنی چاہیے کیونکہ رشد کی طلب بھی مغفرت ہی کے لیے ہوتی ہے
اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک مسجد میں سات برس امامت کرے اُسکے لیے جنت واجب ہے اور جو شخص چالیس برس اذان دے جنت میں بےحساب
داخل کیا جاویگا اور اسی وجہ صحابہ سے منقول ہے کہ وہ امامت کو ایک دوسرے پر ٹالا کرتے تھے ۔ اور صحیح یہ ہے کہ امامت افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض اور اُنکے بعد اور ائمہ نے اُسپر مداومت کی اور ٹھیک ہے کہ اُسمیں ضمان کا خطرہ ہے مگر فضیلت بھی خطرہ ہی کے
ساتھ ہوتی ہے جیسے رتبہ امیر اور خلیفہ ہونے کا افضل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حاکم سلطنت عادل کا ایک دن ستر برس کی
عبادت سے بہتر ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ امر خالی خطرے سے نہیں اور امامت کے افضل ہونے کی جہت سے واجب ہے کہ افضل اور افقہ تر امام ہو اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہارے امام تمہارے شفیع ہونگے یا یوں فرمایا کہ تمہاری طرف سے خدا تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں پس
اگر تم اپنی نماز کو صاف کیا چاہو تو جو تم میں بہتر ہو اُسکو آگے کیا کرو ۔ اور بعض سلف کا قول ہے کہ انبیا کے بعد علما سے افضل کوئی نہیں اور علما کے بعد
نماز پڑھانے والے اماموں سے زیادہ کوئی نہیں کیونکہ یہ تینوں فریق خدا تعالیٰ اور اُسکی خلق میں وسیلے ہیں انبیا اپنی نبوت کے باعث اور علما

عامر ۱۲ ... رشتہ آپکی راہ راست دکھا اماموں کو اور مغفرت کر اذان دینے والوں کو ۱۲ ...
حدیث معصوم الامام ضامن ...
روایت ابن عباس ...
... طبرانی ...
ابن عباس رضی اللہ عنہما ... دارقطنی و بیہقی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲

اُسکے کاٹنے کی ہوئی مگر اُسے بروایت ہوسکا کسی نے کہا کہ نماز کے اندر جو کچھ ان پر گذر جاوے اُنکو خبر نہیں ہوتی پس نماز میں وعصو جدا کیا گیا اور
بعض اکابر کا قول ہی کہ نماز آخرت میں سے ہی تو جب تم اُسمیں داخل ہوے دنیا سے باہر ہوے۔ اور کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ نماز کے اندر تمہارا
دل کوئی بات دنیا کی بھی کرتا ہی یا نہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ نہ نماز میں کرتا ہی نہ غیر نماز میں۔ اور بعض اکابر سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نماز میں
کسی چیز کو یاد کرتے ہیں اُنھوں نے کہا کہ بھلا نماز سے بہتر میرے نزدیک کوئی چیز ہی کہ میں اُسکو نماز میں یاد کروں اور حضرت ابو درداء رض فرمایا کرتے
کہ آدمی کی سمجھ میں سے ہی یہ بات کہ نماز میں داخل ہونے سے پیشتر اپنی حاجت کرلے تاکہ نماز میں فارغ دل ہوکر داخل ہو۔ اور بعض اکابر وسواس کے
ڈر کے مارے نماز میں تخفیف کیا کرتے یعنی جلد پڑھ لیتے۔ اور مروی ہی کہ عمار بن یاسر نے ایک نماز پڑھی اور تخفیف کے ساتھ ادا کی کسی نے اُنسے
کہا کہ آپ نے تخفیف کی فرمایا کہ تمنے دیکھا میں نے نماز کی حدوں میں سے تو کچھ نہیں کم کیا لوگوں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ میں نے شیطان کے سہو کی
جلدی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ بندہ نماز پڑھتا ہی اور اُسمیں سے اُسکے لیے نہ آدھی لکھی جاتی ہی نہ تہائی نہ چوتھائی نہ پانچواں
حصہ نہ چھٹا نہ دسواں اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کے لیے اُسکی نماز میں سے اُتنی قدر لکھا جاتا ہی جسقدر کو وہ سمجھتا ہی اور مروی ہی کہ حضرت طلحہ رض
اور زبیر رض اور کچھ دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم سب لوگوں سے زیادہ مختصر نماز پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسقدر سے ہم شیطان کے وسوسے
کے آگے نکل جاتے ہیں۔ اور مروی ہی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سر منبر فرمایا کہ آدمی کے دونوں رخسارے اسلام میں سفید ہوجاتے ہیں حالانکہ خدا تعالی
کے لیے ایک نماز بھی پوری نہیں پڑھی لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے آپ نے فرمایا کہ نماز کے خشوع اور تواضع کو تمام نہیں کرتا اور اللہ تعالی کی طرف
خوب متوجہ نہیں ہوتا اسلیے کہ کوئی نماز پوری نہوئی۔ اور ابو العالیہ رح سے کسی نے الذین ہم عن صلوتہم ساہون کا حال پوچھا فرمایا کہ وہ لوگ
مراد ہیں کہ اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ کتنی رکعتوں کے بعد فارغ ہوگئے جفت کے یا طاق کے۔ اور حسن بصری رحمہ اللہ نے
فرمایا کہ اس سے وہ شخص مراد ہی کہ نماز کے وقت کو بھولا رہے یہانتک کہ وہ گذر بھی جاوے۔ اور بعضوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ شخص ہی کہ اگر
نماز اول وقت میں پڑھی تو خوش نہوا اور اگر وقت اول سے تاخیر کردی تو غم نہ کیا یعنی نہ اول وقت پڑھنے کو ثواب جانے نہ تاخیر کو گناہ۔ اور
جاننا چاہیے کہ کبھی نماز کا بعض حصہ شمار میں آتا ہی اور لکھا جاتا ہی اور بعض داخل نماز اور کتاب میں نہیں ہوتا چنانچہ اس بات پر اخبار دلالت کرتے ہیں
اگرچہ فقہ والے یہی کہتے ہیں کہ صحت کے باب میں نماز کے اجزا نہیں ہوتے مگر اُسکا صاحب اجزا ہونا ایک اور جہت سے ہی جو اوپر ہمنے لکھی ہی
اور یہ بات حدیثوں سے بھی معلوم ہوتی ہی مثلاً فرضوں کے نقصان کا جبر نفلوں سے ہونا وارد ہی حضرت عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی
فرماتا ہی کہ فرائض کے سبب سے بندہ مجھسے نجات پاگیا اور نوافل سے میری طرف نزدیک ہوگیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ
اللہ تعالی فرماتا ہی کہ میرا بندہ مجھسے نجات نہ پاویگا مگر بصورت ادا کرنے اُن امور کے جو میں نے اُسپر فرض کیے ہیں۔ اور مروی ہی کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھی اور اُسکی قرارت میں ایک آیت چھوڑ دی جب آپ نماز سے فارغ ہوے پوچھا کہ میں نے کیا پڑھا سب لوگ
خاموش رہے حضرت ابی بن کعب رض سے پوچھا اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ نے فلاں سورت پڑھی اور اُسمیں فلاں آیت نہیں پڑھی ہمکو
معلوم نہیں کہ وہ منسوخ ہوگئی یا اُٹھائی گئی آپ نے فرمایا کہ ابی تو اسکے لیے ہی پھر اوروں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہی کہ
اپنی نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور صفوں کو پوری کرتے ہیں اور انکا نبی سامنے ہوتا ہی اُنکو خبر نہیں کہ اُسکے رب کی کتاب میں سے اُسپر کیا پڑھتا ہی
سن لو کہ بنی اسرائیل نے ایسا ہی کیا تھا اللہ تعالی نے اُنکے نبی پر وحی بھیجی اپنی قوم سے کہدو کہ تم اپنے بدن میرے سامنے کرتے ہو
اور اپنے الفاظ مجکو دیتے ہو اور دلوں سے مجھسے غائب ہوتے ہو جس بات کیطرف تم مائل ہو وہ باطل ہی۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ امام کی
قرارت سننی اور سمجھنی اپنے آپ سورہ پڑھنے کے قائم مقام ہی۔ اور بعض اکابر نے کہا ہی کہ آدمی سجدہ کرتا ہی اور اپنے عندیہ میں سمجھتا ہی کہ اللہ تعالی
کا تقرب حاصل کرتا ہی حالانکہ اگر اُسکی سجدہ کی حالت کے اُسکے گناہ سارے شہر پر بانٹ دیے جاویں تو سب لوگ ہلاک ہوجاویں لوگوں نے کہا کیسے

اور شخصوں کو ایک دوسرے کے شخصوں سے ملا رکھتے تھے اور اللہ اکبر نہ کہے جب تک کہ موذن تکبیر سے فارغ ہو لے اور موذن اذان کے بعد تکبیر کے لیے اتنا ٹھہرے کہ لوگ نماز کی طیاری اُسوقت میں کر سکیں چنانچہ حدیث میں آیا ہو کہ موذن اذان اور تکبیر کے درمیان اتنا ٹھہرے کہ کھانے والا اپنے کھانے سے فارغ ہو جاوے اور بول و براز والا اپنی حاجت سے اور اُسکی وجہ یہ ہو کہ آپ نے بول و براز روکنے کی صورت میں نماز سے منع فرمایا ہو اور طعام شب کو عشا سے پہلے کھا لینے کو ارشاد کیا تاکہ دل فارغ ہو جاوے **ششم** یہ کہ تکبیر تحریمہ اور تمام تکبیروں کو پکار کر کہے اور مقتدی ایسی آواز اتنی ہی نکالے کہ اپنے آپ سُن سکے اور ایسی تکبیر امام کی تکبیر سے پیچھے کہے یعنی جب وہ اللہ اکبر کہہ لے تو آپ شروع کرے اور اکیلا پڑھنے والا امامت کی نیت کرکے کھڑا ہو تاکہ ثواب ملے اور اگر نیت امامت کی نہ کی اور لوگوں نے اُسکی اقتدا کی نیت کر لی تو نماز اُسکی اور لوگوں کی درست ہوگی اور مقتدیوں کو جماعت کا ثواب بھی ملیگا مگر اُسکو امامت کا ثواب نہ ملیگا **قسم دوم** قرارت کے اعمال کے ذکر میں قرارت میں امام کو تین امور ملحوظ رہیں **اوّل** یہ کہ شروع کی دعا اور اعوذ اکیلے شخص کی طرح آہستہ پڑھے اور الحمد اور سورت کو فجر کی تمام نماز میں اور مغرب اور عشا کی دو پہلی رکعتوں میں پکار کر پڑھے اسی طرح اکیلا پڑھے اور جہری نماز میں آمین پکار کر کہے اور مقتدی بھی آمین پکار کر کہے اور ایسی آمین امام کی آمین کے ساتھ ہی کہے اُس سے پیچھے نہ کہے اور بسم اللہ کو آواز سے پڑھے اس باب میں حدیثیں دونوں صورت سے آئی ہیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے جہر بسم اللہ کو اختیار فرمایا ہو **دوسرے** یہ کہ قیام کی حالت میں امام تین توقف کرے سمرہ بن جندب اور عمران بن حصین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہو **اوّل** سکتہ اللہ اکبر کہنے کے بعد سکتہ سب میں بڑا ہو اسقدر کہ مقتدی اُسمیں الحمد پڑھ لیں اور یہ سکتہ اُسوقت کرے جب شروع کی دعا پڑھ چکے وقت ہی اسلیے کہ اگر سکتہ نہ کریگا تو مقتدیوں کو سننا قرآن کا فوت ہو جاویگا تو جسقدر اُنکی نماز میں نقصان ہوگا اُسکا وبال امام کے ذمہ ہوگا اور اگر امام سکتہ کرے اور مقتدی اُسمیں الحمد نہ پڑھیں اور کسی چیز میں مشغول ہوں تو یہ قصور اُنکے ذمہ رہیگا امام پر نہ **دوسرا** سکتہ الحمد سے فارغ ہونے کے بعد کرے تاکہ مقتدیوں کو اگر الحمد رہ گئی ہو تو اس سکتہ میں پوری کر لیں اور یہ سکتہ پہلے سکتہ سے آدھا کرے **تیسرا** سکتہ سورت پڑھنے کے بعد رکوع سے پہلے ہی یہ سب سے تھوڑا ہو اتنا ہو کہ قرارت رکوع کی تکبیر سے علیحدہ ہو جاوے کہ قرارت کو تکبیر میں ملانے سے نہی وارد ہی اور مقتدی امام کے پیچھے بجز الحمد کے اور کچھ نہ پڑھیں پس اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی اُسکے ساتھ ساتھ الحمد پڑھتا جاوے اسمیں قصور کرنے والا امام ہوگا کہ مہلت نہ دی اور اگر جہری نماز میں مقتدی فاصلہ کی وجہ سے امام کی آواز نہ سُنے یا ایسی نماز ہو جسمیں قرارت آہستہ پڑھی جاتی ہی تو مقتدی کو سورت پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں **تیسرے** یہ کہ صبح میں دو سورتیں مثانی میں سے پڑھے جنمیں سو آیتوں سے کم ہوں کیونکہ فجر کی نماز میں قرارت کو بڑھانا اور اندھیرے میں پڑھنا سنت ہی اور اگر پڑھتے پڑھتے اُجالا ہو جاوے تو کچھ ضرر نہیں ۔ اور دوسری رکعت میں اگر سورتوں کا آخر مقدار تیس یا بیس آیتوں کے پڑھے یہانتک کہ سورت ختم ہو جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ سورتوں کا آخر اکثر کانوں میں مکرر نہیں پڑتا تو اُسکا پڑھنا وعظ کی وجہ سے اچھا ہوگا اور زیادہ تر فکر کا موجب ہوگا اور بعض علمانے جو کراہت ایک حصہ کے پڑھنے کی لکھی ہو تو وہ یہ صورت ہو کہ کسی سورت کا اول پڑھکر چھوڑ دے حالانکہ حدیث میں یہ صورت بھی آئی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر سورۂ یونس پڑھی اور جب موسی علیہ السلام اور فرعون کا ذکر آیا تو رکوع کر دیا اور ایک روایت میں آیا ہو کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ کی ایک آیت قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الآیہ کو ایک رکعت میں اور دوسری میں ربنا آمنا بما انزلت الآیہ پڑھی اور بلال رضی اللہ عنہ کو سنا کہ کہیں کہیں سے پڑھتے ہیں اُنسے اُسکی وجہ پوچھی عرض کیا کہ میں عمدہ کو عمدہ سے ملاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ خوب کیا ۔ اور ظہر میں طوال مفصل تیس آیتوں تک اور عصر میں اُسکا نصف اور مغرب میں مفصل کی آخر کی آیتیں یا آخر سورتیں پڑھے اور آخر نماز مغرب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اُسمیں سورۂ مرسلات پڑھی تھی اور پھر وفات شریف تک نماز نہیں پڑھی ۔ حاصل یہ کہ مختصر پڑھنا بہتر ہو خصوصاً اس صورت میں کہ جماعت بہت ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ارشاد فرمایا ہو کہ جب تم میں کوئی لوگوں کو نماز پڑھاوے تو قرارت مختصر کرے کہ اُنمیں کمزور اور بوڑھے اور کام والے ہوتے ہیں اور جب اپنے آپ پڑھے [illegible] ۔ اور حضرت معاذ بن جبل ایک قوم کو عشا پڑھایا کرتے تھے اُسمیں سورۂ بقرہ پڑھی ایک آدمی نماز سے نکل گیا اور علیحدہ نماز

قرارت کا سکتہ ۱۲
ق احمد روایت سمرہ بن جندب کی اس حدیث میں دو سکتوں کا ذکر ہے ۱۲
ق مسلم روایت عبداللہ بن السائب
ق مسلم روایت ابن عباس رض ۱۲
ق ابوداؤد روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
ق بخاری و مسلم روایت ام فضل ۱۲
ق بخاری و مسلم روایت ابوہریرہ ۱۲

کیونکہ یہ دعا نہیں ہے صرف تعریف ہے تو امام کے ساتھ خود بھی وہی کلمات کہتا جاوے یا کہے بلیٰ وانا علیٰ ذٰلک من الشاہدین یا کہے صدقت وبررت
یا اور اسی جیسے کلمات کہے اور قنوت میں رفع یدین کرے کیونکہ ایک حدیث مروی ہے اور حدیث صحیح ہوگئی تو رفع یدین کرنا مستحب ہے اگرچہ آخر
تشہد کی دعا کے خلاف ہے کہ اس دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے بلکہ رکھے رہتے ہیں برخلاف ہے اور ان دونوں میں ایک فرق بھی ہے وہ یہ ہے کہ تشہد میں ہاتھوں کے
لیے ایک ادب معمولی ہے کہ ایک ہیئت خاص پر رانوں پر رکھے اور پر رکھا لیا جاوے اور قنوت میں انکے واسطے کوئی وظیفہ نہیں تو کچھ بعید نہیں کہ قنوت میں انکا
وظیفہ رفع یدین ہی ہو کہ ہاتھوں کا اٹھانا دعا کے لیے مناسب ہے واللہ اعلم بالصواب آداب صلوٰۃ کے جو بیان ہوئے اللہ تعالیٰ انکی بجاآوری کی توفیق عنایت فرماوے

پانچوین فصل جمعہ کی فضیلت اور آداب وسنت اور شرطوں کے بیان میں اور اسمیں پانچ بیان ہیں **بیان اول** جمعہ کی فضیلت مین — جاننا چاہیے کہ جمعہ کا روز
ایک روز عظیم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عظمت دی اور مسلمانوں کو خاص فرمایا چنانچہ ارشاد ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ
ذکر اللہ وذروا البیع اس آیت میں امور دنیا میں مشغول ہونے کو اور ان امور کو جو جمعہ میں جانے سے مانع ہوں حرام فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ان اللہ عزوجل فرض علیکم الجمعۃ فی یومی ہذا فی مقامی ہذا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا من ترک الجمعۃ ثلاثا من غیر عذر طبع اللہ علی قلبہ اور دوسری روایت میں
یون ہے کہ جو کوئی بلا عذر تین جمعہ چھوڑ دیوے تو اسنے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ اور ایک شخص حضرت ابن عباس رضہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک
شخص کا حال پوچھا کہ وہ مر گیا ہے اور جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا تھا آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے وہ شخص ایک مہینے تک برابر آپ کے پاس آکر یہی
پوچھا کیا اور آپ کہتے رہے کہ وہ دوزخ میں ہے اور حدیث میں ہے کہ یہود ونصاریٰ کو جمعہ کا روز دیا گیا انھوں نے اسمیں اختلاف کیا اسلیے انکو اس سے پھیر دیا گیا
اور ہمکو حق تعالیٰ نے اسکی ہدایت کر دی اور اس امت کے واسطے اسکو پیچھے ظاہر کیا اور اسکو انکی عید بنایا پس اس امت کے لوگ جمعہ کو پانے میں سب سے
اول ہیں اور یہود ونصاریٰ انکے تابع ہیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل
علیہ السلام آئے اور انکے ہاتھ میں ایک آئینہ روشن تھا کہا کہ یہ جمعہ ہے اللہ تعالیٰ اسکو آپ پر پیش کرتا ہے کہ آپ کے لیے اور آپ کے بعد آپ کی امت کے واسطے
عید ہو میں نے پوچھا کہ ہمکو جمعہ میں کیا فائدہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے لیے یہ ہے کہ اسمیں ایک ساعت بہت بہتر ہے جو کوئی اسمیں اپنی
بہتری کی دعا مانگے اور اسکے نصیب میں ہو تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ عنایت فرماتا ہے اور اگر اسکے نصیب میں نہ ہو تو اسکی نسبت کہیں زیادہ اسکے لیے ذخیرہ
فرما دیتا ہے یا کوئی اسمیں بدی سے پناہ مانگے اور وہ اس شخص پر لکھی گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اس بدی کی نسبت بڑی بدی سے بھی اسکو بچا دیگا اور
ہمارے نزدیک یہ روز دنوں کا سردار ہے اور ہم اسکو آخرت میں زیادتی کا دن کہینگے میں نے پوچھا یوم المزید کہنے کی کیا وجہ ہے حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپکے
پروردگار نے جنت میں ایک وادی مقرر کیا ہے سفید رنگ اور مشک سے زیادہ خوشبودار جب جمعہ کا روز ہوگا علیین سے اپنی کرسی پر نزول اجلال فرماویگا اور لوگوں کے
لیے تجلی فرماویگا تاکہ اسکے وجہ کریم کو دیکھیں۔ اور ایک حدیث میں فرمایا کہ بہتر دن جسپر کہ سورج نکلا جمعہ کا روز ہے کہ اسمیں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی میں
جنت میں داخل کیے گئے اور اسی میں زمین پر اتارے گئے اور اسی میں انکی توبہ قبول ہوئی اور اسی میں انکی وفات ہوئی اور اسی میں قیامت قائم ہوگی
اور وہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یوم المزید ہے آسمان میں فرشتے اسکو یہی کہتے ہیں اور یہی روز ہے کہ اسمیں جنت کے اندر دیدار الٰہی ہوگا۔ اور حدیث میں ہے
کہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کے روز چھ لاکھ بندے دوزخ سے آزاد فرماتا ہے۔ اور حضرت انس رضہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب
جمعہ سلامت رہتا ہے تو اور دن بھی سلامت رہتے ہیں۔ اور فرمایا کہ دوزخ ہر روز زوال سے پیشتر جب آفتاب آسمان کے بیچ میں ہوتا ہے جھونکی جاتی ہے
تو اسوقت نماز مت پڑھو مگر جمعہ کے روز کہ وہ سب نماز کا وقت ہے اسمیں دوزخ نہیں جھونکی جاتی۔ اور حضرت کعب رضہ فرماتے ہین کہ اللہ تعالیٰ نے شہرون
میں سے مکہ معظمہ کو فضیلت دی ہے اور مہینوں میں سے رمضان کو اور دنوں میں سے جمعہ کو اور راتون مین سے شب قدر کو۔ اور کہتے ہیں کہ پرندے اور
موذی کیڑے جمعہ کو آپس میں ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلام سلام اچھا دن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز مرے اللہ تعالیٰ
اسکو شہید کا ثواب لکھتا ہے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے **دوسرا بیان** جمعہ کی شرطوں کے بیان مین واضح ہو کہ جمعہ شرطون کے باب میں سب

پڑھی لوگوں نے کہا کہ یہ شخص منافق ہو گیا اُس نے رنج سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی آپ نے حضرت معاذ رض کو جھڑکا اور فرمایا
لوگوں کو مصیبت میں ڈالتے ہو اور دین سے نکالا چاہتے ہو سبح اسم ربک الاعلیٰ اور والسماء والطارق اور والشمس وضحٰہا پڑھا کرو **قسم سوم** ارکان
کے اعمال کے بیان میں اور وہ تین ہیں **اول** یہ کہ رکوع اور سجدہ ہلکا کرے اور انکی تسبیحات تین سے زیادہ نہ کہے چنانچہ حضرت انس رض سے مروی ہے کہ میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ اور کسی کی نماز نہیں دیکھی کہ ہلکی بھی ہو اور ارکان سب پورے ہوں ہاں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رض
نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کے پیچھے نماز پڑھی اور اسوقت میں وہ مدینہ منورہ کے حاکم تھے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس جوان کی نماز سے زیادہ
کسی کی نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ نہیں پایا راوی کہتا ہے کہ ہم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے دس دس بار تسبیح کہا کرتے تھے
اور ایک روایت مجمل طور پر آئی ہے کہ صحابہ نے فرمایا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رکوع اور سجدہ میں دس دس بار تسبیح کہا کرتے تھے
اور یہ صورت اچھی ہے مگر جب جماعت بہت ہو تو تین بار کہنا بہت بہتر ہے لیکن اگر جماعت میں صرف دیندار رہتے ہی ہوں تو دس کا بھی مضائقہ نہیں ان
روایات میں جمع کرنے کی یہ صورت ہے اور امام کو چاہیے کہ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاوے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے **دوسرے** یہ کہ مقتدی کو امام پر
سبقت کرنی نہ چاہیے بلکہ رکوع اور سجدہ میں اس سے پیچھے جاوے اور جبتک کہ امام کا سر زمین پر نہ پہنچ جاوے تب تک سجدہ کے لیے نہ جھکے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا اصحاب رض اسی طرح کرتے تھے اور رکوع کے لیے نہ جھکے جب تک امام رکوع میں اچھی طرح نہ آجاوے۔ اور بعض کا قول ہے
کہ آدمی تین قسم پر نماز سے فارغ ہوتے ہیں ایک تو پچیس نمازوں کا ثواب لیکر نکلتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ تکبیر اور رکوع امام کے بعد کرتے ہیں اور کچھ لوگ ایک ہی
نماز کا ثواب پاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ امام کے ساتھ ساتھ اعمال کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں کہ انھیں نماز کچھ نہیں ملتی یہ وہ ہیں کہ امام سے آگے عمل کرتے ہیں
اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص جماعت میں پیچھے آیا جسوقت کہ امام رکوع میں ہے تو امام کو رکوع بڑھا دینا چاہیے تاکہ وہ شخص بھی جماعت کے ثواب میں شریک
ہو جاوے اور یہ رکعت مل جاوے اور غالباً نیت اگر درست ہو تو اس امر میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ بہت سا عرصہ نہ ہو کہ سب مقتدی گھبرا جاویں کیونکہ رکوع
بڑھانے میں حاضرین کے حق کی رعایت ضروری ہے تو اسیقدر بڑھاوے جو انپر ناگوار نہ گذرے **تیسرے** یہ کہ دعائے تشہد اتنی نہ بڑھاوے کہ خود تشہد سے
بڑھ جاوے تاکہ بہت طول نہ ہو جاوے اور دعا میں اپنے نفس کو خاص نہ کرے بلکہ جمع کا صیغہ کہے یعنی اللّٰہم اغفرلنا کی جگہ لی نہ کہے کیونکہ امام کو اپنے نفس کا
خاص کرنا مکروہ ہے اور تشہد میں ان پانچوں کلمات سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہیں پناہ مانگنے کا مضائقہ نہیں تو یوں کہے کہ نعوذ بک من
عذاب جہنم وعذاب القبر ونعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات ومن فتنۃ المسیح الدجال واذا اردت بقوم فتنۃ فاقبضنا الیک غیر مفتونین اور بعضوں نے کہا ہے
کہ دجال کا نام مسیح اسلیے ہوا کہ وہ زمین کو طول میں ناپیگا اس صورت میں مسیح مساحت سے نکلا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مسیح مسح سے ہے یعنی پونچھنے
اور مٹانے کے اور چونکہ اسکی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہوگی اس جہت سے مسیح کہلایا **قسم چہارم** اعمال سلام پھیرنے کے وقت کے اور وہ بھی تین ہیں
اول یہ کہ دونوں سلاموں سے نیت کرے کہ قوم پر اور فرشتوں پر سلام کرتا ہوں **دوسرے** یہ کہ دونوں کے بعد اس جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اور نفل
دوسری جگہ پڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض نے ایسا ہی کیا ہے اور اگر اسکے پیچھے عورتیں ہوں تو کھڑا نہ ہو جبتک کہ
عورتیں نہ چلی جاویں۔ اور حدیث مشہور میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد صرف اس قدر بیٹھتے تھے کہ یہ کلمات کہہ لیتے اللّٰہم انت السلام
ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام **تیسرے** یہ کہ سلام کے بعد پھر کر اپنا منہ لوگوں کی طرف کرلے اور امام جبتک پھر نہ بیٹھے مقتدی کو کھڑا ہونا
مکروہ ہے چنانچہ مروی ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر رض نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی تو دونوں صاحبوں نے امام سے کہا کہ تمہاری نماز بہت [illegible]
ایک بات رہ گئی کہ تم نے جب سلام پھیرا تو مقتدیوں کی طرف کو پھر کر نہ بیٹھے پھر لوگوں سے فرمایا کہ تمہاری نماز بہت بہتر ہے مگر [illegible]
[illegible] ہو جاوے اور [illegible] طرف [illegible] سب نمازوں کے [illegible]
[illegible] اللّٰہم اہدنا [illegible] آمین کہے اور جب امام [illegible] انک تقضی ولا یقضی علیک [illegible]

نمازوں کا شریک ہے یعنی جو اوروں میں شرطیں ہیں وہ جمعہ میں بھی ہیں مگر جمعہ میں شرطیں ایسی ہیں کہ وہ جمعہ میں ہیں اوروں میں نہیں پہلی شرط وقت ظہر ہے پس اگر امام کا سلام
عصر کے وقت میں جا پڑیگا تو جمعہ جاتا رہیگا امام کو لازم ہے کہ دو رکعتیں اور پڑھ کر ظہر پوری کر دے اور مسبوق کی اگر رکعت باقی ظہر کے وقت میں نہ ہوگی تو اُسے بھی چاہئے
ہے کہ ظہر پوری کرے دوسری شرط مکان ہے کہ جمعہ جنگلوں اور ویرانوں اور خیموں میں نہیں ہوتا بلکہ اسکے لیے ایک ایسی جگہ ضرور ہے جس میں عمارت غیر منقول ہو
اور چالیس آدمی اُن لوگوں میں سے جمع ہو جاویں جنکے ذمہ پر جمعہ لازم ہے اور گانوں کا حال اس باب میں مثل شہر کے ہے اور جمعہ کے واسطے بادشاہ کا حکم
ہونا شرط نہیں اور نہ اسکے ادا کرنے کی شرط ہے مگر اس سے پوچھ لینا مستحب ہے تیسری شرط تمام ہے کہ چالیس مرد آزاد بالغ عاقل مقیم سے کم ہوں اور مقیم بھی ایسے جو
کہ اس شہر سے جاڑے گرمی میں باہر سفر نہ کر جاتے ہوں پس اگر خطبہ میں یا نماز میں چالیس سے کم ہو جاویں تو جمعہ درست نہوگا بلکہ یہ چالیس کی شمار اول سے آخر تک
ہونی شرط ہے چوتھی شرط جماعت ہے کہ اگر چالیس آدمی کسی گانو یا شہر میں متفرق پڑھ لینگے تو انکا جمعہ درست نہوگا لیکن جو ایک رکعت کے بعد آکر ملا ہو تو اسکو البتہ
دوسری رکعت اکیلے پڑھنی درست ہے اور اگر دوسری رکعت کا رکوع نہ ملے تو اقتدا میں نیت ظہر کی کرکے ملجاوے اور امام کے سلام کے بعد ظہر پوری کرے
پانچویں شرط یہ ہے کہ اسی شہر میں اور جمعہ اُس سے پہلے نہوا ہو لیکن جس صورت میں کہ سب لوگوں کا جمع ہونا مسجد جامع میں دشوار ہو تو دو مسجدوں خواہ تین
یا چار میں بقدر حاجت جائز ہے اور اگر بے ضرورت دوسری مسجد کی ہو تو جمعہ وہی درست ہوگا جسکی تکبیر سب سے پیشتر ہوئی ہوگی اور حاجت کی صورت میں اگر
کئی جگہ جمعہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ اماموں میں سے جو بہتر ہو اسکے پیچھے نماز پڑھے اور اگر امام فضیلت میں برابر ہوں تو جو مسجد پہلے کی ہو اُسمیں پڑھے اور اگر وہ بھی برابر ہوں
تو جو قریب تر ہو اُسمیں پڑھے اور آدمیوں کی کثرت بھی قابل لحاظ ہے چھٹی شرط دو خطبے ہیں یہ دونوں فرض ہیں اور انمیں قیام فرض ہے اور دونوں کے بیچ میں
بیٹھنا فرض ہے پہلے خطبے میں چار چیزیں فرض ہیں اول تحمید اور ادنی یہ ہے کہ الحمد للہ کہے دوم درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سوم اللہ تعالی سے ڈرنے کی
نصیحت کرنی چہارم قرآن مجید میں سے ایک آیت کا پڑھنا اسی طرح دوسرے خطبہ میں چاروں باتیں فرض ہیں مگر اُسمیں آیت کی جگہ دعا مانگنی واجب ہے
اور دونوں خطبوں کا سننا واجب ہے چالیسوں آدمیوں پس اور انمیں جمعہ کی یہ ہیں کہ جب دوپہر ڈھل جاوے اور موذن اذان دے چکے اور امام منبر پر بیٹھے
تو نماز کوئی نہیں چاہیے مگر تحیۃ المسجد کے اور گفتگو اُس وقت موقوف ہوتی ہے کہ خطبہ شروع ہو جاوے۔ اور خطیب منبر پر چڑھ کر جب لوگوں کیطرف منہ کرے
تو انکو السلام علیکم کہے اور وہ لوگ اسکا جواب دیویں اور جب موذن اذان سے فارغ ہوچکے تو خطیب لوگوں کیطرف منہ کرکے کھڑا ہو اور داہنے بائین
متوجہ نہو اور اپنے دونوں ہاتھ تلوار کے قبضے پر رکھ لے یا عصا پر رکھ لے تاکہ ہاتھوں سے کوئی لغو کام نہ کرے یا ایک ہاتھ کو دوسرے پر
رکھ لے اور دو خطبے پڑھے جن دونوں کے درمیان تھوڑا سا جلسہ ہو اور خطبوں میں اجنبی لغت استعمال نہ کرے اور نہ بہت لمبا کرے اور نہ گاوے
بلکہ خطبہ مختصر بلیغ سب مضامین کا جامع ہو اور مستحب ہے کہ دوسرے خطبے میں بھی آیت پڑھے اور جب امام خطبہ پڑھتا ہو اور کوئی شخص مسجد میں آوے تو
سلام نہ کرے اور اگر سلام کرے تو جواب کا مستحق نہیں بلکہ اشارہ سے جواب دینا اچھا ہے اور چھینکنے والے کا جواب بھی دینا چاہیے۔ یہ شرطین
جمعہ کی صحت کی تھیں وجوب کی شرطیں یہ ہیں کہ جمعہ اُسی شخص پر واجب ہے جو مرد بالغ عاقل مسلمان آزاد ایسی بستی میں ٹھہرا ہو جسمین اس صفت کے چالیس
آدمی ہوں یا شہر کے نواح میں کسی ایسے گانوں میں مقیم ہو کہ اگر کوئی بلند آواز آدمی شہر کے اُس کنارے سے جو اُس گانوں کے متصل ہے اذان
دے اور غل بھی موقوف ہو تو اُس گانوں میں آواز پہونچ جاوے پس اس گانوں والے پر جمعہ واجب ہوگا اس آیت کی رو سے یا ایہا الذین
آمنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع اور جن پر جمعہ واجب ہے انکو مینھ اور کیچڑ اور خوف اور بیماری اور بیمار کی خبرگیری کے عذر سے
بشرطیکہ اور کوئی خبرگیران بیمار کا نہو جمعہ کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس صورت میں عذر والوں کو مستحب ہے کہ ظہر کی نماز میں تاخیر کریں یہانتک
کہ لوگ جمعہ سے فارغ ہو جاویں۔ اور اگر جمعہ میں ایسا شخص حاضر ہو جسپر جمعہ واجب نہیں مثلاً مریض یا مسافر یا غلام یا عورت تو انکا جمعہ درست ہوگا
اور ظہر کی نماز سے کافی ہوگا ظہر کی ضرورت نہ رہیگی تیسرا بیان جمعہ کے آداب میں عادت کی ترتیب کے طور پر اور وہ دس باتیں ہیں اول یہ
کہ پنجشنبہ کے روز جمعہ کے قصد سے اور اسکے فضل کے استقبال کی نیت سے مستعد ہو یعنی جمعرات کی عصر کے بعد دعا اور استغفار اور تسبیح میں مشغول ہو

اور اُسکے سامنے کو گذرنے اور بہت پہلے سے جانے میں اِن دونوں باتوں کی دقت ہوگی لوگوں کی گردنیں پھاندنے میں سخت وعید وارد ہے کہ
قیامت کے روز اُسکو پل کردیا جاویگا کہ لوگ اُسپر کو اُتریں۔ اور ابن جریج سے مرسل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ پڑھتے تھے کہ اس
اثنا میں دیکھا کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنوں کو پھاندتا ہوا یہاں تک کہ آگے بڑھکر بیٹھ گیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھلی تو اُس شخص کے
سامنے جاکر ملاقات کی اور فرمایا کہ تجھکو کیا ہوا کہ آج ہمارے ساتھ جمعہ میں شریک ہوا اُسنے عرض کیا کہ حضور میں تو جمعہ میں حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا کہ
میں نے تجھکو لوگوں کی گردنیں پھاندتے دیکھا تھا۔ اِس حدیث سے یہ اشارہ فرمایا کہ اُسکا عمل بیکار ہوگیا اور ایک حدیث مسند میں اس طرح آئی ہے کہ آپ نے اُس
شخص کو یوں فرمایا کہ کیا چیز تجھکو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے مانع ہوئی اُسنے عرض کیا کہ کیا حضور نے مجھے دیکھا نہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے
دیکھا کہ تو دیر کر آیا اور لوگوں کو دکھ دیا۔ ہاں جسوقت کہ صف اول چھٹی ہوئی اور خالی ہو تو اُسوقت لوگوں کے اوپر سے جانے کا مضائقہ نہیں کہ انھوں نے
اپنا حق تلف کیا اور فضیلت کی جگہ کو چھوڑ دیا حضرت حسن نے فرمایا ہے کہ جو لوگ جمعہ کے روز مسجد جامع کے دروازوں پر ہی بیٹھ جاتے ہیں اُنکی گردنیں
پھاندو کہ اُنکی کچھ حرمت نہیں۔ اور جب مسجد میں سب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو سلام نہ کرے اسلیے کہ بے محل جواب دینے کی تکلیف اُن لوگوں پر ہوگی چھٹی
یہ کہ لوگوں کے سامنے کو نہ گذرے اور جو ستون یا دیوار کے قریب بیٹھے تاکہ کوئی آگے سے نہ نکلے یعنی نماز پڑھنے کی حالت میں ہر چند نمازی کے آگے گذرنے سے
اُسکی نماز نہیں جاتی مگر اُسکے سامنے سے گذرنے کے لیے نہی وارد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو چالیس برس کھڑا رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ
نمازی کے سامنے کو گذرے اور فرمایا کہ اگر آدمی راکھ اور خاک ہوجاوے کہ اُسکو ہوائیں اُڑادیں تو اُسکے حق میں اسبات سے بہتر ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرے ۔۔۔
اور ایک دوسری حدیث میں نمازی کو اور گذرنے والے کو برابر فرمایا بشرطیکہ نمازی رستے پر نماز پڑھے یا سامنے سے لوگوں کو ہٹانے میں کوتاہی کرے چنانچہ
ارشاد فرمایا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا اور نمازی اس بات کو جانیں کہ اُن پر کیا گناہ ہوتا ہے تو چالیس برس تک ٹھہرا رہنا اُسکے لیے بہتر ہو سامنے
سے گذرنے سے اور ستون اور دیوار اور بچھا ہوا مصلے نمازی کی حد ہے جو اُسکے اندر ہوکر گذرے تو نمازی کو چاہیے کہ اُسکو ہٹاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا لیدفعہ فان ابی فلیدفعہ فان ابی فلیقاتلہ فانہ شیطان اور حضرت ابوسعید خدری رض کے سامنے ہو کر جو کوئی گذرتا تھا تو ایسا دھکا دیتے تھے
کہ گر جاتا تھا اور اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اُنسے لپٹ جاتا اور اُنکی زیادتی کی شکایت مروان سے کرتا وہ کہدیتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو ایسا کرنے کو حکم
فرمایا ہے پس اگر ستون نہ پاوے تو چاہیے کہ اپنے سامنے کوئی چیز ایسی کھڑی کرلے جسکا طول ایک ہاتھ ہو تاکہ اُسکی حد کی پہچان ہوجاوے ساتویں یہ کہ
صف اول کی طلب کرے کہ اُسکا ثواب بہت ہے جیسا کہ ہمکو روایت پہونچی ہے کہ جو شخص اپنے اہل کو نہلاوے اور خود نہاوے اور صبح سے جاوے اور صف اول
خطبے کو پاوے اور امام سے قریب ہو کر خطبہ اور قرأت سنے تو یہ باتیں اُسکے لیے دونوں جمعوں کے اندر کے دنوں مع تین دن زیادہ کے کفارہ ہوجاوینگی
اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالی اُسکو ایک جمعہ سے دوسرے تک مغفرت فرمادیگا اور بعض روایتوں میں یہ بھی قید ہے کہ لوگوں کی گردنوں
کو نہ پھلانگے اور صف اول کی طلب سے غفلت نہ کرے مگر تین صورتوں میں اول یہ کہ خطیب کے پاس کوئی ایسی بُری بات ہو کہ یہ شخص اُسکے بدلنے سے
عاجز ہو مثلاً امام یا کوئی دوسرا شخص ریشمی کپڑا پہنے ہو یا بڑے بھاری ہتھیار باندھکر نماز کو آیا ہو کہ جس سے دھیان بٹے یا سنہرے ہتھیار ہوں یا کوئی اور ایسی
قسم کی چیز ہو کہ اُسکا انکار اُس شخص پر واجب ہو تو اس صورت میں صف اول سے پیچھے رہنا اچھا ہے اور فکر میں پریشانی نہیں آنے دیتا بعض علما نے
سلامتی کی طلب کے لیے ایسا کیا ہے مثلاً بشر بن حارث سے کسی نے پوچھا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صبح سے آتے ہیں مگر نماز آخر کی صفوں میں پڑھتے ہیں فرمایا
کہ دلوں کا قرب مقصود ہے بدنوں کا پاس ہونا مراد نہیں اس قول سے آپ نے اشارہ کیا کہ صفوں سے پیچھے رہنا دل کے لیے اچھا ہے۔ اور سفیان ثوری رح
نے شعیب بن حرب کو دیکھا کہ منبر کے پاس ابو جعفر منصور کا خطبہ سنتے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سفیان ثوری نے اُنسے کہا کہ اُس شخص کے
پاس تمہارے بیٹھنے نے میرے دل کو پراگندہ کردیا کیا تم اس بات سے مامون ہو کہ اگر کوئی کلام اس سے ایسے سنو کہ اُسکا انکار تمپر واجب ہو تو تم اُسکو
بجا نہ لاؤ پھر آپ نے یہ ذکر کیا کہ ان لوگوں نے سیاہ لباس ایک نئی بدعت نکالی ہے شعیب نے کہا کہ یا ابا عبداللہ کیا حدیث میں نہیں آیا کہ امام سے

اور عورتوں کے لیے وہ اچھی ہے جسکا رنگ ظاہر اور بو پوشیدہ ہو آثار میں اسی طرح مروی ہی اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہی کہ جو شخص اپنے کپڑے صاف رکھے اُسکو رنج کم ہوتا ہی اور جس شخص کی خوشبو عمدہ ہو اُسکی عقل زیادہ ہوتی ہی۔ اور لباس میں سے اچھا سفید کپڑا ہی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب تر کپڑوں میں سفید رنگ ہی اور ایسا کپڑا پہنے جسمین شہرت ہو اور سیاہ کپڑا مسنون نہیں نہ اُسمین کچھ ثواب ہی بلکہ بعض لوگوں نے اُسکی طرف دیکھنا بھی مکروہ خیال کیا ہی کیونکہ وہ بدعت ہی کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوئی ہی۔ اور جمعہ کے روز عمامہ مستحب ہی واثلہ بن الاسقع نے روایت کیا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے جمعہ کے روز عمامہ والوں پر رحمت بھیجتے ہیں پس اگر گرمی ستاوے تو نماز سے پہلے اور پیچھے اُسکے اُتار دینے مین کچھ حرج نہین مگر جسوقت گھر سے جمعہ کو چلے اور عین نماز کے وقت اور امام کے منبر پر جانے کے وقت خطبہ میں نہ اُتارے چوتھی یہ کہ جامع مسجد کو صبح کو جاوے اور مستحب ہے کہ مسجد جامع کا قصد دو تین کوس سے کرے اور صبح سے چلے اور صبح صادق ہونے سے یہ وقت سویرے جانے کا شروع ہوجاتا ہی اور اسکا ثواب بہت بڑا ہی اور جمعہ کے لیے جانے میں خشوع اور تواضع سے رہے اور نماز کے ہوچکنے تک مسجد مین اعتکاف کی نیت کرے اور اس جلد جانے سے مقصود یہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ندا جو جمعہ کے لیے ہی اُسکی اجابت کرتا ہوں اور اُسکی مغفرت اور رضا کیطرف سبقت کرتا ہون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کو اول ساعت میں جاوے اُسنے گویا ایک اونٹ قربان کیا اور جو دوسری ساعت میں جاوے اُسنے گویا گاے کی قربانی کی اور جو تیسری ساعت مین جاوے اُسنے گویا سینگدار مینڈھے کی قربانی اور جو چوتھی ساعت مین جاوے اُسنے گویا مرغی خدا کی راہ مین ذبح کی اور جو پانچویں ساعت میں جاوے اُسنے گویا ایک انڈا اللہ تعالیٰ کے واسطے نذر کیا اور جب امام خطبے کے لیے نکل آتا ہی تو صحیفے لپیٹے جاتے ہیں اور قلم اُٹھا لیے جاتے ہین اور فرشتے منبر کے پاس جمع ہوکر ذکر سنتے ہین پس جو شخص اُسوقت کے بعد آتا ہی تو وہ صرف نماز کے حق کے لیے آیا ہی اُسکو ثواب مین سے کچھ نہیں ملیگا۔ اور پہلی ساعت آفتاب کے نکلنے تک ہی اور دوسری اُسکے اونچا ہونے تک مقدار نیزہ کے اور تیسری اُسوقت تک ہی کہ دھوپ مین تیزی اتنی ہو کہ پاؤں جلنے لگیں اور چوتھی اور پانچویں اُسوقت سے لیکر دوپہر ڈھلنے تک ہی اور ان دونوں کا ثواب کم ہی اور زوال کا وقت نماز کا وقت ہی اسمین کچھ ثواب نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ تین چیزین ایسی ہین کہ اگر آدمیوں کو معلوم ہون کہ انمین کیا ثواب ہی تو اپنی سواریوں کو انکی طلب مین دوڑاوین اوّل اذان دوّم صف اول سوّم سویرے جانا جمعہ کو۔ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہی کہ ان تینوں مین بڑھکر جمعہ کے لیے پہلے سے جانا ہی اور ایک حدیث میں ہی کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہی تو فرشتے اپنے ہاتھوں مین چاندی کے ورق اور سونے کے قلم لیکر مسجد جامع کے دروازوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور اول اور دوم آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے رہتے ہین اور ایک حدیث میں ہی کہ جب کوئی بندہ اپنے وقت سے جمعہ کے روز دیر کرتا ہی تو فرشتے اُسکو تلاش کرتے ہین اور ایک دوسرے سے اُسکا حال پوچھتے ہین کہ وہ کیا کرتا ہی اور کس وجہ سے اُسکو وقت معمولی سے دیر ہوئی اور یہ کہتے ہین کہ الٰہی اگر اُسکو مفلسی کے باعث دیر ہوئی ہو تو اُسکو غنی کر اور بیماری کی وجہ سے ہوئی ہو تو شفا دے اور کام کے مارے ہوئی ہو تو اُسکو اپنی عبادت کے لیے فراغت نصیب کر اور اگر کسی کھیل نے اُسکو دیر لگادی ہو تو اُسکے دل کو اپنی طاعت کیطرف متوجہ کردے اور قرن اول مین سحر کے وقت اور صبح صادق کے بعد راستے آدمیون سے بھر جاتے تھے کہ روشنی لیکر جامع مسجد مین عید کے دنون کی طرح انبوہ ہوا کرتے تھے یہان تک کہ یہ بات پرانی ہوگئی اور جاتی رہی اور کہتے ہیں کہ اسلام میں اول بدعت یہی ہوئی کہ جمعہ کے روز سویرے جانا چھوڑدیا۔ اور مسلمانون کو یہود اور نصاریٰ سے بھی شرم نہین آتی کہ وہ اپنے عبادت خانون مین شنبہ اور یکشنبہ کو سویرے جاتے ہین اور دنیا کے طالب خرید و فروخت اور نفع کے بازارون مین کیسے تڑکے جاتے ہین تو آخرت کے طالبوں کو کیا ہوا ہی کہ اُنسے پیشقدمی نہین کرتے اور کہتے ہین کہ جب اللہ تعالیٰ کا دیدار لوگون کو نصیب ہوگا تو اُسوقت اُنکو قرب اُسیقدر ہوگا جسقدر کہ جمعہ کو سویرے گئے ہونگے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد جامع کو صبح سے تشریف لیگئے دیکھا کہ تین آدمی آپ سے بھی پہلے موجود ہین اس بات سے آزردہ ہوئے اور اپنا نفس کو عتاب کرکے کہنے لگے کہ چار مین کا چوتھا ہوا ہوں یہ بھی کچھ دور نہین۔ پانچوین مسجد مین داخل ہونے کی کیفیت ہی کہ لوگون کی گردنون پر کو جاوے

لہ ابوداؤد و ترمذی ونسائی بروایت ابوہریرہؓ لہ طبرانی از ابن عدی سے ابوداؤد سے روایت کی ہی اور کہا ہو کہ یہ حدیث منکر ہی اور ... ابوداؤد ... روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ...

بار قل هو الله اور سات سات بار معوذتین پڑھے کہ بعض سلف سے مروی ہے کہ جو کوئی ایسا کریگا وہ جمعہ سے دوسرے جمعہ تک بچا رہیگا اور شیطان
سے اسکو پناہ ملیگی اور مستحب ہے کہ نماز جمعہ کے بعد یوں کہے اللھم یاغنی یا حمید یا مبدی یا معید یا رحیم یا ودود اغننی بحلالک عن حرامک وبفضلک عمن سواک
کہتے ہیں کہ جو کوئی اس دعا پر مداومت کرے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی مخلوق سے بے پروا کر دے اور اسکو ایسے مقام سے روزی دے کہ اسکو گمان بھی نہو
پھر بعد جمعہ کے چھ رکعتیں پڑھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور حضرت ابوہریرہ
رضی اللہ عنہ نے چار کی روایت کی ہے اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چھ کی روایت کی ہے اور سب روایتیں مختلف حالات میں درست ہیں
تو افضل یہی ہے کہ اکثر روایت پر عمل کیا جائے کہ سب پر عمل ہو جائے دسوین یہ کہ نماز عصر کے پڑھنے تک مسجد ہی مین رہے پس اگر مغرب تک ٹھہرے
تو زیادہ بہتر ہے کہتے ہین کہ جو شخص نماز عصر مسجد جامع میں پڑھے تو اسکو حج کا ثواب ہوتا ہے اور جو مغرب کی نماز بھی پڑھے تو اسکو حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے
اس صورت مین اگر بناوٹ سے یا اور کسی طرح کی آفت لینے اور آنے سے محفوظ نہو مثلاً لوگ اعتکاف کو دیکھینگے یا بے فائدہ باتوں مین مبتلا ہونے کا
خوف ہو تو بہتر یہی ہے کہ اپنے گھر کو چلا آوے خدا کا ذکر کرتا ہوا اور اسکی نعمتوں کو سوچتا ہوا چلا آوے اور شکر کرے کہ اسنے توفیق عبادت دی اور اپنی تقصیر
سے ڈرتا رہے اور آفتاب کے ڈوبنے تک اپنے دل اور زبان کی نگرانی رکھے تاکہ وہ ساعت عمدہ ہاتھ سے نہ جاتی رہے اور مسجد جامع اور دوسری مسجد میں
دنیا کی باتیں نہ کرنی چاہییں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگون پر ایک ایسا وقت آویگا کہ انکی باتیں مسجدون مین دنیا کے امور ہونگے اللہ تعالیٰ
کو ایسے کچھ مطلب نہیں تم انکے پاس مت بیٹھا **چوتھا بیان ان آداب کے ذکر میں جو ترتیب سابق سے خارج ہیں اور جمعہ کے سارے دن مین**
عام ہیں اور وہ سات چیزیں ہیں اول یہ کہ صبح کو یا نماز جمعہ کے بعد یا عصر کے بعد علم کی مجلسوں میں حاضر ہو مگر قصہ گویوں یعنی واعظوں کی مجالس میں
نہ جانے کہ انکے کلام میں کچھ خیر نہیں اور سالک طریق آخرت کو چاہیے کہ جمعہ کے تمام دن میں خیرات اور دعاؤں سے خالی نہ رہے تاکہ وہ ساعت
شریفہ اسکو ملجائے جو بہتر ہے اور جو حلقے کہ نماز سے پہلے ہوں انمیں نہ جانا چاہیے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز نماز سے پہلے حلقہ کرنے سے منع فرمایا ہے مگر جس صورت میں کہ کوئی عالم ربانی ہو اور خدائے تعالیٰ کے انعامات
اور انتقامات کا ذکر کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھاتا ہو اور مسجد جامع میں صبح کے وقت وعظ کہتا ہو تو اسکے پاس بیٹھے کہ اسمین صبح کو جانا اور ایسا
اس علم کا جو آخرت میں مفید ہو دونوں حاصل ہیں اور ایسے علم کا سننا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے چنانچہ حضرت ابوذر رض روایت فرماتے ہین کہ
کہ مجلس علم میں حاضر ہونا ہزار رکعت نماز سے افضل ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت مین فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض
وابتغوا من فضل اللہ یہ فرمایا ہے کہ اس سے مراد دنیا کی طلب نہیں بلکہ بیمار کی عیادت اور جنازہ کا شریک ہونا اور علم کا سیکھنا اور جس سے بھائی پیارہ ہی اسے
ملنا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے علم کو کلام مجید میں چند جا فضل فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما اور فرمایا
ولقد آتینا داود منا فضلاً یعنی ہمنے داود کو علم دیا پس اس دن مین علم کا سیکھنا اور سکھانا افضل قربات میں سے ہے اور نماز قصہ گویوں کی مجلسوں سے افضل
ہے کیونکہ پہلے لوگ قصہ گوئی کو بدعت جانتے تھے اور قصہ گویوں کو جامع مسجد سے نکال دیتے تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مسجد جامع میں
اپنی جگہ پر آئے دیکھا تو ایک قصہ گو اسی جگہ میں بیان کر رہا ہے آپ نے فرمایا کہ میری جگہ سے اٹھ جا اسنے کہا کہ میں نہیں اٹھتا مین تم سے پہلے یہاں بیٹھا ہوں
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کوتوال کو بلوا کر اسکو اٹھوا دیا اگر بیان کرنا سنت ہوتا تو اسکا اٹھانا کب جائز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
لا یقیمن احدکم اخاہ من مجلسہ ثم یجلس فیہ ولکن تفسحوا وتوسعوا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اگر کوئی شخص اپنی جگہ چھوڑ دیتا تو آپ اس پر نہ بیٹھتے
جبتک کہ وہ شخص اسی جگہ نہ بیٹھے اور مروی ہے کہ ایک قصہ گو حضرت عائشہ رض کے حجرے کے آگے میں بیٹھا کرتا آپ نے حضرت ابن عمر رض کو کہلا بھیجا کہ
اس شخص نے اپنے قصوں سے مجھے ستا رکھا ہے اور ذکر اور تسبیح سے مجھکو روک دیا ہے آپ نے اسکو اتنا مارا کہ ایک چھڑی اسکی کمر پر توڑ دی پھر نکال دیا دوسری
یہ کہ ساعت جمعہ جو شریف ہے اسکی نگرانی اور تاک اچھی طرح کرے کہ حدیث مشہور میں ہے کہ جمعہ مین ایک ساعت ایسی ہے کہ اسکو کوئی بندہ مسلمان اگر خدا تعالیٰ سے

قریب ہو اور حسن آپ نے فرمایا کہ میاں یہ خلفائے راشدین مہدیین کے لیے ہے ان لوگوں سے تو صفا دور ہوا اور انکی طرف نہ دیکھو تماہی خدا سے قرب چاہتے
زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ اور سعد بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے برابر بڑھی انھوں نے صفوں سے پیچھے ہونا شروع
کیا یہاں تک کہ ہم سب سے پچھلی صف میں ہوگئے جب نماز سے فارغ ہوے تو میں نے اُن سے کہا کہ اول صف کیا اوروں سے بہتر نہیں ہے فرمایا
کہ ہاں مگر یہ امت مرحومہ ہے اور امتوں میں سے اسپر نظر رحمت ہے اللہ تعالی جب کسی بندہ کو نماز میں نظر رحمت سے دیکھتا ہے تو اُسکے پیچھے جتنے آدمی
ہوتے ہیں سبکو بخشدیتا ہے تو میں سب سے پیچھے یہ توقع کرکے کھڑا ہوا کہ انہیں سے کسکی طرف نظر رحمت کرے اُسکے طفیل میں میری مغفرت فرماوے اور بعض
راویوں نے روایت کی ہے کہ میں نے اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پس جو شخص اس نیت سے پیچھے ہٹے اور دوسرے شخص کو اپنے اوپر
ترجیح دے اور خوش خلقی ظاہر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اسوقت یہ کہا جاویگا کہ الاعمال بالنیات دوسری صورت یہ ہے کہ خطیب کے پاس کوئی مکان
مسجد سے علیحدہ بادشاہوں کے لیے کردیا ہو پس صف اول اچھی ہے مگر بعض علما نے اُس مکان کے اندر داخل ہونا مکروہ جانا ہے حضرت حسن بصری اور بکر مزنی
اسمین نماز نہ پڑھتے تھے اُنکی دانست مین وہ بادشاہوں کے ہی واسطے تھا اور ایک بدعت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسجدوں میں پیدا ہوئی ہے
حالانکہ مسجد مطلق سب لوگوں کے واسطے ہے تو اسمین سے علیحدہ کردینا خلاف ہے۔ اور انس بن مالک اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے اُسکے اندر نماز پڑھی ہے
اور قرب امام کی طلب میں اُسکو مکروہ نہیں جانا اور غالباً کراہت اُس صورت میں ہوگی کہ اُس جگہ کو خاص کردیا جاوے اور دوسرے لوگون کو اُس میں
نماز سے منع کیا جاوے اور جس صورت میں کہ ممانعت نہو تو کراہت کا موجب نہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ منبر بعض صفوں کو کاٹ دیتا ہے اور صف اول
وہ ہے جو ایک صف ملی ہوئی منبر کے بعد ہو اور جو اُسکے دونوں طرف میں ہے وہ پوری نہیں اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ صف اول وہ ہے جو
منبر سے نکلی ہوئی اور اُسکے سامنے ہو اور اُنکا قول ٹھیک ہے کہ متصل وہی صف ہے اور اُسمیں بیٹھا ہوا آدمی خطیب کے سامنے ہوتا ہے اور اُسکا خطبہ سنتا ہے۔ اور
یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس بات کی رعایت نکیجاوے اور صف اول اُسی کو کہیں جو قبلہ سے قریب ہو۔ اور بازاروں اور مسجد کے چوک میں جو مسجد سے خارج ہو
نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ اور بعض صحابہ لوگوں کو مار کر چوکون میں سے اُٹھا دیتے تھے آٹھوین یہ کہ امام کے منبر پر جانے کے وقت نماز کو قطع کرے اور کلام بھی
موقوف کرے بلکہ اول موذن کا جواب دے پھر خطبہ سننے مین مشغول ہو اور بعض عوام کی عادت ہوگئی ہے کہ جب موذن اذان کو اُٹھتا ہے تو وہ سجدہ کرتے
ہیں اور اُسکی کچھ اصل حدیث میں اور آثار مین نہین ہان اگر اتفاقاً سجدہ تلاوت اُسوقت آجاوے تو مضائقہ نہیں کہ دعا کو ٹالا کرینگے کیونکہ یہ وقت
اچھا ہے اور اس سجدے کے حرام ہونے کا حکم نہ کیا جاوے کہ حرمت اُسکی ثابت نہیں۔ اور حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص سنے
اور خاموش رہے اُسکو دو ثواب ہیں اور جو نہ سنے اور چپکا رہے اُسکو ایک ثواب ہے اور جو سنے اور لغو بکے اُسکو دو گناہ ہین اور جو نہ سنے اور لغو کہے اُسکو
ایک گناہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قال لصاحبه والامام یخطب انصت او صه فقد لغا ومن لغا فلا جمعة له اس روایت سے معلوم
ہوتا ہے کہ چپ کرنا اشارہ سے خواہ کنکر مارنے سے ہونا چاہیے نہ بولنے سے۔ اور ابو ذر رض کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے
انھوں نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا کہ یہ سورت کب نازل ہوئی ہے حضرت ابی نے اشارہ سے کہدیا کہ چپ ہو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے
نیچے اُترے تو انھوں نے حضرت ابوذر کو فرمایا کہ جاؤ تمھارا جمعہ نہین حضرت ابوذر نے شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین کی تو آپ نے فرمایا
کہ ابی نے سچ کہا ہے اور اگر امام سے دور ہو تو گفتگو نہ علم مین کرے اور نہ کسی چیز مین بلکہ چپ رہے اسلیے کہ گفتگو سے بھنبھناہٹ [illegible]
جو شخص بولتا ہو اُسکے حلقہ مین نہ بیٹھے پس جو شخص دوری کے باعث سننے سے عاجز ہو اُسکو چاہیے کہ چپ رہے کہ یہی مستحب ہے اور جب امام خطبہ [illegible]
حالت مین مکروہ ہے تو کلام بطریق اولی مکروہ ہوگا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ چار ساعتوں مین نماز [illegible]
[illegible] ٹھیک دوپہر مین چہارم جسوقت امام خطبہ پڑھتا ہو نوین یہ کہ جمعہ کی اقتدا مین اُن امور کا لحاظ رکھے [illegible]
[illegible] مین ذکر کیا ہے لیکن جب امام کی قرات کو سنے تو سوائے الحمد کے اور کچھ نہ پڑھے اور جب جمعہ سے فارغ ہو [illegible]

اہل شفاعتہ واحیِنا علی سنتہ وتوفنا علی ملتہ واوردنا حوضہ واسقنا بکاسہ غیر خزایا ولا نادمین ولا شاکین ولا مبدلین ولا فاتنین ولا مفتونین آمین
یارب العالمین غرض کہ جو نسے الفاظ درود کے اس دن پڑھیگا گو تشہد ہی کے درود ہوں تو درود پڑھنے والا کہلائیگا اور چاہیے کہ درود پر استغفار بھی
اضافہ کرلے کہ جمعہ کے روز استغفار بھی مستحب ہے چوتھی یہ کہ قرآن کی تلاوت زیادہ کرے خصوصاً سورۂ کہف پڑھے کہ حضرت ابن عباسؓ اور
حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا اسکی شب میں سورۂ کہف پڑھے تو اسکو اسکے پڑھنے کے مقام سے مکہ تک نور عطا
کیا جاویگا اور دوسرے جمعہ تک سب میں زیادہ کی مغفرت کیجاویگی اور اسپر ستر ہزار فرشتے صبح ہونے تک رحمت بھیجتے ہیں اور درد اور پیٹ کے
پھوڑے اور ذات الجنب اور برص اور جذام اور دجال کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو قرآن کو جمعہ کے دن یا اسکی
شب میں ختم کرے اور اگر قرآن رات کو پڑھا کرتا ہو تو صبح کی سنتوں میں اسکو ختم کرے یا مغرب کی سنتوں میں یا جمعہ کی اذان اور تکبیر کے درمیان
ختم کرے کہ اسکا بڑا ثواب ہے اور عابد جمعہ کے روز سورۂ اخلاص ہزار بار پڑھنا مستحب جانتے تھے اور کہتے ہیں کہ جو کوئی سورۂ اخلاص کو دس
رکعتوں میں یا بیس میں ہزار بار پڑھے تو ایک ختم کرنے سے افضل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہزار بار پڑھتے اور سبحان اللہ والحمد
للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہزار بار پڑھا کرتے۔ اور اگر جمعہ کے دن یا رات میں چھیوں مسبحات یعنی بنی اسرائیل اور حدید اور صف اور جمعہ اور
تغابن اور اعلیٰ پڑھے تو بہتر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے کہ کسی روز میں معین سورتیں پڑھتے ہوں بجز شب جمعہ اور
روز جمعہ کے کہ شب جمعہ کی مغرب میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے اور اس رات کی عشا میں سورۂ جمعہ اور منافقون
اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ ان دونوں سورتوں کو جمعہ کی دو رکعتوں میں پڑھا کرتے تھے اور جمعہ کی صبح میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دہر پڑھا کرتے تھے
پانچویں یہ کہ جب مسجد جامع میں داخل ہو تو جبتک چار رکعتیں اسطرح نہ پڑھ لے کہ ہر رکعت میں پچاس دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے کہ کل دو سو
بار ہو جاوین تب تک نہ بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص یہ عمل کریگا وہ مرنے سے پہلے اپنا ٹھکانا جنت میں دیکھ لیگا
اور دوگانہ تحیت بھی فروگذاشت نہ کرے اگرچہ امام خطبہ پڑھتا ہو مگر اس صورت میں جلد مختصر پڑھ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لیے ایسا ہی امر فرمایا
ہے اور ایک حدیث غریب میں ہے کہ ایک شخص کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے چپ ہو گئے تھے یہانتک کہ وہ شخص دوگانہ تحیت سے فارغ ہو گیا
اہل کوفہ کا یہ قول ہے کہ اگر امام خاموش رہے تو دوگانہ ادا کرلے اور اسمیں یا اسکی شب کو مستحب ہے کہ چار رکعتیں چار سورتوں کے ساتھ یعنی انعام اور کہف اور طٰہٰ
اور یٰس پڑھے اور اگر یہ یاد نہ ہوں تو یٰس اور الم سجدہ اور دخان اور سورۂ ملک پڑھے اور ان چاروں سورتوں کا پڑھنا شب جمعہ میں ترک نہ کرے کہ انکی بہت فضیلت ہے
اور جسکو قرآن اچھی طرح یاد نہ ہو تو جو سورت اچھی طرح پڑھ سکتا ہو اسی کو پڑھے کہ ایک ختم کا ثواب ملتا ہے اور سورۂ اخلاص کو کثرت سے پڑھے۔ اور مستحب ہے کہ صلوٰۃ التسبیح
پڑھے چنانچہ اسکی کیفیت نوافل کی فصل میں مذکور ہوگی۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو ارشاد فرمایا تھا کہ اسکو ہر جمعہ
پڑھو اور حضرت ابن عباسؓ اس نماز کو جمعہ کے روز زوال کے بعد ترک نہ کرتے اور اسکا بہت بڑا ثواب بیان فرماتے۔ اور بہتر یہ ہے کہ وقت کی تقسیم اسطرح کرے
کہ صبح سے زوال تک تو نماز کے لیے اور جمعہ کے بعد سے عصر تک علم کے سننے کے لیے اور عصر سے مغرب تک تسبیح اور استغفار کے لیے مقرر کرے چھٹی یہ کہ اس
خاص دن میں صدقہ دونا ثواب رکھتا ہے بشرطیکہ ایسے کو نہ دے جو امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت مانگے اور امام کے کلام میں بولا جاوے کہ ایسے شخص
کو دینا مکروہ ہے۔ صالح بن امام احمدؒ کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز ایک مسکین نے امام کے خطبہ پڑھنے میں سوال کیا اور وہ میرے باپ کے برابر تھا
ایک شخص نے میرے باپ کو ایک ٹکڑا چاندی کا دیا کہ سائل کو دیدوں میرے باپ نے اسکو نہ لیا۔ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو
شخص مسجد میں مانگے وہ اس بات کا مستحق ہو چکا کہ اسکو نہ دیا جاوے اور جب قرآن پر مانگے تو اسکو مت دو۔ اور بعض علما نے ایسے سائلوں
کو صدقہ دینا جو مسجد جامع میں لوگوں کی گردنوں پر کو جاویں مکروہ فرمایا ہے لیکن اگر ایک جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھکر مانگیں اور گردنوں پر نہ پھاندیں
تو مضائقہ نہیں۔ اور کعب احبار نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے لیے آوے پھر لوٹ کر دو چیزیں مختلف صدقہ کی قسم سے خیرات کرے اور

کچھ سوال کرے کے وقت میں پالیوے تو اللہ تعالیٰ اُسکو عنایت ہی کرتا ہی۔ اور ایک روایت میں یوں ہی کہ اگر اس ساعت کو بندہ نماز پڑھنے کی حالت میں پاوے۔ اور اس ساعت میں اختلاف ہی کہ کونسی ہی بعض کہتے ہیں کہ وہ ساعت آفتاب نکلنے کے وقت ہی اور بعضے زوال کے وقت اور بعضے اذان کے ساتھ بتاتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ جب امام منبر پر چڑھکر خطبہ شروع کرتا ہی اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ جب لوگ نماز کو کھڑے ہوں اور بعضوں نے کہا ہی کہ عصر کے وقت اختیاری کا آخر ہی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آفتاب کے غروب سے کچھ پیشتر ہی۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسوقت کی رعایت کرتی تھیں اور اپنی خادمہ کو حکم فرماتیں کہ آفتاب کو دیکھتی رہ جب غروب ہونے کو ہو تو مجھکو اطلاع کر دینا آپ کی خادمہ ایسا ہی کرتی اُسوقت آپ دعا اور استغفار میں مشغول ہوتیں یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جاتا اور فرماتیں کہ اسی ساعت کی تاک لگانی چاہیے اور اس مضمون کو اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کیا تھا۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہی کہ وہ ساعت تمام دن میں مبہم ہی جیسے شب قدر رہتی ہی اسلیے کہ اُسکی تاک کی خواستگاری کثرت سے ہو۔ اور بعضوں نے کہا ہی کہ وہ جمعہ کی ساعتوں میں بدلتی رہتی ہی جیسے شب قدر بدلتی رہتی ہی اور یہ قول بہت درست ہی اور اسکے لیے ایک بھید ہی جسکا ذکر کرنا علم معاملہ میں مناسب نہیں مگر چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تصدیق کیجاوے کہ ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لہا اور چونکہ روز جمعہ انھیں دنوں میں سے ہی تو بندہ کو چاہیے کہ جمعہ کے تمام دن میں اُن نفحات کا جویا حضور دل اور ملازمت ذکر کے ساتھ دنیا کے وسوسوں سے برکنار ہو کر رہے شاید اُن نفحات میں سے کچھ اسکو بھی نصیب ہو جاوے۔ اور کعب بن احبار نے فرمایا ہی کہ وہ ساعت روز جمعہ کی آخر ساعت ہی یعنی غروب کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخر ساعت کیسے ہو سکتی ہی کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جس بندہ کو وہ ساعت نماز پڑھتے میں ملجاوے اور آخر ساعت نماز کا وقت نہیں کعب احبار نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص بیٹھکر انتظار نماز کا کرے وہ نماز ہی میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ البتہ فرمایا ہی حضرت کعب نے فرمایا کہ تو یہی نماز ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور حضرت کعب احبار اس بات کی طرف مائل تھے کہ یہ ساعت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اُن لوگوں کے لیے جو اُس دن کے حقوق پر قائم رہے ہیں تو اُس رحمت کو اُسوقت دینا چاہیے جب کام سے فارغ ہو لیں حاصل یہ کہ یہ وقت اور جسوقت امام منبر پر چڑھتا ہی دونوں شریف ہیں چاہیے کہ دونوں میں دعا کرنے لگے تیسری یہ کہ جمعہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی کثرت کرے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہی کہ جو کوئی مجھپر جمعہ کے روز اسی بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اُسکے گناہ اسی برس کے بخشدے کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ درود آپ پر کسطرح بھیجیں فرمایا اسطرح کہو اللھم صل علی محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی اور ایک عقد کر دینی یا ایک بار ہوا اسی طرح اسی بار اُسکو پورا کر لو۔ اور اگر درود ان الفاظ سے کہو اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد صلوٰۃ تکون لک رضا ولحقہ اداء واعطہ الوسیلۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ واجزہ عنا ما ھو اھلہ واجزہ افضل ما جازیت نبیا عن امتہ وصل علی جمیع اخوانہ من النبیین والصالحین یا ارحم الراحمین اور سات بار کہو تو یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی اس درود کو سات جمعہ پڑھے اور ہر جمعہ میں سات مرتبہ کہے تو اُسکے لیے شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب ہی۔ اور اگر یہ منظور ہو کہ درود کے الفاظ زیادہ ہوں تو یہ درود جو ماثور ہی اُسکو پڑھے اللھم اجعل فضائل صلواتک ونوامی برکاتک وشرائف زکواتک ورافتک ورحمتک وتحیتک علی محمد سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین ورسول رب العالمین قائد الخیر وفاتح البر ونبی الرحمۃ وسید الامۃ اللھم ابعثہ مقاما محمودا تزلف بہ قربہ وتقر بہ عینہ یغبطہ بہ الاولون والآخرون اللھم اعطہ الفضل والفضیلۃ والشرف والوسیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ والمنزلۃ الشامخۃ المنیفۃ اللھم اعط محمدا سولہ وبلغہ مامولہ واجعلہ اول شافع واول مشفع اللھم عظم برہانہ وثقل میزانہ وابلج حجتہ وارفع فی اعلی المقربین درجتہ اللھم احشرنا فی زمرتہ واجعلنا من

کرے تو چاہیے کہ جوتیوں کو لوٹ کر دیکھ لے اگر اُن میں کچھ نجاست پاوے تو انکو زمین سے رگڑ دے اور انہیں نماز پڑھ لے اور بعضوں نے فرمایا ہے
کہ جوتیوں سے نماز پڑھنی افضل ہے اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تمنے اپنی جوتیاں کیوں اتاریں اور یہ قول اُن کے
کا مبالغہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسے اسلیے نہیں پوچھا تھا کہ ترک افضل کیوں کیا بلکہ اسلیے استفسار فرمایا تھا کہ آپکے سامنے اپنی جوتیاں
اتارنے کا سبب بیان فرماویں کہ انھوں نے آپ ہی کی موافقت کے باعث اتاریں تھیں اور عبداللہ بن السائبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیاں نکال کر بھی نماز پڑھی ہے اسلیے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں آپ نے کی ہیں لیں جو کوئی اپنی جوتیاں نکال لے تو
چاہیے کہ اپنے داہنے اور بائیں طرف نہ رکھے کہ اس سے جگہ تنگ ہوگی اور جماعت ٹوٹے گی بلکہ انکو اپنے سامنے رکھے اور پیچھے بھی نہ رکھے ورنہ
دل کا التفات اُسطرف رہیگا اور کیا عجب ہے کہ جو لوگ جوتیوں سمیت نماز کو افضل کہتے ہیں وہ اسی لحاظ سے کہتے ہوں کہ نکالنے کی صورت میں
دل کا التفات انکی طرف رہیگا حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے
تو چاہیے کہ اپنی جوتیاں ٹانگوں کے بیچ میں کر لے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ نے ایک شخص کو فرمایا کہ انکو اپنی ٹانگوں درمیان کر لو اور اپنے کسی مسلمان کو
تکلیف مت دو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو اپنی بائیں طرف رکھ لیا تھا اور آپ امام تھے تو امام کو جائز ہے کہ وہ بائیں طرف رکھ لے
کیونکہ اُسکے برابر تو کوئی کھڑا ہی نہ ہوگا کہ اُسکو تکلیف ہو اور بہتر یہ ہے کہ انکو دونوں قدموں کے بیچ میں نہ رکھے کہ اُسکا دھیان بٹیں بلکہ قدموں کے
آگے رکھے اور غالباً یہی مراد اس حدیث سے ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ جوتیاں ٹانگوں کے بیچ میں رکھے یعنی قدموں کے آگے رکھے ٹانگوں کے بیچ میں نہ رکھے
حضرت جبیر بن مطعم نے فرمایا ہے کہ آدمی کا جوتیوں کو قدموں کے بیچ میں رکھنا بدعت ہے مسئلہ جب نماز میں تھوک دے تو نماز باطل نہ ہوگی اسلیے کہ
تھوڑا فعل ہے اور جب تک کہ تھوکنے سے آواز نہ پیدا ہوگی اسکو کلام میں شمار نہ کرینگے علاوہ اسکے کلام کے حروف کی طرح پر تھوکنے کی آواز ہوتی
بھی نہیں مگر پھر بھی تھوکنا مکروہ ہے اس سے احتراز کیا جاوے مگر جسطور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اسطرح تھوکنے کو مکروہ
نہیں چنانچہ کسی صحابی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوک دیکھا تو نہایت غصہ ہوئے پھر اسکو ایک شاخ خرما سے
جو آپکے ہاتھ میں تھی کھرچا اور فرمایا کہ تھوڑا سا زعفران لاؤ پس تھوک کے نشان پر زعفران لگا دی پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم میں سے
کون پسند کرتا ہے کہ اُسکے منہ پر تھوکا جاوے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ امر کوئی نہیں پسند کرتا آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ
اُسکے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اور بعض روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ اُسکے منہ کے سامنے ہوتا ہے تو اپنے منہ کے سامنے تھوکنا نہ چاہیے اور نہ داہنی طرف
تھوکے بلکہ بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دے (یعنی جب مسجد میں نماز نہ پڑھتا ہو اور جگہ پڑھتا ہو) اور اگر کوئی ایسی ہی ضرورت آپڑے تو چاہیے
کہ اپنے کپڑے میں تھوکے اور اسکو یوں کرڈالے یعنی آپ نے کپڑے کو مل کر دکھا دیا کہ ایسے ملدے مسئلہ مقتدی کے کھڑے ہونے کے لیے سنت اور
فرض ہے سنت یہ ہے کہ ایک مقتدی ہو تو امام کی داہنی طرف تھوڑا اُس سے ہٹکر کھڑا ہو اور اکیلی عورت امام کے پیچھے کھڑی ہو اور اگر امام کے
برابر کھڑی ہو جاوے تب بھی کچھ ضرر نہیں مگر خلاف سنت ہے اور اگر مقتدی مرد بھی ہو تو مرد امام کے داہنی طرف کھڑا ہو اور عورت اُسکے پیچھے
کھڑی ہو اور اکیلا آدمی صف کے پیچھے نہ کھڑا ہو بلکہ یا صف میں شامل ہو جاوے یا اپنے برابر کسی کو کھینچ لے اور اگر اکیلا ہی کھڑا رہا تو اُسکی نماز کراہت کے
ساتھ درست ہوگی۔ اور مقتدی کے کھڑے ہونے میں فرض صف کا ملا رہنا ہے یعنی مقتدی اور امام میں کوئی رابطہ جامع ہونا چاہیے کہ جماعت
پڑھتے ہیں جسکے معنی ساتھ ہونے کے ہیں تو دونوں میں جمعیت کا مضمون رہے پس اگر دونوں ایک مسجد میں ہوں تو مسجد دونوں کی جامع ہے
اسلیے کہ وہ اکٹھا کرنے ہی کو بنی ہے تو اب حاجت صف کے اتصال کی نہیں بل اتنا چاہیے کہ امام کے افعال کو پہچانے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ
نے مسجد کی پشت پر امام کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور جبکہ مقتدی مسجد کے صحن میں ہو جو راستے میں پڑتا ہے یا جنگل میں امام اور مقتدی دونوں ہوں
اور دونوں کے بیچ میں کسی عمارت کی آڑ نہ ہو تو مقتدی کا قریب ہونا امام سے ایک تیر کے چلنے کی مقدار کافی ہے کیونکہ ایک کا فعل دوسرے کو

ع اسلم روایہ
عبداللہ بن السائب
۱۲ ح ۱۲ ابوداؤد
۱۲ ح ۲۳ مسلم
۱۲ ابو داؤد
۱۲ ابن السائب
۱۲ ح ۱۴ مسلم
۱۲ روایت جابر
۱۲

دوبارہ اگر دوگانہ نفل پڑھے اور اُسکا رکوع اور سجدہ خوب کامل طور پر ادا کرے پھر یوں کہے اللّٰھم انی اسألک باسمک بسم اللہ الرحمن الرحیم
وباسمک الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم تو اسکے بعد جو دعا اللہ سے مانگیگا وہ اللہ تعالی اُسکو عنایت فرماویگا۔ اور بعض اکابر سلف نے
فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز مسکین کو کھانا کھلادے سویرے سے پھر جاکر جمعہ میں شریک ہو اور کسی کو ایذا نہ دے پھر جب امام سلام پھیرے تو یہ کہے
بسم اللہ الرحمن الرحیم الحی القیوم اسئلک ان تغفرلی وترحمنی وان تعافینی من النار پھر جو دل میں دعا آوے وہ مانگے اللہ تعالی اُسکی دعا
قبول فرماویگا ساتویں یہ کہ جمعہ کو آخرت کے واسطے مقرر کرے اور اسمیں تمام دنیا کے کاموں سے باز رہے اور وظیفہ کثرت سے اور سفر
جمعہ کو شروع نہ کرے کہ مروی ہے کہ جو کوئی شب جمعہ کو سفر کرتا ہے اُسکے دونوں فرشتے اُسپر بد دعا کرتے ہیں اور جمعہ کی فجر کے بعد تو سفر حرام ہے بشرطیکہ
کہ قافلہ فوت نہوتا ہو۔ اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ مسجد میں سقہ سے پانی مول لینا پینے کے لیے یا سبیل کرنے کو مکروہ ہے کہ اس سے مسجد میں خرید
کرنے والا ہو جاویگا حالانکہ خرید و فروخت مسجد کے اندر مکروہ ہے اور کہتے ہیں کہ اگر سقہ اُسکو باہر دے پھر مسجد کے اندر پانی پی لے یا سبیل کردے
تو مضائقہ نہیں۔ آٹھویں یہ کہ جمعہ کے روز وظائف اور خیرات زیادہ کرے کہ اللہ تعالی جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اُس سے عمدہ وقتوں میں
عمدہ کام لیتا ہے اور جب بندہ کو مبغوض جانتا ہے تو افضل وقتوں میں اُس سے بُرے کام لیتا ہے تاکہ یہ بُرے اعمال اُسکے عذاب میں زیادہ
دردناک اور سخت تر غضب کا باعث ہوں کہ وقت کی برکت سے محروم رہا اور اُسکی حرمت نہ رکھی۔ اور جمعہ کی دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے
اور عنقریب باب الدعوات میں ہم اُنکو لکھینگے انشاء اللہ تعالی وصلی اللہ علی کل عبد مصطفی۔ چھٹی فصل متفرق مسائل کے ذکر میں جنمیں اکثر
لوگ مبتلا ہیں اور آخرت کے طالب کو اُنکے معلوم کرنے کی ضرورت ہے اور مسائل جو کم واقع ہوتے ہیں اُنکو ہمنے کامل طرح پر فقہ کی کتابوں میں
مندرج کیا ہے مسئلہ تھوڑے عمل سے اگرچہ نماز باطل نہیں ہوتی مگر بدون حاجت کے مکروہ ہے اور حاجت کی صورت یہ ہے کہ جو سامنے کو گذرجاوے
اُسکو ہٹادے اور بچھو کے اگر کاٹنے کا ڈر ہو اُسکو ریگ یا دو چوٹوں میں مار دے لیکن اگر تین چوٹیں ہونگی تو عمل کثیر ہو جاویگا اور نماز جاتی رہیگی
اسی طرح جوں اور پسو سے اگر ایذا پہونچے تو اُنکو دفع کردے یا خارش ایسی معلوم ہو کہ اُسکے کھجانے کے بدون خشوع ابتر ہو جاوے تو بدن کھجالے
حضرت معاذ بن جبل جوں اور پسو کو نماز کے اندر پکڑ لیتے تھے اور حضرت ابن عمر نماز میں جوں کو مار دیتے تھے یہاں تک کہ اُسکے خون کا نشان اُنکے
ہاتھ پر ہوجاتا تھا۔ اور نخعی نے فرمایا ہے کہ جوں کو پکڑکر سست کردے اور اگر مار ڈالے تب بھی کچھ حرج نہیں۔ اور ابن مسیب نے فرمایا ہے کہ اُسکو
پکڑ کر سست کردے پھر پھینکدے۔ اور مجاہد کا قول ہے کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو چھوڑے رکھے جبتک اتنی ایذا نہ دے جس سے نماز میں
دھیان بٹے اسوقت اُسکو اتنا سست کردے کہ ایذا نہ دے اور ڈال دے اور یہ صورت اجازت کی ہے ورنہ کمال تو یہی ہے کہ عمل اگرچہ تھوڑا ہو اُس سے بھی پرہیز
کرے اور اسی وجہ سے بعض اکابر مکھی کو نہیں ہٹاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اپنے نفس کو اس بات کا عادی نہیں کرتا ورنہ میری نماز کو خراب
کردیا کریگا اور میں نے سنا ہے کہ فاسق تو بادشاہوں کے سامنے بہت سی ایذا پر صبر کرتے ہیں اور جنبش نہیں کرتے۔ اور جب جمائی لے تو اپنے
ہاتھ کو منہ پر رکھنے کا مضائقہ نہیں بلکہ ہاتھ کا رکھنا بہتر ہے اور اگر نماز میں چھینک آوے تو الحمد للہ اپنے دل میں کہہ لے زبان نہ ہلاوے اور اگر ڈکار آوے
تو چاہیے کہ اپنا سر آسمان کی طرف کو نہ اُٹھاوے اور اگر چادر لٹک جاوے تو اُسکو برابر نہ کرنا چاہیے اور یہی حال عمامہ کے کناروں کا ہے غرض
کہ اس قسم کے سب عمل مکروہ ہیں بدون ضرورت کے نہ کرنے چاہییں مسئلہ جوتیوں سمیت نماز پڑھنی درست و جائز ہے اگرچہ اُنکا نکالنا سہل ہے
اور موزوں سے جو نماز درست ہے تو یہ نہیں کہ اُنکے نکالنے کی دقت کی وجہ سے اجازت دی گئی ہو بلکہ یہ نجاست معاف ہے اور یہی حال جوتیوں
کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتیوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر اُنکو نکال دیا تو صحابہ نے بھی اپنی جوتیاں نکال ڈالیں نماز کے بعد آپ نے
اُنسے پوچھا کہ تمنے اپنی جوتیاں کیوں اُتاریں اُنھوں نے عرض کیا کہ ہمنے آپکو دیکھا کہ جوتیاں اُتار دیں تو ہمنے بھی اُتار دیں آپ نے فرمایا کہ
جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھکو خبر دی کہ اُنمیں نجاست ہے اسلیے میں نے اُتار دیں پس جب کوئی تم میں سے مسجد میں قصد

عالم داخل ہو اور وہ اُسکے لیے کھڑا ہو جاوے تو اُسوقت اگر یہ کہے کہ نیت کرتا ہوں سیدھا کھڑے ہونے کی اس فاضل کی تعظیم کو اسکے فضل کی جہت سے اسکے آنے کے ساتھ ہی اپنا منھ اُسکی طرف کرلے تو ظاہر ہے کہ یہ شخص کم عقل ہو گا بلکہ جب عالم کو دیکھا اور اُسکے فضل کو جانا ہی ہے اُسی وقت دل میں اُسکی تعظیم کا سبب ٹھہرا اور اُسکو کھڑا کر دیا تو تعظیم کرنیوالا ہو گا بشرطیکہ اور کسی کام کو یا غفلت میں نہ اُٹھا ہو اور نماز کی نیت میں جو ظہر کا ہونا اور ادا اور فرض کا ہونا امتثال امر کے باب میں شرط ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے آنے والے کے لیے آتے ہی کھڑا ہونا اور اُسکی طرف منھ کرنا اور کسی باعث کا نہ ہونا اور اس کھڑے ہونے سے اُسکی تعظیم کا قصد کرنا ہے تاکہ واقع میں تعظیم ہو کیونکہ اگر مثلاً اُسکی طرف کو پشت پھیر کر کھڑا ہو گا یا ٹھہر رہیگا اور دیر کے بعد کھڑا ہو گا تو تعظیم کرنیوالا نہ ہو گا۔ پھر ان صفات کا معلوم اور مقصود ہونا ضروری ہے اور نفس میں انکا حاضر ہونا ایک لحظہ میں طول نہیں چاہتا بلکہ طول اُسمیں ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کو مرتب کیا جائے جو ان صفات پر دال ہوں خواہ زبان سے ادا کیے جاویں یا دل میں سوچے جاویں غرض جو شخص نماز کی نیت اسطرح پر نہیں سمجھا وہ گویا نیت ہی کو نہیں سمجھا کیونکہ نیت میں صرف اتنی ہی بات ہے کہ جب آدمی کو نماز کے وقت نماز کے لیے بلایا گیا اُسنے امتثال امر کیا اور کھڑا ہو گیا اب وسوسہ کرنا جہالت محض ہے کیونکہ یہ مقصود اور یہ علوم نفس میں ایک ہی حالت میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اِنکے افراد کی تفصیل ذہن میں اسطرح نہیں ہوتی کہ نفس انکو دیکھے اور سوچ لے اور نفس میں چیز کا حاضر ہونا اور چیز ہے اور فکر سے اُسکی تفصیل چاہنی اور بات ہے اور حاضر ہونا جیسے اور غفلت کے مقابل ہے گو حضوری مفصل طور پر نہ ہو مثلاً جو شخص حادث کو جانے تو وہ اسکو ایک ہی حالت میں جانیگا حالانکہ حادث کا جاننا متضمن بہت سے علوم کو ہے جو حاضر ہیں گو مفصل نہیں یعنی جو حادث کو جانیگا وہ موجود اور معدوم اور پہلے ہونے اور پیچھے ہونے اور زمانے کو بھی جانیگا اور اس بات کو بھی جانیگا کہ عدم کو تقدم ہوتا ہے اور وجود کو تاخر پس ان باتوں کا جاننا حادث کے جاننے میں متضمن ہے اسوجہ سے کہ حادث کا جاننے والا اگر اور بات کو نہ جانے اور اس سے اگر سوال کیا جاوے کہ بھلا تمنے کبھی تقدم یا تاخر یا عدم کو یا عدم کے تقدم یا وجود کے تاخر یا زمانے کو جو متقدم اور متاخر ہوتا ہے معلوم کیا ہے اور وہ کہے کہ میں نے کبھی نہیں جانا تو وہ جھوٹا ہو گا اور اُسکا یہ کہنا اِسکے مخالف پڑیگا کہ میں حادث کو جانتا ہوں اسی دقیقہ کے نکلنے سے وسواس اُبھرتا ہے کہ وسواسی اپنے نفس پر زور دیکر چاہتا ہے کہ اپنے دل میں ظہر ہونے اور ادا ہونے اور فرض ہونے کو ایک حالت میں حاضر کرے پھر انکی تفصیل الفاظ سے کرے اور خود اس تفصیل کو دیکھ لے اور یہ بات ہو نہیں سکتی اگر عالم اس بات کی تکلیف اپنے نفس پر عالم کے لیے کھڑے ہونے کے باب میں کریگا تو اُسپر دشوار ہو گا غرض کہ اس جہل کے جاننے سے وسواس دور ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری نیت کے باب میں اُسی طرح ہے جیسے غیر کے امر کی فرمانبرداری ہوتی ہے پھر ہم تسہیل اور رخصت کے طور پر اتنی بات اور کہتے ہیں کہ اگر وسواسی نیت اسی کا نام سمجھتا ہے کہ یہ ساری باتیں مفصل حاضر کرنی ہو نگی اور اُسکے نفس میں امتثال نماز کی صورت نہیں پڑتا اور اگر تمامی تکبیر میں اول سے آخر تک ان امور میں سے کسی قدر کو حاضر کرلیگا اسطرح کہ تکبیر کے پورا ہونے پر نیت حاصل ہو جاوے تو یہ بھی اُسکو کافی ہو گا ہم اُسکو تکلیف نہیں دیتے کہ ساری باتیں تکبیر کے اول میں اور آخر میں جمع کرے کیونکہ یہ تکلیف حد سے زیادہ ہے اگر اسکا حکم ہوتا تو پہلے لوگوں سے اُسکی پرسش ہوتی اور صحابہ میں سے کوئی نیت میں وسوسہ کرتا پس اسکے حال سے سوال ہونا اور صحابہ کا وسوسہ نہ کرنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اِسکا معاملہ سہولت پر ہے اسی جہت سے وسواسی کو جسطرح پر نیت میسر ہو جاوے اُسپر قناعت کرے تاکہ اُسکا عادی ہو جاوے اور وسوسہ دور ہو اور اپنے نفس سے اُسکی تحقیق کی طلب نہ کرے کہ تحقیق وسوسہ بڑھا دیتی ہے۔ اور ہمنے تحقیق کی چند وجہیں فتاویٰ میں ان علوم اور قصدوں کی تفصیل کے باب میں جو نیت سے متعلق ہیں ذکر کی ہیں کہ انکے دریافت کرنے کی حاجت علماء کو ہوتی ہے عوام کو تو اکثر انکا سننا ضرر کرتا ہے اور وسواس زیادہ کرتا ہے اسی جہت سے یہاں نہیں لکھی

مسئلہ مقتدی کو امام سے آگے ہونا رکوع اور سجدہ اور ان دونوں سے اُٹھنے کی حالت میں اور تمام اعمال میں نہیں چاہیے اور یہ مناسب ہے کہ اُسکے ساتھ ہی یہ اعمال بجالاوے بلکہ اُسکی متابعت کرے اور پیچھے پیچھے ارکان ادا کرے کیونکہ اقتدا کے معنے یہی ہیں اور اگر امام کے برابر ہی اعمال کریگا تو بھی نماز باطل ہو گی جیسے کھڑے ہونے میں امام کے برابر کھڑا ہو جاوے اُس سے پیچھے ہٹکر نہ کھڑا ہو پس اگر امام سے ایک رکن آگے ہو جاوے تو اُسکی نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے مگر قرین بصواب یہی ہے کہ باطل ہونے کا حکم کیا جاوے کہ اُسکی ایسی صورت ہو گئی جیسا کھڑے ہونے میں امام سے آگے بڑھکر کھڑا ہو بلکہ اسمیں بطریق اولیٰ نماز باطل ہونی چاہیے کیونکہ جماعت میں اقتدا فعل کا ہوتا ہے نہ کھڑے ہونے کا تو متابعت فعل میں زیادہ تر ضروری ٹھہری اور مکان میں آگے نہ بڑھنے کی شرط بھی اسی لیے ہے کہ

معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر جس صورت میں کہ مقتدی مسجد کے پیچھے یا پاس طرف کے مکان کے صحن میں ہو اور اُس مکان کا دروازہ مسجد سے لگا ہوا
تو انہیں یہ شرط ہے کہ مسجد کی صف ہوتے ہوتے اُس مکان کی ڈیوڑھی میں سے ہو کر صحن تک جائے بیچ میں سے جدا ہو تو اُس صف میں
یا اسکی پچھلی صف میں جو مقتدی ہوگا اسکی نماز ہو جاویگی اور جو شخص اس صف کے آگے ہوگا اسکی نماز نہوگی غرض کہ مختلف عمارتوں کا سا
یہی حال ہے اور اگر ایک ہی عمارت یا میدان وسیع ہو تو اُسکا حال مثل جنگل کے ہے مسئلہ مسبوق جو امام کے ساتھ پچھلی رکعتوں میں ملتا ہے وہ اسکی
شروع نماز ہوتی ہے پس چاہیے کہ امام کی موافقت کرے اور اسی نماز پر باقی نماز بنا کرے اور صبح کی نماز میں اپنی نماز کے آخر میں قنوت پڑھے
اگرچہ امام کے ساتھ پڑھ لیا ہو اور اگر امام کے ساتھ میں کسی قدر قیام ملے تو دعا نہ پڑھے بلکہ الحمد آہستہ پڑھنا شروع کرے پھر اگر الحمد پوری نہیں پڑھی
تھی کہ امام نے رکوع کر دیا اور اگر یہ جانے کہ امام کے ساتھ قومہ میں ملجاویگا تو تمام پڑھ لے اور اگر یہ ہو سکے تو امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے
اور تھوڑی سی الحمد جو پڑھ لی ہے اُسی کو کل کا حکم ہوگا اور باقی بسبب پیچھے ملنے کے ساقط ہو جاویگی اور اگر امام نے رکوع کیا اور مقتدی سورت
پڑھتا ہے تو سورت کو چھوڑ کر امام کی متابعت کرے اور اگر امام کو سجدہ میں خواہ تشہد میں پاوے تو تکبیر تحریمہ کہکر بیٹھ جاوے دوبارہ اللہ اکبر نہ کہے
بخلاف اس صورت کے کہ امام کو رکوع میں پاوے کہ یہاں تکبیر تحریمہ کے بعد دوسری تکبیر رکوع میں جھکنے کے لیے کہے اسلیے کہ تکبیریں اصلی انتقالات
کے لیے ہیں اور رکوع شمار کیا جاتا تو محسوب ہے اسکے باعث رکعت ملجاتی ہے اسلیے اسکی تکبیر کہنی چاہیے اور جو انتقال کہ امام کی جہت سے کرتا ہے حالانکہ
اکیلا ہونے میں اُسوقت نکرتا تو اسے امر کے لیے تکبیر کہنی بے موقع ہوگی۔ اور رکعت مقتدی کو جبھی تک ملیگی کہ امام کے رکوع کی حد میں ہوتے ہوئے
یہ بھی رکوع اطمینان سے کرے اگر رکوع میں اچھی طرح بس جانے پایا تھا کہ امام رکوع کرنے والوں کی حد سے نکل گیا تو اسکی رکعت فوت ہو گئی
مسئلہ جس شخص کی ظہر قضا ہو گئی اور عصر کا وقت آگیا تو اول ظہر پڑھے پھر عصر لیکن اگر عصر کو اول پڑھیگا تب بھی کافی ہے مگر تارک اولیٰ ہوگا اور
شبہہ خلاف میں داخل پھر اگر عصر کی جماعت ملجاسکے تو اول عصر ہی پڑھے اور اُسکے بعد ظہر ادا کرے کیونکہ ادا نماز کے لیے جماعت ہی بہتر ہے پس اگر
اول وقت میں تنہا نماز پڑھ لی پھر جماعت ملگئی تو جماعت میں نماز وقت کی نیت کرکے شامل ہو جائے اللہ تعالیٰ جونسی ان دونوں میں سے چاہیگا
اُسکے حق میں محسوب فرماویگا اور اگر جماعت میں قضا یا نفل کی نیت کر لے تب بھی درست ہے اور اگر نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی پھر دوسری
جماعت ملگئی تو اس جماعت میں قضا یا نفل کی نیت سے شریک ہو کیونکہ نماز وقتی جو جماعت کے ساتھ ادا ہو چکی ہے اُسکو دوبارہ ادا کرنے کا
کوئی سبب نہیں اول صورت میں ثواب جماعت ملنے کا احتمال تھا وہ بھی یہاں نہیں رہا مسئلہ جو شخص نماز پڑھنے کے بعد اپنے کپڑے پر نجاست
دیکھے تو مستحب ہے کہ نماز کو دوبارہ پڑھے مگر دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے اور اگر عین نماز پڑھنے میں یہ صورت ہو تو کپڑا اُس الگ کر دے اور نماز
پوری کرے اور از سر نو پڑھنا مستحب ہے اور اصل اس باب میں قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں اُتارنے کا ہے کہ جب آپکو حضرت جبرئیل
علیہ السلام نے خبر دی کہ انمیں نجاست ہے تو آپ نے جوتیاں اُتار ڈالیں اور نماز کو از سر نو نہیں پڑھا مسئلہ جو شخص تشہد اول یا قنوت یا اول
قعدہ میں درود چھوڑ دے یا بھولکر کوئی ایسا کام کرے کہ اگر جانکر کرتا تو اس سے نماز باطل ہو جاتی یا شک کرے کہ معلوم نہیں رکعتیں تین پڑھی
ہیں یا چار تو وہ یقینی بات کو اختیار کرے اور دو سجدہ سہو کے سلام سے پیشتر کرے اور اگر بھول جائے تو سلام کے بعد اگر قریب ہی یاد آجاویں
کرلے پس اگر بعد سلام کے سجدۂ سہو کیا اور بے وضو ہو گیا تو نماز باطل ہو جاویگی کیونکہ سلام کے بعد جب اُسنے سجدہ کیا تو گویا سلام کو بھول میں
داخل کر دیا کہ بے موقع ہو گیا اس سے نماز پوری نہوئی اور نماز میں پھر سے مشغول ہو گیا اسی جہت سے بے وضو ہونا نماز کے اندر واقع ہوا اور پہلا
سلام بے محل ہونے کی وجہ سے سجدۂ سہو کے بعد پھر نئے سرے سے سلام کی ضرورت ہوتی ہے پس اگر سجدۂ سہو مسجد سے نکلنے کے بعد یا دیر بعد یاد
آوے تو اب تدارک نہیں ہو سکتا مسئلہ نماز کی نیت میں وسوسہ کرنے کا سبب یا تو عقل کی خرابی ہے یا شریعت سے جاہل ہونا اسلیے کہ اللہ تعالیٰ
کے حکم کو ماننا ایسا ہی ہے جیسا اُسکے غیر کے حکم کو ماننا اور قصد کے اعتبار سے جیسے اسکی تعظیم ویسی ہی غیر کی تعظیم ہے مثلاً اگر کبھی شخص پر کوئی

سے متعلق ہوں جیسے کسوف اور استسقا ہیں دوسرے وہ جو متعلق اوقات سے ہوں اور اس قسم کی تین قسمیں ہیں اسطرح کہ یا دن رات کے مکرر ہونے سے وہ سنت
مکرر ہوتی ہے یا ہفتہ کے دوبارہ آنے سے یا سال کے مکرر ہونے سے پس سب قسمیں نفلوں کی چار ہوئیں انکو جدا جدا لکھا جاتا ہے قسم اول جو دن رات کے
مکرر ہونے سے ہوتی ہیں وہ آٹھ ہیں پانچ تو نماز پنجگانہ کی سنتیں ہیں اور تین انکے سوا یعنی نماز چاشت اور مغرب اور عشا کے درمیان کی نفلیں اور تہجد اول
صبح کی سنتیں ہیں اور وہ دو ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیہا اور انکا وقت صبح صادق ہونے سے
شروع ہو جاتا ہے اور وہ صبح کناروں کی طرف کو پھیلی ہوئی ہوتی ہے لمبی اور شروع میں اسکا معلوم کرنا مشکل ہے مگر اس طرح ہو سکتا ہے کہ چاند کی منزلیں سیکھ
لے یا ستاروں کے دیکھنے سے جان لے کہ فلاں وقت جب ستارہ فلاں اس جگہ آویگا تو صبح ہو جاویگی اور چاند سے مہینے میں دو بار پہچان ہو سکتی ہے کیونکہ
چھبیسویں شب کو چاند صبح صادق کے ساتھ نکلتا ہے اور بارھویں شب کو چاند کے غروب ہونے کے ساتھ اکثر صبح ہو جاتی ہے اور ان دونوں راتوں میں
کبھی بعض برجوں میں فرق بھی پڑ جاتا ہے اور شرح اسکی طویل ہے اور منازل قمر کا سیکھنا طالب آخرت کے لیے ضروریات میں سے ہے تاکہ اس سے رات کے وقتوں
کی مقدار اور صبح صادق کو پہچانے۔ اور جب صبح کے فرضوں کا وقت نہیں رہتا ہے تبھی سنتوں کا وقت بھی جاتا رہتا ہے یعنی آفتاب کے نکلنے پر انکا وقت
نہیں رہتا مگر مسنون یہ ہے کہ انکو فرضوں سے پہلے ادا کرے پس اگر مسجد میں آوے اور نماز کی تکبیر ہو گئی ہو تو فرضوں میں مشغول ہو جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ پھر نماز سے فارغ ہو کر کھڑا ہو جاوے اور سنتوں کو پڑھ لے اور صحیح یہ ہے کہ سنتیں جبتک آفتاب
نکلنے سے پیشتر واقع ہوں تبتک ادا ہی ہونگی اسلیے کہ وہ وقت میں فرضوں کی تابع ہیں اور انکو پہلے فرضوں سے پڑھنا اور فرضوں کو بعد کو پڑھنا سنت
ہے بشرطیکہ نماز جماعت پاوے اور جب جماعت موجود ہو تو ترتیب مذکور ساقط ہے فرضوں کو اول پڑھتے ہیں اور سنتوں کو پیچھے عوض کہ ادا ہی ہوتی ہیں۔ اور مستحب
یہ ہے کہ سنتوں کو گھر پر مختصر پڑھ لے پھر مسجد میں داخل ہو کر دوگانہ تحیۃ المسجد پڑھے پھر بیٹھ جاوے اور فرض پڑھنے تک کوئی نماز نہ پڑھے اور صبح سے لیکر آفتاب کے
نکلنے تک مستحب یہ ہے کہ ذکر اور فکر میں لگا رہے اور صرف فجر کی سنتوں اور فرضوں پر کفایت کرے دوسری ظہر کی سنتیں ہیں وہ چھ رکعتیں ہیں دو بعد فرضوں
کے اور چار پہلے اور بعد کی دونوں سنت مؤکدہ ہیں اور پہلے کی چار بھی سنت ہیں مگر انکی نسبت کم ہے حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کیا ہے کہ جو شخص چار رکعتیں آفتاب کے ڈھلنے کے بعد پڑھے اور انکی قرات اور رکوع اور سجدہ اچھی اچھی طرح کرے تو اسکے ساتھ ستر ہزار
فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور رات تک اسکے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد چار رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے
اور انکو لمبی پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ دروازے آسمان کے اس ساعت میں کھلتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرا کوئی عمل انمیں کو اوپر جاوے اس
حدیث کو ابوایوب انصاریؓ نے روایت کیا اور راوی اسکے صرف وہی ہیں۔ اور اس مضمون پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ام المومنین ام حبیبہؓ نے
روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی دن میں بارہ رکعتیں فرضوں کے سوا پڑھے اسکے لیے ایک مکان جنت میں بنایا جاویگا دو رکعتیں فجر کے پیشتر اور
چار ظہر سے پہلے اور دو اسکے بعد اور دو عصر سے پہلے اور دو مغرب کے بعد۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک
دن میں دس رکعتیں یاد کی ہیں اور تفصیل اسی طرح کی جو ام المومنین ام حبیبہؓ نے بیان کی تھی مگر فجر کی دو رکعتوں میں فرمایا کہ یہ وقت ایسا تھا کہ اس میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہ جاتا مگر مجھ سے میری بہن ام المومنین حفصہؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے
پھر نکلتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ نے اپنی حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعتیں کہی ہیں اور عشا کے بعد دو رکعتیں بیان کی ہیں اس صورت میں ظہر سے
پہلے کی دو رکعتیں بمقابلہ چار کے زیادہ مؤکد ہو گئیں اور ان رکعتوں کا وقت آفتاب کے زوال پر آجاتا ہے اور زوال کی پہچان یہ ہے کہ سیدھے کھڑے ہوئے آدمی کا
سایہ پورب کی طرف کو جھکتا ہوا ہو اسلیے کہ آفتاب کے نکلنے کے وقت سایہ آدمی کا مغرب کی طرف بہت لمبا ہوتا ہے پھر آفتاب اونچا ہوتا جاتا ہے اور سایہ
گھٹتا جاتا ہے اور مشرق کی طرف پھرتا جاتا ہے یہانتک کہ آفتاب اپنے منتہاے بلندی پر یعنی نصف النہار کے قوس پر پہونچ جاتا ہے اور اسوقت تک سایہ کی
کمی جو ہونا تھا کم ہو چکتا ہے جب نصف النہار سے آفتاب ڈھلتا ہے تو سایہ پھر بڑھنا شروع ہوتا ہے پس جسوقت سے کہ سایہ کا بڑھ جانا آنکھ سے بھی معلوم

عمل میں پیروی عمل ہو جاوے اور صورت متبعیت کی پائی جاوے کہ مقتدی کو مناسب یہی ہے کہ آگے ہو اب جو شخص امام سے عمل میں بڑھ جاوے تو ظاہر ہے کہ بدون سہو کے اور کوئی وجہ اسکی نہیں ہو سکتی اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس باب میں سخت تہدید فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس حمار اور امام سے ایک رکن سے پیچھے رہنا نماز کو باطل نہیں کرتا مثلاً امام قومہ میں آگیا اور مقتدی نے ابھی رکوع بھی نہیں کیا لیکن اس حد کا پیچھے رہنا مکروہ ہے پس اگر امام اپنی پیشانی زمین پر رکھدے اور یہ مقتدی ابھی رکوع کرنے والوں کی حد کو نہ پہنچا ہو تو اسکی نماز باطل ہو جاوے گی اور اسی طرح اگر امام نے دوسرے سجدہ کو سر رکھدیا ہو اور مقتدی نے پہلا سجدہ بھی ابھی نہ کیا ہو تو نماز باطل ہو گی مسئلہ جو شخص نماز میں حاضر ہو تو اُسپر حق ہے کہ اگر دوسرے شخص سے نماز میں کچھ برائی دیکھے تو چاہیے کہ اُسکو تغیر کر دے اور انکار کرے کہ اس طرح نہیں ہے اور اگر کسی جاہل سے سرزد ہو تو اُسپر نرمی کرے اور اُسکو سکھلاوے مثلاً صفوں کا برابر کرنا اور اکیلے آدمی کو تنہا صف کے پیچھے کھڑا ہونے سے منع کرنا اور جو شخص امام سے پہلے سر اُٹھاوے اُسپر انکار کرنا اور اسکے سوا اور باتیں ہیں اسلیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خرابی ہے عالم کو جاہل سے کہ اُسکو تعلیم نہیں کرتا اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کو دیکھے کہ نماز کو بُری طرح پڑھتا ہے اور اُسکو منع نہ کرے تو وہ بھی اُسکے گناہ میں اُسکا شریک ہے اور بلال بن سعد نے کہا ہے کہ قصور جب پوشیدہ کیا جاتا ہے تو پھر اپنے مرتکب کے اور کسی کا ضرر نہیں کرتا اور جب ظاہر کیا جاتا ہے اور اُسکی کوئی اصلاح نہیں کرتا تو اُسکا نقصان عام ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ صفوں کو برابر کیا کرتے اور لوگوں کی کونچوں پر دُرّہ مارتے تھے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ نماز میں اپنے بھائیوں کو دیکھا کرو جب اُنکو نہ پاؤ تو اگر بیمار ہوں تو انکی عیادت کرو اور اگر تندرست ہوں تو عتاب کرو یعنی جماعت کے چھوڑنے پر ملامت کرو اور اس باب میں تساہل کرنا نہ چاہیے کہ پہلے لوگ اسمیں مبالغہ کرتے تھے یہاں تک کہ بعض آدمی جماعت کے چھوڑنے والوں کے دروازہ تک جنازہ لیجاتے تھے اس بات کے جتانے کو کہ مُردہ ہو تو جماعت سے پیچھے رہے زندہ کو پیچھے رہنا نہ چاہیے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ صف کی دہنی جانب قصد کرے اور اسی وجہ سے عہد مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دہنی جانب پر لوگ اس کثرت سے ہوتے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ بائیں طرف بالکل چھوٹ گئی آپ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد کی بائیں جانب کو معمور کرے اُسکو دو برابر ثواب ہو گا۔ اور جب صف میں لڑکا نابالغ دیکھے اور اپنے لیے جگہ نہ ہو تو جائز ہے کہ لڑکے کو صف سے علیحدہ کر کے آپ اُسکی جگہ کھڑا ہو جاوے۔ یہ ہے بیان اُن مسائل کا جن میں لوگ اکثر مبتلا ہوتے ہیں اور متفرق نمازوں کے احکام باب لا ورادمیں انشاء اللہ عنقریب مذکور ہونگے

ساتویں فصل نفل نمازوں کے ذکر میں

جاننا چاہیے کہ فرض نمازوں کے سوا اور نمازوں کی تین قسمیں ہیں اول سنت دوم مستحب سوم تطوع سنت نماز سے ہماری مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسپر مواظبت منقول ہو جیسے نمازوں کے بعد کی سنتیں اور نماز چاشت اور وتر اور تہجد وغیرہ ہیں کیونکہ سنت طریق مسلوک کو کہتے ہیں تو جس طریق پر آپ ہمیشہ چلے ہونگے وہی سنت ہو گا اور مستحب سے ہماری غرض یہ ہے کہ حدیث میں اُسکی بزرگی آئی ہو مگر آپ سے اُسکا ہمیشہ پڑھنا منقول ہو چنانچہ اُنکا ذکر روزانہ اور سالانہ ہفتہ کی نمازوں میں ہم عنقریب لکھتے ہیں یا جیسے گھر سے نکلنے کے وقت اور اُسمیں آنے کے وقت کی نماز وغیرہ ہیں اور تطوع سے ہماری مراد یہ ہے کہ جو نماز ان دونوں کے سوا ہوں یعنی خاص اُنکے لیے کوئی خبر نہیں ہے مگر بندہ نے خدائے تعالیٰ کی مناجات میں اُسکو نماز سے جسکی مطلق فضیلت شریعت میں وارد ہے تبرع اور سلوک کیا اور تطوع تبرع کو کہتے ہیں تو گویا بندہ نماز تطوع سے تبرع کرتا ہے کہ اُسکی طرف بلایا نہیں گیا اگرچہ مطلق نماز کی طرف بلایا گیا ہے اور ان تینوں قسموں کو نفل اس جہت سے کہتے ہیں کہ نفل کے معنی زیادتی کے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب فرضوں سے زیادہ ہیں اور ان مقاصد کے جتانے کے لیے ہمنے نفل اور سنت اور مستحب و تطوع کی اصطلاح مقرر کرلی اور جو کوئی اس اصطلاح کو بدل ڈالے تو اُسپر کچھ اعتراض نہیں کیونکہ مقاصد کے سمجھنے کے بعد لفظوں سے کچھ غرض نہیں اور ان قسموں میں سے ہر ایک قسم کے درجات اُسی قدر فضل میں مختلف ہیں جسقدر کہ اخبار و آثار جسے اُنکا فضل معلوم ہوتا ہے اُنکے باب میں وارد ہیں اور جسقدر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ مواظبت فرمائی ہے اور جسقدر کہ اُنکے باب میں حدیثیں صحیح اور مشہور ہیں اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جماعتوں کی سنتیں تنہائی کی سنتوں سے افضل ہیں اور جماعت کی سنتوں میں سب سے افضل عید کی نماز پھر گہن کی نماز پھر طلب باران کی نماز ہے اور تنہائی کی سنتوں میں سے افضل وتر ہیں پھر فجر کی دونوں سنتیں پھر اُنکے بعد اور سنتیں موکدہ علی حسب مراتب ہیں اور واضح ہو کہ نوافل اپنے متعلقات کی جہت سے دو قسم پر ہیں اول وہ جو

کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ لِمَنْ شَاءَ اور حضرت امام احمدؒ یہ دونوں رکعتیں پڑھا کرتے تھے لوگوں نے جو انکو عیب لگایا تو چھوڑ دیں پھر جو کسی نے انسے پوچھا تو فرمایا کہ میں نے لوگوں کو پڑھتے نہ دیکھا اسلیے میں نے بھی چھوڑ دیں اور فرمایا کہ اگر انکو آدمی اپنے گھر یا ایسی جگہ پڑھ لیا کرے کہ لوگ نہ دیکھیں تو بہتر ہے۔ اور مغرب کے وقت آفتاب کے نظر سے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور آنکھ سے چھپنا میدان میں برابر معتبر ہے کہ گرد پہاڑ ہوں اور اگر مغرب کی طرف پہاڑ ہوں تو اتنا توقف کرنا چاہیے کہ مشرق کی جانب سیاہی آتی ہوئی معلوم ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَاَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ اور مستحب یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں خصوصاً جلدی کیجائے اور اگر تاخیر ہو جاوے اور سرخی شفق کے غائب ہونے سے پیشتر پڑھ لیجاوے تب بھی ادا ہوگی مگر مکروہ ہے اور حضرت عمرؓ نے ایک بار نماز مغرب میں اتنی تاخیر کی کہ ایک ستارہ نکل آیا پس آپ نے اسکے تدارک کو ایک بردہ آزاد کیا اور حضرت ابن عمرؓ نے اتنی دیر کی کہ دو ستارے نکل آئے آپ نے دو بردے آزاد کیے پانچویں عشاء کے نوافل اور وہ فرضوں کے بعد چار رکعتیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد عشاء کے چار رکعتیں پڑھتے تھے پھر سو رہتے تھے اور بعض علماء نے سب احادیث سے یہ اختیار کیا ہے کہ نوافل کے شمار سترہ ہونے چاہیں جیسے فرضوں کی تعداد ہے یعنی دو رکعتیں فجر سے پیشتر اور چار ظہر سے پہلے اور دو اسکے بعد اور چار عصر سے پہلے اور دو مغرب کے بعد اور تین عشاء کے بعد اور وہ وتر ہیں۔ اور جب اول کے باب میں جو حدیثیں وارد ہیں انکو معلوم کر چکے تو اب انکی شمار میں کوشش کرنے کے کیا معنے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز ایک خیر ہے رکھی ہوئی پس جو کوئی چاہے زیادہ لے اور جو چاہے کم لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک طالب ان نمازوں میں سے اسی قدر اختیار کرتا ہے جتنی رغبت اسکو خیر میں ہوتی ہے اور ان مذکورہ بالا سے معلوم ہوگا کہ ان نوافل میں بعض موکد زیادہ ہیں اور بعض کم تو موکد کا چھوڑ دینا بعید ہے خصوصاً اس صورت میں کہ فرضوں کی تکمیل ایسے ہوتی ہے تو جو کوئی نوافل بہت نہ پڑھیگا کیا عجب ہے کہ اسکے فرض کسر اور رہ جاویں اور انکا نقصان نہ تدارک ہو۔ چھٹی وتر ہے حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد تین رکعتوں کا وتر پڑھتے تھے اول میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور دوسری میں کافرون اور تیسری میں اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد وتر کے دو رکعتیں بیٹھکر پڑھتے تھے اور بعض روایت میں ہے کہ پالتی مار کر پڑھتے تھے اور بعض میں یہ ہے کہ جب اپنے بستر پر آتے تو اسپر چار زانو ہو جاتے اور سونے سے پیشتر دو رکعتیں پڑھتے اول میں اِذَا زُلْزِلَتْ اور دوسری میں سورۂ تکاثر اور ایک روایت میں سورۂ قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ہے اور وتر جدا بھی دو سلاموں سے درست ہے اور ملا ہوا ایک سلام کے ساتھ بھی جائز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر میں اور پانچ اور سات اور نو اور گیارہ سے وتر پڑھا ہے اور تیرہ رکعتوں میں روایت مترود ہے اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعتیں ہیں اور یہ سب رکعتیں جنکو ہمنے وتر کہا ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب یعنی تہجد تھا اور تہجد رات کو سنت موکدہ ہے اور عنقریب اسکی فضیلت باب الاوراد میں آویگی اور اسمیں اختلاف ہے کہ وتر میں افضل کیا ہے پس بعضوں نے یہ کہا ہے کہ ایک رکعت تنہا وتر افضل ہے اسلیے کہ صحیح ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت سے وتر کرنے پر مواظبت کیا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وتر ملے ہوئے بہتر ہیں تاکہ شبہ خلاف کا نہ رہے خصوصاً امام کو ملانا ضرور ہے اسلیے کہ بعض اوقات اسکا مقتدی ایسا شخص کرتا ہے جو ایک رکعت تنہا کو نماز نہیں اعتقاد کرتا پس اگر ملا کر پڑھے تو سب کی نیت وتر کی کرلے اور ایک رکعت اگر عشاء کے بعد کی دوگانہ کے بعد یا فرضوں کے پیچھے پڑھے تو اسی سے وتر کی نیت کرلے اور نماز درست ہوگی اسلیے کہ وتر کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے طاق ہو اور دوسری نماز جو اس سے پہلے ہو گئی ہو اسکو طاق کر دے تو جب فرضوں کے بعد ایک رکعت پڑھی تو فرضوں کو طاق کر دیگی۔ اور اگر وتر قبل عشاء کے ادا کریگا تو درست ہوگی یعنی جو فضیلت وتر کی حدیث میں آئی ہے کہ وتر سرخ اونٹوں سے بہتر ہیں اسکا ثواب نہ ملیگا ورنہ ایک رکعت تو جس وقت میں پڑھیگا درست ہوگی اور عشاء سے پہلے وتر کی رکعت صحیح نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ تمام خلق کے اجماع کے خلاف ہے اور دوسری یہ کہ اس سے پہلے کوئی نماز نہیں ہوئی کہ وہ اس وتر سے طاق ہو جاوے۔ اور جب وتر کی تین رکعتیں جدا جدا دو سلاموں سے پڑھنا چاہیے تو اول کے دوگانہ کی نیت میں تامل ہے اگر اسسے نماز تہجد یا عشاء کی سنتوں کی کریگا تب تو وہ وتر نہ رہینگے اور اگر وتر کی نیت کریگا تو وہ خود وتر نہیں کیونکہ وہ رکعتیں ہیں انکے بعد کی ایک رکعت البتہ وتر ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ جیسے تین ملی ہوئی رکعتوں میں وتر کی نیت

ڈھلنے لگے اسی وقت سے ظہر کا وقت آجاتا ہو اور یہ بات قطعاً معلوم ہو کہ زوال خدا تعالی کے علم مین اُسوقت سے پیشتر ہو چکا مگر چونکہ احکام شرعی اُنھین چیزوں سے متعلق ہوتے ہین جو محسوس ہون اسلیے زوال اسی وقت سے کہینگے جب محسوس ہو جاوے۔ اور جو مقدار سایہ کی آفتاب کے نصف النہار پر ہونے کے وقت ہوتی ہو اور جہاں سے کہ سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہو وہ جاڑون میں لمبی ہوتی ہو اور گرمیوں مین چھوٹی اور اُسکے بڑے سے بڑے ہونے کی غایت یہ ہو کہ آفتاب برج جدی کی ابتدا پر پہونچ جاوے اور چھوٹے سے چھوٹے ہونے کی غایت یہ ہو کہ برج سرطان کے شروع پر پہونچ جاوے اور یہ بات قدموں اور میزانوں سے پہچانی جاتی ہو اور طریق قریب بہ تحقیق زوال کے معلوم کرنے کا در صورتیکہ کوئی اچھی طرح اُسکو لحاظ رکھے یہ ہو کہ رات کو قطب شمالی یعنی ستارہ قطب کو دیکھے اور ایک تختہ مربع زمین پر برابر رکھے اسطرح کہ اُسکا ایک ضلع قطب کی جانب ایسا ہو کہ اگر بالفرض قطب سے ایک کنکر زمین پر چھوڑیں اور جس جگہ وہ کنکر زمین پر گرے وہاں سے ایک خط مستقیم اُس ضلع تک گذرتا ہوا فرض کریں تو یہ خط ضلع مذکور پر ہو فائمہ ساوے یعنی خط مذکور ضلع مسطور کے کسی سمت کی طرف جھکتا ہوا ہو اور جس نقطہ پر ضلع شمالی کے وہ خط مفروض گذرتا ہوا معلوم ہوا اسی کے مطابق خط مستقیم مثلاً اب تختہ کے ضلع شمالی سے جنوبی ضلع تک کھینچ دیا جاوے اور اس جگہ ایک عمود تختہ پر نقطہ ھ سے جو ضلع جنوبی میں خط مستقیم کے ملنے سے پیدا ہوا ہو قائم کریں اور فرض کرو کہ ضلع غربی تختہ کا شکل ذیل میں ا ہو تو اول روز میں سایہ اس عمود کا مغرب کی طرف ضلع ا کی طرف کو مائل ہوگا پھر دوپہر تک کم ہوتا اور شمال کی طرف کو ہٹتا رہیگا یہانتک کہ خط اب پر منطبق ہو جاوے اسطرح کہ اگر اُسکو شمال کی جانب بڑھاوین تو جس نقطہ پر قطب سے کنکر گرا ہوا فرض کیا تھا اُسپر پہونچ جاوے اور یہ سایہ اُسوقت ضلع شرقی اور مغربی تختہ کے موازی ہوتا ہو کسی کی طرف کو مائل نہیں ہوتا اور اُسوقت مین آفتاب منتہای بلندی پر ہوتا ہو پس جب سایہ خط اب سے شرق کی جانب کو جھکتا ہو تو آفتاب ڈھلتا ہو اور یہ بات ٹھیک ایسے وقت میں معلوم ہونے لگتی ہو جو زوال حقیقی سے قریب ہی ہوتا ہو پھر دوپہر کو جس جگہ سایہ ہو وہاں خط اب پر ایک نشان کر دیا جاوے پس جب سایہ عمود کا اتنا ہو جاوے کہ عمود مذکور اور اُس زوال کے وقت کے سایہ کے برابر ہو یعنی سوائے سایہ دوپہر کے ایک مثل ہو جاوے تو وقت عصر کا آجاتا ہو پس اسقدر زوال کے جاننے کے لیے معلوم کرنے کا مضائقہ نہین مترجم کہتا ہو کہ

سہل طریق زوال کے دریافت کا دائرہ ہندی ہو جو اکثر کتب فقیہہ میں مذکور ہو اُسکی صورت یہ ہو کہ زمین کو چورس کر کے خواہ تختہ کو چورس بنا کر اُسپر ایک دائرہ پرکار سے کھینچیں اور مرکز دائرہ مین ایک عمود قائم کرین جسکی لمبائی تختہ سے اوپر نصف قطر سے کچھ کم ہو صبح کو اُس عمود کا سایہ دائرہ کے باہر ہوگا اور کم ہوتے ہوتے دائرہ کے اندر آویگا جس جگہ سے اندر آنا شروع کرے وہان ایک نشان کر دیا جاوے پھر دوپہر کے بعد سایہ بڑھنے لگیگا یہانتک کہ دائرہ سے باہر ہو جاوے جس جگہ سے باہر ہو وہاں بھی ایک نشان کر دیا جاوے اور جو چھوٹی قوس دائرہ کی ان دونوں نشانوں کے درمیان ہو اُسکو تنصیف کر کے نقطہ تنصیف سے ایک خط مرکز دائرہ میں ملا دیا جاوے پس جبکہ عمود کا سایہ اس خط پر منطبق ہو وہ وقت نصف النہار ہو اور جب مشرق کی جانب کو اُس سے مائل ہو وہ وقت زوال ہو تیسرے عصر کے وقت سے پہلے

نوافل وہ چار رکعتیں عصر سے پیشتر ہیں حضرت ابو ہریرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو کہ آپ نے فرمایا رحم اللہ عبداً صلی قبل العصر اربعاً پس اُنکا پڑھنا اس توقع سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں داخل ہو جاوے مستحب مؤکد ہو اس نظر سے کہ آپ کی دعا بیشک مقبول ہوگی اور آپ نے عصر سے پہلے کی رکعتوں پر اتنی مواظبت نہیں فرمائی جتنی ظہر سے پہلے کی دو رکعتوں پر کی ہو چوتھی مغرب کے وقت کی سنتیں اور وہ فرض کے بعد دو رکعتیں ہین اُنمین روایت مختلف نہین ہوئی مگر دو رکعتیں مغرب سے پیشتر اذان اور تکبیر کے درمیان جلد پڑھ لینی چند صحابہ سے منقول ہین مثل اُبی بن کعب و عبادہ بن الصامت و ابو ذر و زید بن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہم چنانچہ حضرت عبادہ وغیرہم فرماتے ہین کہ جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے ستونوں کی طرف دو رکعتیں پڑھنے کو جھپٹ جاتے اور بعض صحابہ فرماتے ہین کہ ہم مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے یہانتک کہ کوئی آنیوالا جانتا کہ ہم مغرب پڑھ چکے اور پوچھتا کہ کیا مغرب پڑھ چکے اور یہ رکعتیں پڑھنی اس حدیث شریف کے عموم میں داخل ہین

سے اپنی حاجت مانگے تو اللہ تعالی پر اسکی حاجت کا پورا کرنا لازم ہوگا دوشنبہ حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے
فرمایا جو شخص دوشنبہ کے روز آفتاب کے اونچا ہونے کے وقت دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد ایکبار اور آیۃ الکرسی ایکبار اور اخلاص اور معوذتین ایک ایک بار اور
جب سلام پھیرے دس بار استغفار اور دس بار درود پڑھے تو اللہ تعالی اُسکے سب گناہ بخش دے۔ اور حضرت انس بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی دوشنبہ کو بارہ رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار اور نماز سے فارغ ہوکر سورۂ اخلاص
اور استغفار بارہ بارہ مرتبہ پڑھے تو قیامت کے روز اسکو پکارا جاویگا کہ فلاں ابن فلاں کہاں ہے اُٹھے اور اپنا ثواب خدا تعالی سے لیوے پس اول ثواب
اسکو یہ ہوگا کہ ہزار لباس بہشتی دیئے جاوینگے اور تاج سر پر رکھا جاویگا اور حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو پھر ہزار فرشتے اُسکے استقبال کو جاوینگے ہر ایک تحفہ لیکر
اور اُسکے ساتھ رہینگے یہانتک کہ وہ ہزار نور کے محلوں پر دورہ کرے جو چمکتے ہونگے سہ شنبہ یزید رقاشیؒ حضرت انسؓ سے راوی ہیں اور وہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی سہ شنبہ کے روز دوپہر ہونے کے قریب اور بعض روایت میں ہے کہ آفتاب کے
اونچا ہونے کے وقت دس رکعتیں اسطرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار اور اخلاص تین بار تو اسکے ذمہ ستر دن تک گناہ نہ لکھا جاویگا
پس اگر ستر دن کے درمیان مریگا تو شہید مریگا اور اُسکے ستر برس کے گناہ بخش دیئے جاوینگے چہارشنبہ ابو ادریس خولانی حضرت معاذ بن جبلؓ سے راوی
ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص چہارشنبہ کے روز دن چڑھے بارہ رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد اور
آیۃ الکرسی ایک ایک بار اور اخلاص تین بار اور معوذتین تین بار پڑھے تو اُسکو عرش کے پاس سے فرشتہ پکارتا ہے کہ اے اللہ کے بندے عمل پھر سے کر کہ
تیرے پہلے گناہ بخش دیئے گئے اور اللہ تعالی اسپر سے عذاب قبر اور اُسکا اندھیرا اور تنگی دور کریگا اور قیامت کی سختیاں اُس سے اُٹھا لیگا اور اُسی
سے اُسکے لیے ایک پیغمبر کا عمل اوپر چڑھا کریگا پنجشنبہ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے راوی ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے
فرمایا جو شخص پنجشنبہ کے روز ظہر اور عصر کے درمیان میں دو رکعتیں پڑھے اول میں الحمد ایکبار اور آیۃ الکرسی سو بار اور دوسری میں الحمد ایکبار اور اخلاص سو بار
اور سو بار درود پڑھے تو اللہ تعالی اسکو ثواب اُس شخص کا عنایت فرماویگا جسنے رجب اور شعبان اور رمضان کے روزے رکھے ہوں اور اُسکو خانہ کعبہ
کے حج کرنے والے کا سا ثواب ہوگا اور اللہ تعالی اسکے لیے ان لوگوں کے شمار کے موافق جو اسپر ایمان لاتے ہیں اور توکل کرتے ہیں ثواب لکھیگا جمعہ
حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک نماز ہے جو بندۂ ایماندار آفتاب کے کامل نکل جانے اور
بقدر ایک نیزہ کے یا زیادہ اونچا ہونے پر کھڑا ہو اور وضو اچھی طرح پوری کرے اور نماز چاشت دو رکعتیں ایمان اور طلب ثواب کی رو سے پڑھے تو اللہ
تعالی اسکے لیے دو سو نیکیاں لکھیگا اور دو سو خطائیں مٹا دیگا اور جو کوئی چار رکعتیں پڑھے اللہ تعالی اسکے چار سو درجے جنت میں اونچے کریگا اور
جو شخص آٹھ رکعتیں پڑھے اُسکے آٹھ سو درجے جنت میں بلند کریگا اور اُسکے سب گناہ بخشدیگا اور جو کوئی بارہ رکعتیں پڑھے اُسکے لیے بارہ سو نیکیاں
تحریر فرماویگا اور بارہ سو برائیاں اسکے نامہ اعمال سے دور کریگا اور جنت میں بارہ سو درجے اوپر چڑھا دیگا۔ اور نافع حضرت ابن عمرؓ سے راوی ہیں اور وہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز مسجد جامع میں داخل ہو اور چار رکعتیں دوگانہ جمعہ سے
پیشتر پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد اور پچاس بار اخلاص پڑھے وہ جب مریگا کہ اپنا ٹھکانا جنت میں سے دیکھ لیگا یا اسکو دکھلا دیا جاویگا شنبہ حضرت
ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شنبہ کے روز چار رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں ایکبار الحمد اور تین بار سورۂ
کافرون پڑھے اور نماز سے فارغ ہوکر آیۃ الکرسی پڑھے تو اللہ تعالی اسکے ہر ایک حرف کے بدلہ میں ایک حج اور عمرہ کا ثواب لکھیگا اور ہر ایک حرف
کے بدلہ میں ایک برس کے دنوں کے روزوں اور راتوں کی شب بیداری کا ثواب عنایت فرماویگا اور ہر ایک حرف کے عوض میں ایک
شہید کا ثواب دیگا اور پیغمبروں اور شہیدوں کے ساتھ عرش کے سایہ تلے رہیگا اب راتوں کا حال سننا چاہیے اتوار کی رات
حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اتوار کی رات میں بیس رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد

کرے اسی طرح آمین بھی وتر ہی کی نیت کرے باقی رہی یہ بات کہ دوگانہ اول وتر نہیں تو اسکی صورت یہ ہو کہ وتر کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ بذات خود طاق ہو دوسرے
یہ کہ اسلیے ہوا ہو کہ بعد سے ملا کر طاق کر دیا جاوے اس صورت میں تینوں رکعتیں ملکر بھی وتر ہونگی اور دو رکعتیں منجملہ تین کے بھی وتر ہونگی مگر انکا وتر ہونا تیسری
رکعت پر موقوف ہوگا اور چونکہ نمازی کا قصد مصمم یہی ہو کہ اس دوگانہ کو تیسری رکعت سے وتر کر دیگا تو اسکو جائز ہو کہ ان دونوں کے لیے بھی وتر کی نیت کرے
اور تیسری رکعت خود بھی اپنی ذات سے وتر ہو اور دوسری کو بھی وتر کرتی ہو اور دوگانہ اول ہو دو وتر ہو نہ دوسرے کو وتر کرتا ہو مگر دوسرے سے ملکر البتہ وتر ہو جاتا
اور چاہیے کہ نماز شب کے آخر میں وتر ہو پس تہجد کے بعد ہونا چاہیے اور فضیلت وتر و تہجد کی اور ان دونوں میں ترتیب کی کیفیت باب ترتیب اوراد
میں عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آویگی ساتوین نماز چاشت کہ اسپر مواظبت کرنی عمدہ اور افضل اعمال میں سے ہو اور شمار اسکی رکعتوں کی زیادہ سے زیادہ
آٹھ رکعتیں منقول ہیں حضرت ام ہانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بہن سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں
اور انکو طول دیا اور اچھی طرح پڑھا اور یہ شمار اور کسی راوی نے نہیں نقل کیا حضرت عائشہؓ نے ذکر فرمایا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت
چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی کچھ زیادہ بھی کر دیتے تھے تو حضرت عائشہؓ نے زیادتی کی حد نہیں بیان کی اتنا معلوم ہوا کہ چار رکعتوں پر آپ مواظبت
فرماتے تھے اس سے کم نہ کرتے تھے اور کبھی کچھ بڑھا لیتے تھے۔ اور ایک حدیث مفرد میں مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز چاشت چھ
رکعتیں پڑھتے تھے اور نماز چاشت کے باب میں حضرت علیؓ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز چھ رکعتیں دو وقتوں میں پڑھتے
تھے ایک جب آفتاب نکلکر اونچا ہوتا تو آپ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھتے اور یہ نماز دوں کے دوسرے ورد کا شروع ہو جیسا کہ عنقریب مذکور ہوگا دوم جب خوب
آفتاب پھیلتا اور چہارم آسمان پر شرق کی جانب ہوتا اسوقت آپ چار رکعتیں پڑھتے غرض کہ اول دوگانہ اسوقت تھا کہ آفتاب بمقدار
نصف نیزہ کے اونچا ہوتا اور دوسری نماز پہر دن چڑھے مقابل عصر کی نماز کے ہوتی کہ عصر کا وقت پہر دن رہے ہوتا ہو اور ظہر دوپہر ڈھلے ہوتی ہو تو
چاشت اسوقت ہوئی کہ آفتاب کے نکلنے سے زوال تک کے وقت کو آدھا کر کے پڑھی جاوے جیسے زوال سے غروب تک کے وقت کو آدھا کرنے
پر عصر ہوتی ہو اور یہ وقت افضل ہو حاصل یہ کہ آفتاب کے اونچا ہونے سے زوال کے پیشتر تک چاشت کا وقت ہو آٹھویں مغرب و عشا کے درمیان کے
نوافل یہ بھی سنت مؤکدہ ہیں اور انکی شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے چھ رکعتیں منقول ہیں اور اس نماز کا ثواب بہت بڑا ہو اور
نے کہا ہو کہ تعالیٰ تتجافیٰ جنوبہم عن المضاجع سے یہی نماز مراد ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو کہ آپ نے فرمایا جو کوئی مغرب اور عشا کے درمیان
نماز پڑھے تو وہ نماز خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز ہو۔ اور فرمایا کہ جو شخص مغرب اور عشا کے درمیان میں اپنے نفس کو جماعت والی مسجد میں
روکے اور نماز اور قرآن کے سوا اور گفتگو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہو کہ اسکے لیے جنت میں دو محل بناوے کہ ہر محل کا فاصلہ آپس میں سو برس کا ہو
اور اسکے لیے ان دونوں کے درمیان اتنے درخت لگا دے کہ اگر زمین کے باشندے آپس میں گھومیں تو سب کی گنجایش ہو جاوے اور باقی فضل اس نماز کا
انشاء اللہ تعالیٰ باب الاوراد میں عنقریب مذکور ہوگا دوسری قسم نوافل کی وہ ہو کہ ہفتے کے مکرر ہونے سے آتی جاتی ہیں اور وہ ساتوں دن کی
اور انکی راتوں کی نمازیں ہیں ہر ایک روز و شب کی جدا جدا ہیں اول دنوں میں سے ہم یکشنبہ سے شروع کرتے ہیں یکشنبہ حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو کوئی یکشنبہ کے روز چار رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد اور آمن الرسول ایکبار پڑھے
اللہ تعالیٰ اسکے لیے موافق شمار ہر نصرانی مرد اور نصرانی عورت کے حسنات لکھیگا اور اسکو ایک نبی کا ثواب عنایت کریگا اور ایک حج اور عمرہ اسکے لیے
[illegible] ہر رکعت کے بدلے تین ہزار نمازوں کا ثواب لکھیگا اور جنت میں اسکو ہر حرف کے عوض ایک شہر مشک خالص کا دیگا۔ اور حضرت
علیؓ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یکشنبہ کے روز نماز کی کثرت سے خدا تعالیٰ کی توحید کرو کیونکہ وہ واحد لاشریک ہو پس جو کوئی
[illegible] کے روز ظہر کے فرض اور سنتوں کے بعد چار رکعتیں پڑھے اول میں الحمد اور الم تنزیل سجدہ اور دوسری میں الحمد اور سورۂ ملک پڑھکر التحیات پڑھکر
[illegible] پھر کھڑا ہو کر دو رکعتیں اور پڑھے اور اول میں الحمد اور سورۂ جمعہ اور دوسری میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے

مستحب تیسری قسم وہ نوافل جو سال کے دوبارہ ہونے سے مکرر ہوتے ہیں اور وہ چار ہیں عیدین کی نماز اور تراویح اور نماز رجب اور نماز شعبان

اول عیدین کی نماز یہ نماز سنت موکدہ ہے اور دین کا ایک شعار ہے اسمیں سات باتوں کی رعایت کرنی چاہیے اول تکبیریں نہایت انتظام کے ساتھ

کہنے یہ کہنا اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون یہ تکبیر عید فطر

کی رات سے شروع کرے اور جب تک کہ نماز عید کی شروع ہو اسوقت تک اسکا وقت ہے اور عید اضحیٰ میں تکبیر عرفہ کے دن کی فجر سے شروع ہوتی ہے

اور تیرھویں تاریخ کی شام تک رہتی ہے اسمیں اختلاف بھی ہے مگر قول کامل تر یہی ہے اور تکبیر فرض نمازوں اور نوافل کے بعد کہنی چاہیے اور فرضوں کے بعد

موکد زیادہ ہے دوسری یہ کہ جب روز عید کی صبح ہو تو نہاوے اور زینت کرے اور خوشبو لگاوے جیسے جمعہ میں ہمنے ذکر کیا ہے اور مردوں کے لیے چادر اور

عمامہ افضل ہے اور چاہیے کہ لڑکے ریشمی کپڑے سے اور بوڑھی عورتیں نکلنے کے وقت بناؤ سنگار سے احتراز کریں تیسری یہ کہ ایک راہ سے عیدگاہ کو

جاوے اور دوسری سے واپس آوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان عورتوں اور پردہ والیوں

کو بھی عید میں نکلنے کی اجازت دیتے تھے چوتھی یہ کہ مستحب یہ ہے کہ عید کے لیے جنگل میں جانا مگر مکہ معظمہ اور بیت المقدس میں مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے

اور اگر مینہ برستا ہو تو مسجد میں نماز پڑھ لینے کا مضائقہ نہیں۔ اور اگر بادل سے آسمان ابر ہو تو امام کو جائز ہے کہ کسی شخص کو اجازت دیدے کہ ضعیف اور

ناتوانوں کو کسی مسجد میں نماز پڑھاوے اور جو مع قوی لوگوں کے باہر جاوے اور سب تکبیر کہتے نکلیں پانچویں یہ کہ وقت کی رعایت کیجاوے

عید کی نماز کا وقت آفتاب کے نکلنے سے زوال تک ہے اور قربانی کرنے کا وقت دسویں تاریخ کو اتنے دن چڑھے سے شروع ہوتا ہے کہ دو رکعتیں اور

دو خطبے اس عرصہ میں ہو جاویں اور اسوقت سے تیرھویں کے آخر تک رہتا ہے اور عید اضحیٰ کی نماز کو جلد پڑھنا مستحب ہے کہ بعد نماز قربانی کرنی

ہوتی ہے اور عید فطر کی نماز میں دیر کرنی مستحب ہے کہ نماز سے پیشتر صدقہ فطر تقسیم کرنا پڑتا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے چھٹی نماز کی

کیفیت میں یہ ملحوظ رہے کہ لوگ راہ میں تکبیر گویاں عیدگاہ کو جاویں اور جب امام وہاں پہونچے تو بیٹھے نہیں اور نہ نفل پڑھے دوسرے لوگوں کو

نفل جائز ہے پھر ایک پکارنے والا پکارنے سے کہے الصلوٰۃ جامعۃ پھر امام دو رکعتیں پڑھے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور رکوع کے سوا سات بار

اللہ اکبر کہے اور ہر دو تکبیروں کے بیچ میں کہے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور شروع کی تکبیر تحریمہ کی وجہت وجھی للذی فطر السموات

والارض آخر تک کہے مگر اعوذ باللہ کو ساتوں تکبیروں کے بعد پر چھوڑے اور پہلی رکعت میں سورۃ ق الحمد کے بعد پڑھے اور دوسری میں اقتربت الساعۃ

اور دوسری رکعت میں زائد تکبیریں پانچ ہیں سوائے تکبیر قیام اور رکوع کے اور ہر دو تکبیروں میں وہی الفاظ کہے جو پہلی رکعت میں کہے تھے پھر دو

خطبے پڑھے جنکے درمیان میں جلسہ ہو اور جس شخص سے نماز عید کی فوت ہو جاوے وہ قضا پڑھ لے ساتویں یہ کہ قربانی مینڈھے کی کرے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ واللہ اکبر ہذا عنی وعن من لم یضح من امتی اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص

ماہ ذیحجہ کا چاند دیکھے اور اسکا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ نہ ترشواوے ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آدمی اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری قربانی کرلیتا اور وہ سب کھاتے اور کھلا دیتے اور جائز ہے کہ قربانی میں سے تین

دن کے بعد اور اس سے زیادہ کھاوے پہلے اس سے نہی ہوگئی تھی پھر اجازت ہوگئی اور سفیان ثوریؒ نے فرمایا ہے کہ عید فطر کے بعد بارہ رکعتیں اور عید اضحیٰ

کے بعد چھ رکعتیں پڑھنی مستحب ہیں اور فرمایا کہ یہ عمل مسنون ہے دوسری تراویح اور وہ بیس رکعتیں ہیں اور انکی کیفیت مشہور ہے اور وہ بھی سنت

موکدہ ہیں گو عیدین کی نماز سے کم ہیں۔ اور علما کو اختلاف ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھنی افضل ہیں یا تنہا پڑھنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین

دو یا تین راتیں جماعت کے واسطے نکلے تھے پھر نہ نکلے اور فرمایا کہ مجھکو خوف ہے کہ تمپر واجب ہو جاویں اور حضرت عمرؓ نے آدمیوں کو تراویح میں جماعت

اور پچاس بار اخلاص اور معوذتین ایک ایک بار پڑھے اور سو بار استغفار پڑھے اور اپنے لیے اور اپنے ماں باپ کے لیے سو دفعہ دعاے مغفرت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سو بار درود بھیجے اور اپنی قوت وطاقت سے علیحدہ ہو کر خداے تعالیٰ کی قوت وطاقت کی طرف التجا کرے پھر کہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان آدم صفوۃ اللہ وفطرتہ وابراہیم خلیل اللہ وموسیٰ کلیم اللہ وعیسیٰ روح اللہ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ تو اسکو موافق شمار ان لوگوں کے جو خداے تعالیٰ کے لیے اولاد کے قائل ہیں اور جو اسکے لیے اولاد کے قائل نہیں ثواب ملیگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسکو امن والوں کے ساتھ اُٹھاویگا اور اللہ تعالیٰ پر لازم ہوگا کہ اسکو جنت میں پیغمبروں کے ساتھ داخل کرے **پیر کی رات** اعمش حضرت انس سے راوی ہیں کہ انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص پیر کی رات کو چار رکعتیں پڑھے اول میں الحمد اور دس بار اخلاص دوم میں الحمد اور بیس بار اخلاص سوم میں الحمد اور تیس بار اخلاص چہارم میں الحمد اور چالیس بار اخلاص پڑھے پھر سلام پھیر کر پچھتر بار اخلاص پڑھے اور اپنے لیے اور ماں باپ کے لیے پچھتر بار دعاے مغفرت کرے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت مانگے تو اللہ تعالیٰ پر ٹھہرا ہوا ہے کہ اسکو جو مانگے وہ دیوے اور اس نماز کو نماز حاجت کہتے ہیں **منگل کی رات** میں دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد اور اخلاص اور معوذتین پندرہ بار اور سلام کے بعد آیۃ الکرسی پندرہ بار اور استغفار پندرہ بار حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ جو شخص منگل کی رات میں دو رکعتیں پڑھے ہر ایک میں ایکبار الحمد اور اذا جاء نصر اللہ اور قل ھو اللہ احد سات سات بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسکی گردن دوزخ سے آزاد کرے اور قیامت کے روز جنت کی طرف اسکا رہبر اور لیجانے والا ہو **بدھ کی رات** حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص بدھ کی رات میں چھ رکعتیں دو سلاموں سے ادا کرے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد قل اللھم مالک الملک سے دو آیتوں تک پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو تو ستر بار کہے جزی اللہ محمدا عنا ما ھو اھلہ یعنی بدلہ دیوے اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ بدلہ جو اسکی شان کے لائق ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے ستر برس کے گناہ بخشدیگا اور اسکے لیے دوزخ سے بری ہوا لکھدیگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی بدھ کی رات میں دو رکعتیں پڑھے اول میں الحمد اور دس بار قل اعوذ برب الفلق اور دوسری میں الحمد کے بعد دس بار قل اعوذ برب الناس پھر سلام پھیر کر دس بار استغفار اور دس بار درود شریف پڑھے تو ہر آسمان سے ستر ہزار فرشتے اتریں اور اسکے ثواب کو قیامت تک لکھیں **جمعرات کی رات** حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی جمعرات کی رات میں مغرب اور عشا کے درمیان دو رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد اور پانچ بار آیۃ الکرسی اور پانچ بار اخلاص اور پانچ بار معوذتین اور نماز سے فارغ ہو کر پندرہ بار استغفار پڑھکر اسکا ثواب اپنے ماں باپ کو بخشدے تو جو حق ماں باپ کا اسکے ذمہ تھا وہ اس نے ادا کیا اگرچہ انکی نافرمانی کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ اسکو وہ چیز عنایت کریگا جو صدیقوں اور شہیدوں کو دیویگا **جمعہ کی رات** حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی جمعہ کی رات میں مغرب اور عشا کے درمیان بارہ رکعتیں ادا کرے ہر رکعت میں الحمد ایکبار اور اخلاص گیارہ بار پڑھے تو گویا اس نے خداے تعالیٰ کی عبادت بارہ برس اسطرح کی کہ دن کو روزہ رکھا اور رات کو شب بیداری کی اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی جمعہ کی رات میں نماز عشا جماعت سے پڑھے اور دونوں سنتیں پڑھے اور بعد فرضوں اور سنتوں کے دس رکعتیں پڑھے کہ ہر ایک میں الحمد اور قل ھو اللہ اور معوذتین ایک ایک بار پڑھکر پھر تین رکعتیں وتر کی پڑھے اور اپنی داہنی کروٹ پر قبلہ رخ سو رہے تو گویا ساری شب قدر کی شب بیداری کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روشن رات اور منور دن میں مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو یعنی جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن میں **ہفتہ کی رات** حضرت انسؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہفتہ کی رات میں مغرب اور عشا کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھے تو اسکے لیے ایک محل [illegible] بنایا جاویگا اور گویا کہ ہر ایک مومن مرد اور عورت پر خیرات کرے اور یہودی ہونے سے بری ہوا اور اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسکو

ستر جاتیں اُنکی پوری کرلیگا ان میں سے ادنیٰ اسعوت ہو **چوتھی قسم** نوافل کے وہ ہیں کہ عارضی اسباب سے متعلق ہوں اور وقتوں سے وابستہ نہوں اور وہ نو نمازیں ہیں مثل نماز خسوف اور کسوف اور مینہ کے لیے اور تحیۃ المسجد اور دوگانہ وضو اور اذان و تکبیر کے درمیان کا دوگانہ اور گھر سے نکلنے وقت اور اسمیں آنے کے وقت کا دوگانہ اور استخارہ اور نماز تسبیح اور ہم ان میں سے وہ لکھتے ہیں جو ہمکو اسوقت یاد ہیں **اول گہن کی نماز** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رأیتم ذالک فافزعوا الی ذکر اللہ والصلوٰۃ یہ آپ نے اسوقت فرمایا تھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوگئی تھی اور گہن سورج کو لگا تو لوگوں نے کہا کہ انکی موت کی وجہ سے سورج کو گہن ہوا ہو اور اس نماز کی کیفیت یہ ہو کہ جب سورج کو گہن لگے خواہ ایسے وقت میں ہو جسمیں نماز مکروہ ہو خواہ جسمیں مکروہ نہو تو آواز دیجاوے کہ الصلوٰۃ جامعۃ اور امام لوگوں کو مسجد میں دوگانہ پڑھاوے اور ہر رکعت میں دو رکوع کرے کہ اول کا رکوع بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا اور قرأت پکار کر نہ پڑھے اس پہلی رکعت کے اول قیام میں الحمد اور سورہ بقرہ پڑھے اور رکوع اول کے بعد دوسرے قیام میں الحمد اور آل عمران پڑھے اور دوسری رکعت کے اول قیام میں الحمد اور سورۃ نسا اور دوسرے قیام میں فاتحہ اور مائدہ پڑھے یا قرآن میں سے جہاں سے چاہے اسقدر پڑھے اور اگر ہر قیام میں سورۃ فاتحہ ہی پر اکتفا کرے تو کافی ہے اور اگر سورتوں میں سے چھوٹی سورتوں پر اکتفا کرے تو مضائقہ نہیں اور طول کرنے سے نماز میں مقصود یہ ہو کہ اتنا بڑھا دے کہ آفتاب گہن سے صاف ہو جاوے اور اول رکوع میں اسقدر سو آیتوں کے تسبیح کرے اور دوسری میں اسی آیتوں کے برابر اور تیسری میں ستر کی مقدار اور چوتھی میں پچاس کے موافق اور چاہیے کہ سجدہ موافق رکوع کے ہو جیسے جس رکعت میں رکوع ہواں دو ہی سجدے ہوں پھر نماز کے بعد دو خطبے پڑھے اور اُنکے درمیان میں بیٹھے اور دونوں خطبوں میں لوگوں کو صدقہ اور غلام آزاد کرنے اور توبہ کرنے کا حکم کرے اور یہی صورت چاند گہن میں کرے مگر اسمیں قرأت پکار کر پڑھے کہ اُنکی نماز رات کو ہوگی اور اسکا وقت شروع چاند گہن سے اُسکے صاف ہونے تک ہو اور سورج گہن کی نماز کا وقت اسطرح بھی جاتا رہتا ہو کہ سورج گہن لگا ہوا ڈوب جاوے اور اگر چاند کو گہن لگا ہوا ہو اور آفتاب نکل آوے تو اُسکا وقت جاتا رہیگا اسلیے کہ رات کا غلبہ جاتا رہا اور اگر چاند گہن کی حالت میں غروب ہو جاوے تو وقت نہ جاویگا کیونکہ تمام رات قمر کی سلطنت ہو اور اگر چاند یا سورج نماز کے اندر ہی بالکل صاف ہو جاوے تو نماز کو مختصر کرکے پورا کرلیا جاوے اور جو شخص کہ گہن کی نماز کا دوسرا رکوع امام کے ساتھ پاوے اُس سے وہ رکعت فوت ہوگئی اس لیے کہ اصل اول رکوع ہو اگر وہ ملتا تو رکعت ملتی **دوسری مینہ کے طلب کی نماز** ہو جسوقت نہروں کا پانی اندر کو چلا جاوے اور مینہ برسنا موقوف ہو جاوے اور نالیاں سوکھ جاویں تو امام کو مستحب ہو کہ اول لوگوں سے کہے کہ تین دن روزے رکھیں اور مقدور کے موافق خیرات کریں اور جنکے ذمہ پر لوگوں کے حق ہوں اُنکو ادا کریں اور گناہوں سے توبہ کریں پھر چوتھے روز اُنکو لیکر مع بوڑھیوں اور لڑکوں کے نہائے دھوئے ہوئے اور کپڑے پرانے پھٹے جیسے فروتنی معلوم ہو پہنے اور انکسار کے ساتھ جاوے بخلاف عید کے کہ اسمیں یہ باتیں نہیں ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہو کہ چارپایوں کا نکالنا بھی مستحب ہو کہ پانی میں وہ بھی غرض کے شریک ہیں علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی وارد ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لولا صبیان رضع ومشائخ رکع وبہائم رتع لصب علیکم العذاب صبا اور اگر جزیہ دینے والے بھی ایسے نکلیں کہ انہیں اور مسلمانوں میں تمیز رہے تو انکو منع نہ کیا جاوے جب وسیع میدان

چوتھی سورج ... اور چاند دو نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے انکو ... گہن کسی کے مرنے اور جینے سے نہیں لگتا جب تم گہن دیکھو تو ... اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کی ... طرف بھاگو ۱۲ بخاری و مسلم ... روایت ہیں بخاری و مسلم ۱۲ ... اگر دودھ پیتے بچے اور بوڑھے ... رکوع کرنے والے اور چرنے ... والے چوپائے نہوتے تو تم پر عذاب ... ڈالا جاتا ۱۲ ابن حبان ... روایت ... اور بیہقی ... انکو ضعیف کہا ہو ۱۲

* * *
* *

پر اکٹھا کر دیا اسوجہ سے کہ جماعت موقوف ہو جانے وحی کے واجب ہونے کا خوف نہیں رہا تھا پس بعض لوگ اسی حضرت عمرؓ کے فعل کی وجہ سے کہتے ہیں کہ جماعت افضل ہے اور یہ بھی وجہ ہے کہ اجتماع میں برکت ہے اور وصلوں کی جماعت سے جماعت میں ثواب کا ہونا پایا جاتا ہے علاوہ اسکے تنہائی میں کبھی کاہلی بھی ہو جاتی ہے اور جمعیت کے دیکھنے سے طبیعت کو سرور ہوتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ تنہا پڑھنا افضل ہے اسلیے کہ عیدین کی طرح یہ نماز دین کا شعار نہیں ہے تو اسکو نماز چاشت اور تحیۃ المسجد میں ملانا بہتر ہے اور انمیں جماعت مشروع نہیں ہوئی بلکہ عادت یون ہے کہ اگر مسجد میں بہت سے آدمی ایک ساتھ داخل ہوں وہ بھی تحیۃ المسجد جماعت سے نہیں پڑھتے اور ایک وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نفل نماز کو گھر میں پڑھنا بہ نسبت مسجد میں پڑھنے کے زیادہ ہے جیسے فرض نماز کو مسجد میں پڑھنا بہ نسبت گھر پر پڑھ لینے کے زیادہ ہے۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز اسکے سوا دوسری مسجدوں میں کی سو نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام کی ایک نماز میری مسجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور ان سب سے افضل اس شخص کی نماز ہے کہ اپنے گھر کے کونے میں دو رکعتیں پڑھے اور انکو سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہ جانے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نمود اور بناوٹ اکثر آدمی پر مجمع ہی میں آتی ہے اور تنہائی میں اس سے مامون رہتا ہے غرض کہ انکا قول تنہائی کی فضیلت میں یہ ہے جو مذکور ہوا اگر مختار یہ ہے کہ جماعت افضل ہے جیسے حضرت عمرؓ نے تجویز فرمائی اسلیے کہ بعض نوافل میں جماعت مشروع ہے اور تراویح ایک ایسا شعار ہے کہ اسکا ظاہر ہونا بھی مناسب ہے اور جماعت میں ریا کی طرف اور تنہائی میں کسل کی طرف التفات کرنا اس بات سے عدول کرنا ہے جو اجتماع کی فضیلت میں بحیثیت جماعت نظر کرنے سے مقصود ہے اور گویا کہ اسکا قائل یہ کہتا ہے کہ نماز کا پڑھنا کسل کے مارے اسکے چھوڑ دینے سے بہتر ہے اور اخلاص ریا کی نسبت کر بہتر ہے تو اب ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے نفس پر اعتماد رکھتا ہے کہ کسل تنہائی کی صورت میں نہ کریگا اور اگر جماعت میں حاضر ہو تو ریا نہ کریگا پس اسکے لیے کونسی بات بہتر ہے جماعت کی برکت تو جماعت میں ہے اور قوت اخلاص کی زیادتی اور حضور دل تنہائی میں ہے اس صورت میں ایک بات کہ دوسری پر ترجیح دینے میں تردد ہی رہیگا۔ اور نماز وتر میں ماہ رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھنا مستحب ہے **رجب کی نماز** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باسناد مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی رجب کے اول پنجشنبہ کو روزہ رکھے پھر مغرب اور عشا کے درمیان بارہ رکعتیں دو دو رکعتیں ایک سلام سے جدا کرکے پڑھے ہر رکعت میں الحمد ایکبار اور سورۂ قدر تین بار اور اخلاص بارہ بار پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو تو مجھ پر ستر بار اس طرح درود بھیجے اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ پھر سجدہ کرے اور اپنے سجدہ میں کہے سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح ستر بار پھر اپنا سر اٹھائے اور ستر بار کہے رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت العلی الاعظم پھر دوسرا سجدہ کرے اور جیسا پہلے سجدہ میں کہا تھا ویسا ہی کہے پھر سجدہ ہی میں اپنی حاجت مانگے تو وہ حاجت پوری کیجاویگی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھیگا اللہ تعالیٰ اسکے سب گناہ بخشدیگا اگرچہ سمندر کی جھاگ اور ریت کے شمار اور پہاڑوں کے وزن اور درختوں کے پتوں کے برابر ہوں اور قیامت کے دن اپنے خاندان کے سات سو آدمیوں کی شفاعت کریگا جو مستحق دوزخ کے ہونگے غرض کہ یہ نماز مستحب ہے اور ہمنے اسکو تیسری قسم میں اسلیے بیان کیا کہ سال کے مکرر ہونے سے مکرر ہوتی ہے اور ہرچند یہ نماز تراویح اور نماز عید کے درجے کو نہیں پہونچتی اسلیے کہ اسکو آحاد نے نقل کیا ہے مگر ہمنے قدس والوں کو دیکھا ہے کہ سب اسپر مداومت کرتے ہیں اور اسکا چھوڑنا گوارا نہیں کرتے اسی لیے ہمکو بھی اسکا بیان کرنا اچھا معلوم ہوا **شعبان کی نماز** ماہ شعبان کی پندرھوین شب کو سو رکعتیں ایک ایک سلام میں دو دو پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ بار اخلاص پڑھے اور اگر چاہے تو دس رکعتیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد سو بار سورۂ اخلاص پڑھے یہ نماز بھی اور نمازوں کے ضمن میں مروی ہے سلف صالحین اسکو پڑھا کرتے تھے اور اسکو صلوٰۃ خیر کہتے تھے اور اسکے لیے جمع ہوا کرتے تھے اور کبھی جماعت سے بھی پڑھتے تھے اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ مجھ سے تیس صحابہؓ نے حدیث بیان کی کہ جو شخص اس نماز کو اس رات میں پڑھیگا اللہ تعالیٰ اسکی طرف ستر بار نگاہ فرماویگا اور ہر [illegible]

کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی کہ فرماتے تھے جو مسلمان مرجاوے اور اُسکے جنازے پر چالیس آدمی کہ خدا سے تعالیٰ کا شریک کسی کو نہ کرتے ہوں کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ اُنکی سفارش اُسکے باب میں قبول فرماتا ہی - اور جب جنازے کے ساتھ چلکر قبرستان میں پہونچے یا ویسے قبرستان میں جاوے تو یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلٰی اَہْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ اور بہتر یہ ہی کہ جب تک میت دفن نہ ہولے وہاں سے نہ پھرے جبکہ اُسکو مٹی دیدیجاوے تو اُسکی قبر کے پاس کھڑا ہو کر کہے کہ الٰہی تیرا بندہ تیری طرف ہٹایا گیا تو اُسپر رافت اور رحمت کر الٰہی اُسکے دونوں پہلوؤں سے زمین کو علیٰحدہ کر اور اُسکی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھولدے اور حسن قبول کے ساتھ اُسکے اعمال بڑا فرما الٰہی اگر یہ نیک تھا تو اُسکی نیکی دونی کر اور اگر بُرا تھا تو اُسکی برائیوں سے درگذر فرما چوتھی نماز تحیۃ المسجد ہی دو رکعتوں یا زیادہ سے یہ نماز سنت مؤکدہ ہی یہانتک کہ جمعہ کے روز اگر امام خطبہ پڑھتا ہو تب بھی ساقط نہیں ہوتی باوجودیکہ خطبہ سننا تاکید ہوا اور اگر مسجد میں جاکر فرض یا قضا میں مصروف ہو گیا تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا اور ثواب حاصل ہوا اسلیے کہ مقصود یہ ہی کہ شروع مسجد میں جانا ایسی عبادت سے خالی ہو جو مسجد کے لیے خاص ہی تاکہ مسجد کا حق ادا ہو اور اسی وجہ سے مسجد میں بے وضو جانا مکروہ ہی اور اگر مسجد میں سے ہو کر دوسری طرف جانے کو یا مسجد میں بیٹھنے کے لیے داخل ہو تو چار بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ لے کہتے ہیں کہ اسکا ثواب برابر دو رکعتوں کے ہی اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہی کہ تحیۃ کا دوگانہ مکروہ اوقات میں مکروہ نہیں یعنی عصر اور صبح کی نمازوں کے بعد اور زوال کے وقت اور طلوع اور غروب کے اوقات میں مکروہ نہیں کیونکہ مروی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد عصر کے دو رکعتیں پڑھیں کسی نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس سے ہمکو منع فرمایا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ دو رکعتیں ہیں بعد ظہر کے پڑھا کرتا تھا باہر کے لوگ جو آئے اُنکے سبب سے نہ پڑھ سکا اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مکروہ ہونا ایسی نماز کے ساتھ مخصوص ہی جسکے لیے کوئی سبب نہیں اور قضا کرنا نفلوں کا ایک سبب ضعیف ہی اسلیے کہ علما اس باب میں اختلاف رکھتے ہیں کہ نوافل کی قضا ہونی چاہیے یا نہیں اور جو نوافل قضا ہو گئے ہیں اگر اُن جیسے اور پڑھ دیگا تو اُنکی قضا ہو جاویگی یا نہیں پس جب اس سبب ضعیف کے باعث نفلوں کی کراہت بعد عصر کے نہ رہی تو مسجد میں آنا جو سبب کامل ہی اُسکے باعث سے بطریق اولیٰ کراہت نہ ہوگی اور اسی وجہ سے نماز جنازے کی جسوقت جنازہ آجاوے مکروہ نہیں اور نہ خسوف اور مینہ کے طلب کی کسی وقت میں مکروہ ہی کیونکہ ان نمازوں کے سبب ہیں اور مکروہ وہ نماز ہوتی ہی جسکا کوئی سبب نہو - دوسری یہ کہ نفلوں کا قضا کرنا درست ہی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلوں کی قضا پڑھی تو اگر اور کوئی پڑھیگا تو آپ کی تبعیت عمدہ ہوگی اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ اگر غلبۂ خواب یا مرض کی وجہ سے رات کو نہ اُٹھتے تو بارہ رکعتیں دن کو پڑھ لیتے اور بعض علما نے فرمایا ہی کہ جو شخص نماز میں ہو اور مؤذن کا جواب اُس سے رہجاوے تو سلام کے بعد اُسکو قضا کرے اور جواب دے لے گو مؤذن چُپ ہو گیا ہو - اور اب کوئی اگر کہے کہ پچھلا عمل اول کے مثل اور بعمل جاگزین ہی اول کے قضا کی نہیں تو اس قول کے کچھ معنی نہیں اسلیے کہ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنکو وقت مکروہ میں نہ پڑھتے ہاں اگر کسی کا کوئی وظیفہ معین ہو اور اُسکو کسی عذر نے اُس سے روک دیا ہو تو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اُسکے ترک کرنے کی اجازت نہ دے بلکہ اُسکا تدارک دوسرے وقت میں کرے تاکہ اُسکا نفس آسائش اور آرام کی طرف مائل نہ ہو اور اُسکا تدارک ایک تو نفس کے مجاہدہ کے لیے اچھا ہی دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَدْوَمُہَا وَاِنْ قَلَّ تو تدارک سے یہ نیت کرلے کہ دوام عمل میں نا غہ نہ رہے اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے پھر اُسکو تھک کر چھوڑدے

مسلم ۱۲ ست
سلام پھیرکر دوبارہ پڑھے اور مؤذن اور ...
یعنی یا کرے ۱۲
مسلمان ان سے ... اللہ تعالیٰ رحم کرے
امام غزالی ... پچھلا عمل اول کے قائم مقام ہی
انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ۱۲ مترجم
مسلم اور نسائی ... ۱۲ صحیح بخاری
مسلم بروایت ام سلمہ ۱۲ صحیح مسلم
مسلم بروایت ... اللہ تعالیٰ اُسکو ...
تم عمر ... اعمال اللہ تعالیٰ ...
دونوں روایتیں ... اگرچہ کم ہو
متفق علیہ ... ۱۲ بخاری
مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا
فیصلہ ... ابن السنی
موقوفاً علی عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲

میں جمع ہو چکیں تو الصلوٰۃ جامعۃ پکارا جاوے اور امام انکو دو رکعتیں نماز عید کی طرح بدون تکبیر زائد کے پڑھا دے پھر دو خطبے پڑھے اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا جلسہ کرے اور اکثر مضمون دونوں خطبوں کا استغفار ہونا چاہیے اور دوسرے خطبے کے درمیان میں امام لوگوں کی طرف پشت پھیر کر رو بقبلہ ہو جاوے اور اپنی چادر کو اسطرح بدلے کہ پیچھے کی اوپر ہو جاوے اور داہنی طرف کی بائیں طرف آ جاوے اور لوگ بھی اپنی چادریں اسی طرح پلٹ لیں اور اس وقت میں آہستہ دعا مانگیں اور چادر پلٹنے میں ایک فال نیک ہے کہ اسی طرح حال قحط اور خشکی کا بدل جاوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے پھر امام لوگوں کی طرف منہ پھیر کر خطبہ کو ختم کرے اور چادریں اپنی پلٹی ہوئی بدستور رہنے دیں یہاں تک کہ جب کپڑے اتاریں تب انکو بھی اتاریں اور دعا اسطرح مانگیں الٰہی تو نے ہمکو دعا مانگنے کا حکم کیا اور دعا کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا پس تیرے حکم کے موجب ہی ہم مانگتے ہیں تو اپنے وعدہ کے مطابق قبول فرما الٰہی جو گناہ ہم سے کیے ہوں انکی مغفرت سے ہم پر احسان کر اور مینہ کے لیے اور ہمارے رزق کے زیادہ ہونے کے باب میں ہماری دعا قبول کر کے ممنون فرما۔ اور باہر نکلنے سے پیشتر تین دن کے اندر اگر نمازوں کے بعد دعا مانگیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اس دعا کے لیے چند آداب اور شروط باطنی مثل توبہ اور حق والوں کی حق رسائی وغیرہ کے ہیں جو عنقریب باب الدعوات میں مذکور ہونگے **تیسری نماز جنازہ** اسکی کیفیت مشہور ہے اور زیادہ تر جامع دعاے ماثور اس نماز میں وہ ہے جسکو روایت صحیح میں عوف بن مالکؓ نے روایت کیا ہے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک جنازہ پر نماز پڑھی میں نے آپ کی دعا یاد کر لی کہ یہ فرماتے تھے اللہم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واہلا خیرا من اہلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار حضرت عوف کہتے ہیں کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش یہ مردہ میں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا میرے واسطے ہوتی۔ اور جو شخص دوسری تکبیر پاوے تو چاہیے کہ نماز کی رکعتوں کی سی ترتیب لحاظ رکھے یعنی باقی تکبیریں امام کے ساتھ کہتا جاوے اور جب امام سلام پھیر لے تو جو تکبیر اس سے رہ گئی تھی اسکو ادا کرے جیسے مسبوق رکعت کو پیچھے پڑھتا ہے اور اگر ان تکبیرات میں سبقت کر جاوے تو پھر امام کی اقتدا سے کیا غرض ہوئی اس نماز کے ارکان ظاہری تو تکبیریں ہی ہیں اور مناسب یہی ہے کہ جیسے اور نمازوں میں رکعتیں ہوتی ہیں اس نماز میں انکا قائم مقام تکبیریں ہوں یہ میرے نزدیک معقول تر معلوم ہوتا ہے گو اور بھی احتمال رکھتا ہے اور جنازہ کی نماز کے ثواب میں اور اسکے ساتھ جانے کی فضیلت میں جو حدیثیں وارد ہیں وہ مشہور ہیں پس انکے نقل کرنے میں ہم طول نہیں دیتے۔ اور اسکا ثواب زیادہ کیوں نہو گا کہ یہ نماز تو فرض کفایہ ہے نفل اسی شخص کے حق میں ہوتی ہے جسپر دوسرے شخص کے موجود ہونے سے متعین نہیں ہو جاتی اور نمازی کو اس سے ثواب فرض کفایہ کا ہی ملتا ہے گو اسپر متعین نہوئی ہو کیونکہ سب نمازیوں نے ایک امر فرض کی بجا آوری کی اور دوسرے شخصوں سے تنگی کو دور کیا تو یہ نفل کی طرح نہیں کہ جسکے پڑھنے سے کسی کے ذمہ سے فرض دور ہو۔ اور جنازے کی نماز میں جماعت کی کثرت مستحب ہے کہ بہت لوگوں کے باعث ہمت اور دعا کی کثرت ہوگی اور ان میں کوئی مستجاب الدعوات بھی ہوگا چنانچہ کریب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آپکا ایک لڑکا گذر گیا آپ نے فرمایا کہ کریب دیکھو کہ آدمی اسکے واسطے کتنے اکٹھے ہوئے ہیں میں نے نکلکر دیکھا تو بہت سے تھے میں نے عرض کیا کہ بہت ہیں فرمایا کہ چالیس ہیں میں نے عرض کیا کہ ہیں فرمایا کہ اب جنازہ نکالو

۱۲ رواہ البخاری ومسلم
روایت عبدالرحمن ... ۱۲
۱۲ الٰہی تو اسکو مغفرت کر اور رحم کر اور اسکو
دے اور معاف کر اسکے قصور اور اسکی مہمانی ... اور
اور وسیع کر اسکی قبر اور پاک کر اسکو برف اور اولے
سے پانی سے اور اسکو خطاؤں سے ایسا
پاک کر جیسے سفید کپڑے کو تو نے میل سے
صاف کیا ہے اور بدل دے اسکے واسطے
گھر اسکے گھر سے بہتر اور خادم وغیرہ
اسکے خادموں وغیرہ سے بہتر اور بی بی
اسکی بی بی سے بہتر اور داخل کر اسکو
جنت میں اور بچا دے اسکو قبر کے
عذاب سے اور دوزخ کے عذاب سے ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کاموں میں استخارہ اسطرح سکھلاتے تھے جیسے قرآن مجید کی سورت سکھاتے تھے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا قصد کرے تو چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھے پھر اُس کام کا نام لے اور جو دعا اوپر مذکور ہوئی اُسکو مانگے۔ اور بعض حکما نے کہا ہے کہ جسکو چار باتیں ملیں وہ چار باتوں سے نہیں محروم رہیگا جسکو شکر ملا وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہیگا جسکو توبہ نصیب ہوئی وہ قبول سے محروم نہ رہیگا جسکو استخارہ مرحمت ہوا وہ بہتری اور خیر سے محروم نہ رہیگا اور جسکو مشورہ عنایت ہوا وہ صواب پر ہونے سے محروم نہ رہیگا

آٹھویں نماز حاجت ہے جس شخص پر معاملہ تنگ آپڑا ہوا ور اُسکو دین یا دنیا کی بہتری کے باب میں ایک ایسے کام کی ضرورت ہوئی ہو کہ اُسپر مشکل پڑ گیا ہو تو اُسکو چاہیے کہ وہ نماز حاجت پڑھے چنانچہ وہیب بن الورد سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ جن دعاؤں سے کہ نامقبول نہیں ہوتیں ایک یہ ہے کہ بارہ رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں الحمد اور آیۃ الکرسی اور قل ہو اللہ پڑھے اور اس سے فارغ ہو کر سجدہ کرے اور یہ دعا پڑھے سبحان الذی لبس العز وقال بہ سبحان الذی تعطف بالمجد وتکرم بہ سبحان الذی احصی کل شیٔ بعلمہ سبحان الذی لا ینبغی التسبیح الا لہ سبحان ذی المن والفضل سبحان ذی العز والکرم سبحان ذی الطول اسئلک بمعاقد العز من عرشک ومنتہی الرحمۃ من کتابک وباسمک الاعظم وجدک الاعلی وکلماتک التامات التی لا یجاوزہن بر ولا فاجر ان تصلی علی محمد وعلی آل محمد پھر اپنی حاجت مانگے بشرطیکہ اُسمیں کوئی معصیت نہو تو انشاء اللہ مقبول ہوگی وہیب کہتے ہیں کہ ہمنے سنا ہے کہ یوں اگلے لوگ کہا کرتے تھے کہ اس دعا کو بیوقوفوں کو نہ سکھاؤ ورنہ وہ اسکے ذریعے سے خدائے تعالیٰ کی معصیت پر مدد لینگے اس روایت کو حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے

نویں صلوٰۃ التسبیح یہ نماز جوں کی توں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور کسی وقت اور سبب سے خاص نہیں اور مستحب یہ ہے کہ اُس سے کوئی ہفتہ یا مہینہ خالی نہ رہے ایک دفعہ پڑھ لیا کرے۔ عکرمہ حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو فرمایا کہ میں تمکو ایک چیز دوں ایک شے عطا کروں ایک بات سکھا دوں کہ جب تم اُسکو کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ اگلے اور پچھلے پرانے اور نئے نادانستہ اور دانستہ پوشیدہ اور ظاہر سب معاف کر دے وہ یہ ہے کہ تم چار رکعتیں پڑھو ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورت پڑھو جب اول رکعت میں قرارت سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے ہوئے کہو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پندرہ بار پھر رکوع کرو اور دس بار یہی کلمات کہو پھر قومہ کرو اور دس بار کہو پھر سجدہ کرو اور دس بار کہو پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار پھر دوسرے سجدے میں دس بار پھر جلسۂ استراحت میں دس بار تو کل پچھتر بار ہر رکعت میں ہوا چاروں رکعتوں میں ایسا ہی کرو اگر تم سے ہو سکے تو اُسکو ہر روز پڑھو ورنہ ہر جمعہ میں ایکبار اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینے میں ایکبار۔ اور ایک روایت میں اسطرح ہے کہ شروع نماز میں سبحانک اللہم وبحمدک الخ کہے پھر پندرہ بار تسبیح مذکور کہے قرارت سے پیشتر اور دس بار قرارت کے بعد اور باقی مثل روایت اول کے کہے مگر دوسرے سجدہ کے بعد کچھ نہ کہے اور یہ روایت بہتر ہے اور ابن مبارکؒ کے نزدیک مختار یہی ہے اور دونوں روایتوں کے موجب تعداد تسبیح کی تین سو ہوتی ہے پس اگر دن کو پڑھے تب تو چاروں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے اور اگر رات کو پڑھے تو دو سلاموں سے پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ اور اگر بعد تسبیح مذکور کے یہ کلمات بھی بڑھاوے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم تو بہتر ہے کہ بعض روایات میں یہ کلمات بھی آئے ہیں۔ یہ نمازیں ماثورہ تھیں جو اوپر مذکور ہوئیں اور ان نوافل میں سے مکروہ وقتوں میں بجز تحیۃ المسجد اور خسوف اور استسقا کی نماز کے اور کوئی مستحب نہیں دوگانہ وضو اور سفر کا دوگانہ اور گھر سے نکلنے کا اور استخارہ کا اُن اوقات میں مستحب نہیں اسلیے کہ یہ اسباب ضعیف ہیں اور ان اوقات میں نماز پڑھنے سے نہی موکد ہے تو یہ نمازیں اُن نمازوں کے رتبے کو نہیں پہنچتیں جن سے بعض صوفیوں کو اوقات مکروہ میں دوگانۂ وضو

کلمات کاملہ کے صدقے سے جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ محمد اور آل محمد پر صلوٰۃ بھیج
پڑھنے اسم اعظم اور شان بزرگ اور
سے تیری کتاب سے اور جلیل
کی ہوا اور منتہا رحمت
کے سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے عرش کی
الٰہی میں تجھ سے بندھن عزت کے اور واسطے
پاک ہے وہ بزرگی اور کرم والا پاک ہے عزت والا
پاک ہے وہ احسان اور فضل والا پاک
پاک ہے وہ جسکے سوا دوسرے کو لائق نہیں
کہ ہر چیز کو بسبب علم کے گھیر لیا
اور بزرگ ہوا اُس سے پاک ہے وہ
تو لایا اسکا پاک ہے وہ جسکے بزرگی کو چادر بنایا اور
پاک ہے وہ جس نے عزت کو لباس بنایا اور
عزت کا جو دعا

تو اللہ تعالیٰ اُسپر نہایت غصہ ہوتا ہے تو چاہیے کہ وعید کے بیچے داخل ہونے سے خوف کرے اور اس حدیث کا ثبوت کہ اللہ تعالیٰ عبادت کے چھوڑنے سے اُسپر نہایت غصہ ہوتا ہے عکس اور ملال ہو یعنی اگر عصہ اور دوری نہ ہوتی تو ملال اور تھکن اُسپر کیوں مسلط کیجاتی **پانچویں نماز دوگانہ وضو** مستحب ہے اسلیے کہ وضو ایک ثواب ہے اور اُسکا مقصود نماز ہے اور نئے وضو ہونا ہر وقت لگا ہی رہتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ نماز سے پہلے ہی آدمی بے وضو ہو جاوے اور پہلے وضو کی محنت بیکار جاوے اسلیے مستحب ہے کہ وضو کرتے ہی اُسکا مقصود جلدی سے ادا کیا جاوے تاکہ یہ مقصود فوت نہ ہونے پاوے اور یہ بات حضرت بلال رضی کی حدیث سے معلوم ہوئی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو بلال رضی کو اُسکے اندر دیکھا میں نے بلال رضی سے پوچھا کہ تو کسطرح مجھسے پہلے پہونچ گیا اُسنے کہا کہ میں اور کچھ نہیں جانتا صرف اتنا ہے کہ جب میں نیا وضو کرتا ہوں تب ہی اسکے بعد دو رکعتیں پڑھتا ہوں یا اور کسی طرح فرمایا **چھٹی نماز** گھر میں جانے اور باہر نکلنے کے وقت کا دوگانہ ہے ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی سے راوی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے گھر سے نکلے تو دو رکعتیں پڑھ لے یہ دونوں تجھکو بُرے نکلنے سے مانع ہونگی اور جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھ وہ تجھکو بُرے داخل ہونے سے روکینگی۔ اور ہر ایک امر کی ابتدا جو خفیف ہو اسی حکم میں داخل ہے یعنی اُسکی ابتدا میں دو رکعتیں پڑھنی چاہییں اور اسی وجہ سے دوگانہ احرام کے وقت اور دوگانہ سفر کی ابتدا میں اور سفر سے رجوع کرنے کے وقت مسجد میں دو رکعتیں ادا کرنی گھر میں جانے سے پیشتر وارد ہیں اور یہ سب دوگانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ماثور ہیں۔ اور بعض صلحا جب کوئی غذا کھاتے یا پانی پیتے تو دوگانہ پڑھتے اسی طرح جو امر پیش آتا اُسمیں ایسا ہی کرتے **ف** اور امور کے شروع میں خداے تعالیٰ کا ذکر تبرکاً چاہیے اور وہ تین طرح پر ہے بعض افعال و امور ایسے ہیں کہ وہ کئی کئی دفعہ ہوتے ہیں جیسے کھانا اور پینا تو اُسمیں شروع بسم اللہ سے چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ الرحمن الرحیم فہو ابتر دوسرے وہ امور ہیں کہ بہت تو نہیں ہوتے مگر اُنمیں وقعت ہوتی ہے جیسے نکاح اور نصیحت کا شروع اور مشورہ وغیرہ تو اُنمیں یہ مستحب ہے کہ ان باتوں کو حمد اکی حمد سے شروع کرے مثلاً نکاح پڑھانے والا کہے کہ الحمد للہ والصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دی اور دولہا کہے الحمد للہ والصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نکاح قبول کیا اور صحابہ رضی کی عادت تھی کہ پیام کے ادا کرتے وقت اور نصیحت کرنے اور مشورہ کرنے میں اول حمد خدا کیا کرتے تھے تیسرے وہ کہ بہت نہ ہوا کرتے ہوں مگر ہونے کے بعد دیرپا ہوں اور وقعت اُنمیں پائی جاتی ہو جیسے سفر اور نئے مکان کا خریدنا اور احرام باندھنا اور دوسرے امور اسی طرح کے تو ایسے کاموں کے پیشتر دوگانہ پڑھنا مستحب ہے اور اُن سب میں سے ادنیٰ گھر میں سے باہر جانا اور اُسکے اندر آنا ہے کہ وہ بھی ایک چھوٹے سے سفر کی طرح ہے **ساتویں نماز استخارہ** جو شخص کسی کام کا قصد کرے اور اُسکے انجام کو نہ جانتا ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ بہتری اُسکے کرنے میں ہے یا نہ کرنے میں تو اُسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اول میں الحمد اور قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں فاتحہ اور اخلاص پڑھے اور جب فارغ ہو تو دعا مانگے اللھم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی ودنیای وعاقبۃ امری وعاجلہ واٰجلہ فاقدرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی ودنیای وعاقبۃ امری وعاجلہ واٰجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث ما کان انک علی کل شیء قدیر اس حدیث کو جابر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت

کہ ارشاد ہے واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ۔ اور اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے نہ دینے والوں کے باب میں نہایت سخت وعید فرمایا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم۔ اس آیت میں جو انفاق فی سبیل اللہ مذکور ہے اسکے معنی حق زکوٰۃ کے نکالنے کے ہیں احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں قریش کے چند لوگوں میں تھا کہ حضرت ابوذر گذرے اور فرمایا کہ کافروں کو بشارت داغ کی جو انکی پیٹھوں میں لگیگا اور پسلیوں میں سے نکلیگا اور ایک داغ انکی گدیوں کی طرف سے لگیگا اور پیشانیوں میں سے پار ہو جاویگا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ داغ آدمی کی پستان کے سر پر رکھکر دونوں شانوں کی ملائم ہڈی سے نکال دیا جاویگا اور ہڈی سے رکھکر پستان کے سر میں سے تھرتھراتا ہوا نکالا جاویگا اور حضرت ابوذر نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہو گیا اسوقت میں کہ آپ خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے تھے جب آپ نے مجھکو دیکھا فرمایا کہ قسم ہے رب کعبہ کی وہی لوگ زیادہ نقصان میں ہیں میں نے عرض کیا کہ وہ کون ہیں فرمایا کہ جنکے پاس مال بہت ہیں مگر جو کوئی ایسے ایسے ہیں اور بائیں اور سامنے اور پیچھے بکھیرے اور خیرات کرے اور فرمایا جو کوئی اونٹ والا یا بکریوں خواہ گایوں والا انکی زکوٰۃ نہ ادا کریگا وہ چوپائے قیامت میں نہایت بڑے اور بہت موٹے ہوکر آوینگے اور اس شخص کو اپنے سینگوں سے مارینگے اور کھروں سے کچلینگے جب اول سے آخر تک سب چوپائے مار چکینگے تو پھر دوبارہ از سر نو شروع کردینگے اور یہی عذاب اسوقت تک رہیگا کہ لوگوں کے درمیان حکم کیا جاوے اور جبکہ بخاری اور مسلم میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کی یہ وعید مروی ہیں تو اسرار زکوٰۃ کا بیان کرنا اور اسکے شروط ظاہری اور باطنی اور اسکے معانی صوری اور معنوی کا لکھنا ضروریات دین سے ٹھہرا اسلیئے ہم اس مضمون کو چار فصلوں میں لکھتے ہیں اور انھیں باتوں کو ذکر کرتے ہیں جنکا جاننا زکوٰۃ کے دینے والے اور لینے والے کو ضرور ہے

فصل اول زکوٰۃ کے اقسام اور اسکے واجب ہونے کے اسباب کے بیان میں۔ جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ باعتبار ان مالوں کے جنسے وہ ادا ہوتی ہے چھ قسم ہے ہر ایک کو جدا جدا لکھا جاتا ہے۔ قسم اول چوپایوں کی زکوٰۃ۔ زکوٰۃ خواہ چوپایوں کی ہو یا دوسرے مال کی اسی شخص پر واجب ہوتی ہے کہ آزاد اور مسلمان ہو اور بالغ ہونا اور عاقل ہونا شرط نہیں بلکہ لڑکے اور مجنوں کے مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یہ تو شرط زکوٰۃ کے دینے والے کی ہے جسپر زکوٰۃ واجب ہو اور مال کی شرطیں پانچ ہیں یعنی چوپایوں کا خاص ہونا اور جنگل میں چرنا اور برس روز گذرنا اور ملک کامل کا ہونا اور نصاب کا پورا ہونا۔ شرط اول خاص چوپائے اسلیئے کہے کہ زکوٰۃ صرف اونٹ اور گائے اور بکری میں ہے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں میں اور ان جانوروں میں جو ہرن اور بکری سے پیدا ہوں زکوٰۃ نہیں۔ شرط دوم چرنے کی اسلیئے ہے کہ اگر گھر پر گھاس کھلایا جائیگا تو زکوٰۃ نہوگی اور جب کچھ دنوں جنگل میں چرا ہو اور کچھ دنوں گھر پر گھاس کھایا ہو تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ نہیں بشرطیکہ گھاس گھر پر دینے میں خرچ لگا ہو۔ تیسری شرط برس کے گذرنے کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول۔ اور اس حکم میں سے مال کے بچے مستثنی رکھیئے کیونکہ کیونکہ وہ تابع بڑے جانوروں کے ہوتے ہیں اور اصول پر برس دن گذرنے سے انکی بھی زکوٰۃ لی جاویگی گو ان پر برس نہ گذرا ہو۔ اور جب مال کو برس کے اندر بیچ ڈالے یا ہبہ کردے تو برس کٹ گیا وہ جانور حساب میں شمار نہونگے۔ چوتھی شرط ملک کامل اور پورا تصرف مال پر چاہیئے اس صورت اگر کوئی جانور رہن ہوگا تو اسکی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ جو اسنے اپنے نفس کو روکا ہے اس تصرف کرنا اسکے اختیار میں ہے اور گم شدہ اور چھینی ہوئی چیز میں زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ مع اپنی زیادتی کے ہاتھ نہ آوے پھر اگر آوے پر زکوٰۃ ایام گذشتہ کی واجب ہو جاویگی اور جس شخص پر کہ قرض ایسا ہو کہ اسکے سب مال کو حاوی ہو جاوے تو اسپر زکوٰۃ نہیں اسلیئے کہ وہ مال کے باعث غنی نہیں ہے کیونکہ غنی جب ہوتا کہ مال زائد از حاجت ہوتا حالانکہ حاجت ادائے قرض اسکو موجود ہے۔ پانچویں نصاب کا پورا ہونا اور یہ ہر چوپائے میں جدا جدا ہے مثلاً اونٹ پر کچھ زکوٰۃ نہیں جب تک اسکا شمار پانچ کو نہ پہونچ جاوے پانچ اونٹ کے لیئے نصاب ہے اسمین بھیڑ کا ایک جذعہ یا بکری کا ایک ثنیہ دینا ہوگا جذعہ اسکو کہتے ہیں کہ ایکسال کا ہوکر دوسرے برس میں لگا ہو

پڑھتے دیکھا ہو حالانکہ یہ امر بعید از قیاس ہو اسلیے کہ وضو نماز کا سبب نہیں ہوتی بلکہ نماز وضو کا سبب ہو تو چاہیے کہ وضو اسلیے کرے کہ اُس سے نماز پڑھے یہ نہیں کہ نماز اسلیے پڑھے کہ وضو کرلے علاوہ ازیں جو نے وضو کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھنا چاہے تو اُسکی سبیل بجز اسکے نہیں کہ وضو کرلے اور نماز پڑھ لے تو پھر کراہیت کے کچھ معنی نہ رہے۔ اور دوگانہ وضو کی نیت دوگانہ تحیت کی طرح نہ کرنی چاہیے بلکہ جب وضو کرلے تو دو رکعتیں نفل پڑھ لے اور اپنے وضو کو خالی نہ چھوڑے جیسے حضرت بلال کیا کرتے تھے کیونکہ یہ دوگانہ نفل محض ہو وضو کے بعد ہوتا ہو اور بلال کی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وضو خسوف اور تحیہ کی طرح سبب ہوتا کہ نیت میں وضو کا دوگانہ کہے کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ نماز سے وضو کی نیت کرے بلکہ یوں چاہیے کہ وضو سے نماز کی نیت کرے اور یہ کیسے بنیگا کہ وضو میں تو کہے کہ میں وضو کرتا ہوں اپنی نماز کے واسطے اور نماز میں کہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اپنے وضو کے واسطے بلکہ جو شخص یہ چاہے کہ کراہت کے وقت میں اپنے وضو کو نماز سے خالی نہ رکھے تو اُسکو چاہیے کہ دوگانہ جو وضو کے بعد پڑھے اُس سے نیت قضا کی کرے کیونکہ ہوسکتا ہو کہ اُسکے ذمہ پر کوئی نماز قضا ہو جسکی ادا میں کسی باعث سے خلل ہوا ہو تو قضا کی نیت کا کچھ مضائقہ نہوگا اسلیے کہ نماز قضا مکروہ وقتوں میں بھی مکروہ نہیں لیکن ان وقتوں میں نیت نفل کی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ان اوقات میں جو نوافل سے منع کیا گیا ہو اُسمیں تین باتیں مقصود اور مہم ہیں اول آفتاب کی پرستش کرنے والوں کی مشابہت سے بچنا دوم شیطانوں کے پھیلنے سے احتراز کرنا کہ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آفتاب نکلتا ہو اور اُسکے ساتھ شیطان کے ماتھے کا کونا ہوتا ہو جب نکلتے ہیں اُسکے ساتھ رہتا ہو اور جب آفتاب اُٹھ جاتا ہو تو جدا ہو جاتا ہو جب برابر دوپہر ہوتی ہو تو ملجاتا ہو جب ڈھلجاتا ہو تو الگ ہو جاتا ہو پھر جب غروب پر آفتاب مائل ہوتا ہو تو شیطان کا ماتھا متصل ہو جاتا ہو اور جسوقت غروب ہو جاتا ہو تو علیحدہ ہو جاتا ہو۔ اور ان اوقات میں نماز سے منع فرمایا اور اُسکی علت پر آگاہ کر دیا سوم یہ کہ طریق آخرت کے سالک ہمیشہ سب وقتوں میں نماز پر مواظبت رکھتے ہیں اور عبادات میں سے ایک ہی طرح پر مواظبت کرنی انجام کو ملال پیدا کرتی ہو اور جس صورت میں کہ ایک ساعت روک دیا جاوے تو خوشی زیادہ ہوتی ہو اور ارادے اُبھرتے ہیں اور انسان کو منع کی ہوئی چیز کی حرص ہوتی ہی ہو تو ان وقتوں کو خالی چھوڑنے میں زیادہ تر وقت گذرنے کے انتظار پر ترغیب دینی ہو اسوجہ سے یہ اوقات تسبیح و استغفار کے خاص کر دیے گئے کہ مداومت کے باعث تھک سے بھی بچے رہیں اور ایک قسم کی عبادت سے دوسری قسم کی سیر بھی ہو جاوے کیونکہ ہر نئی بات میں لذت جداگانہ ہو اور ایک ہی چیز کی مداومت میں گرانی اور کسل ہوتا ہو اور نہیں لحاظ نماز نہ محض سجدہ ہوئی نہ صرف رکوع نہ زا قیام بلکہ اعمال مختلف سے اور جداگانہ ذکروں سے عبادتوں کی ترتیب ہوئی کیونکہ دل اُنمیں سے ہر ایک عمل سے لذت جداگانہ اُنکو ادا کرتے وقت پاتا جاوے اور اگر ایک ہی چیز پر مداومت مشروع ہوتی تو دل پر تھکن جلدی آتی۔ پس جس صورت میں کہ اوقات مکروہ میں نماز کے منع کرنے سے یہ باتیں مقصود ہیں اور اُنکے سوا اور اسرار ہیں کہ جنکو سواے خداے تعالےٰ اور اُسکے رسول کے بشر کی طاقت نہیں کہ معلوم کرے تو اسطرح کے مہمات کو چھوڑ دینا بجز ایسے اسباب کے نہیں چاہیے جو شرع میں ضروری ہوں جیسے نمازوں کی قضا اور مینھ کی نماز اور خسوف اور تحیۃ المسجد کا دوگانہ ہو اور جو اسباب کہ ضعیف ہوں اُنکو اس ہی کے مقصود کے مقابل نہ کرنا چاہیے ہمارے نزدیک یہی معقول معلوم ہوتا ہو آگے خدا جانے۔ باب اسرار نماز پورا ہوا اُسکے بعد باب اسرار زکوۃ انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہو والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوۃ علی رسولہ المصطفیٰ

پانچواں باب اسرار زکوۃ کے بیان میں

زکوۃ کا نہ دینا وہ گناہ ✦ جسپر ہو وعید یوم حشر کا گواہ ✦ اے صاحب مال شکر کر و ... خیرات ... نجات و بہبود کی راہ ✦ جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے زکوۃ کو ایک رکن اسلام بنایا اور نماز کے بعد اسی کا ذکر فرمایا

کر پھل گدرانے لگیں اور غلہ سخت ہونے لگے اور اُسکے ادا کا وقت مشابہ ہونے کے بعد ہی۔ تیسری قسم چاندی سونے کی زکوٰۃ ہے۔ جو چاندی خالص
دو سو درم مکّہ کی تول سے ہو اور اُسپر برس روز گذر جاوے تو اُسکی زکوٰۃ پانچ درم یعنی چالیسواں حصّہ ہے اور اگر چاندی زیادہ ہو تو اُسی حساب سے زکوٰۃ
اُسپر بھی ہوگی گو ایک ہی درم زیادہ ہو۔ اور سونے کی نصاب بیس مثقال خالص مکّہ کے وزن سے ہے اُسمیں بھی چالیسواں حصّہ زکوٰۃ ہے اور زیادہ پر اسی
حساب سے ہوگی اور اگر نصاب سے ایک رتی بھی کم ہو تو اُسپر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور جسکے پاس کھوٹے درم ہوں اور اُنمیں دو سو درم بھر چاندی ہو تو اُسپر زکوٰۃ
واجب ہوگی۔ اور سونے کے ڈھیلے اور غیر مستعمل زیورین اور سونے چاندی کے برتنوں میں اور سونے کی کاٹھیوں میں زکوٰۃ واجب ہے اور مستعمل
زیور میں واجب نہیں۔ اور اگر قرض کسی ایسے کے ذمہ ہو جو اقرار کرتا ہووے تو اُسپر بھی زکوٰۃ ہے مگر جب وہ ادا کرے اُسوقت واجب ہوتی ہے اور اگر قرض
کی کچھ مدت ہو تو جب تک وہ مدت نہ گذرے تب تک واجب نہ ہوگی۔ چوتھی قسم مال تجارت کی زکوٰۃ ہے۔ اور اُسکا حال چاندی سونے کی زکوٰۃ کا سا ہے
یعنی چالیسواں حصّہ واجب ہوتا ہے اور برس اُسوقت سے لیا جاویگا جسوقت سے کہ نقد روپیہ جس سے مال تجارت خریدا ہے اُسکی ملک میں آیا ہو بشرطیکہ
نقد مذکور مقدار نصاب ہو اور اگر وہ نقد نصاب سے کم ہو یا اسباب کے بدلے میں تجارت کی نیت سے مال خریدا ہو تو ابتداے مال خریدنے کے دن
سے معتبر ہوگا اور زکوٰۃ میں وہ سکّہ دے جو شہر میں چلتا ہو اور اُس سے مال کا دام لگایا جاوے اور اگر نقد سے مال تجارت لیا ہو اور وہ نقد نصاب کی مقدار
تھا تو شہر کے چلن کی نسبت اُسی نقد سے دام لگانا بہتر ہے۔ اور اگر مال اپنے لیے رکھا تھا پھر اُس میں تجارت کی نیت کرلے تو ابتداے سال صرف نیت کے
وقت سے ہوگا بلکہ اُسوقت سے ہوگا کہ اُس مال کے عوض میں دوسری چیز مول لیوے اور جس صورت میں کہ برس روز پورا ہونے سے پہلے اسباب کی
نیت موقوف کردے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاویگی مگر بہتر ہے کہ اُس برس کی زکوٰۃ دے ڈالے۔ اور اسباب میں جو نفع آخر سال میں ہوا ہو اصل مال پر برس
گذرنے سے اُسپر بھی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یہ نہیں کہ اُسپر از سر نو برس گذرے جیسا کہ جانوروں کے بچے برس کی تمامی پر بڑوں میں ملا لیے جاتے ہیں
گو برس روز کے ہوں اور صرافوں کے مال کا برس آپس کے بیع و شرا ہونے سے جاتا نہیں رہنا چاہیے اور تجارتوں کی خرید و فروخت سے برس
بدستور رہتا ہے ویسا ہی اُنکا بھی رہتا ہے اور مال مضاربت کے نفع کی زکوٰۃ مضارب پر اُسکے حصّہ کے واجب ہوگی اگرچہ قسمت نفع کی نہوئی ہو اور
قریب قیاس یہی ہے کہ برس گذرتے ہی اُسپر واجب ہو جاوے۔ پانچویں قسم دفینہ اور کان کی زکوٰۃ ہے۔ دفینہ سے وہ مال مراد ہے جو کفر کے عہد کا دفنا
ہوا اور ایسی زمین میں ملے کہ اسلام میں اُسپر کسی کی ملک نہوئی ہو تو جو شخص اُس دفینہ کو پاوے تو چاندی اور سونے میں سے اُس سے پانچواں حصّہ
لیا جاوے اُسمیں برس کا گذرنا معتبر نہیں اور بہتر یہ ہے کہ نصاب کا اعتبار بھی ہو کیونکہ خمس واجب ہونے سے اس مال کی مشابہت مال غنیمت سے زیادہ
ہے اور اگر نصاب کا اعتبار کریں تب بھی بعید نہیں کہ آخر مصرف اس خمس کا اور زکوٰۃ کا ایک ہی ہے اور یہی وجہ ہے مذہب صحیح کے نزدیک دفینہ خاص
سونے چاندی کو کہیں گے اور کسی چیز کو نہ کہیں گے اور کان کی چیزوں میں سواے سونے چاندی کے اور کسی چیز پر زکوٰۃ نہیں اور یہ دونوں جو
نکال لیے جاویں تو چالیسواں حصّہ اُنمیں سے لیا جاویگا دو قولوں میں سے صحیح تر کے موجب اور اس قول کے موجب نصاب کا ہونا معتبر ہوگا اور
سال تمامی کے باب میں دو قول ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ کان کے سونے چاندی میں پانچواں حصّہ واجب ہے تو اس اعتبار سے سال کا اعتبار
چاہیے اور نصاب کے باب میں دو قول ہیں اور مناسب تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کان کو مقدار واجب میں تو مال تجارت کی زکوٰۃ میں ملا دیں کیونکہ وہ
بھی ایک طرح کا مال حاصل کرنا ہے اور سال کے باب میں دفینہ کی والی چیزوں میں ملا دیں کہ سال کا اعتبار نہ کیا جاوے اور نصاب کا بھی اعتبار
کیا جاوے جیسا کہ دفینہ کی والی چیزوں میں نہیں کیا جاتا ہے اور احتیاط یہ ہے کہ تھوڑی کان ہو یا بہت سب میں سے خمس نکال دیا جاوے اور
خصوص چاندی سونے پر نہ رکھے ہر ایک کانی چیز میں یہی کرے تاکہ شبہہ اِن اختلافوں کا نہ رہے کیونکہ یہ اقوال ایک دوسرے کی ضد سے
معلوم ہوتے ہیں اور یقیناً کسی پر فتویٰ ہو نہیں سکتا کہ شکلیں اُنکی ملتی جلتی نہیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ چھٹی قسم صدقہ فطر
ہے۔ اور وہ زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک مسلمان پر واجب ہے جسکے پاس عید فطر کے روز اور اُسکی شب میں

اور میہ اسکو کہتے ہین کہ دو برس کا ہو کر تیسرے میں لگا اور دس اونٹون مین دو بکریان ہین اور پندرہ مین تین اور بیس مین چار اور پچیس مین
بنت مخاض یعنی مادہ جو تا دو دوسرے برس میں ہو اور اگر بنت مخاض مال مین نہو تو نر جو تیسرے سال مین ہو لیا جاوے اگرچہ بنت مخاض
کو خرید سکتا ہو اور چھتیس اونٹون میں بنت لبون یعنی مادہ جو تیسرے سال میں ہو پھر چھیالیس مین حقہ یعنی مادہ جو چوتھے سال مین ہو اور اکسٹھ
میں جذعہ یعنی پانچوین سال کی مادہ اور چھہتر میں دو بنت لبون اور اکانوے مین دو حقے اور ایک سو اکیس مین تین بنت لبون پھر جب
ایک سو تیس ہو جاویں تو اب حساب ٹھہر گیا کہ ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس مین ایک بنت لبون لیا جاویگا پس ایک سو تیس مین اس
حساب سے ایک حقہ اور دو بنت لبون ہونگے اور گائے بیل میں کچھ زکوٰۃ نہیں جب تک کہ تیس نہو جائیں پھر تیس پر ایک تبیع یعنی بچھڑا ہی جو دوسرے
سال مین ہو اور چالیس پر ایک مسنہ یعنی بچھڑی تیسرے برس کی اور ساٹھ مین دو تبیع اور بعد اسکے حساب ٹھیک ہو جاتا ہی کہ ہر چالیس مین ایک مسنہ اور ہر تیس مین
ایک تبیع اور بھیڑ بکریون مین زکوٰۃ نہین جبتک کہ چالیس نہو جاوین چالیس پر ایک جذعہ بھیڑ کا یعنی جو ایکسال کا ہو گیا ہو خواہ ثنیہ بکری کا یعنی وہ جو کہ دو
سال کا ہو کر تیسرے مین ہو پھر اسمین کچھ نہین یہانتک کہ ایکسو اکیس ہو جاوین اس شمار پر دو بکریان ہین دو سو تک اور دو سو ایک مین تین ہین چار سو تک
اور چار سو مین چار بکریان ہین پھر ہر سیکڑے پہ ایک بکری ہی - اور دو شریکوں کی زکوٰۃ مصالون مین مثل ایک مالک کے ہوگی مثلاً دو شخصوں کی شرکت میں
چالیس بکریاں ہین تو انپر ایک ہی بکری ہوگی اور اگر تین شخصوں کی شرکت میں ایکسو بیس بکریاں ہون تو سب پر ایک ہی بکری ہوگی حالانکہ جدا کرنے میں
ہر شریک کے حصہ مین چالیس آسکتی ہیں مگر مال شرکت کو ایک ہی مالک کا سا سمجھینگے اور شرکت خواہ باعتبار حصون کے ہو یا اور طرح مگر دونوں کا حکم
ایک ہی مگر یہ شرط ہی کہ دونوں شریک ایک ساتھ ہی چراتے ہون اور ساتھ پانی پلاتے ہون اور مکان میں بٹھا کر لانا اور دودھ نکالنا اور نر کا دلوانا ایک
ساتھ کرتے ہون اور دونوں صاحب زکوٰۃ ہون اور اگر شرکت ذمی یا مکاتب کے ساتھ ہو تو اسکا اعتبار نہین - اور جس صورت مین کہ مال واجب سے
کم سن کا جانور لیا جاوے تو جائز ہی بشرطیکہ بنت مخاض سے کم ہو اور کمی کا نقصان اسطرح پورا کیا جاوے کہ ایکسال کی کمی مین دو بکریاں یا بیس درم
اور لیے جاوین اور دو برس کی کمی مین چار بکریان خواہ چالیس درم لیوین اور مالک مال اگر زیادہ عمر کا اونٹ دیوے تو ہو سکتا ہی بشرطیکہ جذعہ سے
زیادہ نہو اور مقدار زیادتی کو بیت المال کے کارندوں سے واپس لیوے - اور زکوٰۃ میں بیمار جانور نہ لیا جاوے جس صورت میں کہ گلہ مین اچھے بھی
ہون اگرچہ ایک ہی تندرست ہو اور اچھے جانوروں مین سے اچھا لیا جاوے اور نرون مین سے نر اور مال میں سے دانہ خوری کا جانور اور جو لوگی ہو
اور دو ڈھیل اور سانڈھ لیا جاوے اور نہ ردی اور آخور لیا جاوے بلکہ میانہ لینا چاہیے - **دوسری قسم** دہ یکی والی چیزون کی زکوٰۃ ہی - سو پیداوار کہ
عدا کی قسم دو ہزار آٹھ سو سیر یعنی پانسو من ہو تو انمیں دسواں حصہ واجب ہی اور اس سے کمتر مین کچھ نہیں اور نہ میوون اور روئی مین زکوٰۃ ہی بلکہ اس جنس مین کہ
جو غذا کھائی جاتی ہی اور چھوہاروں اور کشمش میں زکوٰۃ ہی اور مقدار میں انکا ہونا معتبر ہی یعنی سوکھے پر من ہونے چاہییں تر کا اعتبار نہین اور شریکوں کے
مال کو ایک دوسرے میں ملا کر پورا کر لیا جاویگا جس صورت میں کہ شرکت حصوں سے ہو مثلاً ایک باغ چند وارثون مین مشترک ہی اور اسکی پیداوار [illegible] من
کشمش ہی تو سب پر دو من کشمش واجب ہونگے حصہ سدا اپنے اپنے حصون سے دیکر دیں کردین اور اگر شرکت اسطرح نہو بلکہ درخت یا زمین جدا جدا ہر ایک کے پاس ہو
اور ایک جگہ ہو تو اس شرکت کا اعتبار نہین - اور گیہون کے نصاب کو جو سے پورا کیا جاویگا ہان جو کے نصاب کو اس جو سے پورا کر لینگے کہ جسپر چھلکا نہین ہوتا کیونکہ وہ بھی
جو ہی کی قسم ہی اور یہ دہ یکی اس صورت مین ہی کہ جاری پانی یا کول وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو اور جس صورت میں کہ کنوئیں میں سے ڈول خواہ چرسہ سے پانی دیتے ہون
تو بیسواں حصہ واجب ہوگا اور اگر دونوں طرح پانی دیا جاتا ہو تو غالب کا اعتبار ہی اور واجب کی صفت یہ ہی کہ خشک چھوہارے اور کشمش اور جنس غلہ میں سے بعد
بھس دور کرنے کے لیے جاوین اور انگور اور تر کھجورین نہ لیوین مگر اس صورت مین کہ درختون پر کوئی آفت پڑے اور پکنے سے پہلے ہی انکے توڑنے میں مصلحت ہو
ایسی صورت مین زکوٰۃ والے مالک کو اور ایک جانب فقیرون کو ناپ دیا جاوے اور اس صورت پہ یہ اعتراض نہین ہی کہ یہ بانٹنا تو بیع میں داخل ہی لیکن پھر ان کی بیع
اگر درست نہین تو بانٹنا کب جائز ہوگا اسلیے کہ ہم کہینگے کہ حاجت کے سبب سے اس تقسیم کی اجازت ہی - اور زکوٰۃ کے واجب ہونے کا وقت اسوقت ہوتا ہی

دخل نہیں جیسے مثلاً حج میں کنکروں کو پھینکنا کہ جمرات کو کنکروں کے اُن تک ہونچنے سے کچھ غرض نہیں تو اس باب میں شرع کا مقصود عمل کا شروع کرنا ہے
تاکہ بندہ اپنی بندگی اور غلامی ایسے فعل سے ظاہر کرے کہ جسکے معنی کچھ سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ جسکے معنی سمجھ میں آتے ہیں اُسپر تو کبھی طبیعت بھی مدد دیتی ہے
اور اُسکی طرف بلاتی ہے تو اُس سے غلامی اور بندگی کا خلوص ظاہر ہوگا اسلیے کہ بندگی اُسی کو کہتے ہیں کہ حرکت صرف معبود کے امر کے باعث ہو اور
کسی جہت سے ہو اور اعمال حج کے سب اسی طرح کے ہیں اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احرام میں ارشاد فرمایا لبیک بحجۃ حقاً تعبداً
ورقاً اسمیں تنبیہ ہے کہ یہ احرام صرف امر کی فرمانبرداری سے بندگی کا اظہار ہے اور جسطرح حکم ہوا ہے اُسکو مان لیا ہے بدون اسکے کہ عقل کو کوئی بات ایسی سے ایسی
ملی ہو جسکی طرف وہ میل کرے یا اُسپر اُبھارے دوسری طرح واجبات شرع کی وہ ہے کہ اُس سے مقصود ایک غرض معقول ہو عبادت مقصود نہو جیسے قرضدار کا
قرض ادا کرنا اور چھینی ہوئی چیز کا واپس کرنا ہے کہ اسمیں صرف نیت اور فعل نہیں بلکہ جسوقت حقدار کو حق پہونچ جاوے خواہ اصل ہو خواہ اُسکا عوض درصورت
حقدار کی رضامندی کے تو واجب ادا ہو جاویگا اور شریعت کا خطاب ٹلجاویگا پس یہ دونوں طور ایسے ہیں کہ اُسمیں ترکیب نہیں اسکو سب آدمی جان سکتے ہیں
تیسری قسم واجبات کی مرکب ہے جس سے دونوں باتیں مقصود ہیں کہ بندوں کی غرض بھی نکلے اور مکلف کی بندگی کا امتحان بھی ہو یعنی کنکروں کے مارنے
میں جو عبادت محض تھی اور حقوق کے دینے میں جو غرض بری تھی وہ دونوں اسمیں ایک ساتھ ہوں تو یہ صورت بذات خود معقول ہے اگر شریعت اس قسم کا
واجب بندہ پر مقرر فرماوے تو دونوں باتوں کا جمع کرنا واجب ہے اور ان دونوں مین سے ظاہر تر کو دیکھکر جو مضمون عبادت نہایت باریک ہے اُسکو بھولنا
چاہیے اسلیے کہ کیا معلوم ہے شاید باریک تر ہی اہم ہو اور زکوٰۃ اسی قسم کا واجب ہے اور اس نکتہ پر بجز امام شافعی رح کے اور کوئی واقف نہیں ہوا پس زکوٰۃ
میں فقیر کی حاجت کو بند کرنا صاف بات ہے اور جلد سمجھ میں آتی ہے اور حق عبادت تفصیل وار دینے میں مقصود شرع ہے اور اسی اعتبار سے زکوٰۃ نماز اور حج کی
ہمسر ٹھہری کہ ایک سانے اسلام ہے اور اسمیں شک نہیں کہ مالدار پر اپنے مال کی جنسوں کو جدا کرنے اور ہر ایک جنس میں سے حصہ رسد زکوٰۃ نکالنے میں اور پھر
ملکوں آٹھوں قسم کے مصرف پر تقسیم کرنے میں بڑی دقت ہے اور اس باب میں تساہل کرنے سے فقیر کی غرض میں تو کچھ خلل نہیں مگر عبادت ہونے کے مقصود میں
خلل پڑتا ہے۔ اور انواع کی تعیین سے مقصود شارع عبادت کا ہونا اُن باتوں سے معلوم ہوتا ہے جنکو ہمنے فقہی مسائل کے علاوہ مسائل میں بیان کیا ہے اور
ان سے واضح تر یہ ہے کہ شریعت نے پانچ اونٹوں میں ایک بکری واجب کی ہے اسمیں اونٹوں سے بکری کی طرف میل کیا کچھ نقد نہ دلایا نہ قیمت کا
شمار کیا اور اگر کوئی یہ کہے کہ نقد روپیہ عرب والوں کے پاس کم ہوتا ہے اسلیے نقد کو نہیں لیا تو یہ قول اُس صورت سے باطل ہوگا جو شریعت نے
نصاب عمر کے کسر بھرنے میں دو بکریوں کے عوض میں بیس درم ذکر کیے ہیں یعنی کسر بھرنے میں یہ کیوں نہ کہا کہ جس قدر قیمت ناقص ہو اُس قدر
دینا چاہیے بیس درم کی قید کیوں لگائی اور اگر کپڑے اور اسباب سب ایک سے ہیں تو دو بکریوں کی قید کیا ضرور تھی غرض کہ یہ اور اس جیسی
تخصیصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ بھی عبادت سے خالی نہیں جیسے حج کے افعال ایسے خالی نہیں لیکن زکوٰۃ میں دو باتیں اکٹھی ہیں اور چونکہ
ضعیف ذہن مرکب چیزوں کے دریافت سے قاصر ہیں اسی وجہ سے اسمیں غلطی کرتے ہیں چوتھی یہ کہ صدقہ کو دوسرے شہر میں نہ لیجاوے کیونکہ
شہر کے مساکین وہاں کے مالوں کو تاکتے ہیں اگر یہ وہاں سے لیجاویگا تو اُنکے گمان باطل اور امیدیں جھوٹھی پڑینگی پھر اگر ایسا کریگا تو ایک
قول کے موجب کافی ہوگا مگر خلاف کے شبہ سے باہر ہو جانا اچھا ہے یعنی ہر ایک مال کی زکوٰۃ اُسی شہر میں نکالے اور وہاں کے غریبوں پر اُسکو
تقسیم کردے پانچوین یہ کہ زکوٰۃ کے مال کے اتنے حصے کرے جتنے مصرف کے اقسام اُس شہر میں موجود ہوں کیونکہ مصرف کی ساری قسموں کو
بجا لانا زکوٰۃ دینے والے پر واجب ہے اور اس پر ظاہر قول خداوندی دلالت کرتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین
یعنی صدقات اُن لوگوں کو پہونچنے چاہییں یہ آیت ایسی ہے جیسے کوئی مریض کہے کہ میرا تہائی مال فقراء اور مساکین کے لیے ہے یہ وصیت
چاہتی ہے کہ مال مین دونوں فریق شریک رہیں اسی طرح آیت میں تمام اقسام کی شرکت مراد ہے۔ اور عبادات میں ظاہر امور پر پڑنے
سے احتراز کرنا چاہیے باطن کے مقاصد کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اب ان آٹھ قسموں مین سے دو قسمیں تو اکثر شہروں میں مفقود ہیں یعنی ایک

اُسکے اور اُسکے عیال کے کھانے سے زائد جس غذا میں سے ایک صاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے موجود ہو اور صاع دو سیر اور دو تہائی سیر کا ہوتا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ صاع اُس پیمانے کا نام ہے جسمین ایکہزار چالیس درم ماش یا مسور آجاوے اور یہ وزن ہندوستان کے سو بھر کے سیر سے تین سیر اور آدھ چھٹانک ہوتا ہے۔ صدقہ فطر کو اُس غلہ میں سے دیوے جو آپ کھاتا ہو یا اُس سے بہتر دیوے پس اگر آپ گیہون کھاتا ہو تو جو دینے درست ہونگے اور اگر مختلف غلہ کھاتا ہو تو سب مین بہتر دیوے اور اگر کوئی ستو دے دیگا تب بھی جائز ہو گا۔ اور صدقہ فطر کی تقسیم مثل زکوٰۃ کی تقسیم کے ہے کہ مصرف کے سب اقسام کو پہونچانا واجب ہے اور آٹا اور پہلے چھنی ہوئی جنس دینی جائز نہیں۔ اور مسلمان مرد پر صدقہ اپنی زوجہ اور غلاموں اور اولادکا اور اُن رشتہ دارون کا جنکا نفقہ اُسپر واجب ہے جیسے باپ دادا اماں نانی وغیرہ مین واجب ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اُن لوگوں کا صدقہ ادا کرو جنکا خرچ تم اُٹھاتے ہو اور مشترک غلام کا صدقہ دونوں شریکون کے ذمہ واجب ہے اور کافر غلام کا صدقہ واجب نہیں۔ اور اگر زوجہ اپنی طرف سے آپ صدقہ دے دے تو کافی ہے اور شوہر کو اُسکی طرف سے صدقہ دینے میں اُسکی اجازت ضرور نہیں۔ اور اگر اُسکے پاس اسا ہی کھانا زائد ہو کہ بعض کی طرف سے دے سکتا ہے تو بعض ہی کی طرف سے ادا کرے اور پہلے اُنکا دیوے جنکے نفقہ کی تاکید بہت ہو آنحضرت صلعم نے اولاد کے نفقہ کو زوجہ کے نفقہ پر مقدم فرمایا اور زوجہ کے نفقہ کو خادم کے نفقہ پر۔ حاصل یہ کہ یہ احکام فقہی ہین کہ مالدار کو انکا بیچانا ضروری ہے اور بعض اوقات اُسکو کچھ صورتیں نادر بھی پیش آجاتی ہین جو اِن صورتون سے خارج ہین تو ایسی حالت میں اُسکو چاہیے کہ علما سے فتویٰ لیکر اُسپر اعتماد کرے اور اِن حالات کو اول یاد کرے

دوسری فصل زکوٰۃ کے دینے اور اُسکی ظاہری اور باطنی شرطون کے ذکر مین اور اس مین دو بیان ہین۔

پہلا بیان ظاہری شرطین۔ واضح ہو کہ زکوٰۃ دینے والے پر پانچ باتوں کی رعایت واجب ہے اول نیت یعنی دل سے نیت فرض زکوٰۃ کے دینے کی کر لے یہ ضرور نہیں کہ مالوں کو معین کرے کہ فلاں فلاں کی زکوٰۃ دیتا ہوں۔ پھر اگر کوئی مال اُسکے پاس نہیں اور کہین ہے اور اسنے کہدیا کہ اگر مال غائب بچا ہوا ہے تو یہ اُسکی زکوٰۃ ہے ورنہ صدقہ نفل ہے تو یہ جائز ہے اسلیے کہ اگر بالفرض تصریح نہ کرتا تب بھی تو یہی ہوتا۔ اور ولی کی نیت مجنون اور صغیر کی نیت کے قائم مقام ہے۔ اور بادشاہ کی نیت مالک مال کی نیت کے قائم مقام ہے جو زکوٰۃ دیتا ہو مگر دنیا کے حکم ظاہری میں ہوگی یعنی اُسپر مطالبہ ظاہری نہ رہیگا لیکن آخرت کے مواخذہ سے بری نہوگا جبتک کہ از سر نو زکوٰۃ نہ دے۔ اور جسوقت کہ زکوٰۃ دینے کے لیے کسی کو وکیل کیا اور وکیل کرتے وقت نیت کر لی یا وکیل کو نیت کا بھی وکیل کر دیا تو کافی ہے کیونکہ نیت کے لیے وکیل کرنا بھی نیت ہے۔ دوسری بات برس پورا ہونے پر جلدی کرنا ہے اور صدقہ فطر کو عید فطر کے روز سے تاخیر نہ کرے۔ اور اُسکے واجب ہونے کا وقت آخر دن رمضان کے آفتاب ڈوبنے سے ہو جاتا ہے اور پیشتر دینے کا وقت تمام ماہ رمضان ہے اور جو شخص باوجود قدرت کے مال کی زکوٰۃ دیر کر دے تو گنہگار ہوگا اور پھر اگر اُسکا مال جاتا رہیگا اور مستحق زکوٰۃ کے پانے پر قادر ہوگا تو زکوٰۃ اُسکے ذمہ سے ساقط نہوگی۔ اور اگر مستحق کے نہ ملنے کی جہت سے تاخیر کی اور اِس اثنا مین مال جاتا رہا تو اُسکے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جاویگی۔ اور زکوٰۃ کا پیشتر دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ مال نصاب کے برابر ہو لیا ہو اور سال شروع ہو گیا ہو اور دو برس کی زکوٰۃ پیشتر دینی بھی درست ہے اور جس صورت مین کہ زکوٰۃ پیشتر دے اور مسکین زکوٰۃ لینے والا برس پورا ہونے سے پیشتر مر گیا یا مرتد ہو گیا یا اس مال کے سوا اور کسی مال سے غنی ہو گیا یا مالک مال کا مال جاتا رہا تو پھر اُسے پیشتر دیا تھا وہ زکوٰۃ مین شمار نہوگا اور اُسکا واپس کرنا ہو نہیں سکتا بجز اسطرح کہ دیتے وقت کہدیا ہو کہ ایسا ویسا ہو گا تو واپس کر لینگے لہذا مالک مال کو انجام کا بھی لحاظ ضرور ہے دوسری یہ کہ زکوٰۃ واجب کا عوض باعتبار قیمت کے نہ دے بلکہ جو چیز واجب ہوئی ہو وہی دیوے سونا کو سونے کے عوض چاندی نہ دے یہ چاندی کے عوض سونا اگرچہ قیمت بڑھا کر ہی دے۔ اور غالباً بعض لوگ جو امام شافعیؒ کی غرض نہیں سمجھتے وہ اس میں تساہل کرتے ہیں اور مقصود دیکھ لیتے ہین کہ فقیر کی حاجت کا روکنا ہے اور یہ بات علم سے بہت دور ہے کیونکہ یہ صحیح ہے کہ زکوٰۃ دینے مین فقیر کی حاجت کا بند کرنا ہے مگر یہ کل مقصود نہیں مقصود کا ایک ٹکڑا ہے کیونکہ شرع کے واجب تین طرح کے ہین ایک تو وہ ہین کہ محض عبادت ہین جنمیں اغراض اور مطلب کو ذرا بھی دخل

اور شعبی اور عطا اور مجاہد جیسے علما کی یہ رائے ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حقوق بھی ہیں چنانچہ شعبی سے جب پوچھا گیا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی اور حق بھی ہے تو فرمایا کہ ہاں اور یہی ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ الآیہ۔ اور ان علما کا استدلال اس آیت سے بھی ہے وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ۔ اور اس سے وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ آئیں آیت زکوٰۃ سے منسوخ نہیں ہوئی ہیں بلکہ مسلمانوں کا حق جو ایک کے دوسرے پر ہے اسمیں داخل ہیں اور اسکے معنی یہ ہیں کہ جو آدمی جب کسی محتاج کو پاوے تو اسپر واجب ہے کہ اسکی حاجت کو مال زکوٰۃ کے سوا سے دُور کرے۔ اور جو امر کہ فقہ میں اس باب میں درست ہے وہ یہ ہے کہ جب حاجت سے آدمی کی جان پر آبنے تو اسکا دُور کرنا اور وہاں پر فرض کفایہ ہے اسلیے کہ مسلمان کا تلف کرنا درست نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ دولت والے پر صرف اسقدر واجب ہے کہ جسقدر سے محتاج کی حاجت دُور ہو وہ اسکو قرض دے دے ویسے ہی دے ڈالنا اس صورت میں کہ زکوٰۃ اپنے ذمہ سے ادا کر چکا ہو لازم نہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسپر لازم ہے کہ فی الحال اسکو خرچ دے ڈالے قرض دینا درست نہیں بہرحال اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن قرض دینے کی صورت سب سے اخیر درجہ کی طرف اتر آتی ہے جو عوام کے درجات میں سے ہے۔ اور دوسری قسم بھی وہی ہے یعنی تیسری قسم ایسے لوگ ہیں کہ صرف واجب کے ادا کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں نہ اسپر بڑھاتے ہیں نہ اس سے گھٹاتے ہیں اور یہ مرتبہ سب مرتبوں سے کم ہے اور عوام سب کے سب اسی پر کفایت کرتے ہیں اس وجہ سے کہ مال پر مائل اور بخیل ہوتے ہیں اور آخرت کی محبت انکو کم ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان يسألكموها فيحفكم تبخلوا۔ یعنی اگر تم سے مال مانگے اور مبالغہ کرے تو تم بخل کرو پس اس بندے میں جس سے اللہ تعالیٰ نے مال اور جان جنت کے عوض میں خرید لی ہو اور اسمیں کہ جسپر بخل کے باعث مبالغہ نہ کیا جاتا ہو بہت فرق ہے۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بندوں کو مالوں کے خرچ کرنے کو حکم کیا ہے اسکی ایک وجہ یہ تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسری وجہ صفت بخل سے پاک کرنے کی ہے کہ یہ صفت مہلکات میں سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ثلاث مهلكات شح مطاع وهوى متبع واعجاب المرء بنفسه۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون۔ جلد سوم مہلکات میں ہم اسکے مہلک ہونے کی وجہ اور اس سے نجات کی صورت بیان کرینگے۔ اور ظاہر ہے کہ بخل کی صفت اسی طرح دُور ہوتی ہے کہ آدمی مال کے دے ڈالنے کا عادی ہو کیونکہ کسی چیز کی محبت جدا نہیں ہوتی جب تک کہ نفس کو اسکی مفارقت پر زور نہ دیا جاوے یہاں تک کہ اس سے جدا ہونے کا خوگر ہو جاوے اور اس وجہ کے اعتبار سے زکوٰۃ پاک کرنے والی ہے یعنی زکوٰۃ دینے والے کو بخل کی ناپاکی سے جو مہلک ہے پاک کر دیتی ہے اور اسکا پاک کرنا اسی قدر ہوگا جسقدر آدمی کو دینے سے خوشی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرنے سے رغبت ہوگی تیسری وجہ شکر نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بندہ پر خود اسمیں اور اسکے مال میں دونوں میں ہے پس عبادات بدنی نعمت بدن کا شکر ہے اور مالی نعمت مال کا اس صورت میں وہ شخص بہت خسیس ہے جو فقیر کو دیکھے کہ اسپر روزی تنگ ہے اور اسکا محتاج ہو کر آیا ہے اور باوجود اسکے اسکا نفس گوارا نہ کرے کہ خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ مجھکو سوال سے غنی کیا اور دوسرے کو میرا دست نگر بنایا اور چالیسواں حصہ خواہ دسواں نہ نکالے بلکہ اس نعمت کا شکرانہ ضرور چاہیے ؎

نہ خواہندہ بردرِ دیگراں ؞ بشکرانہ خواہندہ از در مراں ؞

دوسرا ادب ادا کے وقت میں ہے۔ ارباب دین کے آداب میں سے ہے کہ وقت وجوب سے پیشتر ہی زکوٰۃ ادا کریں تاکہ معلوم ہو کہ حکم خدا کی تعمیل کی رغبت رکھتے ہیں اور فقرا کے دلوں کو آسائش پہونچے اور زمانہ کے عوائق سے بے خطر رہیں کہ نہ معلوم خیرات میں کچھ ہرج نہ پڑ جاوے اور یہ بھی وہ جانتے ہیں کہ تاخیر میں بہت سی آفتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اگر وقت وجوب سے تاخیر ہو جاوے تو مبتلائے معصیت ہونا پڑیگا پس جبکہ باطن میں خیر کا باعث ظاہر ہو تو آدمی کو چاہیے کہ اسکو غنیمت جانے کیونکہ یہ فرشتے کا اثر ہے اور مومن کا دل خدائے تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے اسکو پلٹتے دیر نہیں لگتی علاوہ ازیں شیطان مفلسی کا خوف دلاتا ہے اور فحش اور منکرات کا حکم کرتا ہے اور ہر فرشتے کے اثر کے پیچھے اسکا اثر اول پر ہوتا ہے تو سبب خیر کے دل میں گذرنے کو غنیمت جانے اور اگر کسی خاص مہینے میں اکٹھی زکوٰۃ دیا کرتا ہو تو زکوٰۃ کو اس مہینے کے بیچ معین کر کے رکھ چھوڑے اور اس باب میں کوشش کرنی چاہیے کہ زکوٰۃ دینے کا وقت افضل دنوں میں سے ہو تاکہ قربت بھی اسکے باعث زیادہ ہو اور زکوٰۃ بھی

کہ اُنکو تالیف قلوب کے لیے دیا جاوے دوسری زکوٰۃ کے عامل اور چار قسمین تمام شہروں میں موجود ہیں یعنی فقرا اور مساکین اور قرض دار اور
مسافر جنکے پاس مال ہو اور دو قسمین ایسی ہین کہ بعض شہروں مین ہین اور بعضوں میں نہیں یعنی غازی اور مکاتب پس اگر زکوٰۃ دینے والے
کے شہر میں پانچ قسمیں مصرف زکوٰۃ میں سے ہون تو چاہیے کہ مال زکوٰۃ کے پانچ حصے برابر کرے اور ایک حصہ ایک قسم کا معین کر دے پھر
ان پانچون حصون کے تین تین ٹکڑے یا زیادہ کرے خواہ برابر ہون یا کم و بیش اور یہ واجب نہین کہ اُن قسمون کے ہر ہر شخص کو بھی برابر
دیوے بلکہ اختیار ہے کہ ایک قسم کے دس آدمیون کو دے اور دوسری کے تین شخصون کو اور ظاہر ہے کہ انکا حصہ اول شخصون سے آدھا ہوگا
مگر قسمون مین کمی بیشی نہین ہو سکتی ہر قسم مین تین آدمیون سے کم نہ کرے۔ اور اگر مقدار واجب صدقہ فطر کا ایک صاع ہو اور شہر مین پانچ قسمین
مصرف کی ہون تو چاہیے کہ اس صاع کو پندرہ آدمیون کو پہونچا دے کہ ہر قسم میں سے تین ہو جاوین اور اگر باوجود امکان کے ایک کو نہ پہونچے تو
اُسکو اپنے پاس سے تاوان دے۔ پس اگر مقدار واجب کی کمی کی جہت سے اسطرح تقسیم کرنا اُسپر دشوار پڑے تو اس صورت مین چاہیے کہ جن
لوگون پر زکوٰۃ واجب ہے اُنکے شریک ہو جاوے اور اپنا مال اُنکے مال مین ملا دے خواہ مستحق شخصون کو جمع کر کے اُنکے حوالہ کرے تاکہ وہ آپس مین
تقسیم کر لین کیونکہ سب کو پہونچانا ضروری ہے

دوسرا بیان زکوٰۃ کے آداب باطنی کے ذکر مین۔ جاننا چاہیے کہ طریق آخرت کے طالب کے لیے زکوٰۃ دینے میں کئی آداب ہین **ادب اول**
زکوٰۃ کے واجب ہونے کو اور اُسکی علت کو سمجھنا اور اُسمین امتحان کی وجہ خیال کرنی اور یہ بات دریافت کرنی کہ زکوٰۃ اسلام کے ارکان مین سے
کیون ہوئی باوجودیکہ یہ تصرف مالی ہے بدنی عبادت نہین اور اسکے وجوب کی تین وجہیں ہین۔ اول کہ شہادت کے دونون کلمون کا بولنا توحید کا
لازم پکڑنا اور معبود کی وحدانیت کی گواہی دینی ہے اور اُسکو اچھی طرح پورا کرنا اصطلاح ہے کہ موحد کے نزدیک سوائے واحد یکتا کے اور کوئی محبوب نہیں ہے
کیونکہ محبت شرکت کو قبول نہین کرتی اور صرف زبان سے توحید کا بولنا نافع کم ہے بلکہ درجہ محبت کا امتحان محبوب چیزون کی مفارقت سے کیا جاتا ہے
اور خلائق کے نزدیک مال بہت محبوب ہے کہ دنیا کی کاربرآری کا ذریعہ وہی پڑتے ہین اور اس جہان مین اُنہین سے اُنکو انس رہتا ہے اور موت
سے نفرت کرتے ہین باوجودیکہ موت مین ملاقات محبوب کی ہے اسلیے اپنے صدق دعویٰ کے ثبوت کے لیے امتحان اس محبوب چیز کا لیا گیا کہ جو شئے
تمہاری منظور نظر اور معشوق ہے اُسکو ہماری راہ میں دو اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ
اور یہ امر جہاد سے متعلق ہے یعنی خدا تعالیٰ کے شوق دیدار مین جان سے دست بردار ہونا اور مال سے چشم پوشی کرنی تو جان کی نسبت کر بہت سہل
ہے اور جب کہ مالوں کے خرچ کرنے مین یہ معنی سمجھے گئے تو اس بنا پر آدمیون کی تین قسمین ہوگئیں ایک تو وہ شخص جنہون نے توحید کو سچی طرح سے ادا کیا
اور اپنے عہد کو پورا کیا اور اپنے سب مال سے دست بردار ہوئے نہ اشرفی رکھی نہ روپیہ اور اس بات کے درپے ہی نہوئے کہ اُنپر زکوٰۃ واجب ہو یہانتک
کہ بعض اکابر سے کسی نے سوال کیا کہ دوسو درہم میں زکوٰۃ کتنی واجب ہے اُنہون نے فرمایا کہ عوام پر تو شرع کے حکم سے پانچ درم واجب ہین لیکن
ہم لوگوں پر سب کا دے ڈالنا واجب ہے اور اسی بابت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی تو حضرت ابوبکر صدیق نے
اپنا سب مال دے ڈالا اور حضرت عمر نے نصف مال دیا اور حضرت ابوبکر صدیق سے جو آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ تمنے اپنے گھر والون کے لیے کیا چھوڑا
تو فرمایا کہ اللہ اور اُسکا رسول اور حضرت عمر سے پوچھا کہ تمنے کیا چھوڑا عرض کیا کہ اتنا ہی گھر والون کے لیے چھوڑا ہے جسقدر خدمت میں لایا ہوں آپنے فرمایا
کہ تمہارے دونون مین اتنا ہی فرق ہے جتنا تم دونون کے دونون کلمون مین ہے غرضکہ حضرت صدیق نے تمام صدق کو پورا کیا کہ اپنے پاس سوا اسکے محبوب یعنی اللہ
اور اُسکے رسول کے اور کچھ نہ چھوڑا۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں جنکا درجہ اُنکے درجہ سے کم ہے اور وہ لوگ اپنے مال کو روکتے ہین اور حاجت کے اوقات اور
خیرات کے موسمون کو تاکتے رہتے ہین غرضکہ جمع کرنے سے اُنکا قصد یہ ہوتا ہے کہ بقدر حاجت خرچ کرین [illegible] اور جو کچھ حاجت سے [illegible]
[illegible] جب موقع ملے دے ڈالین اور یہ لوگ صرف مقدار زکوٰۃ پر قناعت نہین کرتے بلکہ اُسکے سوا اور صدقات بھی دیتے ہین [illegible]

چوتھا ادب یہ ہے کہ جہاں جانے کہ میرے ظاہر ہیں زکوۃ دینے سے اور لوگوں کو رغبت ہوگی اور سرا مانع کرینگے تو وہاں ظاہر دیوے اور
اس صورت میں ریا سے آدمی کے بچنے کا طریق وہ ہے جسکو ہم نے باب الریا میں علاج ریا کا ذکر کیا ہے اور ظاہر دینے کے باب میں
حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ۔ یہ اُسی جگہ کے لیے ہے کہ حال معصیت ظاہر دینے کا ہو یا دوسروں کی اقتدا کے لیے یا اسلیے کہ سائل نے
مجمع میں سوال کیا ہے تو ریا کے ڈر کے مارے ظاہر میں دینے کو چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ خیرات کرنی چاہیے اور اپنے باطن کو حتی الوسع ریا سے
محفوظ رکھنا چاہیے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ظاہر دینے میں ایک اور خرابی بھی ہے سوا احسان اور ایذا کے اور وہ فقیر کے پردہ کو پھاڑنا ہے کیونکہ
سائل کو اس بات سے ایذا ہوتی ہے کہ کوئی اُسکو محتاج کی صورت میں دیکھے پس جسنے خود آپ اپنے پردہ کو خیال نہ کیا اور ظاہر سوال کیا تو یہ
پردہ دری خرابی اُس شخص کے حق میں ممنوع نہیں اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی فسق چھپا کر کرتا ہو کہ اُسکا ظاہر کرنا اور سراغ لگانا اور رغبت کرنی
ممنوع ہے مگر جو شخص خود فسق کو ظاہر کرے تو ایسے کے فسق کو ظاہر کرنا اُسکی سزا ہے مگر اُسکا سبب وہ خود ہی ہوا اور اسی جنسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے کہ مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَيَاءِ فَلَا غِيْبَةَ لَهٗ۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ اِس آیت میں علانیہ دینے کے لیے
بھی ارشاد فرمایا اسوجہ سے کہ اُسمیں اوروں کی ترغیب کا فائدہ ہے غرضکہ آدمی کو چاہیے کہ ظاہر دینے میں جو فائدہ ہے اُسکو اُس خرابی سے جو اُسمیں
لازم آتی ہے فکر دینی سے سوچ لے اسلیے کہ یہ امر احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے سے اور کا اور ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات کچھ حالات
میں بعض شخصوں کو ظاہر دینا ہی بہتر ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ فائدوں اور خرابیوں کو معلوم کرلے اور شہوت کی نظر سے قطع نظر کرے اُسکو
ہر حال میں واضح ہو جاویگا کہ بہتر اور الیق کونسی طرح کا دینا ہے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو من واذی سے باطل نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ اور ان دونوں لفظوں کی
حقیقت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعض کا یہ قول ہے کہ من کے معنی یہ ہیں کہ صدقہ کا ذکر کرے اور اذی سے یہ مراد ہے کہ اُسکو ظاہر کرکے دیوے
اور سفیان ثوری رحمہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص من کرتا ہے اُسکا صدقہ بیکار ہو جاتا ہے اُنسے کسی نے دریافت کیا کہ من کسطرح ہے فرمایا کہ اُسکو ذکر کرے اور
لوگوں سے کہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ من سے مراد یہ ہے کہ صدقہ کے عوض میں فقیر سے خدمت لیوے اور اذی یہ ہے کہ اُسکو فقیری کا طعنہ دلاوے
اور کچھ کہتے ہیں کہ من یہ ہے کہ فقیر پر دینے کی جہت سے تکبر کرے اور اذی یہ ہے کہ اُسکو جھڑکے اور سوال پر گھرکے۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
کہ اللہ تعالیٰ منت رکھنے والے کا صدقہ قبول نہیں فرماتا۔ اور میرے نزدیک یہ ہے کہ من کی ایک جڑ اور رستا ہے جو دل کے احوال اور صفات میں سے ہے
اور اُس سے زبان اور اعضا پر احوال متفرع ہوتے ہیں پس اصل اُسکی یہ ہے کہ اپنے آپ کو سمجھے کہ میں نے فقیر پر احسان اور انعام کیا حالانکہ اُسکو یہ سمجھنا چاہیے
کہ فقیر نے مجھ پر احسان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حق مجھ سے وصول کرلیا جس سے میری طہارت اور دوزخ سے نجات ہوگی اگر بالفرض وہ قبول نہ کرتا تو میں گرو اُس
میں پھنسا رہتا تو مناسب تھا کہ فقیر کا احسان اپنے اوپر خیال کرے کہ فقیر نے اپنا ہاتھ خدا تعالیٰ کے حق کے وصول کرنے کے لیے اُسکی طرف سے
قائم مقام کر دیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدقہ پیشتر اس سے کہ سائل کے ہاتھوں میں پہونچے خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں پڑتا ہے
تو دل میں سمجھنا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ کا حق دیتا ہوں اور فقیر جو اُسکو لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے اپنا رزق لیتا ہے مگر پہلے یہ مال خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے
پھر فقیر کو ملتا ہے اگر بالفرض کسی شخص کا اس مالدار کے ذمہ قرض ہوتا اور قرضخواہ اُس سے کہہ دیتا کہ یہ قرض میرے خادم یا غلام کو دے دینا اور اُس
خادم اور غلام کا خورد و نوش اُس قرضخواہ کے ذمہ ہوتا تو اب یہ شخص اگر یہ خیال کرتا کہ میں اس غلام یا خادم پر احسان کرتا ہوں تو اسکی حماقت
اور جہالت تھی کیونکہ اُسپر احسان تو وہ کرتا ہے جو اُسکے خورد و نوش کا کفیل ہے یہ شخص تو اُسکا وہ قرض ادا کرتا ہے جو اُسکے ذمہ کسی مرغوب چیز کے
لینے کی جہت سے ہوا ہے پس قرض کا ادا کرنا اپنے حق میں فائدہ کرتا ہے نہ دوسرے پر احسان جتانا۔ اور جب وہ تینوں وجہیں جو ہمنے زکوۃ کے
وجوب میں ذکر کی ہیں آدمی معلوم کرلے یا اُنہیں سے ایک سمجھ لے تو پھر اپنے آپ کو دوسرے پر احسان کرنے والا نہ جانیگا بلکہ یہی سمجھیگا کہ خود

دو وجہ ہو جاوے مثلاً ماہ محرم میں دیوے کہ یہ سال کا شروع مہینہ ہی اور حرام مہینوں میں سے ہی یا رمضان میں زکوٰۃ نکالے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں سب سے زیادہ سخاوت کرتے تھے اور آندھی کی طرح ہوتے تھے کہ کوئی چیز گھر میں نہ چھوڑتے تھے اور رمضان میں شب القدر کی بھی فضیلت ہی اور قرآن اسمیں نازل ہوا ہی اور مجاہد رح کہا کرتے کہ رمضان مت کہو کہ یہ ایک نام خدا تعالیٰ کا ہی بلکہ شہر رمضان کہا کرو اور ماہ ذیحجہ کی بھی بہت فضیلت رکھا ہی کہ حرام مہینوں میں سے ہی اور اسمیں حج اکبر ہوتا ہی اور ایام معلومات یعنی پہلا عشرہ اسمیں ہی اور ایام معدودات جو تشریق کے دن ہیں وہ بھی اسمیں ہیں اور ماہ رمضان کے دنوں میں سے بہتر پچھلے کے دس روز ہیں اور ماہ ذیحجہ کے دنوں میں سے اول کے دس روز

تیسرا ادب زکوٰۃ کو پوشیدہ دینا ہی کہ سود اور شہرت اور ریا سے دور رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں افضل الصدقة جهد المقل الى فقير في سر - اور بعض علماء نے کہا ہی کہ تین چیزیں خیرات کے خزانوں میں سے ہیں انہیں سے ایک صدقہ کا پوشیدہ دینا ہی اور ایک حدیث مسند میں بھی یہ مضمون مروی ہی - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کوئی کام خفیہ کرتا ہی تو اللہ تعالیٰ اسکو خفیہ میں ارقام فرماتا ہی پھر اگر وہ اسکو ظاہر کرتا ہی تو اللہ تعالیٰ اسکو خفیہ کے دفتر سے ظاہر میں نقل کر دیتا ہی اور اگر وہ شخص اس عمل کو کسی اور سے کہتا ہی تو خفیہ اور ظاہر دونوں کے دفتر میں سے اسکو دور کر کے ریا میں لکھ لیتا ہی - اور حدیث مشہور میں ہی کہ آپ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو اس روز سایہ میں رکھیگا جس روز کہ کوئی سایہ بجز اسکے عرش کے سایہ کے ہوگا انہیں سے ایک شخص وہ ہی کہ اسنے کوئی صدقہ دیا ہو اور اسکے بائیں ہاتھ کو خبر نہوئی ہو کہ اسکے دہنے نے دیا ہی - اور ایک حدیث میں ہی کہ صدقة السر تطفى غضب الرب - اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہی وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم - اور پوشیدہ دینے کا فائدہ ریا اور شہرت کی آفت سے چھوٹنا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ خدائے تعالیٰ شہرت والے اور ریاکار اور منت رکھنے والے سے قبول نہیں فرماتا - اور جو شخص اپنے صدقہ کو کہتا پھرتا ہی وہ شہرت کا طالب ہی اور جو لوگوں کے مجمع میں دیتا ہی وہ ریا کا خواہاں ہی اور پوشیدہ دینا اور چپ رہنا ان دونوں آفتوں سے بچاؤ ہی اور بعض اکابر نے پوشیدہ خیرات کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہی یہاں تک کہ اس بات میں کوشش کی کہ لینے والا دینے والے کو نہ پہچانے اسکے لیے بعض آدمی تو اندھے کے ہاتھ میں خیرات ڈال دیتے ہیں اور بعض فقیر کے رستہ میں اور اسکے بیٹھنے کی جگہ میں پھینک دیتے تھے ایسی طرح کہ وہ چیز کو دیکھے اور دینے والے کو نہ دیکھے اور بعض سوتے ہوئے فقیر کے پلہ میں باندھ دیتے تھے اور بعض دوسرے شخص کے ہاتھوں فقیر کے پاس پہونچا دیتے تھے کہ اسکو دینے والے کا حال نہ معلوم ہو اور درمیانی شخص اسکا حال پوشیدہ رکھتا تھا اور وہ درمیانی سے کہہ بھی دیتا تھا کہ ظاہر مت کرنا اور یہ سب اس لیے تھا کہ خدائے تعالیٰ کے غصہ کو بجھانے کا ذریعہ پیدا کریں اور شہرت اور ریا سے بچے رہیں - اور جب ایسی صورت ہو کہ بدون ایک شخص کے معلوم کیے خیرات کا دینا ہو سکے تو بہتر ہی کہ وہ ایک وکیل کو سپرد کردے کہ وہ مسکین کو حوالہ کرے اور اسکو خبر نہ ہو کہ کسنے دیا اس لئے کہ مسکین کے پہچاننے میں ریا اور احسان دونوں ہیں اور درمیانی کے جاننے میں صرف ریا ہی ہوگی دو باتیں تو ہونگی اور جس صورت میں کہ دینے والے کو شہرت مقصود ہو تو اسکا عمل لغو ہو جاویگا کیونکہ زکوٰۃ بخل کے دور کرنے اور مال کی محبت کم کرنے کو ہی اور جاہ کی محبت بہ نسبت مال کی محبت کے نفس پر زیادہ چھائی ہی - اور آخرت میں ان دونوں میں سے ہر ایک ہلاک ہی مگر بخل کی صفت قبر میں بشکل گزدم بچھو کے متمثل ہوگی اور ریا کی صفت سانپ کی سی ہوگی اور آدمی کو ان دونوں چیزوں کے سست کرنے کا خواہ مار ڈالنے کا حکم ہی تاکہ انکی اذیت بالکل نہو یا کمتر ہو پس جب کہ قصد ریا اور شہرت کا کریگا تو گویا بچھو کے بعض اجزا کو سانپ کی غذا بنا دیگا تو ظاہر ہی کہ جس قدر بچھو کمزور ہوگا اسی قدر سانپ زور آور ہوگا [illegible] تو اگر ویسا ہی رہنے دیتا تو امر آسان ہوتا - اور ان صفات کی خواہش کے خلاف عمل کرنے سے یہ غرض کہ انہیں کی [illegible] بخل کے تو خلاف کرے اور سبب ریا کی اطاعت کرے اس سے تو ادنی چیز کمزور ہو جاویگی اور قوی کو اور زیادہ قوت [illegible] جلد سوم مہلکات میں ان امور کے اسرار آوینگے -

چنانچہ اسکے اسرار اس باب کے نصف آخر میں مذکور ہونگے۔ اور اسی وجہ سے بعض اکابر صدقہ کو فقیر کے سامنے رکھکر اپنے آپ کھڑے رہتے اور فقیر سے
التجا اُسکے قبول کرنے کی کرتے یہاں تک کہ خود اُسکے سامنے سائلوں کی صورت بنالے اور فقیر کو اپنے پاس آنا اچھا نہ جانتے بلکہ خود فقیر کے پاس جاکر
دینے کو بہت مناسب سمجھتے۔ اور بعض اکابر ہاتھ پر صدقہ رکھکر فقیر کے سامنے ہتھیلی بچھا دیتے تاکہ فقیر اُسکو اٹھالے اور اوپر ہاتھ فقیر ہی کا رہے اور
حضرت عائشہ اور ام سلمہ جب کچھ خیرات کسی فقیر کے پاس بھیجتیں تو قاصد سے کہہ دیتیں کہ جو کچھ فقیر دعا کے کلمات کہے وہ یاد کر لینا جب وہ اُکو دعا
کرتا تو وہی کلمات آپ بھی کہدیتیں اور فرماتیں کہ دعا کا بدلہ دعا اسلیے ہم نے کیا کہ ہمارا صدقہ بچا رہے غرضکہ اول کے لوگ فقیر سے دعا کی توقع
نہ رکھتے تھے اسلیے کہ دعا بھی ایک مکافات کا سا طور ہے اور اگر کوئی اُنکے لیے دعا کرتا تھا تو اُسکے بدلہ میں ویسی ہی دعا اُسکے لیے خود کر دیا کرتے تھے
حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا ہی کیا ہے پس ارباب دل اپنے دلوں کا علاج ایسے کیا کرتے تھے اور ظاہر کی رو سے بجز ان
اعمال کے جو تواضع اور ذلت پر دلالت کرتے ہیں اور فقیر کی طرف سے احسان کا ماننا اُسسے معلوم ہوتا ہے اور کوئی علاج نہیں اور باطن کے اعتبار
سے اُن امور کا جاننا جنکو ہم ذکر کر چکے ہیں وہ دو عمل کی رو سے ہے اور یہ علم کی رو سے اور دل کا علاج ایسی ہی تدبیر سے ہوتا ہے جو مرکب علم اور عمل دونوں سے
ہو اور زکوٰۃ میں من اور اذی کے نہونے کی شرط قائم مقام نماز کے اندر خشوع کرنے کے ہے چنانچہ دونوں باتین حدیث شریف سے ثابت ہیں نماز کے باب میں ارشاد ہے
لَيْسَ لِلْمَرْءِ مِنْ صَلَاتِهِ إِلَّا مَا عَقَلَ اور زکوٰۃ میں فرمایا لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَدَقَةَ مَنَّانٍ اور خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى لیکن فقیہ کا فتویٰ
کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی اور آدمی اس سے بری الذمہ ہوا گو اُسمین یہ شرط مفقود ہو تو یہ دوسری بات ہے جسنے اسکی غرض کی طرف باب الصلوٰۃ میں اشارہ کیا ہے
چھٹا ادب یہ ہے کہ اپنی دہش کو کم جانے اسلیے کہ اگر بہت جانیگا تو عجب کریگا اور عجب مہلک چیزوں میں سے ہے اور اعمال کو باطل کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔ اور کہتے ہیں کہ طاعت جس قدر چھوٹی جانی جاوے وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہوگی اور معصیت کو
جتنا بڑا جانو خدا تعالیٰ کے نزدیک چھوٹی ہوگی اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ خیرات کرنی بدون تین چیزوں کے پوری نہیں ہوتی اول اُسکو چھوٹا
جاننا دوم جلد ادا کرنا سوم چھپا کر دینا اور خیرات کو زیادہ جاننا من اور اذی کے سوا دوسری بات ہے اسلیے کہ اگر بالفرض اپنے مال کو مسجد یا سرائے کے
بنانے میں صرف کرے تو ممکن ہے کہ اُسکو زیادہ اور بڑا سمجھے مگر اس صورت میں من اور اذی ممکن نہیں۔ بلکہ عجب اور بڑا جاننا سب عبادتوں میں چلتا ہے
اور اُسکی دوا علم اور عمل دونوں ہیں علم تو اسطرح کہ یہ جانے کہ دسواں یا چالیسواں حصہ سب میں سے نہایت کم ہے اور یہ ادنیٰ درجہ [illegible] جیسا کہ ہم
جنکو ہم وجوب زکوٰۃ کی وجہوں میں لکھ آئے ہیں اُنمیں سے یہ بہت خسیس درجہ ہے پس مناسب یہ ہے کہ اس خسیس درجہ پر قناعت کرنے سے حیا کرے یہ کہ
اپنی خیرات کو بڑا جانے اور اگر اوپر کے درجہ پر ترقی کرجاوے یعنی اپنا کل مال یا اکثر خدا کی راہ میں دے ڈالے تو ایسے شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ مال میرے اس
کہاں سے آیا اور کس چیز میں اسے صرف کرتا ہوں کیونکہ مال تو خدا تعالیٰ کا ہے اور اُسکا احسان ہے کہ بندہ کو وہ مال دیا پھر توفیق اُسکے خرچ کرنے کی دی
تو خدا تعالیٰ کے حق میں کچھ دیکر بڑا جاننا چاہیے کہ وہ توفیق اُسی کا ہے اور اگر مال کو اس نظر سے دیا کہ ثواب آخرت ملے تو جسکے بدلہ میں بہت سے دگنے چوگنے
پاویگا اُسکو بڑا کیوں جانتا ہے۔ اور عمل یہ ہے کہ صدقہ کو شرمندہ ہوکر دیوے کہ بقیہ مال کو روک رکھا اور خدا تعالیٰ کی چیز کو اُسکی راہ میں دینے سے بخل کیا اور
انکسار اور خجالت اسی صورت پر ہو جیسے کسی کے پاس کوئی امانت رکھ جاوے اور وہ شخص اُسکے واپس دینے کے وقت کچھ تو بٹا دے اور کچھ اپنے پاس
رہنے دے کیونکہ مال سب کا سب خدا تعالیٰ کا ہے اور سب کا دے ڈالنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور سب کے دینے کا اسلیے بندہ کو حکم نہیں کیا کہ اُسکے بخل کے
باعث اُسپر دشوار گذرتا چنانچہ خود فرمایا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا یعنی اگر مبالغہ کرے اور حکم دے کہ سب مال کو خرچ کر ڈالو تو تم بخل کرو اور رضا اور خوشی سے نہ دو۔
ساتواں ادب یہ ہے کہ اپنے مال میں صدقہ کے لیے بہت عمدہ اور پاکیزہ چھانٹے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی مال کو قبول کرتا ہے اور جب مال مشتبہ
شبہہ کا ہوگا تو عجب نہیں کہ وہ اُسکی ملک ہی نہو تو اپنے موقع پر نہوگا۔ اور ابان رحمۃ اللہ علیہ حضرت انسؓ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشی ہو
اس بندہ کو جو ایسے مال میں سے دیوے جسکو بدون معصیت کمایا ہو۔ اور اگر مال صدقہ عمدہ مال نہوگا تو یہ بے ادبی ہے کہ اپنے یا اپنے گھر والوں اور خادم کے لیے تو

اپنے نفس پر احسان کرتا ہون یعنی مال کو خواہ خداے تعالی کی محبت ظاہر کرنے کے لیے دیتا ہون یا اپنے نفس کو بخل کی بُرائی سے پاک کرنے کے لیے یا مال کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے دیتا ہون کہ خداے تعالی اور زیادہ دیوے اور ان تینون صورتون مین اسکے اور فقیر کے درمیان مین کوئی معاملہ نہین تاکہ یہ سمجھے کہ مین فقیر پر احسان کرتا ہون۔ اور جب اس اصل سے جاہل ہوتا ہی اور اپنے آپ کو فقیر پر محسن سمجھتا ہی تب اُسکے ظاہر پر اس سے دو باتین متفرع ہوتی ہین جو من کے معنون مین مذکور ہوئی ہین یعنی صدقہ کا ذکر کرنا اور ظاہر کرنا اور فقیر سے اُسکا بدلہ چاہنا کہ شکر گزار اور دعا گو ہو اور خدمت اور تعظیم کرے اور حقوق بجا لاوے اور مجلسون مین آگے بٹھلاوے اور کامون مین پیروی کرے کہ یہ سب امور منت کے ثمرے ہین اور منت کے معنی باطن مین وہی ہین جو ہم لکھ چکے ہین۔ اور اذی کے معنی تو ظاہر مین تو جھڑکی اور عیب لگانے اور درشت کلامی اور ترشروئی اور ظاہر دینے سے پردہ دری اور فقیر کے ساتھ اقسام سبکی کے کار سرزد ہونے کے ہین مگر باطن مین جو اسکا منشا ہی وہ دو باتین ہین اول مال پر سے ہاتھ اُٹھانے کو بُرا جاننا اور نفس پر اُسکا سخت گذرنا کہ خلق کو بہت دشوار ہوا کرتا ہی۔ دوم اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ مین فقیر سے بہتر ہون یہ شخص اپنی حاجت کے سبب سے مجھ سے رتبہ مین کم ہی اور ان دونون باتون کا منشا جہالت ہی مثلاً مال کے دینے کو بُرا جاننا خالی از حماقت نہین کیونکہ جو کوئی ہزار کے عوض مین ایک درم کے دینے کو بُرا جانے تو اُس سے زیادہ احمق کون ہوگا اور ظاہر ہی کہ مال خداے تعالی کی رضا جوئی اور ثواب اخروی کے لیے دیا کرتے ہین تو یہ چیزین مال کی نسبت کہین اشرف ہین یہ مال کو بخل کی بُرائی کے دور کرنے کو دیتا ہی یا زیادتی نعمت کے لیے بوجہ شکر کے ادا کرتا ہی بہرحال ان مین سے کوئی سی وجہ ہو بُرا معلوم کرنے کی کوئی صورت نہین اور دوسری بات بھی جہالت ہی اسلیے کہ اگر آدمی فقیری کا فضل توانگری کی نسبت کر معلوم کرے اور توانگرون کے خطر کو پہچانے تو کبھی فقیر کو حقیر نہ جانے بلکہ اُسکو متبرک سمجھے اور اُسکے رتبہ کی تمنا کرے کیونکہ توانگرون مین سے نیکبخت آدمی فقیرون سے پانسو برس بعد جنت مین داخل ہونگے اور اسیوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ ہم الاخسرون ورب الکعبۃ۔ حضرت ابو ذر نے پوچھا کہ وہ کون ہین فرمایا کہ ہم الاکثرون اموالاً یعنی جن لوگون کے پاس مال بہت ہی پھر فقیر کو کیسے حقیر جانتا ہی جسکے لیے خداے تعالی نے اُسکو مسخر کر رکھا ہی یعنی مالدار اپنی کوشش سے مال کماتا ہی اور اُسکو محنت کرکے بڑھاتا ہی اور حفاظت کرتا ہی پھر اُسپر لازم کر دیا گیا ہی کہ فقیر کو بقدر حاجت دے ڈالے اور زائد حاجت سے اُسکو نہ دیوے جسکے دینے سے اُسکو ضرر ہو پس اس صورت مین مالدار فقیر کی روزی کے کمانے کے لیے کاروبار کرتا ہی اور فقیر سے اس بات مین جدا ہی کہ لوگون کے حقوق اپنی گردن پر لیتا ہی اور مشقتین بہت سی اُٹھاتا ہی اُن زوائد کی حفاظت مرتے دم تک کرتا ہی یہانتک کہ بعد کو اُسکے دشمن اُس مال کو کھاتے ہین۔ پس جب آدمی کے دل سے بُرائی دینے کی نکلجاوے اور بُرائی کے بدلے خوش ہو کہ اللہ تعالی نے توفیق واجب ادا کرنے کی دی اور فقیر کو مقرر کیا جسکو مال حوالہ کرکے اُسکے حق سے ادا ہوا اور فقیر نے اُسکو قبول بھی کر لیا تو اس صورت مین اذی اور جھڑکی اور ترشروئی کچھ بھی نہ رہیگی بلکہ فقیر کو دیکر خوش ہوگا اور اُسکی تعریف کریگا اور اُسکا احسان مانیگا۔ اب اگر یہ کہو کہ منت کا منشا اور اذی کا تمنے یہ بتایا کہ آدمی اپنے آپ کو محسن خیال کرے اور یہ ایک باریک امر ہی اسکی کوئی پہچان بھی ہی جس سے معلوم ہو کہ دینے والے اپنے نفس کو محسن نہین سمجھا تو اسکا جواب یہ ہی کہ ہان اسکی علامت باریک اور صاف ہی اور وہ یہ ہی کہ فرض کرے کہ اس فقیر نے اُسکا کچھ نقصان کر دیا یا اُسکے کسی دشمن سے جا ملا پھر دیکھے کہ دینے کے پیشتر اگر ایسی صورت ہوتی اور طبیعت کو بُری معلوم ہوتی اتنی ہی بُرائی اب بھی ہی یا کچھ زیادہ ہی اگر زیادہ ہو تو صدقہ مذکور مین کچھ نہ کچھ میل منت کا ضرور ہی اسلیے کہ اُسنے اس صدقہ کے سبب سے اُس بات کی توقع کی جسکی توقع اُسکو اس صدقہ سے پیشتر نہ تھی اور یہ امر بہت باریک ہی کہ کسی کا دل اس سے خالی نہین ہوتا اور اسکا علاج ایک ظاہری ہی اور ایک باطنی دوسرے باطنی تو اُن حقیقتون کا معلوم کرنا ہی جو پہلے [illegible] مین لکھا ہی اور اس بات کو جاننا کہ فقیر ہمپر احسان کرتا ہی کہ ہماری بخشش کو قبول کرکے ہمکو پاک کرتا ہی۔ اور دوسرا ظاہری یہ ہی کہ [illegible] جیسے کوئی ممنون شخص کیا کرتا ہی کیونکہ جو افعال اخلاق سے صادر ہوتے ہین وہ جسطرح کے اخلاق کے ہوتے ہین دل کو [illegible]

سوم صفت یہ ہے کہ وہ شخص اپنے تقویٰ میں سچا ہو اور علم توحید میں پکا۔ اور توحید اصطلاح ہے کہ جب کسی سے مال لیوے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر
کرے اور جانے کہ یہ نعمت اسی کی طرف سے ہے درمیانی شخص کا لحاظ نہ کرے اور بندوں کا شکر خدا تعالیٰ کی جناب میں یہی ہے کہ تمام
نعمت کو خدا تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے۔ اور لقمان نے اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان میں دوسرے کو
نعمت دینے والا مت ٹھہرانا اور دوسرے کی نعمت کو اپنے اوپر قرض شمار کرنا۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے کا شکر کرتا ہے تو اُسنے
گویا منعم کو پہچانا ہی نہیں اور اس بات کا یقین نہیں کیا کہ درمیانی آدمی مغلوب اور اُسکی تسخیر میں مسخر ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہی نے اُس پر دینے
کے لوازم مسلط کیے اور اسباب دینے کے مہیا کر دیے تب اُسنے دیا ہیں وہ دینے کے لیے مجبور ہے اگر وہ چاہتا کہ نہ دیوے تو اُس سے نہ ہو سکتا
اسلیے کہ پیشتر خدا تعالیٰ نے اُسکے دل میں ڈال دیا ہے کہ میرے دین و دنیا کی بہتری دینے میں ہے تو جب باعث قوی ہوتا ہے جس سے ارادے میں
پختگی آتی ہے اور قدرت اُبھرتی ہے اُس وقت بندے سے اس باعث قوی کی مخالفت نہیں بن پڑتی جسمیں کچھ تردد نہیں ہوتا اور باعثوں کا پیدا
کرنے والا خدا تعالیٰ ہے اور وہی اُنکو قوت و زور دیتا ہے اور اُنکے ضعف و تردد کو دور کرتا ہے اور اُنکی خواہش کے مطابق قدرت کو اُبھارتا ہے
پس جو شخص اس امر پر یقین کریگا اُسکی نظر بجز مسبب الاسباب کے اور طرف نہ ہوگی۔ اور ایسے بندے کا یقین دینے والے کے
حق میں دوسروں کی تعریف اور شکر سے زیادہ مفید ہے اس لیے کہ وہ تو ایک زبان کی حرکت ہے اکثر اُسکا نفع کم ہی ہوتا ہے اور ایسے
موحد کی اعانت بیکار نہیں جاتی علاوہ ازیں جو شخص دینے کے باعث تعریف کرتا ہے اور دعاے خیر مانگتا ہے وہ نہ دینے کے سبب سے برائی بھی کریگا
اور بددعا منہ سے نکالیگا اُسکا حال ایسا نہیں رہیگا۔ اور مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فقیر کے پاس کچھ صدقہ بھیجا اور قاصد سے ارشاد فرمایا
کہ جو کچھ وہ کہے یاد کر لینا اُس فقیر نے مال لیکر کہا کہ خدا کا شکر ہے جو اپنے ذکر کرنے والے کو نہیں بھولتا اور نہ اپنے شکر کرنے والے کو تلف کرے پھر کہا کہ الٰہی
اگر تو نے مجھکو فراموش نہیں کیا تو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کر دے کہ تجھکو نہ بھولیں قاصد نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں عرض کیا آپ اس کلام سے خوش ہوے اور ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ یہی کہیگا۔ تو اس فقیر کے حال کو دیکھو کہ اپنے
التفات کو کیسا صرف خداے تعالیٰ پر منحصر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا کہ توبہ کر اُسنے کہا کہ میں صرف
خداے تعالیٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ نہیں کرتا آپ نے فرمایا کہ اسنے حق دار کا حق جان لیا۔ اور جبکہ
حضرت عائشہ رض کی تہمت سے براءت آئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ کھڑی ہو اور سر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
بوسہ دو حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ بخدا میں یہ نہ کرونگی اور نہ بجز خدا کے اور کسی کا شکر کرونگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے
ابو بکر رض اسکو جانے دو کچھ مت کہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رض نے حضرت ابو بکر رض کو یہ جواب دیا الحمد للہ لا بحمدک ولا بحمد صاحبک
اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا باوجودیکہ براءت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت عائشہ رض کو
پہونچا تھا۔ اور چیزوں کو خداے تعالیٰ کے سوا اور کی طرف سے جاننا کافروں کا وصف ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذا ذکر اللہ وحدہ
اشمازت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرة واذا ذکر الذین من دونہ اذا ہم یستبشرون۔ اور جس شخص کا باطن درمیانی واسطوں کی طرف
التفات کرنے سے صاف نہیں اور درمیانی کو صرف واسطہ نہیں سمجھتا تو اُسکا دل گویا کہ شرک خفی سے خالی نہیں ہوا اُسکو چاہیے کہ اللہ جل شانہ
سے خوف کرے اور اپنی توحید کو شرک کی کدورتوں اور شبہوں سے صاف کرے صفت چہارم یہ کہ وہ شخص مستور الحال ہو اور اپنی حاجت کو
چھپاتا ہو شکایت وغیرہ بہت نہ بیان کرتا ہو یا یہ کہ صاحب مروت ہو جسکی نعمت جاتی رہی ہو اور عادت باقی رہ گئی ہو اور زندگی وضع کے ساتھ
بسر کرتا ہو ایسی قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم لا یسئلون الناس الحافا یعنی سوال میں
مبالغہ نہیں کرتے اس وجہ سے کہ وہ لوگ اپنے یقین سے غنی ہیں اور صبر کے باعث عزت دار اور اس قسم کے لوگوں کی تلاش دینداروں کی

اعتبار رکھے اور خدا تعالیٰ پر اوروں کو ترجیح دے اگر بالفرض اپنے مہمان سے کوئی اسطرح پیش آوے کہ جو اسے کھانا اُسکے سامنے رکھدے تو خاہر ہی کہ مہمان اُسکا دشمن ہو جاویگا اور یہ وہ صورت ہی کہ آدمی صدقہ دینے میں خدا تعالیٰ کا خیال کرے اور جس صورت مین کہ اپنے نفس کے لیے اور ثواب اُخروی کے لحاظ سے دیوے تب تو صاف بات ہی کہ کوئی عاقل دوسرے کو اپنے نفس پر ترجیح نہیں دیتا اور اسکا مال اسی قدر ہوگا جو کہ دے دیوے اور باقی رکھے یا کھا کر فنا کر دے اور جس مال کو کھاتا ہی اُسمیں سر دست کی اداے حاجت ہی اور یہ عقل کی بات نہین کہ سر دست پر نظر کرے اور ذخیرے کا دھیان نہ کرے علاوہ ازین اللہ تعالیٰ فرماتا ہی یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ یعنی ایسی چیز مت دو جسکو تم بدون کراہت اور حیلہ کے نہ لو اور یہی معنی اغماض کے ہین جو ایسی چیز کو اپنے پروردگار کے لیے اختیار نہ کرو۔ اور ایک حدیث مین ہی کہ ایک درم لاکھ درمون سے سبقت لیجاتا ہی۔ اور اسکی وجہ یہ ہی کہ انسان اُس درم کو اپنے نہایت عمدہ اور اچھے مال مین سے نکالتا ہی اسی لیے صدقہ رضامندی اور خوشی سے دیا جاتا ہی اور کبھی ایک لاکھ درم ایسے مال مین سے دیتا ہی جسکو خود برا جانتا ہی اس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ جس چیز کو محبوب جانتا ہی اُس سے خداے تعالیٰ کو ترجیح نہیں دیتا اور اسی وجہ سے خداے تعالیٰ نے اُن لوگون کی مذمت فرمائی جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز ٹھہراوین جسکو مکروہ جانتے ہون چنانچہ فرمایا ویجعلون للہ ما یکرہون وتصف السنتہم الکذب ان لہم الحسنی لا جرم ان لہم النار۔ اس آیت میں بعض قاریون نے لا پر وقف کیا ہی اُن لوگون کی تکذیب کے لیے اور جرم سے جداجملہ شروع کیا ہی جرم کے معنی کسب کے ہیں یعنی اُنکی اس حرکت نے کہ خداے تعالیٰ کے لیے مکروہ چیزوں کو ٹھہراتے ہیں اُنکے لیے آگ کما دی۔

آٹھواں ادب یہ ہی کہ اپنے صدقہ کے لیے ایسے لوگ ڈھونڈھے جسسے صدقہ کو رتبہ اور بڑھا رہو جاوے یہ نہین کہ آٹھون قسمون مین جو ملا ہو اُسکو ہو بیجا دیا چاہیے بلکہ اُن اشخاص میں چھ صفتوں کا لحاظ کرے جسمیں وہ صفات پاوے اُسکو صدقہ دیوے اول صفت یہ ہی کہ ایسے لوگ تلاش کرے جو پرہیزگار اور دنیا سے روگردان اور صرف آخرت کی تجارت مین مشغول ہون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین لا تاکل الا طعام تقی ولا یاکل طعامک الا التقی۔ اور اسکی وجہ یہ ہی کہ پرہیزگار آدمی کھانے سے تقوی پر مدد لیگا تو کھلانے والا اُسکی طاعت میں اُسکا شریک ہوگا اس جہت سے کہ طاعت پر اُسکی مدد کی اور شیخ فرمایا کہ اپنا کھانا پرہیزگارون کو کھلاؤ اور سلوک جو کچھ کرو ایمانداروں پر کرو اور ایک روایت مین یون ہی کہ اپنے کھانے کے لیے اُس شخص کی ضیافت کرو جس سے تمکو محبت فی اللہ ہو۔ اور بعض علما اپنا مال فقراے صوفیہ کے سوا اور کسی کو نہ دیتے تھے اُنسے کسی نے کہا کہ اگر آپ یہ مال سب فقیرون کو دیا کریں تو اس سے بہتر ہو کہ ایک فرقہ خاص کو دیتے ہین اُنھون نے فرمایا کہ نہین یہ وہ لوگ ہین کہ انکی ہمت خداے تعالیٰ کے لیے ہی جب اُنکو فاقہ ہوتا ہی تو اُنکی ہمت پریشان ہو جاتی ہی پس اگر ایک شخص کو مین صدقہ دیکر اُسکی ہمت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کردون تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہی کہ ہزار شخصوں کو دون جنکی ہمت دنیا کی طرف ہو پس یہ کلام حضرت جنید بغدادی رح کے سامنے کسی نے نقل کی آپ نے اُسکو مستحسن فرمایا اور ارشاد کیا کہ وہ شخص اولیاء اللہ میں سے ہی اور مین نے بہت مدت سے اس سے بہتر کلام نہین سنی پھر کہتے ہیں کہ اُن بزرگ کے حال مین خلل آگیا اور قصد کیا کہ وہ دکان چھوڑ دین حضرت جنید رح نے اُنکے پاس کچھ مال بھیجدیا اور فرمایا کہ اس سے اسباب خرید لو اور دوکان مت چھوڑو کہ تم جیسے آدمی کو تجارت مضر نہین یہ شخص بقال تھے مفلس جو اُنسے سودا خریدتے اُنسے دام نہین لیا کرتے تھے دوم صفت یہ ہی کہ جسکو دے وہ خاص کر اہل علم مین سے ہو کہ اُسکو دینے سے علم پر مدد کرنا ہوگا اور علم بہت عبادتوں سے اشرف ہی بشرطیکہ اُسمین نیت درست ہو حضرت ابن مبارک اپنا صدقہ خاص اہل علم کو دیا کرتے کسی نے اُنسے کہا کہ خوب ہو اگر آپ خیرات کو عام کر دین آپ نے فرمایا کہ مین نبوت کے درجہ کے بعد کوئی درجہ علما کے درجہ سے افضل نہین جانتا جب عالم کا دل اپنی کسی حاجت میں مشغول ہوگا تو وہ علم کے لیے فراغت نہ پاویگا نہ سیکھنے پر متوجہ ہوگا اسلیے اُنکو دینا گویا علم کے لیے اُنکو فارغ کرنا [illegible]

ایسے شخص کے لیے زکوۃ کے مال میں سے اوزار خرید دینے درست ہیں اور اگر ایسے پیشے پر قادر ہو جو اُسکی مروت اور شان کے لائق ہو تب بھی
فقیر ہی متصور ہوگا - اور اگر وہ شخص فقیہ ہو اور کوئی پیشہ کرنا اُسکو مانع تفقہ سیکھنے کا ہو تو وہ بھی فقیر ہے اور اسکا قادر ہونا معتبر نہیں - اور اگر وہ شخص
عابد ہو اور پیشہ کرنے سے عبادات اور وظیفوں معمولی کا ہرج ہوتا ہو تو اُسکو پیشہ کرنا چاہیے اسلیے کہ صدقہ کی نسبت کہ پیشہ کرنا بہتر ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ اس سے مقصود یہی ہے کہ کمانے میں کوشش کرنی چاہیے
اور حضرت عمر رض نے فرمایا ہے کہ شبہ کے ساتھ کمانا مانگنے سے بہتر ہے اور اگر اُسکے پاس اس جہت سے خرچ نہ بچتا ہو کہ اپنے باپ یا اُس شخص کا
نفقہ کرتا ہو جسکا نفقہ اُسکے ذمہ واجب ہے تو کسب کی نسبت کر آسان ہے اُسکو فقیر نہ کہیں گے - دوسری قسم مسکین ہیں اور مسکین اُسکو کہتے ہیں
جسکی آمدنی خرچ کو کافی نہ ہوتی ہو تو ہو سکتا ہے کہ ہزار درم کا مالک ہو اور مسکین ہو اور بعض اوقات کلہاڑی اور رسی کے سوا اور کچھ نہ رکھتا ہو
اور مسکین نہ ہو اور مکان مختصر رہنے کا اور کپڑے اپنے حال کے مناسب رکھنے سے مسکینوں کے زمرہ سے خارج ہوگا اسی طرح اسباب خانہ داری
یعنی اُن چیزوں کا ہونا جنکی حاجت ہوتی ہے مسکین ہونے سے خارج نہیں کرتا بشرطیکہ اُسکے حال کے موافق اشیا ہوں - اسی طرح فقہ کی
کتابوں کا مالک ہونا مانع مسکینی نہیں اور جس صورت میں کہ بجز کتابوں کے اور کسی چیز کا مالک ہو تو اُسپر صدقہ فطر واجب نہیں اور کتابوں کا
حال مثل کپڑوں اور گھر کی ضروری چیزوں کے ہے کہ اُنکی بھی حاجت ہوتی ہے مگر کتاب کی حاجت کو سمجھنے میں احتیاط کرنی چاہیے اور یہاں سمجھنا چاہیے
کہ کتاب کی حاجت تین غرضوں کے لیے ہوتی ہے ایک پڑھانا دوسرے پڑھنا تیسرے مطالعہ کرنا اور سیر کی حاجت کا اعتبار نہیں مثلاً اشعار
اور تاریخ اور اخبار کی کتابوں کا جمع کرنا اور اسی طرح کی کتابیں جو آخرت میں مفید ہوں اور نہ دنیا میں کار آمد بجز سیر اور دل لگی کے ہوں
تو اس قسم کی کتابیں کفارہ اور صدقہ فطر میں بیچ ڈالی جاویں اور مسکین ہونے کو ایسی کتابیں مانع ہیں اور پڑھانے کی حاجت اگر اس طرح ہو
کہ اُجرت پر پڑھاتا ہو جیسے معلم اور مؤدب اور مدرس ہوتے ہیں تو اُسکے حق میں کتابیں مثل اوزاروں کے ہیں جیسے درزی وغیرہ پیشہ وروں
کے آلات ہیں تو صدقہ فطر میں بیچنا نہ چاہیے اور اگر فرض کفایہ کی بجا آوری کے لیے تعلیم دیتا ہو تب بھی نہ بیچی جاویں اور اس صورت میں
کتابوں کے ہونے سے مسکینیت اُسپر سے دُور نہ ہوگی کیونکہ تعلیم ایک حاجت ضروری ہے - اور پڑھنے اور استفادہ کی حاجت مثلاً طب کی
کتابیں اس غرض سے مہیا کرنی کہ اپنے آپ کا علاج کرے یا وعظ کی کتاب اس نظر سے رکھی کہ اسمیں مطالعہ کرکے نصیحت پذیر ہووے تو اس
صورت میں اگر شہر میں کوئی طبیب اور واعظ ہو تب تو اس شخص کو اُن کتابوں کی حاجت نہیں اور اگر نہ ہو تب البتہ حاجت کی چیز ہے - اور
مطالعہ کی کتاب میں یہ لحاظ رہے کہ ایسی کتاب ہو جسکے مطالعہ کی برسوں تک حاجت نہ ہو اور اُسکی مدت قریب قیاس یہ ہے کہ برس روز میں
کبھی نہ کبھی اُسکے مطالعہ کی نوبت آتی ہو اور اگر ایسی کتاب ہو کہ برس کے اندر اُسکی حاجت نہ پڑتی ہو تو اُسکو زائد از حاجت جاننا چاہیے اسلیے
کہ جس شخص کے پاس ایک روز کی غذا سے زیادہ بچا ہو اُسپر صدقہ فطر لازم آتا ہے تو جب صدقہ فطر کے لیے ایک روز فرض کیا گیا ہے تو اسباب
خانہ داری اور بدن کے کپڑوں کے لیے برس روز کا معین ہونا چاہیے اور اسی نظر سے گرمی کے کپڑے جاڑوں میں نہیں بیچے جاتے اور چونکہ کتابیں
کپڑوں اور لوازم خانہ داری کے زیادہ مشابہ ہیں اسی لیے اُنکے مطالعہ کے لیے بھی برس روز مقرر ہونا بہتر ہے - اور بعض اوقات ایک کتاب کے
دو نسخے ہوتے ہیں تو اُس وقت ایک کو زائد از حاجت جاننا چاہیے اور اگر مالک کہے کہ اُن میں سے ایک صحیح زیادہ ہے اور دوسرا خوبصورت
زیادہ اس لیے مجھے دونوں کی ضرورت ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ صحیح تر کو رہنے دو اور خوبصورت کو بیچ دو اور دید بازی اور رفاہیت طلبی سے
ہاتھ اُٹھاؤ - اور اگر ایک علم کی دو کتابیں ہوں ایک بڑی ہو اور ایک مختصر تو اگر اُسکا مقصود استفادہ ہو تو بڑی کو رہنے دے - اور اگر پڑھانے
کی نیت ہو تو دونوں کی حاجت اُسکو ہے اس لیے کہ انمیں سے ہر ایک میں وہ فائدہ ہے جو دوسری میں نہیں اور اس طرح کی صورتیں بیشمار ہیں
اور علم فقہ میں اُن سے بحث نہیں کی جاتی ہم نے انکو اسلیے لکھا ہے کہ لوگ انمیں بہت مبتلا ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اس کا لحاظ کتابوں کے سوا

معرفت ہر محلہ مین کرنی چاہیے اور خیرات کرنے والون کو صدقہ دار لوگون کے باطن کا حال دریافت کرنا چاہیے اسلیے کہ صدقہ کا ان لوگون پر خرچ کرنا ان لوگون کو دینے کی نسبت کہ جو بلا ضرورت سوال کرتے ہین کئی گنا ثواب زیادہ رکھتا ہے صفت پنجم یہ ہے کہ وہ شخص صاحب عیال یا مرض مین گرفتار یا اور کسی سبب مین مبتلا ہو اور اسکی مصداق یہ آیت ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یعنی جو لوگ طریق آخرت مین بسبب عیال کے یا تنگی روزی کے یا دل کی اصلاح کے گھر گئے ہون کہ زمین مین جانے کی قدرت نہ رکھتے ہون اسوجہ سے کہ ان اسباب سے انکے مانند ٹوٹے ہوئے اور ہاتھ پاؤن بندھے ہوئے ہون۔ حضرت عمر رض ایک گھر کے لوگون کو ایک گلہ بکریون وغیرہ کا دس یا اس سے زیادہ کا دیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عطا عیال کے موافق عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رض سے کسی نے پوچھا کہ جہد البلاء یعنی حالت شاقہ سے کیا غرض ہے آپ نے فرمایا کہ عیال کی کثرت اور مال کی قلت۔ صفت ششم یہ ہے کہ وہ شخص قریبون اور ذوی الارحام مین سے ہو تو اسکے دینے مین صدقہ بھی ہوگا اور صلۂ رحم بھی ہوگا اور صلۂ رحم مین جسقدر ثواب ہے وہ ظاہر ہے حضرت علی رض فرماتے ہین کہ اگر مین ایک درم سے اپنے کسی بھائی کا صلۂ رحم کرون تو میرے نزدیک بیس درم خیرات سے بہتر ہے اور اگر بیس درم سے کرون تو سو درم خیرات سے مجکو زیادہ پسند ہے اور اگر سو درم سے کرون تو میرے نزدیک ایک بردہ آزاد کرنے سے اچھا ہے اور جا نکار شخصون مین سے دوستون اور اہل خیر کو مقدم دینا چاہیے جیسے بیگانون کی نسبت کہ رشتہ دار مقدم ہین۔ پس ان دقائق کا لحاظ رکھنا چاہیے جو صفات مطلوبہ ہی ہین اور انہین سے ہر صفت مین بہت سے درجے ہین پس چاہیے کہ سب سے اعلیٰ درجہ والے کی تلاش کرے اور اگر کوئی شخص ایسا ملجاوے جسمین ان صفات مین سے کئی ہون تو بڑی دولت اور عمدہ نعمت ہے اور جس صورت مین کہ آدمی طلب اور تلاش مین محنت کرے اور مقصود کو حاصل کرے تو اسکو دوہرا ثواب ملیگا اور اگر خطا ہو جاوے گی تب بھی ایک ثواب کہین نہین گیا اسلیے دو ثواب کی صورت یہ ہے کہ ایک بات سر دست حاصل ہوتی ہے یعنی نفس کو بخل کی صفت سے پاک کرنا اور دل مین محبت الٰہی کا پختہ ہونا اور اسکی طاعت مین کوشش کرنی اور دوسری بات انجام کو ہوتی ہے کہ لینے والا اسکے حق مین دعا اور ہمت کرے کیونکہ نیکبختون کے دلون کے آثار سر دست اور انجام کو ظاہر ہوا کرتے ہین پس اگر زکوٰۃ دینے والے کو عمدہ شخص ہاتھ لگ گیا اور اسکی کوشش پر ثواب ہوئی تب تو دونون باتین حاصل ہونگی اور اگر کوشش خطا گئی تو اول بات حاصل ہوگی یعنی نفس کی طہارت بخل سے اور محبت الٰہی کی تاکید ہو جاویگی جسپر مدار شوق اللہ تعالیٰ کی لقا کا ہے اور دوسری بات حاصل نہوگی یعنی ہمت و دعا کا جو فائدہ متصور تھا وہ حاصل ہوگا پس صواب کی صورت دونا اجر ملنے سے یہاں اور دوسرے مقامون مین یہی غرض ہے واللہ اعلم

تیسری فصل زکوٰۃ لینے والے اور اسکے استحقاق کے اسباب اور لینے کے آداب مین۔ یہ فصل دو بیانون پر مشتمل ہے۔

پہلا بیان استحقاق کے سببون کے ذکر مین۔ جاننا چاہیے کہ زکوٰۃ کا مستحق وہی شخص ہے جو مسلمان اور آزاد ہو اور ہاشمی اور مطلبی نہو اور انہین ایک صفت ان آٹھ صنفون مین سے ہو جو قرآن مجید مین مذکور ہین آیت انما الصدقات۔ اور زکوٰۃ کافر کو اور غلام کو اور ہاشمی اور مطلبی کو نہ دینی چاہیے مگر لڑکے اور دیوانہ کا ولی اگر انکی طرف سے زکوٰۃ کو لے لے تو انکو دینا درست ہے اب آٹھون قسمون کو جدا جدا یاد کر لینا چاہیے۔ پہلی قسم فقیر ہین اور فقیر اسکو کہتے ہین جسکے پاس مال نہو اور نہ کمانے پر قادر ہو پس جس شخص کے پاس ایک روز کی غذا اور لباس ہو وہ فقیر نہین بلکہ مسکین ہے اور اگر اسکے پاس آدھے دن کی غذا ہو تو وہ فقیر ہے اور اگر قمیص تو رکھتا ہو مگر رومال اور موزہ اور پاجامہ نہ رکھتا ہو اور قمیص کی قیمت اتنی نہین ہے کہ اس سے سب چیزین فقرا کے حال کے موافق لے سکین تب بھی وہ فقیر ہے کیونکہ سر دست اسکے پاس وہ اشیا نہین جنکی اسکو حاجت ہے اور انکے حاصل کرنے سے عاجز ہے غرضکہ فقیر مین اس بات کی قید لگانی ضرور نہین کہ اسکے پاس سوائے مقدار ستر عورت کے لباس کے نہو کیونکہ یہ قید بیجا [illegible] ہے اور غالباً ایسا شخص نایاب بھی ہو۔ اور جس شخص کو عادت سوال کرنے کی ہو تو اس سے وہ زمرۂ فقرا سے خارج نہوگا اسلیے کہ سوال کمائی کا پیشہ نہین ہاں جس صورت مین کہ کمانے پر قادر ہو تو فقیری سے خارج ہو جاویگا پس اگر اوزارون سے کمانے پر قادر [illegible]

سرفراز فرمایا تو اُنکو دنیا سے ایسا بچانا چاہیے جیسے کوئی شفقت کرنیوالا شفیق بیمار کو پرہیز کراتا ہی یعنی اُنسے دنیا کے زوائد کو علیحدہ رکھا اور بمقدار حاجت کو مالداروں کے ہاتھ
سے اُن تک پہونچا دیا تاکہ کمانے کا فکر اور جوڑنے کی محنت اور حفاظت کا درد مالداروں کے ذمہ رہے اور اُسکا فائدہ فقرا کو پہونچے کہ خدا
تعالے کی عبادت ہی کے لئے مستعد رہیں اور موت کے بعد کے لیے تیاری کریں دنیا کے زوائد اُنکے اس مطلب کے مزاحم ہوں اور نہ فاقہ اس تیاری
سے اُنکو روکے اور یہ نہایت درجہ کی نعمت ہی اور فقیر کو شایان ہی کہ فقیری کی نعمت کی قدر پہچانے اور خوب دل میں بٹھا لے کہ اللہ تعالے کا
فضل مجھ پر اس چیز میں زیادہ ہی جو مجھ سے علیحدہ رکھی ہی بہ نسبت اُس فضل کے جو چیز کے مرحمت فرمانے میں کیا ہی چنانچہ اسکی تحقیق اور تفصیل
باب الفقر میں عنقریب مذکور ہوگی حاصل یہ کہ فقیر جو کچھ لیوے اُسکو اپنے رزق اور طاعت پر مدد کے لیے لیوے اور اُسمیں یہ نیت کرلے
کہ اسکی جہت سے خداے تعالے کی طاعت پر قوی ہوجاؤنگا اور اگر یہ بات نہوسکے تو اس مال کو ایسے مصارف میں خرچ کرے جو خداے
تعالے نے مباح فرمائے ہیں اگر اُس سے خداے تعالے کی معصیت پر مدد لیگا تو اُسکی نعمتوں کا ناشکر اور اُسکی خفگی اور ناخوشی کا مستحق
ہوگا دوم یہ کہ دینے والے کا مشکور رہو اور اُسکے حق میں دعاے خیر کرے اور یہ شکر اور دعا ایسی طرح ہوں کہ اُسکو درمیانی ہونے سے
خارج نہ کردیں بلکہ یہی سمجھے کہ خداے تعالے کی نعمت پہونچنے کا طریق وہ شخص ہوگیا ہی اور چونکہ خداے تعالے نے اُسکو ذریعہ اور واسطہ کردیا
ہی اُسلیے اُسکا واسطہ ہونا مسلک ہی اور اس طرح خیال کرنا اس بات کا منافی نہیں کہ نعمت کو خداے تعالے کی طرف سے معلوم کرے
چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد ہی کہ مَن لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ اور اللہ تعالے نے اپنے بندوں کے اعمال پر اُنکی تعریف بہت جگہ فرمائی
ہی حالانکہ اعمال پیدا کرنے والا اور اُنکی قدرت کا ایجاد کرنے والا وہی ہی مثلاً فرمایا نعم العبد انہ اواب یعنی ایوب اچھا بندہ ہی اور ہماری
طرف رجوع کرنے والا ہی اور سوا اُسکے اور بہت سی آیتیں ہیں۔ اور لینے والا دعا میں یوں کہے کہ خداے تعالے پاک لوگوں کے دلوں
میں تیرے دل کو پاک کرے اور نیک لوگوں کے عمل کے ساتھ تیرے عمل کو صاف کرے اور شہیدوں کی روح کے میل میں تیری روح پر
رحمت بھیجے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی تمہارے ساتھ کچھ سلوک کرے تو تم اسکا تدارک کرو اگر تم سے نہوسکے تو اُسکے
لیے دعا مانگو یہاں تک کہ تمکو یقین ہوجاے کہ مکافات ہوگئی اور منجملہ شکر یہ ہی کہ اگر عطا میں کچھ عیب ہو تو اُسکو چھپا دے اور اُسکی تحقیر اور
مذمت نہ کرے اور دینے والے کو نہ دینے کا ننگ نہ دلاوے جس صورت میں کہ وہ نہ دلاوے اور اگر وہ دیوے تو اُسکے فعل کو لینے اور نیک
اور لوگوں کے سامنے بڑا جانے کیونکہ دینے والے کا ادب اپنی دہش کو چھوٹا جاننا ہی اور لینے والے کا ادب یہ ہی کہ جو کوئی دے اُسکا ممنون ہو اور
اُسکی دہش کو بڑا جانے اور ہر شخص پر لازم ہی کہ اپنے حق پر قائم رہے اور اس امر میں کچھ مخالفت نہیں اسلیے کہ اسباب چھوٹا جاننے اور بڑا جاننے کے جدا جدا
ہیں دینے والے کے حق میں چھوٹا جاننے کے اسباب کا لحاظ مفید ہی اور اُسکے خلاف کرنا مضر ہی اور لینے والے کا حال اُسکے برعکس ہی اور یہ سب باتیں اُسکے
مخالف نہیں کہ نعمت کو خداے تعالے کی طرف سے جانیں ہاں جو کوئی درمیانی شخص کو واسطہ نہ جانے وہ جاہل ہی اور جو واسطہ کو اصل سمجھتا ہی گمراہ ہی
سوم یہ کہ جو مال لیا چاہے اُسکو پیشتر دیکھ لینا چاہیے اگر وہ ناجائز اور حرام سے ہو تو اُس سے پرہیز کرے اللہ تعالے اور کہیں سے پہونچا دیگا
کہ فرمایا ہی ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب یہ بات نہیں کہ جو شخص حرام سے احتراز کرے تو اُسکو حلال مال نہیں پہونچیگا غرضکہ
ترکوں اور لشکریوں اور سرکاری عملوں کے مال اور اُن لوگوں کے جنکی اکثر کمائی حرام ہی نہ لیوے لیکن اگر اُسپر وقت تنگ ہو اور جو مال اُسکو
دیا جاتا ہو اُسکا کوئی مالک معین نہ معلوم ہو تو ایسی صورت میں اُسکو اپنی حاجت کے موافق لینا جائز ہی کہ شرع کا فتوی اس جیسی صورت میں یہی
ہی کہ اُسکو خیرات کردے جیسا کہ باب حلال و حرام میں آویگا اور یہ اُس صورت میں ہی کہ حلال سے عاجز ہو اور اگر ایسا مال لیگا تو زکوۃ کا لینے والا نہ ہوگا
اسلیے کہ یہ پیسا تو حرام ہی جب زکوۃ نہیں تو اُسکی طرف سے زکوۃ نہیں ہوا ہی چہارم یہ کہ شک کی جگہوں سے احتراز کرے اور جو کچھ لیوے اگر اُسکی
مقدار معین ہو تو اُس سے زیادہ نہ لے اور جسقدر لینا چاہیے ہو اُسیقدر لیوے اور جبتک یہ نہ معلوم کرلے کہ مجھ میں استحقاق کی صفت موجود ہی تب تک نہ لیوے

اور چیزوں میں بھی کریں کیونکہ سب کا لکھنا تو ممکن نہیں کہ ہر ایک چیز میں یہ لحاظ ہو سکتی ہے مثلاً اثاث البیت کی مقدار اور شمار اور قسم کو کھانے
اور بدن کے کپڑوں پر غور کریں اور گھر کی تنگی اور فراخی میں تامل کریں اور ان حدوں کی کوئی حد معین نہیں بلکہ فقط اپنی رائے سے
اجتہاد کرنا ہے اور حد مقرر کرنے میں جو تخمین مناسب جانتا ہے اسکو مقرر کرتا ہے اور شبہات کے خطرے میں داخل ہوتا ہے اور پرہیزگار آدمی
اس باب میں زیادہ محتاط کو اختیار کرتا ہے اور شک کی چیز کو چھوڑ کر بے کھٹکے بات عمل میں لاتا ہے اور بیچ کے درجے جو اطراف متقابل اور جانب
کے درمیان میں ہیں وہ بہت ہیں اور اُنسے بجز احتیاط کے اور کوئی صورت بچاؤ کی نہیں **تیسری قسم** عامل ہیں یعنی قاضی و بادشاہ کے
سوا جو عامل زکوٰۃ وصول کرتے ہیں وہ اس قسم میں داخل ہیں اور اسی میں عریف اور کاتب اور مستوفی اور محافظ اور نقل نویس آگئے اور
میں سے کسی کو اُس کام کی معمولی مزدوری سے زیادہ نہ دینا چاہیے پس اگر آٹھویں حصۂ زکوٰۃ میں سے ان لوگوں کو دستور کے موافق اُجرت
دے کر کچھ بچ رہے تو اُسکو باقی قسموں پر تقسیم کر دینا چاہیے اور اگر کم ہو تو جو مال مصلحتوں کے لیے رکھا رہتا ہے اُسمیں سے پورا کر لینا چاہیے۔
چوتھی قسم وہ لوگ ہیں جنکو مسلمان ہونے کے لیے تالیف کے طور پر دیا کرتے ہیں اور ایسے لوگ اپنی قوم کے سردار ہوتے ہیں اُنکے
دینے سے مسلمانی پر اُنکا ثابت رہنا اور اُنکے ہمچشموں اور تابعین کی ترغیب مقصود ہے۔ **پانچویں قسم** مکاتب ہیں یعنی جن غلاموں کو
اُن کے آقاؤں نے کچھ مال کے عوض آزاد کرنے کو کہا ہو پس مکاتب کا حصہ اُسکے آقا کو دے دینا چاہیے اور اگر خود مکاتب کو
دے دے تب بھی درست ہے اور آقا اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے مکاتب کو نہ دے کیونکہ وہ ابھی اُسکا غلام ہے۔ **چھٹی قسم** قرضدار ہیں
جنھوں نے امر طاعت خواہ مباح میں قرض لیا۔ اور افلاس کے باعث ادا نہوا پس اگر معصیت میں قرض لیا ہو تو اُسکو کچھ نہ دینا چاہیے
جب تک کہ توبہ نہ کر لے اور اگر توانگر کے ذمہ قرض ہو تو اُسکا قرض ادا کرنا چاہیے ہاں اگر اُسنے کسی بہتری خلق خواہ فتنہ کے فرو کرنے
کے لیے قرض لیا ہو تو ایسے قرض کے ادا کرنے کا مضائقہ نہیں۔ **ساتویں قسم** غازی ہیں جنکا وظیفہ راتبہ داروں کے دفتر میں
کچھ نہو تو انکو زکوٰۃ میں سے ایک سہم دینا چاہیے اگرچہ وہ مالدار ہوں اس سے مراد ہے کہ جہاد پر اُنکی مدد ہو۔ **آٹھویں قسم** مسافر ہیں یعنی جو شخص
اپنے شہر سے بارادۂ سفر باہر نکلیں خواہ زکوٰۃ دینے والے کے شہر میں اُنکا گذر ہو جاوے اور اُنکا سفر معصیت کے لیے نہو تو ایسے لوگ اگر مفلس
ہوں تو اُنکو دینا چاہیے اور اگر اپنے گھر پر مال رکھتے ہوں تو اِس قدر دیوے کہ وہ اپنے مال تک پہنچ جاویں۔ اب اگر یہ کہو کہ یہ صفات
ہشتگانہ معلوم کس طرح ہوں تو فقیر اور مسکین ہونا تو لینے والے کے قول سے معلوم ہوتا ہے اُس سے اِس امر کے گواہ نہ لیے جاویں نہ قسم
لی جاوے بلکہ اُسکا صرف کہدینا کافی ہے کہ میں فقیر ہوں بشرطیکہ جھوٹ ہونے کا یقین نہو اور جہاد اور سفر آیندہ کی بات ہے پس جو کوئی کہے
کہ میرا ارادہ سفر خواہ جہاد کا ہے اُسکو اُسکے کہنے کے مطابق دے دے اگر وہ اپنے قول کو پورا نہ کرے تو اُسکو جس قدر دیا ہو واپس لے لے
باقی جو چار قسمیں رہیں اُنمیں سے گواہوں کا ہونا ضرور ہے غرضکہ استحقاق کی شرطیں اور اسباب یہ تھے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ امر کہ ان قسموں
میں سے ہر ایک کو کسقدر دینا چاہیے اسکا بیان عنقریب آتا ہے۔

دوسرا بیان لینے والے کے آداب کے ذکر میں اور اُسکے آداب پانچ ہیں۔ اول یہ کہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھکو مال دلوایا اور دوں سے جو واجب
کیا ہے تو اسلیے ہے کہ مجھکو اور فکر بجز ایک فکر کے نہ رہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے ایک فکر ہونے کو عبادت مقرر فرمایا یعنی صرف اُنکو خدا کا
اور روز قیامت کا فکر ہو اور کوئی فکر دامنگیر نہو چنانچہ اس ارشاد میں یہی مراد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون لیکن از انجا کہ تقاضائے حکمت ازلی
یہ ہوا کہ بندہ پر شہوتیں اور حاجتیں مسلط کیجاویں اور وہ اُسکی فکر کو پریشان کریں اسی لیے مقتضائے کرم یوں ٹھہرا کہ بندہ پر نعمت پہونچائی جاوے کہ اُسکی
حاجتوں کو کافی ہو یعنی بلحاظ مال بہت سے پیدا کیے اور بندوں کے ہاتھ میں ڈالدیے تاکہ اُنکی حاجتوں کے رفع کرنے کے وسیلے ہوں اور حاجتوں کے
وسیلے درست ملنے کا ذریعہ ٹھہریں پس بعض لوگوں کو بہت سا مال دیا تاکہ اُنکے حق میں امتحان اور فتنہ ہو وہ لوگ گرداب خطر میں [illegible]

بہی اچھا ہی گو یہ بھی زیادتی سخا کی طرف مائل ہی اعتدال سے قریب یہ ہی کہ برس روز کے لیے کافی ہو اور اس سے
باب میں فرمایا میں تنگی ہی اور جس صورت میں کہ ان امور میں کوئی اندازہ نہیں اسی سبب اسکے باب میں توقف کیا گیا ہی پس مجتہد کو یہی
اسیا حکم کرے پھر پرہیزگار سے کہ ایسا ہووے کہ تو اپنے دل سے فتوی لے لے گو اور لوگ تجھکو کچھ کچھ فتوی دیں جیسا کہ آنحضرت
نے بھی ارشاد فرمایا تھا کیونکہ گناہ دلوں پر غالب ہونے والا ہی پس اگر لینے والا اپنے دل میں اس مال کی طرف سے خلش پاوے
لی سے ڈرے اور فتوی کے بہانے سے اسکی اجازت اپنے لیے نہ سمجھے کیونکہ علما ظاہر کے فتوی ضرورتوں کی قید سے آزاد ہونے
اور شبہوں میں داخل ہو جاتے ہی اور دیندار اور طریق آخرت کے سالکوں کی عادت شبہات سے احتراز کرنے کی ہوتی ہی
سے پوچھے کہ تیری زکوۃ کتنی واجب ہی اور جب اسکی مقدار معلوم ہو تو جو کچھ اپنے آپ کو ملا ہو اسکو دیکھے اگر یہ مقدار کل زکوۃ
زائد ہو تو اسمیں سے کچھ نہ لے اسلیے کہ یہ اور اسکے دو اور شریک ملکر صرف آٹھویں حصہ کے مستحق ہیں پس آٹھویں حصہ میں
ی کا حصہ کم کرکے لیوے ورنہ کچھ نہ لے اور یہ بات دریافت کرنی اکثر لوگوں پر واجب ہی کیونکہ حلو اس قسم کی رعایت نہیں کرتی
ت یا سہولت برتنے کی جہت سے البتہ جس صورت میں گمان غالب حرمت کے احتمال کا ہو تو اسوقت ان جیسی باتوں کو دریافت
ہی اور سوال کرنے کے مواقع اور احتمال کے درجات باب الحلال والحرام میں انشاء اللہ مذکور ہو چکے۔

فصل صدقہ نفل اور اسکی فضیلت اور اسکے لینے اور دینے کے آداب کے ذکر میں اور اس فصل میں تین بیان ہیں۔

کی فضیلت میں جو احادیث اس باب میں ہیں یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دو اگرچہ ایک کھجور ہی ہو اسلیے کہ وہ
بھوک بند کرتا ہی اور گناہ کو ایسا بجھاتا ہی جیسا پانی آگ کو بجھاتا ہی اور فرمایا اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم تجدوا فبکلمة طیبة اور فرمایا کہ
ی پاک کمائی سے صدقہ کرتا ہی اور خدا تعالی پاک ہی کو قبول بھی فرماتا ہی تو اللہ تعالی اس صدقہ کو اپنے دہنے ہاتھ میں لیتا ہی پھر اسکی پرورش
سے کوئی اپنے بچھڑے کو پالتا ہی یہانتک کہ کھجور بڑھکر احد کے برابر ہو جاتی ہی۔ اور حضرت ابو ذر کو فرمایا کہ جب تم شوربا پکاؤ تو اسمیں
اپنے ہمسایہ کے گھر والوں کو دیکھو اور اسمیں سے انکو پہونچاؤ اور فرمایا کہ جو بندہ صدقہ اچھا دیتا ہی اللہ تعالی اسکے عوض میں برکت بھی
ور فرمایا کل امرئ فی ظل صدقتہ حتی یقضی بین الناس اور فرمایا الصدقة تسد سبعین بابا من السوء اور فرمایا صدقة السر تطفئ غضب الرب
کہ جو شخص کہ وسعت کے باعث دیتا ہی وہ ثواب میں اس سے افضل نہیں جو حاجت کے سبب سے قبول کرتا ہی اور غالبا اس سے مقصود
لینے سے اپنی حاجت اسلیے دفع کرے کہ دین کے لیے فراغت ملجاوے تو وہ شخص دینے والے کے مساوی ہوگا جو اپنی خوشی سے دینا
ی کی کرتا ہی اور کسی نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ صدقہ کونسا افضل ہی آپ نے فرمایا کہ ایسے وقت میں صدقہ افضل ہی کہ تندرست اور
ہو اور توقع بہت جینے کی رکھتا ہو اور فاقہ سے ڈرتا ہو اور صدقہ دینے میں تاخیر نہ کرے یہاں تک کہ جان جب نرخرے میں آپہونچے تو کہے
اور اتنا فلانے کو دیا حالانکہ مال اور کسی کا ہو چکا ہی اور ایک روز آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ صدقہ کرو ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے
آپ نے فرمایا کہ اسکو اپنے نفس پر خرچ کر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور ہی فرمایا کہ اسکو اپنی بی بی پر خرچ کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہی
اولاد پر خرچ کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہی فرمایا کہ اسکو اپنے خادم پر خرچ کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور ہی فرمایا کہ اسکی نگاہ تجھکو
اچھا موقع دیکھو وہاں خرچ کرو اور فرمایا کہ آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں کہ وہ لوگوں کا میل ہی اور فرمایا کہ سائل کی حرمت ہٹا دو اگرچہ
کا منہ ہوتا ہی۔ اور فرمایا کہ اگر سائل سچ کہتا ہی تو جو کوئی اسکو محروم پھیریگا اسکو فلاح ہوگی اور حضرت عیسی نے فرمایا ہی کہ جو شخص سائل کو
پھیرتا ہی فرشتے اس گھر پر سات روز سایہ نہیں ڈالتے۔ اور آنحضرت صلعم دو کام کسی دوسرے کو سپرد نہ فرماتے تھے اپنے آپ انکو کیا کرتے تھے ایک
اپنے آپ رکھتے اور اسکو ڈھانپ دیتے تھے دوسرے یہ کہ مسکین کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہی کہ اسکو ایک

مثلاً اگر مکاتب ہوئے یا قرضدار ہونے کی جہت سے زکوٰۃ لیتا ہو تو قرض کی مقدار سے زائد نہ لیوے اور اگر عامل ہونے کی جہت سے لیتا ہو تو اجرت مثل سے زیادہ نہ لیوے اور اگر زیادہ دیا بھی جاوے تو اُس سے انکار کرے کیونکہ یہ مال کچھ دینے والے کا نہیں تاکہ وہ سلوک میں داخل ہو اور اگر مسافر ہو تو توشہ اور منزل مقصود تک سواری کے کرایہ کی مقدار سے زیادہ نہ لیوے اور اگر غازی ہو تو جہاد کی چیزوں سے جو خاص اُسی میں کام آویں مثل گھوڑے اور ہتھیار اور خرچ کے اور کچھ نہ لے اور ان اشیا کا اندازہ اسکے اجتہاد سے متعلق ہے اسکی کوئی حد مقرر نہیں اور یہی حال مسافر کے توشے کا ہے اس صورت میں شبہ کی چیز چھوڑ کر اور یقینی بات اختیار کرے اور اگر مسکین ہونے کی جہت سے لیتا ہو تو اول اپنے لوازم خانہ داری اور کپڑوں اور کتابوں میں تامل کرے کہ ان میں کون سی چیز کی خود کی حاجت نہیں اور کس چیز کے نفیس ہونے کی ضرورت نہیں تم اسکو بیچ کر ہو سکتا ہو کہ کارروائی کے موافق دوسری چیز آجاوے اور کچھ دام بچ رہیں اور یہ بات بھی فقیر کے اجتہاد سے متعلق ہے اسمیں ایک طرف ظاہر ہوتی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مستحق ہے اور ایک دوسری طرف اسکے مقابل ہوتی ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مستحق نہیں اور ان دو طرفوں کے بیچ میں بہت سے درجے متوسط ہیں جنمیں شبہ پڑتا ہے اور کاہل کی کو تھڑی کا سا حال ہے جس سے کہ جانا دقت لگنے سے بچے اور اس باب میں اعتماد لینے والے کے قول پر ظاہر ہے اور تنگی رہنے اور فراخی رہنے میں محتاج کے بہت مقام ہیں کہ انکے شمار نہیں ہو سکتے پرہیزگار آدمی اپنی حاجتوں کا اندازہ تنگی کے ساتھ کیا کرتا ہے اور سہل انگار کا میل وسعت اور فراخی کی طرف ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے نفس کو بہت سی باتوں کی ضرورت سمجھا کرتا ہے اور یہ امر شریعت میں بُرا ہے۔ بہرحال جب حاجت ثابت ہو جاوے تو چاہیے کہ بہت سا مال نہ لے بلکہ اسقدر لے کہ لینے کے وقت سے ایک سال تک کافی ہو یہ مدت بڑی سی بڑی ہے اسوجہ سے کہ برس کے مکرر ہونے سے آمدنی کے اسباب مکرر ہوتے ہیں اور نیز آنحضرت صلعم نے اپنے عیال کے واسطے ایک سال کی غذا جمع بھی فرمائی ہے تو بہتر ہے کہ فقیر اور مسکین کے لیے بھی یہی حد مقرر ہو اور اگر ایک مہینے خواہ ایک روز کی حاجت پر بس کرے تو تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور جو مقدار کہ زکوٰۃ اور صدقہ میں سے لینی چاہیے اسکے باب میں علماء کے مذاہب جُدا جُدا ہیں لینے کی میں اسقدر مبالغہ کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن رات کی غذا پر کفایت کرنے کو واجب کر دیا ہے اور اپنی دلیل اس روایت کو کہتے ہیں جو سہل بن حنظلہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے غنا کے ہوتے ہوئے سوال کرنے سے منع فرمایا پھر غنا کو جو آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ صبح اور شام کا کھانا پاس ہو اور دوسرے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ توانگری کی حد تک لیوے اور توانگری کی حد زکوٰۃ کی نصاب ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ صرف توانگروں پر واجب فرمائی ہے تو اس سے انھوں نے یہ نکالا کہ اپنے واسطے اور اپنے کنبے میں سے ہر شخص کے واسطے اسکو زکوٰۃ کی نصاب تک لینا درست ہے اور بعض لوگوں نے توانگری کی حد پچاس درم فرمائی ہے اسلیے کہ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے جس سال ولہ مال یغنیہ جاء یوم القیمۃ وفی وجہہ خموش قیل وما غناہ قال خمسون درہما او قیمتہا من الذہب اور کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی قوی نہیں اور بعض لوگوں نے توانگری کی حد چالیس درم فرمائی ہے اسوجہ سے کہ عطار بن یسار سے منقطع روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من سال ولہ اوقیۃ فقد الحف فی السوال اور دوسرے علماء نے وسعت میں مبالغہ کر کے فرمایا ہے کہ فقیر کو اسقدر لینا درست ہے کہ اس سے ایک زمین خرید لے جس سے تمام عمر کو بے فکر ہو جاوے یا اس سے کوئی مال تجارت خرید کرنے کا حاجت ہو جاوے کیونکہ بے فکری اور غنا اسی کا نام ہے کہ تمام عمر کو ہو اور حضرت عمر رضہ نے فرمایا ہے کہ جب دو تو غنی کر دو یہاں تک کہ بعض کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص محتاج ہو جاوے تو اسکو اتنا لینا درست ہے کہ پھر اسکا حال بہ حال سابق ہو جاوے گو دس ہزار درم سے ہوتا ہو ہاں جس صورت میں کہ بغیر حد اعتدال سے خارج ہو اسوقت البتہ درست نہیں اور جب حضرت ابو طلحہ رضہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے تھے اور اسکی طرف دھیان ملنے سے نماز میں حرج ہوا تو فرمایا کہ میں نے اس باغ کو صدقہ کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو ارشاد فرمایا کہ اسکو اپنے رشتہ داروں میں صدقہ کر دو کہ یہ تمھارے حق میں اچھا ہے آپنے اسکو حضرت حسان اور ابو قتادہ رضہ کو دے دیا تو ایک باغ خرما کا دو شخصوں کو بہت ہوا اور غنی کر دیا اور حضرت عمر نے ایک اعرابی کو ایک کٹی مع اسکے ماں کے دے ڈالی تھی ان روایتوں سے فقیر کو زیادہ لینا پایا جاتا ہے غرض کہ زیادہ لینے میں اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ کمی کے لیے مقدار ایک رات دن کی غذا یا اوقیہ کا ہونا اس باب میں ہے کہ اتنا ہوتے ہوئے سوال کرنے اور ... اور زیادتی کی طرف جو چیز ہو اسکا حکم اور ہے اسکو اس بحث سے کچھ سروکار نہیں بلکہ جو مثال ہم نکالتے ہیں کہ اتنا لینا درست ہے کہ اس سے ...

باب میں فرمایا کہ اخفا بہتر ہے ابو ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نئے کپڑے کا پہننا اسلیے ترک کرتا ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں میرے ہمسایوں میں اس سے حسد نہ پیدا ہو
اس آیت کی تفسیر ایک زاہد کا قول ہے کہ میں اکثر چیز کا استعمال اپنے بھائیوں کی خاطر چھوڑ دیتا ہوں کہ یوں نہ کہیں کہ اسکے پاس یہ کہاں سے آگئی اور ابراہیم
نخعی کی ہے کہ اُنپر لوگوں نے ایک قمیص دیکھا اُنکے بعض بھائیوں نے پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا فرمایا کہ میرے بھائی خیثمہ نے مجھے
پہنایا ہے اگر میں یہ جانتا کہ اس امر کی اطلاع اُسکے گھر والوں کو ہے تو ہرگز اسکو قبول نہ کرتا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ دینے والے کو عمل کے چھپانے پر اعانت
ہو اسلیے کہ ظاہر ہو کر دینے کے باب میں حصہ کو علاوہ یہ فضل ہے تو لینے والا اگر اس باب میں اعانت دینے والے کی کریگا تو بہتر ہوگا کہ اچھی بات کی تکمیل پر
بھی اچھی ہے اور پوشیدہ کرنا بدون دونوں کے بن نہیں سکتا اگر مسکین حال ظاہر کردے تو دینے والے کا حال معلوم ہو جاویگا کسی شخص نے
ایک چیز ظاہر میں دی اُنھوں نے نہ لی اور دوسرے شخص نے ایک چیز پوشیدہ دی تو لے لی کسی نے اُسسے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ دوسرے شخص نے
ادب اور قاعدہ کو ملحوظ رکھا کہ چھپا کر دیا اسواسطے میں نے قبول کرلیا اور اول شخص نے اپنے عمل میں بے ادبی کی اسلیے میں نے عطا نہ
کو نامناسب جانا اور کسی شخص نے ایک درویش صوفی کو کوئی چیز مجمع میں دی تو اسنے پھیر دی اس شخص نے کہا کہ جو چیز ہمکو اللہ نے دی اسکو
پھیرتے ہو درویش نے کہا کہ جو چیز خاص خدا تعالے کے لیے تھی اُسمیں تونے دوسرے کو شریک کردیا اور صرف خدا تعالے کی نگاہ پر اکتفا نہ کی تو تیرا
شرک میں نے تجھی کو ہٹا دیا اور بعض عارفوں نے ایک چیز پوشیدہ قبول کرلی جسکو ظاہر میں واپس کردی تھی مذکور کرنے والے نے اُسسے اسکی وجہ پوچھی
فرمایا کہ ظاہر میں دینے کے باعث تونے خدا تعالی کی نافرمانی کی تھی اسلیے میں نے نافرمانی پر تیری مدد نہ کی اب جو تونے اسکی اطاعت پوشیدہ دینے
کے باعث کی تو اس نیکی پر میں نے تیری اعانت کی - اور سفیان ثوری رح فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ جانتا کہ کوئی شخص دہش دیکر اسکا ذکر نہ کریگا اور لوگوں
سے نہ کہیگا تو اسکی دہش قبول کرلیتا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ مسکین ذلت اور خواری سے بچتا ہے کہ ظاہر کے لینے میں ذلت ہوتی ہے اور ایماندار کو نہیں
چاہیے کہ اپنے آپ کو بے عزت اور ذلیل کرے بعض علما کو جسنے اگر کوئی کچھ دیتا تو لیتے اور ظاہر میں نہ لیتے اور کہتے کہ ظاہر لینے میں علم کی ذلت اور علما کی
بیعزتی ہے تو میں ایسا نہیں کہ دنیا کے مال کو تو اونچا کروں اور اسکے عوض میں علم اور علما کو پست کردوں پانچواں فائدہ شرکت کے شبہہ سے احتراز کرنا ہے
اسلیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی ہدیہ آوے اور اسکے یہاں کچھ لوگ ہوں تو وہ سب اُس ہدیہ میں شریک ہوں
اور سونا چاندی ہونے ہدیہ سے خارج ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ افضل ہدیہ جو آدمی اپنے بھائی کے پاس بھیجے چاندی ہے یا اسکو
کھانا کھلانا - پس اس حدیث میں چاندی کو بھی ہدیہ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مجمع میں ایک شخص خاص کو بدون سب کی رضامندی کے کچھ دینا
مکروہ ہے اور رضامندی کا حال مشتبہ رہتا ہے اسلیے تنہائی میں دے دینا اس شبہہ سے محفوظ رکھتا ہے - اب صدقہ کو بر ملا لینے اور اسکا ذکر دوسرے
شخصوں سے کرنے میں چار فائدے ہیں اول اخلاص اور صدق کا ہونا اور اپنے حال کو لوگوں کے دھوکا دینے سے بچانا اور ریا سے محفوظ رہنا ہے
جیسا واقع میں ہے ویسا ہی ظاہر کردیا یہ بات نہیں کہ حقیقت میں کچھ ہے اور نمود کی وجہ سے اسکو ظاہر نہیں کرتا - دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جاہ و منزلت دور
ہو جاتی ہے اور بندگی اور مسکنت ظاہر ہوتی ہے اور تکبر اور بے حاجت ہونے کے دعوی سے بری پائی جاتی ہے اور لوگوں کی نظروں سے نفس گر جاتا ہے بعض
عارفوں نے اپنے شاگرد کو فرمایا کہ لینے کو ہر حال میں ظاہر کرے کیونکہ جب تو ایسا کریگا تو لوگ تیرے ساتھ دو قسموں پر ہو جاوینگے ایک تو وہ ہونگے جنکے دل سے تو گر جاویگا
تو یہ تو مقصود ہی ہے اسواسطے کہ یہ امر دین کی سلامتی کے لیے نافع ہے اور اس سے نفس کی آفتیں بھی کم ہوتی ہیں اور ایک وہ ہونگے جنکے دلوں میں تیری گنجائش
زیادہ ہوگی اس لحاظ سے کہ تونے ٹھیک ٹھیک اپنا حال ظاہر کردیا اور یہ وہ بات ہے کہ جسکو تمہارا بھائی چاہتا ہے کیونکہ اسکا مقصود ثواب کا زیادہ ملنا ہے تو صورت
میں دو چند محبت زیادہ کریگا اور تعظیم بہت کریگا تو اسکو ثواب قطعًا زیادہ ہوگا اور یہ ثواب تجکو بھی ہوگا کہ اسکے ثواب زیادہ ہونیکا سبب تو ہی ہوا تیسرا فائدہ حیلہ
شرک سے بچا رہتا ہے اسلیے کہ عارف کی نظر بجز خدائے عزوجل کے اور طرف نہیں ہوتی پوشیدہ اور ظاہر اسکے حق میں یکساں ہے تو اس حال کا مختلف ہونا توحید میں
شرک ہے بعض اکابر کا قول ہے کہ جو شخص پوشیدہ سے لیتا تھا اور ظاہر ہٹا دیتا تھا اسکی دعا کا ہم اعتبار نہ کرتے تھے اور خلق کی طرف التفات کرنا خواہ وہ

کھجور یا دو کھجوریں اور ایک لقمہ یا دو لقمے ہٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو سوال کرنے سے باز رہے اگر تم چاہو تو پڑھ دیکھو لا یسئلون الناس الحافا یعنی
لوگوں سے لپٹ کر۔ اور فرمایا کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کپڑا پہناتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے جب تک اسکے
بدن پر پیوند رہتا ہے اور آثار اس باب میں یہ ہیں کہ عروہ بن زبیر رضی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی نے پچاس ہزار بانٹ دیئے اور آپ کا دوپٹہ پیوند
ہی رہا۔ اور مجاہد رح نے اس آیت میں ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً علی حبہ کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اسکی خواہش رکھتے
حضرت عمر رض فرمایا کرتے کہ الٰہی مال اور تونگری ایسے شخصوں کو دے جو ہم میں سے بہتر ہوں کہ شاید وہ لوگ اسکو ہم میں سے حاجتمند
اور عبد العزیز بن عمیر فرماتے ہیں کہ نماز آدمی کو آدھے راستہ تک لیجاتی ہے اور روزہ بادشاہ کے دروازے تک پہونچاتا ہے اور صدقہ ہاتھ پکڑ
کرتا ہے اور ابن ابی الجعد کا قول ہے کہ صدقہ آدمی سے ستر خرابیوں کی قسمیں دور کرتا ہے اور پوشیدہ دینا صدقہ کا ظاہر کی نسبت ستر
ستر شیطانوں کے جبڑے چیر دیتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی نے فرمایا ہے کہ ایک شخص نے ستر برس خدائے تعالیٰ کی عبادت کی پھر اس سے گناہ
کبیرہ سرزد ہوا اور اسکا عمل باطل کر دیا گیا پھر اسکا گذر ایک مسکین پر ہوا اور اسکو روٹی صدقہ دی اللہ تعالیٰ نے اسکی خطا معاف کر دی اور ستر
برس کے عمل پھر اسکے بحال کر دیے۔ اور لقمان رح نے اپنے بیٹے کو کہا کہ جب کوئی خطا کرے تو صدقہ دینا۔ اور یحییٰ ابن معاذ رح فرماتے ہیں مجھے نہیں
معلوم کہ کوئی دانہ دنیا میں دنیا کے پہاڑوں کے برابر ہو جائے مگر صدقہ کے دانے کہ وہ البتہ ایسا ہو سکتا ہے اور عبد العزیز بن ابی رواد کہتے ہیں کہ
تین چیزیں اول زمانہ میں جنت کے خزانوں میں سے گنا کرتے تھے اول مرض کا چھپانا دوم صدقہ کا چھپانا سوم مصیبتوں کا چھپانا اور یہ حدیث مرفوع
بھی آئی ہے۔ اور حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ اعمال نے ایک دوسرے پر فخر کیا تو صدقہ نے کہا کہ میں تم سب سے افضل ہوں اور عبد اللہ بن عمر رض شکر
دیا کرتے اور کہتے کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں شکر سے محبت رکھتا ہوں اور نخعی
فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز خدائے تعالیٰ کے لیے ہو تو مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اسمیں کوئی عیب ہو۔ اور عبید بن عمیر رح فرماتے ہیں کہ قیامت کے
روز لوگ سب دنوں سے زیادہ بھوکے اور پیاسے اور ننگے اٹھینگے پس جسے اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا کھلایا ہوگا اللہ تعالیٰ اسکو شکم سیر کریگا اور جسے
اللہ کے لیے پانی پلایا ہوگا اسکو سیراب کریگا اور جسے اسکے واسطے کپڑا پہنایا ہوگا اسکو کپڑا پہناویگا۔ اور حضرت حسن بصری رح فرماتے کہ اگر اللہ
چاہتا تو تم سب کو تونگر کر دیتا کہ کوئی تم میں فقیر نہ ہوتا مگر اسنے تم میں سے بعض کا امتحان بعض سے لیا ہے۔ اور شعبی رح نے کہا ہے کہ جو شخص
مالدار کے صدقہ کی ہے اگر مالدار اسکی نسبت کر اپنے آپ کو صدقہ کے ثواب کا زیادہ حاجتمند نہ جانے تو اسکا صدقہ بیکار ہے اور یہ صدقہ اسکے
اور امام مالک رح فرماتے ہیں کہ جو پانی صدقہ کیا جاتا ہے اور مسجد میں پلایا جاتا ہے اگر اسمیں سے تونگر پی لے تو ہم مضائقہ نہیں جانتے اسلیے کہ
وہ پیاسوں کے لیے کیا ہے کوئی ہوں اسکا مقصود خاص محتاجوں اور مسکینوں پر صدقہ کرنے کا نہیں کہتے ہیں کہ ایک دلال ایک لونڈی لیکر
حسن بصری رح کے پاس ہو گذرا آپ نے اس سے فرمایا کہ تو اسکے دام میں ایک یا دو درم پر بھی راضی ہے اسنے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ تو
تو حوروں کے باب میں ایک پیسے اور لقمہ پر راضی ہے۔

دوسرا بیان صدقہ کے پوشیدہ اور ظاہر لینے کے ذکر میں اخلاص کے طالبوں کا اسمیں اختلاف ہے کہ دونوں میں سے بہتر کونسا ہے بعض کا میل
پوشیدہ لینا افضل ہے اور بعض اس طرف جھکے ہیں کہ ظاہر لینا افضل ہے اور ہم ان دونوں باتوں میں جو فوائد اور آفتیں پائی جاتی ہیں اول انکو
ذکر کرتے ہیں پھر امر حق کی تشریح کرینگے جاننا چاہیے کہ پوشیدہ لینے میں پانچ فائدے ہیں **اول** یہ کہ لینے والے کا پردہ بنا رہتا ہے کہ ظاہر میں لینے
سے پھٹ جاتا اور حاجت کا ظاہر ہو جانا اور سوال نہ کرنے کی ہیئت سے خارج ہونا ہے اور یہ صورت سوال نہ کرنے کی محبوب ہوتی ہے کہ ان سے بیخبر لوگ
غنی معلوم ہوتا ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل اور زبانیں محفوظ رہینگی کہ ظاہر لینے سے لوگ اسپر حسد کرتے ہیں یا اسکے لینے پر انکار کرتے ہیں یا
کہ اسنے باوجود تونگری کے لے لیا یا زیادہ لے لینے کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حسد اور گمان بد اور غیبت سب بڑے گناہوں میں سے ہیں اور لوگوں

باب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے فرشتو میرے بندے کو دیکھو کہ اپنی شہوت اور لذت اور کھانا اور پینا میرے سبب سے چھوڑ دیا ہے اور بعضوں نے
اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون کہ انکا عمل روزہ تھا اسلیے کہ صابروں کے حق میں فرماتا ہے انما یوفی
الصابرون اجرہم بغیر حساب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر کے لیے ثواب اندازہ کر کے ڈھیر لگا دیے جائینگے کہ وہم و اندازہ میں نہ آسکے اور ایسا ہی ہونا شایان
ہے اسلیے کہ روزہ خدا تعالیٰ کے لیے ہے اور اسکی طرف منسوب ہونے سے اسکو شرف ہے ہرچند ساری عبادتیں اسی کے لیے ہیں مگر روزے کو ایسا شرف ہے
جیسا خانہ کعبہ کو ہے گو زمین بالکل خدا تعالیٰ کی ہے اور یہ شرف دو وجہ سے ہے اول یہ کہ روزہ رکھنا چیزوں سے باز رہنا اور ترک کرنا بعض افعال کا
ہے اور یہ امر باطنی ہے اسمیں کوئی عمل ایسا نہیں جو آنکھ سے سوجھے اور دوسری عبادتیں لوگوں کی نظر گاہ میں ہوتی ہیں اور روزے کو بجز خدا تعالیٰ کے
اور کوئی نہیں دیکھتا کیونکہ وہ عمل باطن کا ہے صرف صبر کرنے سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ روزہ خدا تعالیٰ کے دشمن پر دباؤ اور غالب ہونا ہے کیونکہ
شیطان ملعون کا وسیلہ شہوات ہیں جو کھانے پینے سے قوی ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان آدمی میں خون کے
چلنے کی جگہوں میں پھرتا ہے پس اسکی راہوں کو بھوک سے تنگ کرو اور اسی لحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضہ کو فرمایا کہ جنت کے دروازے ہمیشہ
کھٹکھٹایا کرو انہوں نے عرض کیا کہ کس چیز سے آپنے فرمایا کہ بھوک سے اور بھوک کی فضیلت باب غذا کی کثرت حرص اور اسکی تدبیر میں جلد سوم میں مذکور
ہوگی پس جو نکہ روزہ خاص کر شیطان کا بیخ کن اور اسکی راہوں کا بند کرنے والا اور اسکے راستوں کا تنگ کرنے والا ہے سو اس وجہ سے مستحق اسکا ہوا کہ خاص خدا
تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کیونکہ دشمن خدا کی بیخ کنی میں خدا تعالیٰ کی نصرت ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کو مدد کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اسکی
نصرت کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم غرضکہ شروع کرنا کوشش کا بندے کی جانب سے ہے اور ہدایت کا عوض دینا
اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسا کہ فرماتا ہے والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا اور فرمایا ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم اور شہوات کے تغیر
انکو توڑنے سے اسلیے ہے کہ شہوات شیطانوں کی چراگاہ ہیں پس جبتک یہ ہری بھری رہینگی انکی آمد و رفت موقوف نہوگی اور جب تک آتے جاتے رہینگے
بندے کو خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر نہوگا اور اسکی لقا سے محجوب رہیگا اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اگر بنی آدم کے دلوں پر شیاطین دورہ نکرتے
رہتے تو وہ آسمان کے ملکوت کو دیکھنے لگتے غرضکہ اس جہت سے روزہ عبادت کا دروازہ اور سپر ہوا ہے اور جبکہ اسکی فضیلت اس حد کو پہنچ گئی ہے
تو ضرور ہوا کہ اسکی ظاہری اور باطنی شرطوں کو مع اسکے ارکان اور سنن کے بیان کیا جاوے اور یہ باتیں تین فصلوں میں بیان کی جاوینگی

فصل اول روزہ کے واجبات اور ظاہری سنتوں اور افطار کے لوازم کے ذکر میں مشتمل تین بیانوں پر

بیان اول واجبات ظاہری کے ذکر میں اور وہ چھ ہیں **اول** ابتداے ماہ رمضان کو معلوم کرنا اور یہ بات یا تو چاند کے دکھائی دینے سے معلوم
ہوتی ہے یا اگر آسمان صاف ہو تو شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے سے اور چاند کے دیکھنے سے یہ غرض ہے کہ علم اسکی رویت کا ہو جاوے اور علم رویت
ایک عادل شخص کے کہنے سے ہو جاتا ہے اور عید فطر کا چاند بدون دو عادل شخصوں کے کہنے کے ثابت نہیں ہوتا کہ عبادت کی احتیاط اسی کو مقتضی ہے اور
جس شخص نے چاند کی رویت ایک عادل آدمی سے سنی اور اسکے کہنے کا اعتبار کیا اور غالب ظن اسکو یہی ہے کہ یہ شخص درست کہتا ہے تو اسکو روزہ رکھنا لازم
ہوگا اگرچہ قاضی اسکی رویت پر حکم نہ دیوے پس ہر ایک شخص کو چاہیے کہ اپنی عبادت کے بارہ میں اپنے ظن کے موجب عمل کرے اور چاند اگر ایک
شہر میں دکھا جاوے اور دوسرے میں نظر نہ آوے اور ان دونوں شہروں میں دو منزل سے کم فاصلہ ہو تو روزہ سب پر واجب ہوگا اور اگر فاصلہ تام
ہو تو ہر شہر کا حکم جدا ہے ایک کا وجوب دوسری جگہ تجاوز نکریگا **دوم** نیت ہے اور نیت ہر ایک شب کے لیے رات سے تعیین اور جزم کے ساتھ چاہیے پس
تمام ماہ رمضان کی نیت ایک ہی دفعہ کرلے تو کافی ہوگا اسی لیے ہمنے نیت میں قید ہر شب کی لگائی اور اگر نیت دن کو کریگا تو رمضان کا روزہ نہ ہوگا صوم
نفل کے سوا اور کچھ نہوگا اسواسطے ہمنے قید رات سے نیت کرنے کی لگائی اور اگر نیت مطلق روزہ کی یا فرض مطلق کی کریگا تو جائز نہوگا اسی غرض سے
[illegible] تعیین کے ساتھ ہو کہ روزہ رمضان فرض خداے عزوجل کا رکھتا ہوں اگر شک کی رات میں یوں نیت کرے کہ کل اگر رمضان

نقصہ دن کا امساک واجب نہیں اور اگر شک کے دن ایک عادل شخص چاند کی گواہی دے تو امساک واجب ہے۔ اور سفر میں روزہ رکھنا افطار کی نسبت افضل ہے لیکن اگر مسافر کو تاب ہو تو افطار بہتر ہے اور جسکا اول سے مقیم تھا اور پھر سفر کیا تو جس روز سفر کو نکلے اُس روز افطار نہ کرے اور نہ اُس روز کہ سفر میں روزہ رکھکر مکان پر روزہ سے پہونچ جاوے اور فدیہ حاملہ اور دودھ پلانے والی پر واجب ہے جبکہ یہ دونوں اپنی اولاد کے خوف سے افطار کریں پس ہر روز کے عوض ایک مد گیہوں ایک مسکین کو دیوین اور روزہ کی قضا کریں اور نہایت بوڑھا شخص جب روزہ نہ رکھے تو ہر روزے کے عوض ایک مد گیہوں دے۔

تیسرا بیان روزہ کی سنتوں کے ذکر میں۔ روزہ کی سنتیں چھ ہیں اول سحر کو دیر کر کھانا دوم خرما یا پانی سے نماز سے پیشتر افطار کرنا سوم زوال کے بعد مسواک کا نہ کرنا چہارم ماہ رمضان میں خیرات کا کرنا چنانچہ اسکی فضیلت باب الزکوٰۃ میں بیان کر دی گئی ہے پنجم قرآن کا پڑھنا پڑھانا ششم مسجد میں اعتکاف کرنا خصوصاً آخر عشرہ میں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہی تھی کہ جب اخیر عشرہ آتا تو آپ بستر نہ کر دیتے اور کمر عبادت پر چست کرتے اور خود بھی محنت کرتے اور گھر والوں سے بھی عبادت میں مشقت لیتے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ان دس دنوں میں شب قدر ہے اور غالباً وہ طاق راتوں میں سے اکیسویں اور تیئسویں اور پچیسویں اور ستائیسویں پر زیادہ شبہہ ہے کہ شب قدر ہوں۔ اور اس عشرہ کا اعتکاف پیہم کرنا بہتر ہے پس اگر پیہم اعتکاف کی نذر یا نیت کی تو بدون ضرورت مسجد میں سے نکلنے کے باعث پیہم ہوتا جاتا رہیگا مثلاً اگر بیمار کی عیادت یا ادائے شہادت یا جنازہ کی شرکت یا زیارت یا تجدید طہارت کے لئے نکلیگا تو پیہم ہونا جاتا رہیگا اور قضائے حاجت کے لیے نکلنے سے نہیں جانے کا اور اس صورت میں اُسکو درست ہے کہ وضو گھر میں کرے لیکن اور کسی کام میں مشغول ہونا چاہیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بدون حاجت انسانی کے اور کسی بات کے واسطے نہ نکلتے تھے اور بیمار کا احوال صرف راستہ چلتے پوچھ لیتے تھے اور پیہم ہونا جماع سے جاتا رہتا ہے بوسہ سے نہیں جاتا اور مسجد میں خوشبو لگانے اور نکاح کرنے اور کھانے اور سونے اور طشت میں ہاتھ دھونے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی پیہم اعتکاف میں ضرورت پڑتی ہے اور کچھ بدن باہر نکلنے سے پیہم ہونا منقطع نہیں ہوتا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک حجرہ شریف میں جھکا دیتے تھے اور حضرت عائشہ رض موے مبارک میں کنگھی کر دیتی تھیں۔ اور جب اعتکاف والا قضاء حاجت کے لیے باہر نکلے تو جب لوٹ کر آوے تو چاہیے کہ از سر نو نیت اعتکاف کی کرے لیکن جب شامل ہی ہیں پورے دس روز کی نیت کر چکا ہو تو پھر ضرور نہیں باہم تجدید اصل ہے۔

دوسری فصل روزہ کے اسرار اور باطنی شرطوں کے ذکر میں جاننا چاہیے کہ روزہ کے تین درجے ہیں ایک روزہ عوام کا ہے اور ایک خواص کا اور ایک اخص خواص کا عوام کا روزہ تو یہ ہے کہ پیٹ اور شرمگاہ کو اُنکی خواہش ادا کرنے سے روکا جاوے جیسا کہ اوپر اسکی تفصیل گذری اور خواص کا روزہ یہ ہے کہ آنکھ کان زبان ہاتھ پاؤں اور تمام اعضا کو گناہ سے روکا جاوے اور اخص خواص کا روزہ اسطرح ہے کہ دل کو بُری ہمتوں اور دنیوی فکروں سے روزہ رکھایا جاوے اور سوائے خدا تعالیٰ کے اور چیزوں سے مطلقاً اُسکو روک دیا جاوے اس قسم کا روزہ خدا تعالیٰ اور آخرت کے سوا اور چیزوں میں فکر کرنے اور دنیا میں فکر کرنے سے ٹوٹ جاتا ہے ہاں جو دنیا کہ دین کے لیے مقصود ہوتی ہے اسکا فکر اس روزہ کو افطار نہیں کرتا کیونکہ وہ زاد آخرت ہے دنیا میں سے نہیں یہاں تک کہ اہل دل فرماتے ہیں کہ جس شخص کی ہمت دن کو اس بات میں مصروف ہو کہ افطار کی چیز کی تدبیر کرلینی چاہیے تو اُسپر خطا لکھی جاویگی اسوجہ سے کہ خدا تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کم کیا اور اُسکے رزق موعود پر یقین تھوڑا ہوا اور یہ رتبہ انبیا اور صدیقین اور مقربین کا ہے اور ہم اس درجہ کی تفصیل میں بطریق قولی کو طول نہیں دیتے مگر عمل کی رو سے اُسکی کیفیت بتاتے ہیں کہ وہ روزہ اسوقت حاصل ہوتا ہے کہ تمام ہمت خدا تعالیٰ کی طرف آدمی متوجہ ہو اور خدا تعالیٰ کے غیر سے منہ پھیرلے اور اس آیت کا مضمون اُسپر چھا جاوے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ اور خواص کا روزہ یعنی سلحت لوگوں کا جو اعضا کو گناہوں سے باز رکھنے سے ہوتا ہے وہ چھ باتوں سے پورا ہوتا ہے اول نظر کا نیچے رکھنا اور جو باتیں بُری اور مکروہ ہیں اُنکی طرف اُسکو نہ جانے دینا اور جن چیزوں کے دیکھنے سے دل بٹتا ہو اور خدا تعالیٰ کی یاد سے غفلت ہوتی ہو اُنسے نظر کو روکنا آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ نظر کرنا ایک زہر کا بجھا ہوا تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے جو کوئی اُسکو خدا تعالیٰ کے خوف سے ترک کریگا اللہ تعالیٰ اُسکو ایسا ایمان عنایت فرماویگا جسکی حلاوت وہ اپنے دل میں پاویگا اور حضرت جابر رض آنحضرت صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپنے فرمایا خمس يفطرن الصائم الكذب والغيبة والنميمة واليمين الكاذبة والنظرة بشهوة دوم زبان کا بیہودہ بکنے سے بند رکھنا سو وہ بات اور جھوٹ

ہوگا تو روزہ رکھونگا تو یہ نیت کافی ہوگی کیونکہ اسمیں جزم یعنی یقین نہیں ہاں اگر نیت ایک عادل شخص کے کہنے پر اعتبار کرکے کی ہو تو اسکی غلطی یا جھوٹ کے احتمال
جزم باطل ہوگا یا قرینہ حال کی ہمراہی مین نیت کی ہو مثلاً شب آخر رمضان میں شک ہو تو یہ شک یقین کا مانع نہیں ہے یا سمت کو اجتہاد سے [illegible]
مثلاً اگر کوئی شخص کسی گڑھے میں قید ہوا اور اسکے گمان میں غالب یہی ہو کہ رمضان شروع ہوگیا اور اسکی رائے مقتضی اسی امر کی ہو تو اسکا شک
اسکی نیت کا مانع نہیں اور جسکو شک کی رات میں اسکو شک ہو تو پھر زبان سے نیت یقینی کرنی مفید نہیں اسلئے کہ نیت کا محل تو دل ہے اور اسمیں
قصد یقینی شک کے ساتھ ممکن نہیں مثلاً جیسے رمضان کے بیچ میں کہے کہ کل اگر رمضان ہوگا تو روزہ رکھونگا کہ یہ شک اسکو مضر نہیں کیونکہ یہ
صرف زبان پر ہے دل جو محل نیت ہے اُسمیں تردد نہیں بلکہ اسمیں یقین ہے اس بات کا کہ کل رمضان ہی ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص رات کو نیت
کریگا اور بعد نیت کے کچھ کھا لیا تو اسکی نیت نہیں جانے کی اور اگر عورت نے حالت حیض میں روزہ کی نیت کی اور فجر سے پہلے پاک ہوگئی تو اسکا
روزہ درست ہوگا۔ تیسرا واجب یہ ہے کہ روزے کی یاد ہوتے ہوئے جانکر کسی چیز کو پیٹ میں پہونچانے سے پرہیز کرے اس سے یہ نکلا کہ اگر روزہ
میں دانستہ کھاویگا یا پیویگا یا ناک کی راہ سے کوئی چیز پیٹ مین چلی جاویگی یا حقنہ کراویگا تو روزہ ٹوٹ جاویگا اور فصد کھلانے یا پچھنے لگوانے
اور سرمہ ڈالنے اور کان مین سلائی ڈالنے سے نہیں ٹوٹیگا اور پیشاب گاہ میں سلائی ڈالنی روزے کا مفسد نہین لیکن اگر اسمیں ایسی چیز ٹپکا دے
جو مثانہ مین پہونچ جاوے تو البتہ مفسد ہے اور جو چیز بدون قصد پیٹ میں چلی جاوے جیسے راستے کا غبار یا مکھی یا کلی کرنے کے وقت پانی چلا جاوے
تو مفسد نہیں لیکن اگر غرارہ کرنے میں جاویگا تو مفسد ہوگا کہ قصور روزہ دار کا ہے اور ہماری غرض دانستہ فعل کرنے سے یہی ہے کہ ایسے فعل کا مرتکب ہو
جسمیں احتمال قوی روزے کے فاسد ہونے کا ہو اور روزہ کے یاد ہونے کی قید اسلیے لگائی کہ بھولنے والا اس سے مستثنی ہو جاوے کیونکہ بھولکر یہ امور
مفسد روزہ کے نہیں اور جو شخص جان بوجھکر سحری کھالے یا افطار کرلے پھر معلوم ہو کہ صبح تھی یا دن باقی تھا تو اسپر قضا لازم ہوگی اور اگر اپنے گمان اور اجتہاد کے حکم پر بدستور
جاری رہیگا تو قضا لازم نہ آویگی اور ان دونوں وقتوں میں بدون گمان اور اجتہاد کے کھانا نہ چاہیے۔ چوتھا واجب جماع سے بند رہنا ہے اور اسکی حد یہ ہے کہ سر ذکر غائب
ہوجاوے اور اگر بھولکر صحبت کریگا تو مفسد نہوگی اور اگر رات کو صحبت کی یا خواب میں احتلام ہوگیا اور حالت ناپاکی میں صبح ہوگئی تو اس سے روزہ نہیں جاتا اور اگر روزہ دار
اپنی بی بی سے صحبت کرتا تھا کہ صبح ہوگئی اور فوراً یہ علیحدہ ہوگیا تو روزہ درست ہوگا اور اگر بعد صبح کے توقف کریگا اور علیحدہ ہوگا تو کفارہ لازم آویگا اور روزہ ٹوٹ جاویگا
پانچواں واجب منی نکالنے سے رکا رہنا یعنی منی کو قصداً بے جماع سے نکالے بدون جماع کے کہ قصداً اسکا نکالنا روزہ کا مفسد ہے اور اپنی زوجہ کا
بوسہ لینا اور پاس لٹانا روزہ کا مفسد نہیں جب تک کہ انزال نہ ہو مگر یہ امور مکروہ ہیں ہاں اگر روزہ دار بوڑھا ہو یا اپنی شہوت پر قابو رکھتا ہو تو
بوس وکنار کا مضائقہ نہیں پھر بھی اسکا نہ کرنا بہتر ہے۔ اور جس صورت میں کہ بوسہ سے انزال ہونے کا خوف کرتا تھا پھر بوسہ لیا اور منی نکل پڑی
تو روزہ جاتا رہیگا کہ اپنی طرف سے قصور کیا۔ چھٹا واجب قے کرنے سے پرہیز کرنی ہے کہ اپنے آپ قے کرنا روزہ کا مفسد ہے اور اگر آپ ہی ہو جاوے تو مفسد نہیں
اور اگر بلغم حلق مین سے یا سینے سے نگل جاوے تو روزہ فاسد ہوگا کیونکہ اسکی ضرورت میں سب مبتلا ہیں ہاں اگر بلغم کے منہ مین پہونچ کے بعد نگلیگا تو روزہ ٹوٹ جاویگا

دوسرا بیان افطار کے لوازم کے ذکر میں۔ افطار صوم کے لیے چار باتیں لازم ہیں قضا اور کفارہ اور فدیہ دینا اور باقی دن مین امساک کرنا روزہ دار
کی طرح سے اور ہر ایک ان باتوں میں سے جدا جدا شخصوں کے لیے ہے۔ قضا ہر مسلمان عاقل بالغ پر واجب ہے جو روزہ عذر کے باعث یا بلا عذر نہ رکھے اس
سے یہ نکلا کہ حائضہ عورت یا مرتد روزہ کی قضا کرین لیکن کافر اور لڑکے اور مجنون پر قضا نہیں اور رمضان کے روزون کی قضا مین پیہم رکھنا بھی شرط نہین
جسطرح چاہے رکھے خواہ جدا جدا قضا رکھے [illegible] اور کفارہ روزہ کا بجز جماع کے اور باتوں سے واجب نہین ہوتا مثلاً کھانے اور پینے اور [illegible]
منی نکالنے سے کفارہ واجب نہیں اور کفارہ یہ ہے کہ ایک بردہ آزاد کرے اور اگر نہو سکے تو دو مہینے پیہم روزے رکھے اور اگر یہ بھی نہو سکے تو [illegible]
[illegible] ایک مد کھانا دے [illegible] تین پاؤ ہوتا ہے اور امساک بقیہ دن مین ان لوگون پر واجب ہے جنہون نے افطار کرنے سے [illegible]
[illegible] کی طرح [illegible] اور حائضہ اگر کچھ دن [illegible] پاک ہوجاوے [illegible] سفر سے افطار کی حالت مین [illegible]

بھی یہی مراد ہے کہ فرمایا انا انزلناہ فی لیلۃ القدر اور جو شخص اپنے دل اور سینے کے درمیان میں غذا کی آڑ کر لیگا وہ اس سیر ملکوت سے محجوب رہیگا اور جو آدمی اپنا معدہ خالی رکھیگا اُسکو بھی حجاب دور ہونے کے لیے اُسیقدر کافی نہیں جبتک کہ اپنی ہمت کو غیر اللہ سے خالی نہ کرے کہ تمام بات یہی ہے اور اس سب کی اصل غذا کی کمی ہے اور اسکا زیادہ بیان غذاؤں کے باب میں انشاء اللہ لکھا جاویگا ششم یہ کہ بعد افطار کے دل خوف و رجا سے وابستہ اور متردد رہنا چاہیے کیونکہ معلوم نہیں کہ اُسکا روزہ مقبول ہوکر مقربین کے زمرہ میں اُسکا شمار ہوا یا روزہ نامنظور ہوا اور خفگی کے مستحقوں میں متصور ہوا اور ہر عبادت کے فارغ ہونے پر اسیطرح کا حال ہونا چاہیے چنانچہ حضرت حسن بصری رح سے مروی ہے کہ عید کے روز آپکا گذر کسی قوم پر ہوا جو ہنس رہی تھی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کو اپنی مخلوقات کے لیے دوڑنے کا میدان مقرر فرمایا ہے کہ سب آدمی اُسکی طاعت کے لیے اُسکے اندر دوڑیں تو کچھ لوگ تو آگے بڑھکر اپنے مطلب کو پہنچ گئے اور کچھ پیچھے رہ کر نا امید ہوئے پس جس روز میں کہ جلدی کرنے والے اپنے مطلوب کو پہونچے اور باطل والے محروم رہے اُس روز میں ہنسی اور کھیل کرنے والے سے بڑا تعجب ہے بخدا اگر حقیقت حال واضح کر دیجاوے تو مقبول آدمی کو اتنا سرور ہو کہ اُسکو کھیل سے باز رکھے اور نامنظور کو اتنا غم ہو کہ اُسکو ہنسی سے روک دے اور احنف بن قیس سے کسی نے کہا کہ تم بوڑھے بزرگ شخص ہو اور روزہ تمکو ضعیف کر دیتا ہے بہتر ہے کہ اُسکے لیے کوئی اور سبیل کرو فرمایا کہ میں روزہ کو ایک بڑے لمبے سفر کے لیے تیار کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی طاعت پر صبر کرنا اُسکے عذاب پر صبر کرنے کی نسبت بہت آسان ہے بالجملہ روزہ میں چھ باتیں باطنی یہ تھیں جو مذکور ہوئیں اب اگر یہ کہو کہ جو شخص شکم اور شرمگاہ کی شہوت سے باز رہے یہ کفایت کرتا ہے اور ان باتوں کو بجا نہیں لاتا تو فقہا یہ کہتے ہیں کہ اُسکا روزہ درست ہے پس اُسکے کیا معنی ہیں کہ فقہا درست بتاویں اور تم صحیح نہیں بتاتے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ظاہر کے فقہا ظاہری شرطوں کا اثبات ایسی دلیلوں سے کرتے ہیں جو باطنی شرطوں میں ہماری بیان کی ہوئی دلیلوں سے نہایت ضعیف ہیں خصوصاً غیبت وغیرہ کے باب میں مگر چونکہ فقہائے ظاہری حکم ایسی چیز پر لگاتے ہیں جسمیں غافل اور دنیا کے متوجہ لوگ بھی داخل ہو سکیں اسلیے اُنکو شروط ظاہری کے موجب صحیح کہنا پڑتا ہے اور علمائے آخرت کی غرض صحت سے قبول ہونا ہے اور قبول ہونے سے اُنکی مراد مقصود کو پہنچنا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روزہ سے مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اخلاق میں جو ایک خلق صمدیت ہے یعنی بھوک اور پیاس وغیرہ کا نہ ہونا اُسکو اپنی عادت کریں اور شہوات سے بچنے میں حتی الوسع فرشتوں کی اقتدا کریں کہ وہ شہوات سے پاک ہیں اور انسان کا مرتبہ چوپایوں کے مرتبہ سے تو اوپر ہے اسلیے کہ نور عقل سے اپنی شہوت کے توڑنے پر قادر ہے اور فرشتوں کے مرتبہ سے نیچے ہے بایں وجہ کہ اسیر شہوات غالب ہیں اور اُسکے دفع میں مبتلا کیا گیا ہے اسی لیے جب کبھی یہ شہوتوں میں ڈوبتا ہے تو اسفل السافلین میں اُتر جاتا ہے اور بہائم کے زمرہ میں لاحق ہو جاتا ہے اور جس وقت کہ شہوات کو توڑتا ہے تو اعلیٰ علیین کی طرف بلند ہوکر فرشتوں کے کنارہ سے جا لگتا ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں اور جو کوئی اُنکا اقتدا کرتا ہے اور اُنکی سی عادتیں اختیار کرتا ہے وہ بھی اُنکی طرح خدا تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے کہ قریب کا ہمشکل بھی قریب ہی ہوتا ہے اور یہ قرب مکان اور فاصلہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفات کے لحاظ سے ہے پس جبکہ روزہ کی اصل ارباب عقل و اہل دل کے نزدیک یہ ٹھہری تو ایک غذا کے دیر کر دینے اور شام کو دونوں کو ایک ساتھ کھا لینے اور دن بھر اور شہوات میں ڈوبے رہنے سے کونسا فائدہ ہے اور اگر اس جیسے روزہ سے بھی فائدہ ہوتا ہے تو اس حدیث شریف کے کیا معنی ہیں کہ کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع و العطش اور اسیوجہ سے حضرت ابو درداء رض نے فرمایا ہے کہ دانا آدمیوں کا سونا اور افطار کرنا کیا خوب ہے بیوقوفوں کے روزہ اور بیداری کو کیسا برا جانتے ہیں اہل یقین اور تقویٰ کا ایک ذرہ مغالطہ والوں کی پہاڑوں کے برابر عبادت سے افضل اور غالب ہے۔ اور اسیوجہ سے بعض علما نے فرمایا ہے کہ بہت سے روزہ دار افطار کرنے والے ہیں اور بہت سے افطار کرنے والے روزہ دار ہوتے ہیں یعنی افطار کرنے والے روزہ دار وہ لوگ ہیں جو اپنے اعضا کو گناہوں سے محفوظ رکھکر کھاتے پیتے ہیں اور روزہ دار افطار کرنے والے وہ ہیں کہ بھوکے پیاسے تو رہتے ہیں مگر اپنے اعضا کو مقید نہیں رکھتے اور روزہ کے معنی اور اُسکی اصل کے سمجھنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو کوئی کھانے اور صحبت سے تو بچا رہے اور گناہوں کے ارتکاب سے روزہ کو افطار کرے اُسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی وضو میں اپنے کسی عضو پر تین بار مسح کرے کہ ظاہر میں تو تین بار ہو گیا مگر اصل مقصود جو دھونا تھا وہ چھوڑ دیا تو اُسکی نماز بباعث

اور غیبت اور چغلی اور فحش اور ظلم اور جھگڑے اور بات کاٹنے سے اور سکوت کو اسپر لازم کرنا اور ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن میں مصروف رکھنا کہ یہ زبان کا روزہ ہے
سفیان ثوری رح فرماتے ہیں کہ غیبت روزہ کی مفسد ہے اس روایت کو انسے بشر بن حارث نے روایت کیا ہے اور لیث حضرت مجاہد رح سے راوی ہیں کہ دو خصلتیں
روزے کی مفسد ہیں غیبت اور جھوٹ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ روزہ سپر ہے جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو فحش نہ بکے نہ جہالت کرے اور اگر کوئی اس سے
لڑائی کرے یا گالی دے تو چاہیے کہ کہدے کہ میں روزہ دار ہوں اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں دو عورتوں نے روزہ رکھا
اور بھوک اور پیاس کی انکو آخر روز میں یہ شدت ہوئی کہ قریب ہلاکت ہو گئیں انھوں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں افطار کی اجازت کے لیے کسی کو
بھیجا آپ نے انکے پاس ایک پیالہ بھیجا اور آدمی سے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کہنا کہ جو کچھ تمنے کھایا ہے اسکو اس پیالے میں قے کر دو ایک عورت نے
نصف پیالہ خون تازہ اور گوشت تازہ سے بھر دیا اور دوسری نے بھی یہی چیزیں قے کیں یہانتک کہ پیالہ لبالب ہو گیا لوگوں نے اس سے تعجب کیا آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ ان دونوں نے جو چیز اللہ کی حلال کی ہوئی تھی اُس سے روزہ رکھا اور جو اُپر خدا تعالیٰ نے حرام کی تھی اُس سے افطار کیا ایک
اُن میں سے دوسرے کے پاس مٹھ گئی اور دونوں نے لوگوں کی غیبت شروع کی یہ گوشت پیالہ میں وہی ہے جو اُن دونوں نے لوگوں کا گوشت
کھایا تھا سوم بری بات کے سننے سے کانوں کو باز رکھنا اسواسطے کہ جن امور کا کہنا حرام ہے انکا سننا بھی حرام ہے اور یہی جہت خدا تعالیٰ نے
سننے والوں اور حرام خواروں کو برابر کر دیا چنانچہ ارشاد ہے سماعون للکذب اکالون للسحت اور فرمایا لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم و اکلھم
السحت پس غیبت کو سنکر خاموش رہنا حرام ہے اور فرمایا انکم اذا مثلھم اور اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا المغتاب والمستمع شریکان فی الاثم چہارم
ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا کو بُری باتوں سے روکنا اور افطار کے وقت شکم کو شبہات سے باز رکھنا کیونکہ اگر حلال سے دن بھر بند رہے اور حرام سے
افطار کیا تو روزہ کچھ ہوا ایسے روزہ والے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک محل بناوے اور ایک شہر کو منہدم کرے اسلیے کہ حلال کھانے کی کثرت
مضر ہوتی ہے اور روزہ اسکی کمی کے لیے ہوتا ہے اور جو شخص کہ بہت سی دوا کھانے کے ضرر سے ڈرکر زہر کھانا اختیار کرلے وہ بیوقوف ہے اور حرام کھانا
ایک زہر ہے جو دین کو ہلاک کرتا ہے اور حلال ایک دوا ہے کہ اسکا کم کھانا مفید اور زیادہ کھانا مضر ہے اور روزے سے غرض حلال کی کمی ہے اور آنحضرت صلعم نے
فرمایا ہے کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش اسمیں بعضوں نے یہ کہا ہے کہ مراد اُس شخص سے ہے جو حرام پر افطار کرے اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو
طعام حلال سے رُکا رہے اور افطار لوگوں کے گوشت یعنی غیبت سے کرے سو حرام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شخص مقصود ہے جو اپنے اعضا کو گناہوں سے نہ بچاوے پنجم یہ کہ
افطار کے وقت حلال غذا اتنی بہت نہ کھاوے کہ پیٹ بھر جاوے کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی ظرف ایسا بُرا نہیں جیسا شکم حلال سے پُر ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ روزہ
سے آدمی شیطان کو کسطرح دباویگا اور شہوت کیسے توڑیگا جس صورت میں کہ تمام دن کی بھوک پیاس کا تدارک افطار کے وقت کرلیگا اور اکثر ایسا
ہوتا ہے کہ کھانے کے اقسام روزہ میں زیادہ ہی ہوتے ہیں چنانچہ عادت ٹھہر گئی ہے کہ سب کھانوں کو رمضان کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں اور رمضان
میں اتنا کھا جاتے ہیں کہ اور دنوں میں کئی مہینے میں بھی نہ کھاویں اور ظاہر ہے کہ روزہ سے مقصود پیٹ کا خالی رکھنا اور خواہش کا توڑنا ہے
تاہیں غرض کہ نفس تقویٰ پر قوی ہو جاوے اور جس صورت میں کہ صبح سے شام تک تو معدہ کو ٹالا یہانتک کہ اسکی خواہش جوش میں آئی اور
رغبت قوی ہوئی پھر لذیذ چیزیں کھائیں اور خوب سیر کر دیا تو صاف بات ہے کہ اسکی لذت اور قوت دوبالا ہوگی اور وہ خواہشیں بھڑکیں گی کہ اگر
بالفرض بے روزہ رہتا تو نہ اٹھتیں غرضکہ روزہ کی روح اور اصل یہ ہے کہ جو قوتیں کہ برائیوں کی طرف کھینچنے کے وسیلے اور شیطان کے داؤ ہیں
وہ ضعیف ہو جاویں اور یہ بات بدون کم کھانے کے میسر نہیں ہوتی یعنی اتنی ہی غذا کھاوے جتنی بدون روزہ رکھنے کے ہر شب میں معمول تھا اور جس صورت میں
اور دن کی غذا اور شب کی غذا کو ایک ساتھ کھا لیا تو روزہ سے فائدہ نہ ہوگا بلکہ مستحب یہ ہے کہ دل کو بہت نہ سووے تاکہ بھوک اور پیاس کو معلوم کرے
اور قوتوں کے ضعیف ہونے پر آگاہ ہو اور کچھ ایک صفائی رات کو بھی جاری رہے تاکہ تہجد اور وظائف پر آسانی ہو اور کیا عجب ہے کہ اس صورت میں شیطان
اُسکے دل کے گرد نہ پھٹکے اور وہ آسمان کے ملکوت دیکھ سکے اور شب قدر اُسی رات کا نام ہے جسمیں کچھ ملکوت آدمی پر منکشف ہوں اور خدا تعالیٰ کے قول

کی بجا آوری اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے اور نفس دو خواہشات کی تعمیل پسند ہو۔ اور جس صورت میں کہ مدام روزہ رکھنے میں ان دونوں خرابیوں میں سے کوئی سی بھی
نہو اور آدمی کو اپنے نفس کی بہتری مدام روزہ رکھنے میں معلوم ہوتی ہو تو روزہ مدام رکھے کہ بہت سے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے اور آنحضرت
صلعم سے بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعری مروی ہے کہ فرمایا من صام الدہر کلہ ضیقت علیہ جہنم ہکذا وعقد تسعین اور اسکے معنی یہ ہیں کہ جہنم میں اس شخص کے
لیے جگہ نہیں رہتی اور اس سے کم ایک اور درجہ ہے کہ آدھے دہر کے روزے رکھے یعنے ایک روز افطار کرے اور ایک روز روزہ رکھے اور یہ امر نفس پر
سخت تر ہے اس سے نفس خوب دبتا ہے اور اسکی فضیلت میں احادیث وارد ہیں اسلیے کہ ایسے روزوں میں بندہ ایک روز صبر کرتا ہے اور ایک روز
شکر چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھ پر دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور زمین کے دفینے پیش کیے گئے میں نے انکو واپس کر دیا اور کہا کہ میں ایک روز بھوکا
رہونگا اور ایک روز شکم سیر جب میرا پیٹ بھریگا تو تیری حمد کرونگا اور جب بھوکا ہونگا تو تیری طرف عاجزی کرونگا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا
کہ افضل الصیام صوم اخی داؤد صلی اللہ علیہ وسلم کان یصوم یوما ویفطر یوما اور اسی کی مؤید وہ روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رض روزہ کے باب
میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کرتے تھے کہ میں اس سے بھی افضل چاہتا ہوں آخر کو آپ نے فرمایا کہ ایک روز روزہ رکھو اور ایک روز افطار
کرو انھوں نے کہا کہ میں اس سے افضل چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس سے افضل کوئی صورت نہیں اور مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کسی مہینے کے روزے
پورے سوائے ماہ رمضان کے کبھی نہیں رکھے بلکہ کچھ دن ہر مہینے میں افطار کیا کرتے تھے۔ اور جس شخص سے آدھی عمر کے روزے بھی نہو سکیں تو کچھ مضائقہ
نہیں وہ تہائی عمر کے روزے رکھے یعنے ایک دن روزہ رکھے اور دو روز افطار کرے اور اگر تین دن اول مہینے میں اور تین ایام بیض کے اور تین آخر
مہینے میں رکھ لیا کرے تو تہائی بھی ہو جاویں اور عمدہ دنوں میں بھی واقع ہوں اور اگر دوشنبہ اور پنجشنبہ اور جمعہ کو روزہ رکھا کرے تو یہ بھی تہائی سے
کچھ زیادہ ہو جاتے ہیں اور جملہ فضیلت کے اوقات آوین تو کمال کی بات یہ ہے کہ آدمی روزہ کے معنی سمجھے اور جانے کہ روزہ کا مقصود دل کا صاف کرنا
اور ہمت کا خدا تعالیٰ کے لیے فارغ کرنا ہے۔ اور جو شخص کہ باطن کی باریکیوں کو سمجھتا ہے وہ اپنے حالات میں نظر کرتا رہتا ہے پس بعض اوقات اسکا حال
یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھے اور کبھی یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ افطار کرے اور کبھی اسکا حال اس بات کو مقتضی ہوتا ہے کہ افطار کو روزہ کے ساتھ ملا دے اور
جب آدمی روزے کے معنے سمجھ لیگا اور طریق آخرت کے چلنے میں دل کے مراقبہ سے اسکی حد ثابت ہو جاویگی تو اس پر اپنے دل کی بہتری پوشیدہ نہ رہیگی اور
دل کی بہتری کے لیے کوئی ترتیب دوامی ضروری نہ ٹھہریگی اور ہمیں یہ بات مروی ہے کہ آنحضرت صلعم ایسے روزے رکھتے تھے کہ لوگ کہتے کہ اب افطار
نہ کرینگے اور افطار بھی اتنا کرتے کہ لوگ کہتے کہ اب روزہ نہ رکھینگے اور شب بیداری اتنی کرتے کہ کہا جاتا کہ اب نہ سوینگے اور جسقدر کہ نبوت سے آپ کو
اوقات کے حقوق ادا کرنے کا حال معلوم ہوتا تھا اسیقدر ان امور کو بجا لاتے تھے اور بعض علما نے چار روز سے زیادہ پیہم افطار کرنیکو مکروہ فرمایا ہے اور چار
روز کی قید عید کے روز اور ایام تشریق کے خیال سے لگائی ہے اور فرمایا ہے کہ چار روز سے زیادہ افطار کرنا دل کو سخت کرتا ہے اور بری عادتیں پیدا کرتا
ہے اور شہوات کے دروازوں کو کھولتا ہے اور در واقع میں اکثر لوگوں کے حق میں افطار کی یہی تاثیر ہے خصوصا جو لوگ دن رات میں دو دفعہ کھاتے ہیں
انکے حق میں بہت مضر پڑتا ہے۔ نفل روزوں کی ترتیب میں ہمکو اسی قدر بیان کرنا مقصود تھا باب اسرار صوم خدا تعالیٰ کی عنایت سے تمام ہوا اسکے
بعد اسرار حج کا ذکر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ توفیق رفیق فرماوے وہی کافی اور مددگار ہے والحمد للہ اولا وآخرا وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وکل عبد مصطفی۔

ساتواں باب حج کے اسرار و مہمات کے بیان میں

رباعی: اے تن بسفر کعبہ کی کر کچھ ہمت + ہے سعی رہ حرم سراسر رحمت + اتنا ہے یہاں شرف کہ کہتے ہیں حسن + پاویگا لاکھ اگر کرے یک طاعت + حج
ہے کہ ارکان اسلام میں سے حج عمر بھر کی عبادت کی خوبی اور کار کا انجام اور اسلام کی تمامی اور دین کا کمال ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا اور آنحضرت صلعم اسکے باب میں ارشاد فرماتے ہیں من مات ولم یحج فلیمت ان شاء یہودیا وان شاء
نصرانیا تو ایسی عبادت کا کیا کہنا ہے جسکے نہونے سے دین کا کمال نہ رہے اور اسکا چھوڑنے والا گمراہی میں یہود و نصاریٰ کے برابر ہو جاوے اور جسکے

اسکی حالت کے اسی پر واس کھاویگی اور جو شخص کہ کھانے سے افطار کرے اور اپنے اعضا کو برائیوں سے باز رکھے تو اسکی مثال ایسی ہے کہ وضو میں کوئی اپنے اعضا کو ایک ایک بار دھووے تو اسکی نماز انشاء اللہ مقبول ہوگی کیونکہ اسنے اصل فرض کو ادا کیا گو فضیلت کا تارک ہوا اور جو شخص کھانے پینے سے بھی روزہ رکھے اور اعضا سے بھی روزہ رکھے یعنی انکو برائیوں سے روکے اسکی مثال ایسی ہے کہ اپنے ہر ایک عضو کو تین بار دھووے تو یہ شخص اصل اور فضیلت دونوں کا جامع ہوگا جو مرتبہ کمال ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ الصوم امانۃ فلیحفظ احدکم امانتہ اور جبکہ آپ نے یہ آیت پڑھی ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا تو آپ نے دست مبارک کو اپنے کان اور آنکھ پر رکھکر ارشاد فرمایا کہ کان سے سننا اور آنکھ سے دیکھنا امانت ہے اور اگر سننا دیکھنا روزہ کی امانتوں میں سے نہوتا تو آپ یہ ارشاد نہ فرماتے کہ مگر اگر کوئی لڑائی کرے تو کہدے کہ میں روزہ دار ہوں یعنی میں نے اپنی زبان کو امانت رکھا ہے میں اسکی حفاظت کرتا ہوں تیرے جواب دینے میں اسکو کیسے چھوڑ دوں۔ اور جبکہ معلوم ہوا کہ ہر ایک عبادت کے لیے ایک ظاہری اور ایک باطن اور ایک پوست ہے اور ایک مغز اور اسکے پوست کے بہت سے درجے ہیں اور ہر درجے کے بہت سے طبقات ہیں تو اب تمکو اختیار ہے خواہ مغز کو چھوڑکر پوست پر قناعت کرو یا زمرۂ اہل خرد میں داخل ہونا پسند کرو

تیسری فصل نفل روزہ رکھنے کے بیان میں آداب فضیلت کے اعتبار سے نفل روزوں کی ترتیب کے ذکر میں۔ واضح ہو کہ روزے کا استحباب اچھے دنوں میں موکد ہوتا ہے اور عمدہ روزوں میں سے بعضے تو سال بھر میں پائے جاتے ہیں اور بعضے ہر مہینے میں اور کچھ ہر ہفتے میں جو ایام کہ سال میں پائے جاتے ہیں وہ رمضان کے بعد روز عرفہ اور روز عاشورہ اور عشرہ اول ذیحجہ اور عشرہ محرم ہیں اور تمام ماہ حرام روزہ کے لیے عمدہ اوقات ہیں اور آنحضرت صلعم شعبان میں اس کثرت سے روزہ رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ماہ رمضان ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ بعد رمضان کے روزوں کے افضل روزے اللہ تعالی کے ماہ محرم کے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ مہینا ابتداء سال ہے اسکو نیکی سے معمور کرنا بہتر ہے اور توقع ہے کہ سال بھر اسکی برکت رہے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ماہ حرام کا ایک دن روزہ رکھنا اور دنوں کے تیس روزوں سے بہتر ہے اور رمضان کے ایک دن کا روزہ ماہ حرام کے تیس روزوں سے افضل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو کوئی ماہ حرام میں سے تین دن روزے رکھے یعنی جمعرات اور جمعہ اور ہفتہ کو تو اللہ تعالی اسکے لیے ہر ایک روزے کے عوض میں سات سو برس کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب شعبان کا نصف ہو جاوے تو رمضان تک پھر کوئی روزہ نہیں اور اسی جہت سے رمضان سے پیشتر چند روز افطار کرنا مستحب ہے اور اگر شعبان کو رمضان سے ملا دے تب بھی جائز ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایکبار ایسا کیا ہے اور بہت دفعہ نہیں ملایا اور رمضان کے استقبال کی نیت سے دو تین روز پیشتر روزہ رکھنا درست نہیں لیکن اس صورت میں کہ وہ ایام اسکے معمولی دنوں کے روزوں سے مطابق آپڑیں اور بعض صحابہ نے تمام ماہ رجب میں روزہ رکھنا مکروہ فرمایا ہے اس نظر سے کہ ماہ رمضان کے مشابہ ہوئے غرضکہ بہتر مہینے ذی الحجہ اور محرم اور رجب اور شعبان ہیں اور حرام مہینے ذیقعدہ اور ذیحجہ اور محرم اور رجب ہیں تین انمیں سے پے در پے ہیں اور رجب تنہا اور جدا ہے اور ان سب میں افضل ماہ ذیحجہ ہے اسلیے کہ اسمیں حج کا روزہ اور ایام معلومات اور معدودات ہیں اور ماہ ذیقعدہ حرام مہینوں میں سے ہے اور حج کے مہینوں میں سے بھی ہے اور شوال صرف حج کے مہینوں میں سے ہے حرام مہینوں میں سے نہیں اور محرم اور رجب حج کے مہینوں میں سے نہیں ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ کوئی دن ایسے نہیں جنمیں عمل اللہ تعالی کے نزدیک افضل یا محبوب تر ذیحجہ کے دس روز کی نسبت کر ہو کہ انمیں سے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور انمیں سے ایک رات کی بیداری شب قدر کے جاگنے کے مساوی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنا بھی انکے عمل کے برابر نہیں آپ نے فرمایا کہ جہاد بھی برابر نہیں مگر اس صورت میں کہ اسکے گھوڑے کی کوچین کاٹی جاویں اور اسکا خون بہایا جاوے۔ اور جو ایام کہ مہینے میں مکرر ہوتے ہیں وہ مہینے کے شروع اور درمیان اور آخر کے ایام ہیں اور مہینے کے درمیان کے روز ایام بیض ہیں یعنی تیرھویں چودھویں پندرھویں اور ہفتے کے دنوں میں دو شنبہ اور پنجشنبہ اور جمعہ ہیں۔ غرضکہ عمدہ ایام یہ ہیں انہیں روزہ رکھنا اور کثرت سے خیرات کرنی مستحب ہے تاکہ ان اوقات کی برکت سے ان اعمال کا ثواب دوچند ہو [illegible] اور ہمیشہ کا روزہ رکھنا تو وہ ان سب دنوں کو شامل ہے مع زیادتی کے لیکن سالکوں کے اس باب میں کئی مذہب ہیں بعضے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ جانتے ہیں [illegible] کہا جاتا ہے [illegible] اسکی کراہت [illegible] اور صحیح یہ ہے کہ اسکی کراہت دو وجہ سے ہوتی ہے ایک تو یہ کہ [illegible]
[illegible] اعراض کرے اور [illegible]

عمل عطا کے قابل نہ پاؤ گے اور ہمیں جمعہ عدد دن حج اور عمرہ کے اول ہی طواف کرنا مستحب ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ننگے پاؤں ننگے
سر سات پھیرے کا طواف کرے تو ایسا ہے جیسا ایک بردہ آزاد کیا اور جو کوئی سات پھیرے طواف کے مینہ برستے میں کرے اسکے پیشتر کے گناہ بخش دیے
جاویں گے اور کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کا کوئی گناہ بخشتا ہے تو جو شخص اس بندے کی جگہ پر پہونچ جاتا ہے اسکی بھی مغفرت
فرماتا ہے اور بعض سلف کا قول ہے کہ جب عرفہ کا روز جمعہ کے دن پڑتا ہے تو عرفات کے سب حاضرین کو اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے اور عرفہ کو جمعہ کا پڑنا
دنیا میں سب دنوں سے افضل ہے اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع کیا اور آپ عرفات کے میدان ہی میں تھے کہ یہ آیت اُتری۔
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا اہل کتاب نے کہا کہ یہ آیت اگر ہمپر اُترتی تو جس روز اترتی ہم اس روز کو عید مقرر کرتے
حضرت عمر رضہ نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اُتری یعنے عرفہ کے دن اور جمعہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر اُسوقت اُتری کہ آپ عرفات پر تشریف رکھتے تھے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اللہم اغفر للحاج ولمن استغفر لہ الحاج اور مروی ہے کہ علی
بن موفق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چند حج کیے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھسے
ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ابن موفق تو نے میری طرف سے حج کیا میں نے عرض کیا کہ ہاں پھر فرمایا کہ تو نے میری طرف سے لبیک کہا میں نے عرض
کیا کہ ہاں ارشاد فرمایا کہ اُسکا بدلہ میں قیامت میں تجھکو دونگا کہ اہل خلقت حساب کی سختی میں ہونگی اور میں تیرا ہاتھ پکڑکر جنت میں داخل کردونگا
اور مجاہد اور دوسرے علماء نے فرمایا کہ حاجی جب مکہ معظمہ میں آتے ہیں تو فرشتے اونٹوں کے سواروں کو تو سلام کرتے ہیں اور گدھوں کے سواروں سے
مصافحہ کرتے ہیں اور پیادہ لوگوں سے بغلگیر ہوکر ملتے ہیں۔ اور حضرت حسن بصری رح کا قول ہے کہ جو شخص رمضان کے بعد مرے یا غزوہ جہاد کے
بعد یا حج کے بعد وہ شہید مرتا ہے اور حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ حاجیوں کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور ذی حجہ اور محرم اور صفر اور ربیع الاول
کی بیسویں تک میں جسکے لیے وہ مغفرت کی درخواست کریں اُسکی بھی مغفرت ہو جاتی ہے اور اکابر سلف کا یہ دستور تھا کہ غازیوں کو رخصت کرنے کو
ساتھ جاتے تھے اور حاجیوں کے لینے کو جاتے اور اُنکی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر بوسہ دیتے اور اُنسے اپنے لیے دعا منگواتے اور قبل اسکے
کہ وہ مرتکب گناہ ہوں یہ باتیں کرگذرتے۔ اور علی بن موفق سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا اور عرفہ کی شب کو منے کی
مسجد خیف میں ٹھہرا میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آسمان سے سبز لباس پہنے ہوئے اُترے اور ایک نے دوسرے کو عبد اللہ کہکر پکارا دوسرے
نے کہا کہ لبیک اول نے پوچھا کہ تمکو معلوم ہے کہ اس سال میں ہمارے پروردگار کے گھر کا کتنے لوگوں نے حج کیا دوسرے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں
اول نے کہا کہ چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا ہے اب تمکو یہ معلوم ہے کہ انمیں سے کتنوں کا حج مقبول ہوا ہے دوسرے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں اول نے
کہا کہ اُن میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج مقبول ہوا ہے یہ کہکر وہ دونوں آسمانوں کی طرف اُٹھے یہانتک کہ میری نظر سے غائب ہوگئے
میں خوف زدہ جاگا اور نہایت شدت کا غم مجھپر طاری ہوا اور مجھے اپنی فکر ہوئی اور دل میں کہا کہ جب چھ آدمیوں ہی کا حج مقبول ہوا ہے
تو میں اُن میں کہاں ہونگا جب میں عرفہ سے لوٹکر آیا اور مشعر حرام کے پاس رات کو رہا تو یہی فکر تھا کہ آدمی اس کثرت سے ہیں اور حج اتنے تھوڑے
لوگوں کا مقبول ہوا ہے اتنے میں مجھے نیند آگئی دیکھا تو وہی دونوں فرشتے اپنی پہلی صورتوں پر اُترے اور ایک نے دوسرے کو پکار کر وہی تقریر سابق
پھر سے کی پھر کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس رات میں ہمارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے اُسنے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہا کہ اللہ جل شانہ نے چھ آدمیوں میں سے
ہر ایک کو ایک ایک لاکھ آدمی دیدیے یعنے انکی سفارش انکے حق میں مقبول ہوگی ابن موفق کہتے ہیں کہ پھر جو میری آنکھ کھلی تو مجھکو خوشی [illegible]
[illegible] اپنی وہ اور کہتے ہیں کہ میں نے ایکسال حج کیا اور جب ارکان ادا کرچکا تو مجھکو اُن لوگوں کا فکر ہوا جنکا حج مقبول نہوا ہوگا میں نے دعا کی
[illegible] حج اور اسکا ثواب اُس شخص کو دیا جسکا حج مقبول نہوا ہو وہ کہتے ہیں کہ رات کو میں نے رب العزت جل شانہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتا ہے کہ اے علی
[illegible] ہمیں نے سخاوت اور سخیوں کو پیدا کیا اور سب سخیوں اور بڑے کرم والوں سے زیادہ سخی اور جود والا میں ہی ہوں اور مجھکو [illegible] کے لوگوں کی

اس رکن کی عظمت اتنی ہی تو مناسب معلوم ہوا کہ اسکی شرح اور اسکے ارکان اور سنن اور مستحبات اور فضائل اور اسرار کی تفصیل کی طرف عنان قلم کو پھیرا جاوے
اور یہ سب امور انشاء اللہ تین فصلوں سے واضح ہو جاوینگے جس سے اول مین مکہ معظمہ اور کعبہ شریفہ کے فضائل وغیرہ کا ذکر ہوگا اور دوسری مین ابتدائے
سفر سے لوٹنے تک کے سب اعمال ظاہری بیان ہونگے اور تیسری میں اسرار خفیہ اور اعمال باطنی لکھے جاوینگے

فصل اول مشتمل ہے دو بیانوں پر پہلا بیان حج کے فضائل اور کعبہ اور مکہ اور مدینہ زادہا اللہ شرفا کی فضیلت اور ان مقامات متبرکہ کی طرف سفر کی
تیاری کے ذکر مین۔ **حج کی فضیلت** اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ حضرت قتادہ رضی
نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو حج کی اطلاع کردو تو انھوں نے
پکار کر کہا کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے اسکا حج کرو اللہ تعالیٰ نے انکی یہ آواز اولاد آدم میں سے ان لوگوں کے کان میں پہونچا دی جنکو قیامت
تک اسکی مشیت و ارادہ میں حج کرنا نصیب ہوگا اور فرمایا لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ بعض مفسرین منافع سے یہ غرض کہتے ہین کہ ایام حج کی تجارت اور
ثواب آخرت ہے اور بعض اکابر سلف نے جب یہ مضمون سنا تو فرمایا کہ بخدا انکی مغفرت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے جو شیطان کا قول نقل فرمایا ہے لَأَقْعُدَنَّ
لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ اسکی تفسیر مین بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد مکہ معظمہ کا راستہ ہے شیطان اسپر بیٹھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس سے منع کرے
اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من حج البیت فلم یرفث ولم یفسق خرج من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ اور فرمایا کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ
کسی روز مین ذلیل تر اور زیادہ راندہ اور حقیر تر اور غصناک تر نہین دیکھا گیا اور اسکی وجہ یہی ہے کہ نزول رحمت الٰہی اور بڑے گناہوں کو خدا تعالیٰ کا
معاف فرمانا اسکی نظر سے گذرتا ہے کہ کہتے ہین کہ بعض گناہ ایسے ہین کہ بدون عرفہ کے ٹھہرنے کے اور کوئی چیز انکا کفارہ نہیں اور اس مضمون کو حضرت
امام جعفر علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی مسند کیا ہے۔ اور بعض مقربان اہل مکاشفہ نے ذکر کیا ہے کہ ابلیس ملعون ایک آدمی کی صورت
مین انکے سامنے آیا کہ دبلا بدن زرد رنگ چشم گریان پشت شکستہ ہے انھون نے پوچھا کس سبب سے روتا ہے کہا کہ یہ وجہ ہے کہ حاجی بدون تجارت کے
اسکی طرف نکلے ہیں مین یہ کہتا ہوں کہ آخر تو وہ خدا ہی کو مقصود کر چکے ہیں کہیں ایسا نہو کہ اللہ تعالیٰ انکو محروم نہ فرما دے مجھے یہی غم ہے پھر انھون نے
پوچھا کہ تیرے جسم کے دبلے ہونے کی کیا وجہ ہے اسنے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑون کا ہنہنانا اگر وہ میری راہ میں بولتے تو مجھے اچھا معلوم ہوتا انھوں
نے پوچھا کہ تیرا رنگ کیوں متغیر ہے شیطان نے کہا کہ طاعت پر لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کرنے سے اگر وہ ایک دوسرے کی گناہ پر مدد کرتے تو مجھکو
زیادہ محبوب ہوتا پوچھا کہ تیری کمر کیوں ٹوٹ گئی کہا بندے کی اس دعا سے کہ الٰہی مین تجھسے خاتمہ کی بہتری چاہتا ہوں تو مین یہ کہتا ہوں کہ بڑے افسوس
کی بات ہے کہ اگر اس شخص نے اپنے عمل سے عجب ہی کیا تو کہیں ایسا ہو کہ اسکی برائی سے واقف ہو جاوے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو
شخص اپنے گھر سے حج یا عمرہ کے ارادے سے نکلے اور مر جاوے تو اسکے لیے حج کرنے والے عمرہ کرنے والے کا ثواب قیامت تک جاری رہیگا اور جو شخص حرمین
شریفین میں سے ایک مین مر جاوے تو وہ نہ حساب کے لیے پیش ہوگا نہ اس سے حساب لیا جاویگا اور اس سے کہا جاویگا کہ جنت مین داخل ہو اور فرمایا
حجۃ مبرورۃ خیر من الدنیا وما فیہا وحجۃ مبرورۃ لیس لہا جزاء الا الجنۃ اور فرمایا کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے خدا تعالیٰ کے قاصد اور اسکے مہمان ہین
اگر اس سے کچھ مانگتے ہیں تو انکو دیتا ہے اور اگر اس سے مغفرت چاہتے ہیں تو انکی مغفرت کرتا ہے اور اگر دعا مانگتے ہین تو قبول کرتا ہے اور اگر سفارش کرتے
ہیں تو انکی سفارش منظور فرماتا ہے۔ اور ایک حدیث مین جو بروایت اہل بیت علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسند ہے آیا ہے اعظم الناس ذنبا
من وقف بعرفۃ فظن ان اللہ تعالیٰ لم یغفر لہ اور حضرت ابن عباس رضی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس گھر پر ہر روز ایک سو بیس
رحمتین اترتی ہین ساٹھ تو طواف کرنے والوں کے لیے اور چالیس نماز پڑھنے والوں کے واسطے اور بیس اسکو دیکھنے والوں کے لیے اور ایک حدیث
مین ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف بہت کیا کرو کہ وہ بڑی بزرگ چیزوں مین سے ہے جسکو تم قیامت کے روز اپنے نامۂ اعمال مین پاؤگے اور انکی برابر اور کوئی

والے ہیں وہ مکہ معظمہ میں ٹھہرنے کو تین وجوں سے برا سمجھتے ہیں **اول** اکتا جانے اور خانہ کعبہ کے ساتھ مساوات ہو جانے کے خوف سے کیونکہ یہ بات اکثر دل کی حرارت کو جو حرمت کے بارے میں ہوتی ہے فرو کرنے میں تاثیر کرتی ہے اور یہی وجہ حضرت عمر رضہ حاجیوں کو حج سے فراغت ہونے کے بعد مارتے اور کہتے کہ اے یمن والو اپنے یمن کو جاؤ اور شام والو شام کو رخصت ہو اور عراق والو عراق کی راہ لو اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضہ نے قصد کیا کہ لوگوں کو طواف کی کثرت سے منع فرما دیں اور فرمایا کہ مجھکو یہ خوف ہے کہ لوگ کہیں اس گھر سے مانوس ہو جاویں یعنی پھر ان کو اسکی حرمت ساقط ہو جاویگی **دوسری** وجہ مقام کو برا جاننے کی یہ ہے کہ جدا ہونے سے شوق ابھرتا ہے اور پھر آنے کا سامان جمتا ہے کیونکہ اللہ تعالے نے خانہ کعبہ کو مثابۃ للناس وامنا فرمایا ہے اور مثابہ کے معنے یہی ہیں کہ ان کی طرف بار بار آویں اور اپنی غرض اور حاجت پوری نہ کرنے پاویں اور بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اگر تم کسی اور شہر میں ہو اور تمہارا دل مکہ کا مشتاق ہو اور خانہ کعبہ سے متعلق رہے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ تم مکہ میں رہ کر مقام سے اکتاؤ اور کسی اور شہر میں تمہارا دل ہو۔ اور بعض سلف کا قول ہے کہ بہت سے آدمی خراسان میں ہیں کہ وہ خانہ کعبہ سے بہ نسبت اسکے طواف کرنے والوں کے قریب ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ کعبہ شریفہ خدا تعالے کے تقرب کے لیے انکا طواف کرتا ہے۔ **تیسری** وجہ مکہ میں خطاؤں اور گناہوں کے مرتکب ہونے کا خوف ہے کہ انمیں خطرہ ہے اور ضرور ہے کہ جگہ کی بزرگی کی جہت سے خدا تعالیٰ کے غصہ کا موجب ہو۔ وہیب بن ورد مکی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حطیم میں نماز پڑھتا تھا میں نے سنا کہ دیوار کعبہ اور پردہ کے بیچ میں سے یہ آواز آتی ہے کہ اے جبرئیل میرے گرد طواف کرنے والے جو چہل کی باتیں اور لغو اور لہو کرتے ہیں ان امور سے مجھکو رنج ہوتا ہے اسکی شکایت میں اول اللہ سے کرتا ہوں پھر تجھ سے کرتا ہوں اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز نہ آوینگے تو میں ایک پھر پھری ایسی لونگا کہ میرا ہر ایک پتھر اس پہاڑ پر چلا جاویگا جہاں سے جدا کیا گیا تھا اور حضرت ابن مسعود رضہ فرماتے ہیں کہ کوئی شہر مکہ کے سوا ایسا نہیں جسمیں عمل سے پیشتر صرف قصد پر مواخذہ کیا جاوے پھر یہ آیت پڑھی ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم یعنی یہ عذاب دینا صرف ارادہ کرنے پر فرمایا اور کہتے ہیں کہ مکہ میں جیسی نیکیاں مضاعف ہوتی ہیں ویسی برائیاں بھی مضاعف ہوتی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضہ فرمایا کرتے کہ مکہ میں غلہ خرید کر بند کر رکھنا اور گرانی کا منتظر رہنا حرم میں الحاد کرنے کی قسم سے ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جھوٹ بھی اسمیں داخل ہے اور حضرت ابن عباس رضہ نے فرمایا ہے کہ اگر رکیہ میں ستر گناہ کروں اور میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں مکہ میں ایک گناہ کروں اور رکیہ مکہ اور طائف کے درمیان میں ایک منزل ہے اور اسی خوف کی جہت سے بعض مقام کرنے والوں کی یہ نوبت ہوئی تھی کہ زمین حرم میں پاخانہ نہ پھرتے تھے بلکہ پاخانہ پیشاب کے لیے زمین حل میں جاتے تھے اور بعض لوگ مہینہ بھر مکہ میں رہتے اور اپنے پہلو زمین پر نہ رکھتے اور مکہ معظمہ میں ٹھہرنے کی ممانعت کی جہت سے بعض علمائے وہاں کے گھروں کا کرایہ مکروہ فرمایا ہے اور تم یہ گمان مت کرنا کہ ٹھہرنے کا مکروہ ہونا جگہ کی فضیلت کے مخالف ہے اسلیے کہ اس مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس جائے پاک کے حقوق ادا کرنے سے خلق کے لوگ قاصر ہیں پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مکہ میں مقام نہ کرنا بہتر ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ وہاں ٹھہر کر تقصیر کرنے اور اکتا جانے کی نسبت نہ ٹھہرنا اچھا ہے یہ نہیں کہ اسکے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ٹھہرنے کی نسبت نہ ٹھہرنا اچھا ہو یہ امر کیسے ہو سکتا ہے یہ تو وہ مقام ہے کہ جب آنحضرت صلعم مکہ میں لوٹ کر تشریف لائے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو خدا تعالیٰ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور تمام جگہوں کی نسبت کر مجھکو زیادہ محبوب ہے اگر میں تجھ میں سے نکالا نہ جاتا تو ہرگز نہ نکلتا۔ علاوہ ازیں خانہ کعبہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے اور مکہ میں نیکیاں حسب مذکورہ بالا مضاعف ہوتی ہیں پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ انمیں نہ ٹھہرنا ٹھہرنے کی نسبت کر مطلق افضل ہو **مدینہ منورہ کی فضیلت تمام شہروں پر بعد مکہ کے**

کوئی جگہ افضل مدینہ طیبہ رسول مقبول صلعم سے نہیں کہ اعمال انمیں بھی مضاعف ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا صلوٰۃ فی مسجدی ہذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام اور اسیطرح مدینہ منورہ میں ہر ایک عمل ہزار کے برابر ہے اور بعد مدینہ منورہ کے بیت المقدس ہے کہ اسمیں ایک نماز پانسو کے برابر ہے اور یہی حال اور اعمال کا ہے اور حضرت ابن عباس رضہ آنحضرت صلعم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک نماز مدینہ کی مسجد میں دس ہزار

نسبت کرم وکرم کا استحقاق زیادہ تر ہو میں نے جن لوگوں کا حج مقبول نہیں کیا انکو ایسے لوگوں کو دے دیا جنکا حج مقبول کیا ہو خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کی فضیلت آنحضرت صلعم فرماتے ہین کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہو کہ اس گھر کا حج ہر سال میں چھ لاکھ آدمی کرینگے اور اگر کم ہونگے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے یہ شمار کامل کردیگا اور قیامت کو کعبہ کا حشر ایسی طرح ہوگا جیسے زفاف کے لیے دولہن ہوتی ہو اور جن لوگوں نے اسکا حج کیا ہوگا وہ اسکے پردون مین لٹکے ہونگے اور گرد چلتے ہونگے یہانتک کہ کعبہ جنت میں داخل ہوگا اور یہ لوگ اسکے ساتھ جنت مین داخل ہونگے۔ اور ایک حدیث مین ارشاد فرمایا کہ حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہو اور وہ قیامت میں اسطرح اٹھیگا کہ اسکے دو آنکھیں ہونگی اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ اس شخص کے لیے گواہی دیگا جس نے اسکو حق اور صدق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا۔ اور آنحضرت صلعم اسکو بہت بوسہ دیا کرتے تھے اور مروی ہو کہ آپنے اسپر سجدہ بھی کیا ہو۔ اور آپ اگر سواری پر طواف کرتے تو اپنے عصا کے سرے کو بوسہ دیتے اور حضرت عمر رضہ نے اسکو بوسہ دیا پھر فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہو نہ ضرر کرتا ہو نہ نفع پہونچاتا ہو اور اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھکو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھکو بوسہ نہ دیتا پھر آپ روئے یہانتک کہ رونے کی آواز بلند ہوئی پھر اپنے پیچھے پھر کر دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پایا انسے کہا کہ اے ابو الحسن یہ وہ مقام ہو کہ یہاں آنسو بہائے جاوین اور دعائیں مقبول ہووین حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ یا امیر المومنین یہ پتھر ضرر اور نفع کرتا ہو آپنے پوچھا کہ کسطرح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اولاد آدم کا عہد لیا تھا تو ایک نوشتہ لکھکر اس پتھر کو کھلا دیا تھا پس یہ ایماندار کے لیے عہد کے پورا کرنے کی اور کافر پر عہد شکنی اور انکار کی گواہی دیگا۔ کہتے ہیں کہ بوسہ دینے کے وقت لوگ جو یہ کہتے ہیں اللھم ایمانا بک وتصدیقا بکتابک ووفاء بعھدک اس سے وہی مراد ہو جو حضرت علی رضہ نے ارشاد فرمایا ہو۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ سے مروی ہو کہ مکہ معظمہ میں ایک دن کا روزہ رکھنا برابر ایک لاکھ روزے کے ہو اور ایک درم کا خیرات کرنا برابر لاکھ درم خیرات کرنے کے ہو اور اسیطرح ہر ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے مساوی ہو۔ اور کہتے ہیں کہ سات پھیروں کا طواف ایک عمرہ کے برابر ہو اور تین عمرے ایک حج کے مساوی ہین۔ اور ایک حدیث صحیح مین وارد ہو کہ عمرۃ فی رمضان کحجۃ معی اور فرمایا انا اول من تنشق الارض عنہ ثم اتی اہل البقیع فیحشرون معی ثم اتی اہل مکۃ فاحشر بین الحرمین اور ایک حدیث میں ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام جب اعمال حج پورے کر چکے تو انسے فرشتوں نے ملاقات کر کے کہا کہ اے آدم تمہارا حج مقبول ہوا ہمنے اس گھر کا حج تم سے دو ہزار برس پیشتر کیا ہو۔ اور ایک روایت میں آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر شب مین اہل زمین کی طرف نظر کرتا ہو اور سب سے پیشتر اہل حرم کی طرف نظر کرتا ہو اور اہل حرم مین مسجد کعبہ کے لوگوں کو پیشتر دیکھتا ہو پس جسکو طواف کرتے دیکھتا ہو اسکو بخش دیتا ہو اور جسکو نماز پڑھتے دیکھتا ہو اسکی مغفرت کرتا ہو اور جسکو رو بقبلہ کھڑا دیکھتا ہو اسکی مغفرت کرتا ہو۔ اور بعض اولیا کو مکاشفہ ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ سب گھاٹیاں حریرہ عبادان کو سجدہ کرتی ہین اور جزیرہ مذکور جدہ کی طرف کو سجدہ کرتا ہو۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہر روز آفتاب ڈوبتا ہو تو خانہ کعبہ کا طواف ایک ابدال ضرور کرتا ہو اور کسی رات کی صبح ایسی نہیں کہ اسمین ایک اوتاد شخص کعبہ کا طواف نہ کرے اور جب یہ بات نہ رہیگی تو زمین پر سے کعبہ کے اٹھ جانے کا سبب ہوگی لوگ صبح کو اٹھکر دیکھینگے کہ کعبہ اڑ گیا کچھ اسکا نشان نہ دیکھینگے اور یہ بات جب ہوگی کہ سات برس گذر جاوینگے اور کعبہ کا حج کوئی نہ کریگا پھر قرآن کے حروف مصحفوں مین سے اٹھ جاوینگے لوگ صبح کو دیکھینگے کہ ورق سادے سپید ہین کوئی حروف ان میں نہین پھر قرآن دلوں مین محو کر دیا جاویگا کہ اسکا ایک لفظ بھی یاد نہ رہیگا پھر لوگ شعروں اور راگوں اور ایام جاہلیت کے اخبار کی طرف میل کرینگے پھر دجال نکلے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر کر اسکو قتل کرینگے اور قیامت اسوقت ایسی قریب ہوگی جیسے پورے دنوں کی حاملہ کے بچہ پیدا ہونے کی [illegible] قریب ہوتی ہو۔ اور ایک حدیث میں ہو کہ اس گھر کا طواف بہت کرو پیشتر اس سے کہ اٹھا لیا جاوے کیونکہ وہ [illegible] اٹھا لیا جاویگا اور حضرت علی رضہ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہو کہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہو کہ جب میں دنیا کو خراب کرنا [illegible] شروع کرونگا اول اسکو خراب کرونگا پھر اسکے بعد دنیا کو خراب کرونگا [illegible]

مگر جو شخص مہینے کے ایام میں مناسک حج ادا کرنے کا قصد ہو اُسکو عمرہ کا احرام نہ کرنا چاہیے اسلیے کہ عمرہ کرلینے کے بعد پھر اُس مہینے کے اعمال ہونگے **دوم**
حج کے حج اسلام ہوجانے کی شرطیں ہیں اور وہ پانچ ہیں اول مسلمان ہونا دوم آزاد ہونا سوم بالغ ہونا چہارم عاقل ہونا پنجم وقت کا ہونا پس اگر لڑکا
یا غلام احرام باندھے اور عرفہ میں بالغ خواہ آزاد ہوجاوے یا مزدلفہ میں ہو اور صبح صادق سے پیشتر عرفہ کو چلا جاوے تو حج اسلام ہوجاویگا اسلیے کہ حج
عرفات پر کھڑے ہونے کا نام ہے اور وہ حالت بالغ ہونے اور آزاد ہونے میں میسر ہوگیا اور ان دونوں پر دم کرنا قربانی کے جانور کا لازم نہ آویگا اور فرض
عمرہ کی بھی یہی شرطیں ہیں سوائے وقت کے **سوم** حج کے نفل ہونے کی شرط آزاد اور بالغ کے حق میں یہ ہے کہ حج اسلام سے فارغ ہو کیونکہ حج اسلام
مقدم ہے اسکے بعد اُس حج کی قضا ہے جسکو عرفہ کے ٹھہرنے کے وقت فاسد کردیا ہو پھر نذر کا حج ہے پھر دوسرے کی طرف سے نائب ہو کر اگر حج کرے تو اسکا
مرتبہ ہے پھر حج نفل ہے یہ ترتیب اسیطرح ضروری ہے اور گو نیت اسکے خلاف ہو مگر حج اسیطرح ہوگا جیسے اگر ایک شخص کے ذمہ حج اسلام ہے اور دو حج نذر
کی نیت سے یا دوسرے کی نیابت کرکے احرام باندھے تو اُسکی نیت کا اعتبار نہوگا بلکہ حج اسلام ہوجاویگا **چہارم** حج کے لازم ہونے کی شرطیں ہیں
اور وہ پانچ ہیں بلوغ اور اسلام اور عقل اور آزادی اور قدرت اور جس شخص پر حج فرض لازم ہوتا ہے اُسی پر فرض عمرہ بھی لازم ہوتا ہے اور جو
شخص زیارت یا تجارت کے لیے مکہ میں جانا چاہے اور لکڑی بیچنے والا ہو تو ایک قول کے بموجب اُسپر احرام باندھنا لازم ہے پھر عمرہ یا حج کے اعمال کرکے
احرام کھول ڈالے۔ اور قدرت کی دو قسمیں ہیں ایک تو خود اعمال حج کو بجالانے کیلیے اُسکے واسطے کئی باتیں چاہییں اول تندرست ہونا دوم
راستہ میں حج کی ارزانی اور خوف و خطر کا نہونا خواہ تری کا ہو یا خشکی کا سوم مال اسقدر ہو تاکہ جانے اور وطن میں لوٹ آنے کو کافی ہو خواہ
اُسکے گھر والے ہوں یا نہوں اسلیے کہ وطن کا چھوڑنا آدمی کو سخت ناگوار ہوتا ہے اور جن لوگوں کا نفقہ اسکے ذمہ پر لازم ہے اُنکے لیے بھی اتنے دنوں کا
خرچ ہو اور اسقدر پاس ہو کہ اُس سے اپنے قرض ادا کردے اور سواری کیلیے پر خواہ کرایہ کر[illegible] قادر ہو خواہ سواری کا جانور علیحدہ ہو یا اگر
پر تل کے جانور پر بیٹھ سکے تو اسی کی قدرت چاہیے دوسری قسم قدرت کی اپاہج کے حق میں ہے وہ یہ ہے کہ اتنا مال رکھتا ہو کہ اپنی طرف سے
دوسرے شخص کو حج کرنے کو بھیجے کہ وہ اپنا حج اسلام کرکے دوسرے سال اُسکی طرف سے حج کرے اور اس صورت میں خرچ سواری پر تل کے جانور کا
کافی ہے۔ اور اگر اپاہج آدمی کا لڑکا راستہ میں اُسکی خدمت کرنے کو تیار ہو تو اس صورت میں وہ معذور نہ گنا جاویگا بلکہ قدرت والا ہو جاویگا اور اگر
مثلاً اپنا مال باپ کے سامنے رکھ دے تو اُس سے وہ قادر نہوگا کیونکہ بدن کی خدمت میں بیٹے کی سعادتمندی ہے اور مال کے دینے میں باپ پر
احسان ہے۔ اور جس شخص کو قدرت ہوجاوے اُسپر حج کرنا واجب ہے اور تاخیر سے جانا اُسکو درست ہے مگر تاخیر کرنے میں خطرہ ہے اگر آخر عمر تک بھی
حج نصیب ہوجاویگا تو فرض ساقط ہوجاویگا لیکن اگر بعد لازم ہونے کے حج کرنے سے پیشتر مرجاویگا تو خدا کے سامنے حج کے نہ کرنے سے عاصی ہو کر جاویگا
اور حج اُسکے ترکہ میں سے کرایا جاوے گو اُسنے وصیت نہ کی ہو جیسے اور قرضوں کا حال ہے کہ وہ بھی بدون وصیت ادا کرنے پڑتے ہیں اور اگر ایک
سال میں اُسکو قدرت ہوئی اور لوگوں کے ساتھ حج کو نہ نکلا پھر اُسکا مال لوگوں کے حج کرنے سے پیشتر جاتا رہا اور یہ شخص بھی مرگیا تو اُسپر حج کا مواخذہ
ہوگا۔ اور جو شخص باوجود توانگری کے حج نہ کرے اور مرجاوے تو اُسکا معاملہ خدا تعالیٰ کے نزدیک نہایت سخت ہے حضرت عمر رضی نے فرمایا ہے کہ میں نے
قصد کیا کہ شہروں میں ایک پروانہ بھیجدوں کہ جو شخص حج کی قدرت پاکر نہ کرے اُسپر کچھ جزیہ لگا دیا جاوے اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی اور مجاہد
اور طاؤسؒ سے مروی ہے کہ ہمکو معلوم ہو کہ کسی شخص پر حج واجب تھا اور وہ حج کرنے سے پیشتر مرگیا تو ہم اُسپر نماز نہ پڑھینگے۔ اور بعض کا ہمسایہ
توانگر تھا مگر اُسنے حج نہیں کیا تھا اور مرگیا اُن بزرگ نے اُسکی نماز نہ پڑھی اور حضرت ابن عباس رض کہا کرتے تھے کہ جو شخص بدون زکوۃ دیے اور بغیر
حج کیے مرتا ہے تو دنیا میں پھر آنے کی درخواست کرتا ہے اور یہ آیت پڑھی رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ اعمل صالحا سے غرض آپنے ارشاد فرمایا ہے کہ
حج کروں۔ **اور ارکان حج کے** جنکے بدون حج درست نہیں پانچ ہیں اول احرام دوم طواف سوم طواف کے بعد صفا و مروہ میں دوڑنا چہارم
عرفات میں ٹھہرنا پنجم ایک قول کے بموجب بال منڈانے اور عمرہ کے ارکان بھی یہی ہیں سوا عرفات پر ٹھہرنے کے **اور حج کے واجبات** جنکے چھوڑنے

نمازوں کے برابر ہے اور بیت المقدس میں ایک ہزار کے برابر اور مسجد حرام میں ایک لاکھ کے برابر اور فرمایا لا یصبر علی لاوائہا و شدتہا احد الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ اور فرمایا کہ جس سے ہو سکے مدینہ میں مرے وہ ایسا ہی کرے کیونکہ جو کوئی اسمیں مریگا قیامت کو میں اسکا شفیع ہونگا اور بعد ان تینوں مقاموں کے اور جگہیں سب برابر ہیں مگر گھاٹیوں کے کہ انمیں دشمن کی نگاہبانی کیلیے ٹھہرنے میں بہت فضیلت ہے اور اسی لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام و مسجدی ہذا و المسجد الاقصی اور بعض علمانے اس حدیث سے دلیل کر کے مقامات متبرک اور علما اور صلحا کی قبروں پر جانے کو منع کیا ہے اور ہمکو معلوم نہیں ہوتا کہ انکا استدلال درست ہو بلکہ زیارت قبور کی اجازت ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا اور حدیث بالا مساجد کے باب میں آئی ہے مشاہد کا حکم ویسا نہیں اسلیے کہ مسجدیں ان تین مسجدوں کے سوا ایکسی ہیں اور کوئی شہر ایسا نہیں جسمیں مسجد ہو پھر دوسری مسجد میں جانے کے کیا معنے اور مشاہد سب یکساں نہیں بلکہ انکی زیارت کی برکت اسیقدر ہوتی ہے جتنے ان لوگوں کے درجے اللہ تعالی کے نزدیک ہوتے ہیں ہاں اگر آدمی ایسے گانوں میں ہو کہ جسمیں مسجد نہو تو اسکو جائز ہے کہ کسی ایسی گانوں کی طرف سفر کرے جسمیں مسجد ہو اور بالکل اسی کیطرف جا رہے اگر چاہے۔ پھر ہمکو معلوم نہیں کہ یہ کہنے والا انبیاء علیہ السلام مثل حضرات ابراہیم و موسی و یحیی وغیرہم کی قبروں پر جانے سے بھی منع کریگا کہ نہیں اور منع کرنا تو نہایت درجہ کو محال ہے پس جب انکی قبروں پر جانا درست کہیگا تو اولیا اور علما اور صلحا کی قبریں بھی انہیں قبروں کے حکم میں ہیں اور بعید نہیں کہ انکی قبروں پر جانا سفر کی اغراض میں سے ہو جیسے علما کی زیارت زندگی میں مقصود ہوتی ہے یہ حال تو سفر کا ہے اب مقام کا حال سنو کہ مرید کے لیے اگر سفر سے غرض علم کا حاصل کرنا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنے مکان میں بیٹھا رہے بشرطیکہ وطن میں حال اسکا درست رہے اور اگر سلامت نہ رہے تو ایسی جگہ تلاش کرے جسمیں اسکو کوئی نہ جانے اور دین سلامت رہے اور بفراغ دل عبادت میسر ہو کہ اسکے حق میں یہ مقام سب سے افضل ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ شہر سب اللہ کے ہیں اور لوگ سب اسکے بندے ہیں اسصورت میں جس جگہ میں تو نرمی اور آسانی دیکھے وہاں ٹھہر جا اور اللہ تعالی کا شکر کر اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز روزی ہو اسکو لازم پکڑے اور جسکی معاش کسی چیز میں کر دی گئی ہو اس سے ہٹے نہیں تاکہ وہ چیز اسپر بدل جاوے اور ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رح کو دیکھا کہ اپنا توشہ دان مونڈھے پر اور پانی کا کوزہ ہاتھ میں لیے ہیں میں نے پوچھا کہ اے ابو عبد اللہ کہاں کا ارادہ ہے فرمایا کہ ایسے شہر کو جاتا ہوں جہاں ایک درم میں اپنا توشہ دان بھر لوں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک گانوں میں ارزانی سنی ہے اسمیں ٹھہرونگا راوی نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ آپ ایسا کرتے ہیں فرمایا کہ ہاں جب تم کسی شہر میں ارزانی سنو تو اسکا قصد کرو کہ اس سے تمہارا دین بھی سلامت رہیگا اور فکر کم کرنا پڑیگا۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ زمانہ برائی کا ہے گمنام اسمیں مامون نہیں رہ سکتے مشہوروں کا تو کیا ذکر ہے زمانہ تو نقل مکان کا ہے کہ آدمی ایک گانوں سے دوسرے گانوں میں اپنے دین کو فتنوں سے بچائے پھرے اور یہ بھی انہیں کی حکایت ہے کہ فرمایا بخدا مجھے معلوم نہیں کہ کونسے شہر میں رہوں لوگوں نے کہا کہ خراسان میں فرمایا کہ وہاں کے مذہب مختلف اور تدبیریں خراب ہیں لوگوں نے کہا کہ شام میں رہیے فرمایا کہ وہاں شہرت ہو جاتی ہے کسی نے کہا کہ عراق میں سکونت کیجیے فرمایا کہ وہ ملک ظالموں کا ہے کہا کہ مکہ معظمہ میں رہیے فرمایا کہ مکہ دانائی اور بدن کو تحلیل کرتا ہے اور ایکبار کسی مسافر شخص نے انسے کہا کہ میں نے نیت کر لی ہے کہ اب مکہ میں رہونگا مجھکو کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا کہ تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں اول یہ کہ صف اول میں نماز مت پڑھنا دوم کسی قریشی کی صحبت مت اختیار کرنا سوم صدقہ ظاہر کر کے مت دینا صف اول میں پڑھنے سے اسلیے منع فرمایا کہ آدمی مشہور ہو جاتا ہے یعنی جب غائب ہوتا ہے تو اسکی تلاش ہوتی ہے اسصورت میں عمل میں زینت اور بناوٹ مل جاتی ہے

دوسرا بیان حج کے واجب ہونے اور درست ہونے کی شرطوں اور اسکے رکنوں اور واجبات و ممنوعات کے ذکر میں واضح ہو کہ شرطیں چار طرح کی ہیں اول حج کے درست ہونے کی شرطیں ہیں اور وہ دو ہیں ایک وقت دوسرے مسلمان ہونا اس سے یہ نکلا کہ اگر لڑکا حج کرے تو اسکا حج درست ہے اگر وہ تمیز والا ہو تو احرام خود باندھے اور اگر چھوٹا ہو تو اسکی طرف سے اسکا ولی احرام باندھے اور افعال حج کے طواف اور سعی وغیرہ سب اسکو کرا دے اور وقت حج کا شوال سے ذی الحجہ کی نویں یعنی یوم نحر کی صبح صادق ہونے تک ہے پس جو شخص ان دنوں کے سوا اور دنوں میں احرام باندھیگا تو حج کا نہوگا بلکہ عمرہ کا ہوگا [illegible]

دوسری فصل شروع سفر سے لوٹ آنے تک کے اعمال ظاہری کی ترتیب میں اور اسمیں دو بیان ہیں

پہلا بیان نکلنے کے آغاز سے احرام تک کی سنتوں کے ذکر میں اور وہ آٹھ امر ہیں **اول** مال سے متعلق ہے کہ ارادہ سفر کے وقت اول توبہ کرے اور جن لوگوں کے حق زبردستی سے لیے ہوں انکو واپس کردے اور قرضخواہوں کے قرض چکا دے اور جن لوگوں کا کھانا وغیرہ اپنے ذمہ ہو انکا نفقہ پھر لینے تک کے ایام کا مہیا کردے اور جو امانت کسی کی ہو وہ انکے حوالے کرے اور مال میں سے حلال اور پاکیزہ بقدر زاد ساتھ لے کہ جانے اور آنے کو کافی ہوسکی اور تو نہ آوے بلکہ ایسی طرح ہو کہ ضعفا اور فقرا کے ساتھ بھی بشرط گنجائش سلوک کرسکے اور راستے نکلنے سے پیشتر کچھ خیرات کرے اور اپنے لیے ایک سواری کا جانور مول لے کر درست یا کرایہ کرلے مگر کرایہ کی صورت میں مالک جانور سے سب چیزوں کا نام لے دیوے جو لادنی منظور ہوں تھوڑی ہوں یا بہت تاکہ اسکی رضامندی حاصل ہو جاوے **دوم** سفر کے رفیق کے متعلق ہے کہ راہ کے لیے ایک ساتھی ایسا تلاش کرے جو نیکی اور بہتری دوست اور خیر کا مددگار ہو کہ اگر یہ بھولے تو وہ یاد دلاوے اور اگر یہ یاد کرے تو وہ مدد کرے اگر یہ نامردی کرے تو وہ شجاعت دلاوے اگر عاجزی کرے تو قوت دلادے اگر اسکا دل تنگ ہو تو وہ صبر پر آمادہ کرے پھر اپنے رفیق جو سفر میں نہ جاویں انسے اور اپنے بھائیوں اور ہمسایوں سے رخصت ہو اور انکی دعا کا طالب ہو کہ اللہ تعالےٰ انکی دعاؤں میں خیر و برکت کرتا ہے اور رخصت ہونے میں سنت یہ ہے کہ کہے استودع اللہ دینک وامانتک وخواتیم عملک اور آنحضرت صلعم مسافر کو یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے فی حفظ اللہ وکنفہ زودک اللہ التقویٰ وغفر ذنبک ووجہک للخیر اینما توجہت **سوم** گھر سے نکلنے کے متعلق ہے جب نکلنے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ اول دوگانہ نماز پڑھے اول رکعت میں بعد الحمد کے سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور سلام کے بعد اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالےٰ سے اخلاص کامل اور نیت صادق سے دعا مانگے کہ الٰہی تو ہی سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور تو ہی ہمارے گھر اور مال اور اولاد اور یاروں میں نائب اور محافظ ہے ہمکو اور انکو ہر ایک آفت اور مصیبت سے بچانا اور الٰہی ہم اس سفر میں تجھ سے نیکی اور پرہیزگاری کی درخواست کرتے ہیں اور ایسا عمل چاہتے ہیں جس سے تو راضی ہو الٰہی ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ زمین کو ہمارے لیے طے کردینا اور سفر کو ہمپر آسان کرنا اور ہمارے سفر میں ہمارے بدن اور ہمارے دین اور مال کی سلامتی نصیب کرنا اور اپنے گھر کی اور اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت تک ہمکو پہونچانا الٰہی ہم تجھ سے سفر کی سختی اور بری طرح لوٹنے اور گھر والوں اور مال اور اولاد اور یاروں کے برے حال میں دیکھنے سے پناہ مانگتے ہیں الٰہی ہمکو اور انکو اپنی حفاظت میں لے اور ہمسے اور انسے اپنی نعمت مت چھین اور جو آرام ہمکو اور انکو تو نے دے رکھا ہے اسکو مت بدل **چہارم** جب گھر کے دروازے پر پہونچے تو کہے بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ رب اعوذ بک ان اضل او اضل او اذل او اذل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجہل او اجہل علی الٰہی میں اکڑ کی راہ سے اور اترانے اور ریا اور شہرت کے لیے نہیں نکلا ہوں بلکہ تیرے غضب سے خوف کرکے تیری رضا جوئی کے لیے اور تیرے فرض کے ادا کرنے اور تیرے نبی کی سنت کی پیروی کرنے کو اور تیرے دیدار کے شوق میں نکلا ہوں اور جب چلے تو یہ دعا پڑھے اللہم بک انتشرت وعلیک توکلت وبک اعتصمت والیک توجہت اللہم انت ثقتی وانت رجائی فاکفنی ما اہمنی وما لا اہتم بہ وما انت اعلم بہ منی عز جارک وجل ثناءک ولا الٰہ غیرک اللہم زودنی التقویٰ واغفرلی ذنبی ووجہنی للخیر اینما توجہت اور جس منزل سے چلا کرے اس دعا کو پڑھ لیا

تدارک دم یعنے ذبح کرنا جانور قربانی کا کر دیتا ہی وہ چھ ہین اول میقات پر سے احرام کا باندھنا تو جو کوئی بدون احرام میقات سے آگے بڑہ جاویگا اُسپر ایک بکری ذبح کرنی لازم ہوگی دوم جمرات کو کنکریں مارنی اُن دونوں کے ترک سے سب روایتوں کے موجب دم لازم ہوتا ہی سوم عرفہ میں آفتاب کے ڈوبنے تک ٹھہرنا چہارم رات کو مزدلفہ میں پنجم منےٰ مین رات کو رہنا ششم طواف وداع ان چاروں کے چھوڑنے سے ایک روایت کے موجب دم لازم آتا ہی اور دوسری روایت کے موجب دم دینا لازم نہیں بلکہ مستحب ہی آب جاننا چاہیے کہ حج اور عمرہ کے ادا کرنے کے تین طور ہین اول افراد جو سب مین افضل ہی اُسکی صورت یہ ہی کہ پیشتر صرف حج کرے اور جب فارغ ہو جاوے تو پہر حل میں جا کر احرام باندھے اور عمرہ کرے اور عمرہ کے احرام کے لیے حل میں سے بہتر جگہ جعرانہ ہی پھر تنعیم پھر حدیبیہ اور افراد کرنے والے پر کوئی دم واجب نہیں لیکن اگر نفل کرے تو اختیار ہی دوم قران یعنے احرام میں حج اور عمرہ کی نیت ایک ساتھ کرکے کہے لبیک بحجۃ وعمرۃ معًا ایسے شخص کو اعمال حج کرنے کافی ہیں انہیں مین عمرہ بھی آجاتا ہی جیسے غسل میں وضو آجاتی ہی لیکن اگر طواف اور سعی عرفات کے ٹھہرنے سے پیشتر کر لیگا تو سعی تو دونوں میں شمار ہوگی اور طواف حج مین نہ گنا جاویگا کیونکہ حج میں فرض طواف کی شرط یہ ہی کہ عرفات میں ٹھہرنے کے بعد ہو اور قران والے پر ایک بکری ذبح کرنی لازم ہی لیکن اگر مکہ کا رہنے والا ہو تو اُسپر دم نہین ہی کہ اُسنے اپنی میقات کو ترک نہیں کیا کیونکہ اُسکی میقات مکہ ہی سوم تمتع ہی اُسکی یہ صورت ہی کہ میقات پر سے احرام عمرہ کا باندھے اور مکہ میں حلال ہو کر احرام میں جو امور اُسکو ممنوع ہو گئے تھے حج کے وقت تک اُنسے تمتع ہو پھر حج کا احرام کرلے اور بدون پانچ باتوں کے تمتع نہین ہوتا اول شرط یہ ہی کہ مسجد حرام کے حاضرین میں سے نہو اور حاضر سے یہ غرض ہے کہ اسمیں اور مسجد حرام میں اتنا فاصلہ نہو جسمیں نماز قصر سے پڑھی جاوے یعنے سفر شرعی سے کمتر فاصلہ پر ہو دوسری شرط یہ ہی کہ عمرہ کو حج سے پیشتر کرلے تیسری یہ کہ عمرہ حج کے مہینوں میں ہو چوتھی یہ کہ حج کی میقات تک لوٹ کر نہ جاوے اور نہ حج احرام کے لیے اُس جیسی میقات تک لوٹے پانچویں یہ کہ اُسکا حج اور عمرہ ایک ہی شخص کی طرف سے ہوں جب یہ پانچوں شرطیں پائی جاوینگی تو تمتع والا ہوگا اور اُسپر ایک بکری کا دم لازم ہی اور اگر بکری میسر نہو تو تین روزے تو دسوین ذی حجہ سے پیشتر متفرق خواہ ایک ساتھ ایام حج مین رکھ لے اور سات روزے اپنے وطن میں جاکر رکھ لے اور اگر حج کے ایام میں تین روزے نہ رکھے ہوں یہانتک کہ وطن کو چلا آیا تو دس روزے خواہ اکٹھے یا متفرق وطن میں رکھ لے اور یہی حال ہی اگر قران کا دم میسر نہو یعنے اُسکے عوض بھی دس روزے رکھے اور افضل ان تینوں صورتوں مین افراد ہی پھر تمتع پھر قران اور حج کے ممنوعات چھ ہیں اول کرتہ اور پاجامہ اور موزہ اور عمامہ کا پہننا بلکہ تہمد اور چادر اور نعلین یعنی چپلیاں پہنی چاہیئیں اگر چپلیاں نہ ہوں تو جوتیاں پہنے اور اگر تہمد نہ ملے تو پاجامہ پہنے اور کمر میں پٹکا باندھنے کا اور کجاوہ کے سایہ میں بیٹھنے کا مضایقہ نہیں مگر اپنے سر کو ڈھانپنا نہ چاہیئے کہ مرد کا احرام سر میں ہی اور عورت کو ہر ایک سیا ہوا لباس پہننا درست ہی بشرطیکہ اپنے منہ کو ایسی چیز سے نہ چھپاوے جو چہرے پر لگے کہ اُسکا احرام اُسکے چہرے میں ہی دوسرے خوشبو لگانا تو چاہیے کہ جس چیز کو عقلا خوشبو جانتے ہوں اُس سے پرہیز کرے اگر خوشبو لگاویگا یا سیا لباس پہنیگا تو اُسپر بکری کا دم لازم آویگا تیسرے بال منڈانا اور کتروانا اس سے بھی دم لازم آتا ہی اور سرمہ لگانے اور حمام میں جانے اور فصد کھلوانے اور پچھنوں سے خون نکلوانے اور کنگھی کرنے کا مضایقہ نہیں چوتھے عورت سے ہم بستر ہونا اور یہ صورت اگر ذبح اور حلق سے پیشتر کریگا تو حج جاتا رہیگا اور بدنہ یعنی اونٹ یا گائے یا سات بکریاں ذبح کرنی لازم ہونگی اور اگر بعد ذبح اور سر منڈانے کے صحبت کریگا تو بدنہ لازم آویگا اور حج نہ جاویگا پانچوین صحبت کے لوازم مثل بوس وکنار اور ہر صورت سے عورت کو ہاتھ لگانا کہ مذی وغیرہ نکل آوے حرام ہی اور اسمیں ایک بکری لازم ہی اور استمنا بالید سے منی نکالنے کی صورت میں بکری دینی چاہیئے اور احرام والے کو اپنا یا غیر کا نکاح کرنا حالت احرام میں حرام ہی اور اسمین دم نہین ہی کیونکہ اُسکا نکاح صحیح نہین سمجھتے چھٹے جنگل کے شکار کا مارنا کہ جسکا گوشت کھایا جاتا ہو یا وہ حلال اور حرام جانور سے پیدا ہوا ہو پس اگر احرام والا شکار مارے تو اُسپر جانور چارپایوں میں سے اسی صورت کا جانور لازم ہوگا جسکو مارا ہو اور دریا کا شکار حلال ہی اور اُس مین کچھ بدلا نہین

لا یرام اللہم ارحمنا لقد رتک علینا فلا نہلک وانت تقیبنا ورجاؤنا اللہم اعطف علینا قلوب عبادک وامائک برأفۃ ورحمۃ انک انت ارحم الراحمین ہشتم راستہ میں جب کسی اونچی جگہ پر چڑھے تو مستحب ہے کہ تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھے اللہم لک الشرف علی کل شرف ولک الحمد علی کل حال اور جب پستی میں اترے تو سبحان اللہ کہے اور سفر میں اگر وحشت کا خوف دل پر آوے تو یوں کہے سبحان اللہ الملک القدوس رب الملائکۃ والروح جللت السموات بالعزۃ والجبروت۔

دوسرا بیان میقات سے لیکر مکہ میں داخل ہونے تک احرام کے آداب میں اور وہ پانچ باتیں ہیں

اول یہ کہ جب میقات پر پہونچے یعنی اس مشہور جگہ پر جہاں سے کہ لوگ احرام باندھتے ہیں تو احرام کی نیت سے غسل کرے اور بدن کو خوب صاف کرے اور سر اور داڑھی میں کنگھی کرے اور ناخن ترشواوے اور مونچھیں کترواوے اور جو صفائی کی باتیں ہم طہارت میں لکھ آئے ہیں وہ سب اچھی طرح بجا لاوے دوم یہ کہ سیئے ہوئے کپڑے اتار ڈالے اور احرام کے دو کپڑے پہنے اس طرح کہ ایک سفید کپڑے کا تہ بند کرے اور دوسرے کو چادر کہ سفید کپڑا خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب کپڑوں سے بہتر اور محبوب ہے اور اپنے کپڑوں اور بدن میں خوشبو لگاوے اور اسکا کچھ مضائقہ نہیں کہ احرام کے بعد اس خوشبو کا جرم رہ جاوے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں مشک کی چمک جسکو آپ نے احرام سے پیشتر لگایا تھا بعد احرام کے لوگوں نے دیکھی ہے سوم یہ کہ بعد کپڑے پہننے کے اتنا صبر کرے کہ اگر سوار ہو تو سواری اٹھ کھڑی ہو یا پیادہ ہو تو چلنا شروع کرے اسوقت احرام کی نیت کرے کہ حج کے لیے ہے یا عمرہ کے لیے قران ہے یا افراد جسطرح منظور ہو وہ نیت کرے اور احرام ہو جانے کے لیے صرف دل سے ارادہ کافی ہے مگر مسنون یہ ہے کہ نیت میں لفظ لبیک بھی ملا دے کرے اور زبان سے یہ کہے لبیک اللہم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک اور اگر زیادہ کہنا ہو تو یوں کہے لبیک وسعدیک والخیر کلہ بیدیک والرغباء الیک لبیک بحجۃ حقا تعبدا ورقا اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد چہارم جب احرام لبیک کہنے سے منعقد ہو چکے تو مستحب ہے کہ یہ کہے اللہم انی ارید الحج فیسرہ لی واعنی علی اداء فرضہ وتقبلہ منی اللہم انی نویت اداء فریضتک فی الحج فاجعلنی من الذین استجابوا لک وآمنوا بوعدک واتبعوا امرک واجعلنی من وفدک الذین رضیت عنہم وارتضیت وقبلت منہم اللہم فیسر لی اداء ما نویت من الحج اللہم قد احرم لک لحمی وشعری ودمی وعصبی ومخی وعظامی وحرمت علی نفسی النساء والطیب ولبس المخیط ابتغاء وجہک والدار الآخرۃ اور احرام کے وقت سے اسپر وہ چیزیں باتیں جنکو ہم ممنوعات حج میں اوپر ذکر کر چکے ہیں حرام ہو گئیں پنجم احرام کے قائم رہنے کے لئے اکثر لبیک کہنا مستحب ہے خصوصاً رفیقوں سے ملاقات کے وقت اور لوگوں کے اجتماع کے وقت اور چڑھائی اور اترنے کے وقت اور سوار ہونے اور سواری سے نیچے آنے کے وقت پکار کر لبیک کہنا چاہیے اسطرح کہ نہ گلا پڑے نہ سانس رکے کیونکہ بہرے اور غائب کو تو پکارتا نہیں ہے کہ حاجت اتنے چلانے کی ہو چنانچہ حدیث میں بھی یہ مضمون وارد ہے اور مسجد حرام اور مسجد خیف اور مسجد میقات میں لبیک کو بلند آواز سے کہنے کا مضائقہ نہیں کہ یہ تینوں مسجدیں ارکان حج کی جگہ ہیں مگر انکے سوا اور مسجدوں میں بدوں آواز کے بلند کرنے کے لبیک کہنے کا مضائقہ نہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز تعجب میں ڈالتی تو فرماتے لبیک ان العیش عیش الآخرۃ۔

ایسی چادر کا بیچ داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر دونوں پلے بائیں مونڈھے پر کر لے اس صورت میں ایک کنارہ تو پشت پر لٹکیگا
اور ایک چھاتی پر اور ابتدائے طواف کے وقت سے لبیک کہنا موقوف کردے اور طواف [illegible] دعائیں پڑھے جنکو ہم لکھتے ہیں
دوم یہ کہ جب اضطباع سے فارغ ہو چکے تو خانہ کعبہ کو بائیں طرف کرے اور حجر اسود کے پاس تھوڑا سا اس سے ہٹ کر کھڑا
ہو تاکہ شروع طواف میں سارا بدن حجر اسود کے مقابل کو گذر جاوے اور چاہیے کہ اپنے درمیان اور کعبہ شریف کے درمیان میں تین
قدم کی مقدار فاصلہ چھوڑ دے تاکہ خانہ کعبہ کے قریب بھی رہے کہ افضل ہے اور شاذروان پر طواف بھی نہ ہو کہ وہ خانہ کعبہ میں سے
ہے اور حجر اسود کے پاس شاذروان زمین سے ملی ہوئی ہے اسمیں دھوکا پڑ جاتا ہے جو اسکے اوپر طواف کرتا ہے اسکا طواف درست
نہیں کیونکہ وہ گویا اندر کعبہ کے طواف کرتا ہے اور حکم اسکے گرد باہر طواف کرنے کا ہے واضح ہو کہ شاذروان دیوار کعبہ کا عرض ہے
کہ نیو کے پاس سے چوڑا ہے پھر زمین کے اوپر دیوار جو بنائی گئی ہے تو کچھ عرض چھوڑ دیا گیا ہے اس چھوٹے ہوئے عرض کو شاذروان
کہتے ہیں اسپر طواف نہ کرنا چاہیے غرض کہ بموجب مذکورہ بالا حجر اسود کے پاس سے طواف شروع کرے سوم یہ کہ ابتدائے طواف
میں کہ حجر اسود سے ابھی نہ بڑھا ہو یہ کہے بسم اللہ واللہ اکبر اللهم ایمانا بک وتصدیقا بکتابک ووفاء بعهدک واتباعا لسنة نبیک
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر طواف کرے اور حجر اسود سے بڑھتے ہی خانہ کعبہ کے مقابل پہونچیگا اسوقت یہ کہے اللهم هذا البیت
بیتک وهذا الحرم حرمک وهذا الامن امنک وهذا مقام العائذ بک من النار اور مقام کے ذکر کے وقت آنکھ سے مقام ابراهیم
علیہ السلام کی طرف اشارہ کردے اللهم ان بیتک عظیم ووجهک کریم وانت ارحم الراحمین فاعذنی من النار ومن الشیطان
الرجیم وحرم لحمی ودمی علی النار وآمنی من اهوال یوم القیمة واکفنی مؤنة الدنیا والآخرة پھر سبحان اللہ والحمد للہ کہے یہانتک
کہ رکن عراقی پر پہونچ جاوے اور اسوقت یوں کہے اللهم انی اعوذ بک من الشرک والشک والکفر والنفاق والشقاق وسوء الاخلاق
وسوء المنظر فی الاهل والمال والولد اور جب میزاب پر پہونچے تو کہے اللهم اظلنا تحت عرشک یوم لا ظل الا ظل عرشک اللهم اسقنی
بکاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم شربة لا اظمأ بعدها ابدا اور جب رکن شامی کے مقابل پہونچے تو کہے اللهم اجعله حجا مبرورا وسعیا مشکورا وذنبا
مغفورا وتجارة لن تبور یا عزیز یا غفور رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم اور جب رکن یمانی کے مقابل ہو تو کہے
اللهم انی اعوذ بک من الکفر واعوذ بک من الفقر ومن عذاب القبر ومن فتنة المحیا والممات واعوذ بک من الخزی فی الدنیا والآخرة
اور رکن یمانی اور حجر اسود کے بیچ میں یہ کہے اللهم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا برحمتک عذاب القبر وقنا عذاب النار اور جب
حجر اسود پر پہونچ جاوے تو کہے اللهم اغفر لی برحمتک اعوذ برب هذا الحجر من الدین والفقر وضیق الصدر وعذاب القبر اور اسوقت
ایک پھیرا پورا ہوا اسیطرح سات پھیرے کرے اور ہر پھیرے میں یہ دعائیں مانگے چہارم یہ کہ پہلے تین پھیروں میں رمل کرے اور

[illegible]

تیسرا بیان مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے آداب میں طواف تک اور وہ چھ اُمور ہیں۔

اول یہ کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے ذی طوی میں غسل کرے اور غسل مستحب مسنون حج میں نو ہیں پہلا احرام کے لیے میقات پر دوسرا مکہ میں جانے کو تیسرا طواف قدوم کے لیے چوتھا عرفات میں ٹھہرنے کو پانچواں مزدلفہ میں ٹھہرنے کو چھٹا طواف الزیارۃ کو پھر تین غسل تینوں جمرات کے کنکریاں مارنے کے لیے ہیں اور جمرۂ عقبہ کی کنکریوں کے لیے غسل نہیں پھر طواف وداع کے لیے اور امام شافعی نے مذہب جدید میں طواف الزیارۃ اور طواف وداع کے لیے غسل نہیں تجویز فرمایا تو اس صورت میں سات ہی غسل رہتے ہیں۔ مترجم کہتا ہے کہ غسل شمار میں دس ہوتے ہیں عالمگیری جار کے جو میں غسل لکھے ہیں وہاں دو کی جگہ تین لکھے گئے ہیں دوم یہ کہ مکہ کے باہر جب حدِ حرم میں داخل ہو تو یوں کہے اللھم ھذا حرمک وامنک فحرم لحمی ودمی وبشری علی النار وآمنی من عذابک یوم تبعث عبادک واجعلنی من اولیائک واھل طاعتک سوم یہ کہ مکہ میں کدا کی گھاٹی سے پانی کے سیل کی طرف جاوے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے راستہ کا پیچ چھوڑ کر اسی راہ کو اختیار فرمایا تھا اسلیے آپ کا اقتدا اس بات میں کرنا بہتر ہے۔ اور جب مکے سے نکلے تو کدی نصم کاف کی گھاٹی سے نکلے یہ گھاٹی کچھ پست ہے اور پہلی اونچی ہے چہارم جب مکہ میں داخل ہو اور بنی شیبہ کے دروازہ پر پہونچ جاوے تو اُس وقت اُسکی نگاہ کعبہ پر پڑیگی اُسوقت یہ کہنا چاہیے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللھم انت السلام ومنک السلام ودارک دار السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام اللھم ان ھذا بیتک عظمتہ وکرمتہ وشرفتہ اللھم فزدہ تعظیما وزدہ تشریفا وتکریما وزدہ مھابۃ وزد من حجہ برا وکرامۃ اللھم افتح لی ابواب رحمتک وادخلنی جنتک واعذنی من الشیطان الرجیم پنجم جب مسجد حرام میں داخل ہو تو بنی شیبہ کے دروازے سے جاوے اور یوں کہے بسم اللہ وباللہ ومن اللہ والی اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جب کعبہ شریفہ کے قریب ہو تو کہے الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک وعلی ابراھیم خلیلک وعلی جمیع انبیائک ورسلک اور ہاتھ اٹھا کر یہ کہے اللھم انی اسألک فی مقامی ھذا فی اول مناسکی ان تقبل توبتی وتتجاوز عن خطیئتی وتضع عنی وزری الحمد للہ الذی بلغنی بیتہ الحرام الذی جعلہ مثابۃ للناس وامنا وجعلہ مبارکا وھدی للعالمین اللھم انی عبدک والبلد بلدک والحرم حرمک والبیت بیتک جئت اطلب رحمتک واسألک مسألۃ المضطر الخائف من عقوبتک الراجی لرحمتک الطالب مرضاتک ششم یہ کہ بعد اسکے حجر اسود کے پاس جا کر اُسکو اپنے ہاتھ سے چھو دے اور بوسہ دیکر یہ کہے اللھم امانتی ادیتھا ومیثاقی وفیتہ اشھد لی بالموافاۃ اور اگر بوسہ دینا ہو سکے تو اُسکے سامنے کھڑا ہو کر یہی دعا پڑھ لے پھر طواف کے سوا اور کسی چیز کی طرف میل نہ کرے اور اس طواف کا نام طواف القدوم ہے اور اگر لوگ فرض نماز پڑھتے ہوں تو اپنے آپ بھی جماعت میں شریک ہو جاوے پھر طواف کرے

چوتھا بیان طواف کے ذکر میں جب آدمی طواف قدوم یا اور کوئی طواف شروع کیا چاہے تو چاہیے کہ چھ امور کا لحاظ رکھے۔

اول یہ کہ نماز کی شرطوں کی رعایت کرے کہ وضو ہو اور کپڑا اور بدن اور طواف کی جگہ پاک ہوں اور ستر کو ڈھانپے اسلیے کہ خانہ کعبہ کا طواف بھی نماز ہی ہے مگر خدا تعالیٰ نے اسکے بیچ میں گفتگو کرنی مباح فرمادی ہے اور ابتدائے طواف کے پیشتر اضطباع کر لینا چاہیے اُسکی صورت یہ ہے کہ

رکھے اور طواف مسجد کے اندر اور خانہ کعبہ کے باہر کرے کہ شادروان کے اوپر ہو اور نہ حطیم کے اندر کو اور سب پھیرے پیہم کرے اُنمیں حد اپنی معمولی سے زیادہ نہ کرے اور اُسکے سوا اور امور سنت اور مستحب ہیں۔

پانچواں بیان صفا اور مروہ کے درمیان میں سعی کے ذکر میں جب طواف سے فارغ ہو چکے تو باب الصفا سے نکلے اور یہ دروازہ کعبہ کی اُس دیوار کی سیدھ میں ہے جو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہے پس جب اس دروازہ سے باہر نکلے اور صفا پر پہونچے جو ایک پہاڑ ہے تو اُسکے چند زینوں پر چڑھے کہ قدم آدم پہاڑ کو اسکے پیچھے ہوئے ہیں آنحضرت صلعم اسیقدر اُسپر چڑھتے تھے کہ آپ کو کعبہ شریف نظر آنے لگتا تھا اور شروع سعی کا کوہ صفا کی جڑ سے کافی ہے اور اتنا چڑھنا مستحب ہے لیکن چونکہ بعض سیڑھیاں نئی بن گئی ہیں تو چاہیے کہ اُنکو اپنے پیچھے نہ چھوڑے اسلیے کہ اُسقدر جگہ سعی میں رہ جائیگی اور سعی کامل نہ ہوگی مترجم کہتا ہے کہ اب کوہ صفا کی جڑ میں اتنی مٹی زیادہ ہو گئی ہے کہ جڑ میں سے بھی کعبہ نظر آتا ہے اور ایک دو سیڑھیوں پر چڑھنے سے بھی پس اب احتمال سعی کے ناقص رہنے کا نہیں ہے اگر سیڑھیوں پر نہ چڑھے۔ غرضکہ ابتدائے سعی صفا سے کرکے اُسکے اور صفا کے درمیان میں سات بار سعی کرے اور صفا پر چڑھنے کے وقت کعبہ کی طرف کو منہ کرکے کہے اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ علی ما ہدانا الحمد للہ بمحامدہ کلہا علی جمیع نعمہ کلہا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر وہو علی کل شیء قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ واعز جندہ وہزم الاحزاب وحدہ لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العالمین فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظہرون یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحیی الارض بعد موتہا وکذلک تخرجون ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون اللہم انی اسألک ایمانا دائما ویقینا صادقا وعلما نافعا وقلبا خاشعا ولسانا ذاکرا واسألک العفو والعافیۃ والمعافاۃ الدائمۃ فی الدنیا والآخرۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور اللہ جل شانہ سے اس دعا کے بعد جو چاہے دعا مانگے پھر اُترکر سعی شروع کرے اور یہ کہتا جاوے رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم انک انت الاعز الاکرم اللہم آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اور نرمی کے ساتھ چلے یہانتک کہ سبز میل تک پہونچ جاوے اور یہ میل صفا سے اُترتے ہی ملتا ہے اور مسجد حرام کے کونے پر ہے جبکہ اُسمیں اور میل کی سیدھ آنے میں چھ ہاتھ کا فاصلہ رہے جلد چلنا شروع کرے یعنی رمل کی سی چال چلے یہانتک کہ دوسرے میل سبز تک پہونچ جاوے پھر وہاں سے نرم چلنا شروع کرے جب مروہ پر پہونچے تو اُسکے زینوں پر چڑھے جیسا صفا پر چڑھا تھا اور وہی دعا مانگے جو صفا پر مانگی تھی یہ ایک بار سعی ہوئی اور جب صفا پر دوسری بار آویگا تو دو بار ہو گی اسی طرح سات بار سعی کرے کہ ہر سعی میں سبز میلوں کے درمیان میں رمل کرے اور آہستہ چلنے کی جگہ میں آہستہ چلے جیسا اوپر ذکر ہوا اور ہر بار صفا اور مروہ پر چڑھے جب سعی سے فارغ ہو جاوے تو اب طواف قدوم اور سعی سے فارغ ہو گیا اور یہ دونوں باتیں سنت ہیں اور سعی کے لیے پاک ہونا مستحب ہے واجب نہیں بخلاف طواف کے کہ اُسمیں پاک ہونا واجب ہے اور جب سعی کر چکے تو چاہیے کہ عرفات میں کھڑا ہونے کے بعد پھر سعی دوبارہ نہ کرے بلکہ اسی سعی کو کہ کر چکا ہے رکن ہونے کو کافی سمجھے اسلیے کہ سعی کی شرط یہ نہیں کہ وقوف عرفہ کے بعد ہو بلکہ طواف زیارت میں قید بعد وقوف کے ہے ہاں سعی میں یہ قید ہے کہ طواف کے بعد ہو خواہ کسی طرح کا طواف کیوں نہ ہو۔

چھٹا بیان عرفات کے ٹھہرنے کے ذکر میں اور جو امور اس سے پہلے چاہییں اُنکی کیفیت میں حاجی جس صورت میں کہ عرفہ کے روز عرفات پر پہونچ جاوے تو طواف قدوم اور مکہ میں جانے کے لیے وقوف سے پہلے تیاری نہ کرے بلکہ اول عرفات میں ٹھہرنے کو اختیار کرے ہاں اگر عرفہ سے کچھ دنوں پیشتر پہونچے تب مکہ میں داخل ہوکر طواف قدوم کرے اور ساتویں ذی الحجہ تک احرام باندھے ہوئے مکہ میں ٹھہرا رہے پھر امام اسی تاریخ میں ظہر کے بعد کعبہ کے پاس خطبہ پڑھے اور لوگوں کو حکم دے کہ آٹھویں تاریخ منے کے جانے کی تیاری کریں اور رات کو وہاں رہیں اور نویں کی صبح کو وہاں سے عرفات

باقی چار میں عادت کے موافق چلے اور رمل کے معنے یہیں کہ چلنے میں جلدی کرے اور قدم پاس پاس رکھے اور رمل کی چال دوڑنے سے کم ہوتی ہو اور معمولی طور پر چلنے سے زیادہ ہوتی ہو اور مقصود اضطباع اور رمل سے بےخوف ہونا اور جوانمردی کا ظاہر کرنا ہو اور یہ امر پہلے اسلیئے مقرر ہوا تھا کہ کفار اب امید نہ رکھیں۔ اور بعد کو یہ سنت جاری ہوگئی اور رمل خانہ کعبہ کے قرب میں افضل ہو لیکن اگر اژدحام کی جہت قرب میں میسر ہو تو فاصلہ سے رمل کرنا بہتر ہو لہذا مطاف کے کنارے پر پہونچ کر رمل کرلے اور تین پھیرے رمل کے ساتھ کرکے خانہ کعبہ کے قریب اژدحام میں ملجاوے اور چار پھیرے معمولی رفتار سے ادا کرے اور اگر حجر اسود کا بوسہ ہر پھیرے میں ممکن ہو تو بہتر ہو اور اگر اژدحام کی وجہ سے ہوسکے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ حجر اسود کی طرف کرکے ہاتھ کو بوسہ دے لے اسی طرح رکن یمانی کا بوسہ دینا مستحب ہو اور مروی ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رکن یمانی کو بوسہ دیتے اور اپنا رخسار مبارک اسپر رکھتے۔ اور جو شخص بوسہ دینے میں صرف حجر اسود پر اکتفا کرے اور رکن یمانی کو صرف ہاتھ سے چھووے تو یہ صورت بہتر ہو کیونکہ اسکی روایت زیادہ مشہور ہو **پنجم** جب طواف کے ساتون پھیرے ختم ہو چکیں تو ملتزم پر آوے یعنے حجر اسود اور دروازہ کعبہ کے درمیان مین کہ یہ مقام دعا کے قبول ہونے کا ہو یہاں دیوار سے چمٹ جاوے اور پردون کو پکڑے اور اپنا پیٹ دیوار سے اور دہنا رخسار دیوار پر رکھے اور اپنے ہاتھ اور ہتھیلیاں اسپر پھیلادے اور یوں کہے یارب البیت العتیق اعتق رقبتی من النار واعذنی من الشیطان الرجیم واعذنی من کل سوء وقنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیما آتیتنی اللہم ان ہذا البیت بیتک والعبد عبدک وہذا مقام العائذ بک من النار اللہم اجعلنی من اکرم وفدک علیک پھر اس مقام پر بہت سی خدا تعالیٰ کی تعریف کرے اور آنحضرت اور تمام انبیا صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت درود بھیجے اور اپنے مطالب خاص کے لیے دعا مانگے اور گناہوں سے مغفرت کی درخواست کرے بعض اکابر سلف اس مقام پر اپنے خادموں سے کہتے کہ میرے پاس سے علیحدہ ہوجاؤ تاکہ میں اپنے پروردگار کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کروں **ششم** یہ کہ جب ملتزم سے فارغ ہو تو چاہیے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے دوگانہ نماز پڑھے پہلی میں قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ اور یہ دوگانہ طواف کا ہو زہری نے کہا ہو کہ سنت اسیطرح سے یوں ہو کہ ہر سات پھیرون پر دوگانہ پڑھے اور اگر بہت سے طواف کیے اور سب کے بعد دو رکعتیں پڑھ لے تب بھی جائز ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو اور سات پھیرے مل کر ایک طواف ہوتا ہو اور طواف کے دوگانہ کے بعد یہ دعا پڑھے اللہم یسر لی الیسری وجنبنی العسری واغفر لی فی الآخرة والاولی اللہم اعصمنی بالطافک حتی لا اعصیک واعنی علی طاعتک بتوفیقک وجنبنی معاصیک واجعلنی ممن یحبک ویحب ملائکتک ورسلک ویحب عبادک الصالحین اللہم حببنی الی ملائکتک ورسلک والی عبادک الصالحین اللہم فکما ہدیتنی الی الاسلام فثبتنی علیہ بالطافک وولایتک واستعملنی بطاعتک وطاعة رسولک واجرنی من مضلات الفتن پھر حجر اسود پر دوبارہ آوے اور اسکو بوسہ دے کر طواف کو ختم کرے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جو کوئی خانہ کعبہ کا طواف سات پھیرے کرے اور دو رکعت نماز پڑھے تو ایسا ثواب ہو کہ جیسا بردہ کے آزاد کرنے کا ہوتا ہو۔ صورت طواف کرنے کی یہ تھی جو مذکور ہوئی اس میں شروط نماز کے بعد واجب یہ ہو کہ تمام پھیروں کے سارے کعبہ کے گرد سات پورے کردے اور شروع حجر اسود سے کرے اور خانہ کو بائیں

کو جاویں کہ بعد زوال کے وقوف عرفہ کا فرض ادا کریں کیونکہ وقوف کا وقت نویں کی زوال سے دسویں کی صبح صادق ہونے تک ہے پس چاہیے کہ منیٰ کو لبیک کہتا ہوا نکلے اور مستحب یہ ہے کہ مکہ سے ارکان حج کے لیے تمامی حج تک اگر قدرت ہو تو پیادہ چلے اور مسجد ابراہیم علیہ السلام سے وقوف کی جگہ تک پیادہ چلنے کی بہت تاکید ہے اور افضل ہے پس جب منیٰ میں پہنچے تو کہے اللھم ہذا منی فامنن علی بما منت بہ علی اولیائک واہل طاعتک اور یہ رات کو منیٰ میں رہے اور یہ مقام منزل اور رات کے رہنے کا ہے کوئی فعل حج اسوقت میں اس سے متعلق نہیں جب عرفہ کی صبح ہووے تو فجر کی نماز پڑھے اور جب کوہ ثبیر پر آفتاب نکلے تو عرفات کو یہ کہتا ہوا چلے اللھم اجعلہا خیر غدوۃ غدوتہا قط واقربہا من رضوانک وابعدہا من سخطک اللھم الیک غدوت وایاک رجوت وعلیک اعتمدت ووجہک اردت فاجعلنی ممن تباہی بہ الیوم من ہو خیر منی وافضل اور جب عرفات میں آوے تو اپنا خیمہ نمرہ میں جو مسجد کے قریب ہے کھڑا کرے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا خیمہ اسی جگہ کھڑا کیا تھا اور نمرہ بطن عرنہ کا نام ہے جو موقف اور اسکے اطراف ہے اور وقوف کے لیے غسل کرے پھر جب آفتاب ڈھل جاوے تو امام ایک خطبہ مختصر پڑھ کر بیٹھ جاوے اور پھر دوسرا خطبہ شروع کرے اور موذن اذان دینے لگے اور اذان میں تکبیر ملا دے اور تکبیر کے ختم ہونے پر امام بھی فارغ ہو جاوے پھر ظہر اور عصر ایک اذان اور دو تکبیروں سے پڑھے اور نماز کو قصر کرے بعد اسکے موقف میں جاوے اور عرفات میں ٹھہرے اور عرنہ کے وادی میں نہ ٹھہرے اور مسجد ابراہیم کا اگلا حصہ تو عرنہ میں ہے اور پچھلا عرفات میں تو جو کوئی اگلے حصہ میں ٹھہرا رہیگا اسکو عرفات پر ٹھہرنا میسر ہوگا اور عرفات کی جگہ مسجد میں ان بڑے پتھروں سے معلوم ہوتی ہے جو وہاں بچھا دیے گئے ہیں اور افضل یہ ہے کہ امام کے قریب پتھروں کے پاس قبلہ رخ سوار ہو کر ٹھہرے اور تحمید اور تسبیح اور تہلیل اور خدا تعالی کی تعریف اور دعا اور توبہ بہت سی کرے اور اس دن میں روزہ نہ رکھے تاکہ تمام روز دعا پڑھنے پر قادر رہے اور عرفہ کے روز لبیک کہنا موقوف نہ کرے بلکہ مستحب یہ ہے کہ کبھی لبیک کہے اور کبھی دعا میں جھکے اور چاہیے کہ عرفات کی طرف سے بدوں آفتاب کے ڈوبے ہوئے نہ چلے تاکہ رات اور دن عرفات ہی میں اکٹھے کرلے اور ایک یہ فائدہ ہے کہ اگر چاند میں غلطی ہوگئی ہوگی تو دوسرے روز کی شب میں ایک ساعت ٹھہرنا ہو سکیگا جو کہ احتیاط اسی کی مقتضی ہے اور حج کے فوت ہونے سے بچی مامور رہیگا اور جس شخص کو دسویں کی صبح تک ٹھہرنا نصیب ہوا اسکا حج جاتا رہا اسکو چاہیے کہ عمرہ کے افعال کرکے احرام سے حلال ہو جاوے پھر ایک دم حج کے جانے کے لیے دے اور دوسرے برس میں اس حج کی قضا کرے اور اس روز میں سب سے زیادہ بہت دعائیں کرے کہ ایسی جگہ اور ایسے مجمع میں دعاؤں کے مقبول ہونے کی توقع ہے اور جو دعا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر سلف سے عرفہ کے روز منقول ہے اسکا مانگنا بہتر ہے تو یوں دعا مانگنی چاہیے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو حی لا یموت بیدہ الخیر وہو علی کل شی قدیر اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی سمعی نورا وفی بصری نورا وفی لسانی نورا اللھم اشرح لی صدری ویسر لی امری اللھم رب لک الحمد کما نقول وخیرا مما نقول لک صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی والیک مآبی والیک تراثی اللھم انی اعوذ بک من وساوس الصدور وشتات الامر وعذاب القبر

ساتواں بیان وقوف کے بعد کے اعمال یعنی مزدلفہ میں رہنے اور جمروں کو کنکریں مارنے اور ذبح کرنے اور بال منڈانے اور طواف کرنے کے
ذکر میں۔ جب آفتاب ڈوبنے کے بعد عرفات سے پھرے تو چاہیے کہ وقار اور آرام کے ساتھ رہے گھوڑے یا اونٹ کو دوڑاوے نہیں جیسے بعض لوگوں کا
دستور ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سواری کے گھوڑے اور اونٹ کے جھپٹانے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد کیا کہ اللہ سے ڈرو اور اچھی طرح
چلو کہ نہ ضعیف آدمی کو مدد دو اور نہ مسلمان کو ایذا دو اور جب مزدلفہ میں پہونچے تو اسکے لیے نہاوے اسلیے کہ مزدلفہ حرم میں سے ہے تو اس جگہ
اسمیں نہا کر داخل ہونا چاہیے اور اگر اسمیں پیادہ ہو کر داخل ہو تو اور بھی افضل اور حرم کی عزت کے مناسب ہے اور راستہ میں لبیک پکار کر
کہتا چلے اور جب مزدلفہ میں پہونچے تو کہے اللهم ان هذه مزدلفة جمعت فيها السنة مختلفة نسألك حوائج مؤتنفة فاجعلني ممن دعاك فاستجبت له و
توكل عليك فكفيته پھر مزدلفہ میں عشا کے وقت میں مغرب اور عشا ایک اذان اور دو تکبیروں سے اکٹھے پڑھے اور عشا کو قصر کرے اور دونوں
فرضوں کے درمیان میں کوئی نفل نہ پڑھے مگر مغرب اور عشا کی نفلیں اور وتر بعد دونوں فرضوں کے پڑھ لے پہلے مغرب کی نفلیں پڑھے پھر
عشا کی جیسے فرض پڑھی تھی اور اسیطرح جو شخص سفر میں نماز جمع کرلے وہ نفلوں کو ادا کرے کہ سفر میں نفلوں کا چھوڑ دینا ظاہر النقصان ہے
اور انکو انکے اوقات پر ادا کرنے کا حکم دینا خالی از ضرر نہیں علاوہ ازیں فرض کے تابع نہ رہینگے اور جدا پڑ جاوینگے پس جس صورت میں کہ
ایک تیمم سے فرائض کے ساتھ میں نوافل کا ادا کرنا درست ہے تو جمع کے لحاظ سے فرضوں کی تبعیت میں انکا ادا کرنا بالطریق اولی جائز ہوگا
اور نوافل کا فرضوں سے بعض احکام میں جدا ہونا مثلاً انکا ادا کرنا سواری پر جائز ہونا کچھ اس امر کا مانع نہیں کیونکہ ہم تو اشارہ کرچکے
کہ تبعیت اور حاجت کے باعث انکو اسطرح ادا کرنا چاہیے پھر اس رات مزدلفہ میں رہے اور یہ رات کو رہنا حج کے اعمال میں سے ہے اور
اگر کوئی شخص آدھی رات سے پیشتر وہاں سے چلا جاوے اور رات کو نہ رہے تو اسپر دم لازم آویگا اور اس رات کو درود وظائف میں کاٹنا
عمدہ ثواب کی چیزوں میں سے ہے بشرطیکہ ہوسکے پھر جب آدھی رات ہوجاوے تو کوچ کی تیاری شروع کرے اور وہاں سے کنکریں جمروں
کے لیے اٹھالے کہ وہاں نرم پتھر ہیں اور ستر کنکریں لیوے کہ بقدر حاجت اتنی ہی ہونگی اور اگر پڑے کے احتمال سے زیادہ بھی لے لیوے تو
کچھ مضائقہ نہیں اور کنکریں ہلکی ہونی چاہییں کہ انگلی کی پور پر آسکیں پھر نماز صبح اندھیرے میں پڑھے اور اپنی راہ لے یہاں تک کہ جب مشعر الحرام
پر پہونچے جو مزدلفہ کا آخر ہے تو وہاں ٹھہر جاوے اور جب روشنی ہوجاوے تک دعا مانگے اور کہے اللهم بحق المشعر الحرام والبيت الحرام والشهر الحرام
والركن والمقام ابلغ روح محمد منا التحية والسلام وادخلنا دار السلام يا ذا الجلال والاكرام پھر وہاں سے آفتاب نکلنے سے پہلے چلدے اور
جب اس جگہ پہونچے جسکو وادی محسّر کہتے ہیں تو مستحب ہے کہ سواری کو ہانکے یہاں تک کہ اس میدان کے عرض کو طے کر جاوے اور اگر پیادہ ہو
تو قدم تیز کرکے چلے اور جب صبح دسویں کی ہوجاوے لبیک میں تکبیر کو ملا دیوے یعنی کبھی لبیک کہے اور کبھی تکبیر یہاں تک کہ منی میں پہونچے
اور جمرات آجاویں اور یہ شمار میں تین ہیں پس پہلے اور دوسرے سے بڑھ جانا چاہیے کہ دسویں کو انکے ساتھ کوئی کلام متعلق نہیں اور
جب جمرۂ عقبہ پر پہونچے اور آفتاب بقدر نیزہ اونچا ہو تو جمرہ مذکور کو کنکریں مارے یہ جمرہ قبلہ رخ آدمیوں کے دہنے طرف راستہ میں پہاڑ کے
نیچے ہے اور کنکریں مارنے کی جگہ کچھ اونچی ہے اور کنکروں کے پڑے رہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اور کنکریں مارنے کی صورت یہ ہے کہ قبلہ کی طرف
منہ کرکے کھڑا ہو اور اگر جمرہ کی طرف کو منہ کرے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں اور سات کنکریں ہاتھ اٹھا کر مارے اور لبیک کی عوض تکبیر کہے
اور ہر کنکر کے ساتھ یہ کہے اللہ اکبر علی طاعة الرحمن ورغم الشيطان اللهم تصديقا بكتابك واتباعا لسنة نبيك اور جب کنکریں مار چکے تو لبیک
اور تکبیر دونوں موقوف کردے مگر فرض نمازوں کے بعد دسویں کی ظہر سے تیرھویں کی صبح کے بعد تک تکبیر کہتا رہے اور تکبیر نماز کے بعد اسطرح
ہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة واصيلا لا اله الا الله وحده لا شريك له مخلصين له الدين ولو كره الكافرون
لا اله الا الله وحده صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده لا اله الا الله والله اكبر اور اس روز دعا کے واسطے جمرہ کے پاس نہ ٹھہرے

اور اکیس کنکریں پہلے دن کی طرح سے مارے۔ پھر اگر چاہے تو منیٰ میں ٹھہرے چاہے مکہ کو لوٹ آوے اگر آفتاب کے ڈوبنے سے پہلے منیٰ
سے باہر ہو جاوے تو اُس پر کچھ لازم نہ آویگا اور اگر رات ہونے تک ٹھہر رہیگا تو اس صورت میں اُسکو باہر جانا جائز نہیں بلکہ رات کو منیٰ
میں ٹھہرے اور تیرھویں کو اکیس کنکریں بدستور سابق مارے اور اگر رات کو نہ رہیگا اور کنکریں نہ مارینگا تو دم دینا آویگا اور اُسکے گوشت کو صدقہ کردے
اور جائز ہے کہ جن راتوں میں منے میں شب باش ہو انہیں خانہ کعبہ کی زیارت کرے لیکن اس شرط سے کہ پھر منیٰ میں رہتے ہوئے فرض نمازیں
امام کے ساتھ مسجد خیف میں پڑھے کہ اُسکا ثواب بہت بڑا ہے اور جب منیٰ سے مکہ کو جاوے تو بہتر ہے کہ محصب میں ٹھہرے اور عصر اور مغرب اور عشاء وہاں
پڑھے اور تھوڑا سا سووے کہ یہ سنت ہے اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسکو روایت کیا ہے اور اگر ایسا نہ کرے گا اُس پر کچھ کفارہ دینا نہ آویگا

آٹھواں بیان عمرہ اور اُسکے بعد کے اعمال کے ذکر میں طواف وداع تک۔ جو شخص حج سے پہلے یا پیچھے عمرہ کرنا چاہے تو اُسکو چاہیے کہ نہا کر
احرام کے کپڑے پہنے جس صورت سے کہ حج میں مذکور ہوا اور عمرہ کے میقات سے عمرہ کا احرام کرے اسکے لیے افضل میقات جعرانہ ہے جو مکہ اور طائف
کے درمیان میں ایک جگہ ہے بعد اُسکے تنعیم ہے اُسکے بعد حدیبیہ اور احرام کے وقت نیت عمرہ کی کرکے لبیک کہے اور مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا میں جاکر دو رکعتیں
نماز پڑھے اور جو دل چاہے دعا مانگے پھر لبیک کہتا ہوا مکہ میں آوے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو مسجد کے اندر گھسکر لبیک کہنا موقوف کرے
اور سات پھیرے طواف کرکے سات بار سعی صفا و مروہ کے درمیان کرے جیسے ہم پہلے اُن دونوں کو لکھ چکے ہیں اور سعی سے فارغ ہو کر سر کے بال
منڈا دے اب عمرہ تمام ہو گیا اور جو شخص مکہ میں ٹھہرا ہوا ہو اُسکو چاہیے کہ عمرہ اور طواف بہت کرے اور خانہ کعبہ کی طرف بہت دیکھا کرے۔
اور جب خانہ کعبہ کے اندر جاوے تو چاہیے کہ دو رکعتیں دونوں ستونوں کے درمیان پڑھے کہ یہ صورت افضل ہے اور کعبہ کے اندر ننگے پاؤں اور وقار کے
ساتھ داخل ہو کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ تم آج اپنے پروردگار کے گھر میں بھی گئے انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ان قدموں کو اس قابل تو جانتا
ہی نہیں کہ اپنے پروردگار کے گھر کے گرد طواف کروں اس قابل کیسے جانوں کہ ایسے اُس گھر کو پامال کروں مجھے تو معلوم ہے کہ یہ کہاں کہاں اور کس
جگہ تک چلے ہیں۔ اور چاہیے کہ زمزم کثرت سے پیوے اور اگر ہو سکے تو اپنے ہاتھ سے کھینچ کر پیوے دوسرے کی مدد اسمیں نہ ہو اور جب سیراب ہو کر پیوے
کہ کوکھیں جڑ جاویں اور یہ دعا پڑھے اللھم اجعلہ شفاء من کل داء وسقم وارزقنی الاخلاص والیقین والمعافاۃ فی الدنیا والآخرۃ کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آب زمزم لما شرب لہ یعنی جس مقصود کے لیے پیا جاوے وہ حاصل ہوتا ہے اسلیے دعا مانگنی چاہیے۔

نواں بیان طواف وداع کے ذکر میں۔ جب حج اور عمرہ کے بعد وطن میں آوے کہ وطن کو چلیے تو چاہیے کہ اپنے سب کام تمام کرے اور سواری کس لے
سب سے پیچھے خانہ کعبہ کی رخصت کو رہنے دے اور اُس سے رخصت ہونے کا طریق یہ ہے کہ حسب مذکورہ بالا سات پھیرے کا طواف کرے اور اُسمیں رمل
اور اضطباع نہ کرے اور طواف سے فارغ ہو کر دو رکعتیں مقام کے پیچھے پڑھے اور زمزم کا پانی پی کر ملتزم پر آوے اور دعا و تضرع کرے اور یوں کہے اللھم
ان البیت بیتک والعبد عبدک وابن عبدک وابن امتک حملتنی علی ما سخرت لی من خلقک حتی سیرتنی فی بلادک وبلغتنی بنعمتک حتی اعنتنی علی قضاء
مناسکک فان کنت رضیت عنی فازدد عنی رضی والا فمن الآن قبل تباعدی عن بیتک ہذا اوان انصرافی ان اذنت لی غیر مستبدل بک ولا ببیتک
ولا راغب عنک ولا عن بیتک اللھم اصحبنی العافیۃ فی بدنی والعصمۃ فی دینی واحسن منقلبی وارزقنی طاعتک ابدا ما ابقیتنی واجمع لی خیر الدنیا والآخرۃ
انک علی کل شیء قدیر اللھم لا تجعل ہذا آخر عہدی ببیتک الحرام وان جعلتہ آخر عہدی فعوضنی عنہ الجنۃ اور بہتر یہ ہے کہ اپنی آنکھ خانہ کعبہ سے نہ پھیرے یہانتک کہ اُس سے آڑ ہو جاوے

دسواں بیان مدینہ منورہ کی زیارت اور اُسکے آداب کے ذکر میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے زیارت کی میری بعد وفات کی فکانما زارنی فی حیاتی

بلکہ دعا اپنے مکان پر مانگے پھر اگر اسکے ساتھ ہدی ہو تو اسکو ذبح کرے اور بہتر یہ ہے کہ خود اپنے آپ ذبح کرے اور یہ دعا پڑھے بسم اللہ واللہ اکبر اللھم منک ولک والیک تقبل منی کما تقبلت من خلیلک ابراہیم اور قربانی کرنی اونٹ کی افضل ہے پھر گائے کی پھر بکری کی اور ایک اونٹ یا گائے میں چھ حصوں کی شریک ہونے کی نسبت کہ بکری افضل ہے اور بکری کی نسبت کہ دنبہ بہتر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر الاضحیۃ الکبش الاقرن اور سفید رنگ بھورے اور سیاہ کی نسبت کہ بہتر ہے حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ ایک سفید دنبہ قربانی میں دو سیاہ رنگ والوں سے افضل ہے اور ہدی اگر نفل ہو تو اسمیں سے کھاوے اور جس جانور میں کوئی عیب ہو اسکی قربانی نہ کرے اور عیب مانع قربانی کے یہ ہیں لنگڑا ہونا یا کان کا کٹا ہوا ہونا کان کا اوپر خواہ نیچے سے چرا ہوا ہونا سینگوں کا ٹوٹا ہوا ہونا اگلے دانتوں کا چھوٹا ہونا خارشتی ہونا کان کا اگلا یا پچھلا حصہ سوراخ دار ہونا اور ایسا دبلا ہونا کہ ہڈیوں میں گودا نہ رہے۔ بعد اسکے بال منڈوا دے اور اسمیں سنت یہ ہے کہ قبلہ رخ بیٹھے اور سر کے اگلے حصے سے شروع کرے اور داہنی طرف کے بال گدی تک کی اونچی ہڈی تک منڈوا دے پھر باقی کو منڈوا دے اور یہ کہے اللھم اثبت لی بکل شعرۃ حسنۃ وامح عنی بہا سیئۃ وارفع لی بہا عندک درجۃ اور عورت اپنے بالوں کو تھوڑا چھوٹا کر دے اور گنجے کے لیے مستحب ہے کہ سر پر استرہ پھروا دے اور جب جمرہ کو کنکریں مارنے کے بعد بال منڈائے تو پہلا حلال ہونا اسکو حاصل ہو گیا اور تمام ممنوعات احرام سوائے عورتوں اور شکار کے اسکو حلال ہو گئے اب مکہ میں جا کر طواف کرے جس صورت سے کہ پہلے لکھا ہے یہ طواف حج میں رکن ہے اور اسکو طواف زیارت بھی کہتے ہیں اور اسکے وقت کی ابتدا دسویں شب کے آدھے ہونے کے بعد سے ہے اور اسکا بہتر وقت دسویں تاریخ ہے اور آخر وقت کی کوئی حد نہیں جب تک چاہے تاخیر کر دے مگر جب تک یہ طواف نہ کریگا تب تک کچھ ایک علاقہ احرام کا لگا رہیگا یعنی عورت اسکو حلال نہ ہوگی اور جب طواف رکن کر لیگا تو اب پورا حلال ہو گیا کہ عورت سے صحبت بھی حلال ہو گئی اور احرام بالکل دور ہو گیا اور صرف اب ایام تشریق میں جمروں کو کنکریں مارنا اور رات کو منی میں رہنا باقی رہا اور یہ دونوں امر احرام کے دور ہونے کے بعد حج کے اتباع کے طور پر واجب ہیں اور طواف الزیارۃ کی صورت مع دوگانہ نماز کے ویسی ہی ہے جیسا ہم طواف قدوم میں لکھ چکے ہیں جب دوگانہ نماز سے فارغ ہو تو اگر طواف قدوم کے بعد سعی بین صفا و مروہ کی نہ کی ہو تو اب طواف زیارت کے بعد اسیطرح کرے جیسا ہم لکھ آئے ہیں اور اگر سعی کر لی ہو تو وہی سعی رکن ہو گئی اب دوبارہ نہ کرنی چاہیے اور حلال ہونے کے تین سبب ہیں کنکروں کا مارنا اور سر منڈانا اور طواف رکن کرنا اور جب ان تین چیزوں میں سے دو ادا کر لے تو ایک حلال ہونا اسکو حاصل ہو جاویگا۔ اور ان تین چیزوں کو مع ذبح کے مقدم و موخر کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے کنکریں مارے پھر ذبح کرے پھر سر منڈوائے پھر طواف کرے اور امام کے لیے مسنون یہ ہے کہ زوال کے بعد دسویں کو خطبہ پڑھے اور یہ خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وداع کا ہے غرضکہ حج میں چار خطبے ہیں ایک ساتویں کو ایک نویں کو ایک دسویں کو ایک اول رخصت ہونے کے روز منی سے یعنے بارھویں کو اور یہ چاروں خطبے زوال کے بعد ہیں اور سب ایک ایک ہیں مگر عرفہ کے خطبے کہ وہ دو ہیں اور دونوں کے درمیان میں کچھ دیر بیٹھنا ہے پھر جب طواف زیارت سے فارغ ہو چکے تو رات کے رہنے کے لیے اور کنکریں مارنے کو منی میں لوٹ آوے اور اس رات کو منی میں رہنا اور اس رات کا نام لیلۃ القر یعنے شب قرار ہے کیونکہ لوگ اسکی صبح کو منے میں ٹھہرتے ہیں اور چلے نہیں جاتے جب گیارھویں تاریخ کو دوپہر ڈھل جاوے تو کنکریں مارنے کے لیے نہاوے اور پہلے جمرہ کا قصد کرے جو عرفات کی طرف سے اول ملتا ہے اور وہ میں سڑک میں ہے اسپر سات کنکریں مارے اور جب اس سے آگے بڑھے تو تھوڑا سا راستہ سے علیحدہ ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو اور اللہ تعالی کی تحمید اور تہلیل اور تکبیر کرے حضور دل اور اعضا کی فروتنی کے ساتھ اتنی دیر دعا مانگے جتنی دیر میں سورہ بقر پڑھتے ہیں پھر درمیانی جمرہ کی طرف بڑھے اور اسکو بھی اول جمرہ کی طرح کنکریں مارے اور ویسا ہی توقف کرے جیسا اول کیا تھا پھر آگے بڑھ کر جمرہ عقبہ کو سات کنکریں مارے اور یہاں کوئی کام [illegible] بلکہ اپنے [illegible] کی جگہ میں آکر رات کو رہے اور اس رات کو شب نفر اول کہتے ہیں جب صبح ہو اور ظہر کی نماز ایام تشریق کے روز دوم یعنی بارھویں تاریخ کی [illegible]

منبر کے پاس کھڑا ہو کر حق تعالیٰ کی تحمید اور تمجید کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کثرت سے بھیجے اور کہے تو نے فرمایا ہے اور تیرا قول سچا ہے ولو
انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما الٰہی ہم نے تیرا ارشاد سنا اور تیرے امر کی اطاعت کی اور تیرے نبی
کے پاس آئے اور اسکو سرکار میں اپنے گناہوں کے باب میں جنکے بوجھ سے ہماری پیٹھ ٹوٹی جاتی ہے اپنا شفیع کیا ہم اپنی لغزشوں سے تائب ہیں
اور اپنی خطاؤں اور تقصیرات کے مقر الٰہی پس ہماری توبہ قبول کر اور اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمارے باب میں منظور فرما اور اس
حق و منزلت کی بدولت جو تیرے نبی کریم کو تیرے پاس حاصل ہے ہمکو رتبہ بلند عنایت فرما پھر کہے اللہم اغفر للمہاجرین والانصار واغفر لنا ولاخواننا
الذین سبقونا بالایمان اللہم لاتجعلہ آخر العہد من قبر نبیک ومن حرمک یا ارحم الراحمین پھر روضہ میں جاوے یعنی درمیان قبر شریف اور منبر کے جو جگہ ہے اسمیں
جاکر دو رکعتیں پڑھے اور جتنی ہو سکے بہت سی دعا مانگے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مابین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری
علی حوضی اور منبر کے پاس دعا مانگے اور مستحب یہ ہے کہ اپنا ہاتھ بیچ کے رمانہ یعنی پایہ پر رکھ لے جسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کی حالت میں اپنا ہاتھ
رکھ لیا کرتے تھے۔ اور مستحب ہے کہ جمعرات کے روز جبل احد کو جاوے اور شہدا کی قبروں کی زیارت کرے یعنی صبح کی نماز مسجد نبوی میں پڑھکر زیارت کو باہر جاوے
اور ظہر پھر مسجد شریف میں آ پڑھے تاکہ کوئی نماز فرض کی جماعت مسجد شریف میں فوت ہونے پاوے اور مستحب ہے کہ ہر روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود
پڑھنے کے بعد بقیع میں جاوے اور حضرت عثمان غنی رضہ اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرے اور اسی میں قبر حضرت امام زین العابدین
اور حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر علیہ السلام کی ہے انکے زیارات سے مشرف ہو اور حضرت فاطمہ رضہ کی مسجد میں نماز پڑھے اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی قبروں کی زیارت کرے کہ سب بقیع میں ہیں۔ اور مستحب ہے کہ ہر شنبہ کے
روز مسجد قبا میں جاکر نماز پڑھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے گھر سے نکلکر مسجد قبا میں آوے اور اسمیں نماز پڑھے تو اسکے لیے
ایک عمرہ کے برابر ہوگا اور چاہ اریس کی زیارت کرے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لب مبارک اسمیں ڈالا ہے کنواں اس مسجد قبا کے
متصل ہے اسکے پانی سے وضو کرے اور پیوے اور مسجد فتح میں جاوے جو خندق پر ہے اسی طرح سب مساجد اور زیارات کو جاوے اور کہتے ہیں کہ سب زیارات
اور مسجدیں مدینہ پاک کی تیس ہیں اور وہاں کے باشندے انکو جانتے ہیں توجسقدر پر جاسکے وہاں کا قصد کرے اور اسیطرح جن کنووں سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیا کرتے تھے انپر جاوے اور طلب شفا کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تبرک سمجھکر اسکے پانی سے نہاوے اور پیوے
اور وہ سات کنویں ہیں۔ اور اگر باوجود حرمت کا حق ادا کرنے کے مدینہ منورہ میں ٹھہر سکے تو اسکا بہت بڑا ثواب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے لا یصبر علی لاوائہا و شدتہا احد الا کنت لہ شفیعا یوم القیامۃ اور فرمایا من استطاع ان یموت بالمدینۃ فلیمت فانہ لن یموت بہا احد الا کنت لہ شفیعا او شہیدا یوم القیامۃ
پھر جب اپنے کاموں سے فارغ ہولے اور مدینہ سے نکلنے کا قصد کرے تو مستحب یہ ہے کہ قبر شریف کے پاس آوے اور دعاے زیارت جسکو اوپر بیان کیا
پھر پڑھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ پھر حضرت کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب کرے اور
اپنے سفر میں سلامت رہنے کی دعا مانگے پھر چھوٹے روضہ میں دو رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جگہ مسجد کے اندر مقصورہ زیادہ ہونے کے پیشتر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے کھڑا ہونے کا مقام ہے جب مسجد سے باہر نکلے تو اول بایاں پاؤں باہر رکھے پھر دہنا پاؤں باہر نکالے اور کہے اللہم صل علی

اور فرمایا من وجد سعۃ ولم یفد الی فقد جفانی اور فرمایا من جاءنی زائرا لا یہمہ الا زیارتی کان حقا علی اللہ سبحانہ ان اکون لہ شفیعا جس مدینہ طیبہ کا قصد کرے اسکو چاہیے کہ راستہ میں درود بہت پڑھے اور جب اُسکی نگاہ مدینہ منورہ کی دیواروں اور درختوں پر پڑے تو کہے اللہم ہذا حرم رسولک فاجعلہ لی وقایۃ من النار وامانا من العذاب وسوء الحساب اور پھر بقیع میں کے درمیان غسل کرے اور خوشبو لگاوے اور اپنے عمدہ کپڑے پہنے پھر جب طیبہ میں داخل ہو تو تواضع اور تعظیم کے ساتھ داخل ہو اور کہے بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا پھر مسجد کا قصد کرے اور اُسکے اندر جا کر منبر شریف کے پاس دو رکعتیں اسطرح پڑھے کہ ستون منبر کو اپنے داہنے شانہ کے مقابل کرے اور منہ اُس ستون کی طرف ہو جسکے برابر صندوق ہے اور جو دائرہ کہ مسجد کے قبلہ میں ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہو کہ یہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی ہے جب تک کہ مسجد میں کچھ تبدیل ہوئی تھی اور اس باب میں کوشش کرے کہ جسقدر مسجد بڑھائے جانے سے پیشتر تھی اُسمیں نماز پڑھے۔ پھر قبر مبارک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آوے اور آپ کے روے مبارک کے مابین کھڑا ہو اسطرح کہ کعبہ کی طرف پشت کرے اور قبر کی دیوار کی طرف منہ کرے اور جو ستون کہ اُس دیوار کے کونے میں ہے اُس سے چار ہاتھ کے فاصلہ پر کھڑا ہو اور قندیل کو اپنے سر پر کر لے اور یہ مسنون نہیں کہ دیوار کو ہاتھ لگاوے یا بوسہ دے بلکہ دور کھڑا ہو نا تعظیم کے ساتھ مناسب تر ہے اور یہ کہے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک یا امین اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ السلام علیک یا صفوۃ اللہ السلام علیک یا خیرۃ اللہ السلام علیک یا احمد السلام علیک یا محمد السلام علیک یا ابا القاسم السلام علیک یا ماحی السلام علیک یا عاقب السلام علیک یا حاشر السلام علیک یا بشیر السلام علیک یا نذیر السلام علیک یا طہر السلام علیک یا طاہر السلام علیک یا اکرم ولد آدم السلام علیک یا سید المرسلین السلام علیک یا خاتم النبیین السلام علیک یا رسول رب العالمین السلام علیک یا قائد الخیر السلام علیک یا فاتح البر السلام علیک یا نبی الرحمۃ السلام علیک یا ہادی الامۃ السلام علیک یا قائد الغر المحجلین السلام علیک وعلی اہل بیتک الذین اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا السلام علیک وعلی اصحابک الطیبین وعلی ازواجک الطاہرات امہات المؤمنین جزاک اللہ عنا افضل ما جزی نبیا عن قومہ ورسولا عن امتہ وصلی علیک کلما ذکرک الذاکرون وکلما غفل عنک الغافلون وصلی علیک فی الاولین والآخرین افضل واکمل واعلی واجل واطیب واطہر ما صلی علی احد من خلقہ کما استنقذنا بک من الضلالۃ وبصرنا بک من العمایۃ وہدانا بک من الجہالۃ اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد انک عبدہ ورسولہ وامینہ وصفیہ وخیرتہ من خلقہ واشہد انک قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وجاہدت عدوک وہدیت امتک وعبدت ربک حتی اتاک الیقین فصلی اللہ علیک وعلی اہل بیتک الطیبین وسلم وشرف وکرم وعظم اور اگر کسی نے اسلام کہنے کیلئے کہا ہو تو کہے السلام علیک من فلاں پھر ایک ہاتھ کی قدر ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رض پر سلام پڑھے اسلیے کہ آپ کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک کے پاس ہے اور حضرت عمر رض کا سر حضرت ابوبکر رض کے شانہ کے پاس ہے اسی لیے ایک ہاتھ اور ہٹ کر حضرت عمر رض پر سلام بھیجے اور کہے السلام علیکما یا وزیری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمعاونین لہ علی القیام بالدین مادام حیا والقائمین فی امتہ بعدہ بامور الدین تتبعان فی ذلک آثارہ وتعملان بسنتہ فجزاکما اللہ خیر ما جزی وزیری نبی عن دینہ پھر ہٹ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے پاس قبر اور اُس ستون کے درمیان جو جانب میں ہوا ہے

اور اُسکی اُجرت لیتی تھیں۔ تو جو شخص حج کرنے پر اُجرت لینے میں حضرت موسیٰ کی والدہ جیسا ہو تو اُسکو اُجرت لینے کا مضائقہ نہیں لیکن اسواسطے اجرت لیوے
کہ حج پر اور خانہ کعبہ کی زیارت پر قادر ہو جاوے اور حج اسلیے نہ کرے کہ مزدوری ملیگی جیسے حضرت موسیٰ کی والدہ اجرت اسلیے لیتی تھیں کہ اپنے بچہ کو
دودھ بھی پلا دیویں اور اُنکا حال بھی لوگوں پر مشتبہ رہے ادب دوم یہ ہے کہ خدا کے دشمنوں کو چنگی دیکر مدد نہ پہونچاوے اور یہ لوگ کہ معظمہ
کے امیروں اور عرب کے سرداروں میں سے ہوتے ہیں کہ راہوں میں بیٹھ کر مسجد حرام کے جانے سے روکتے ہیں ایسے لوگوں کو مال کا دینا ظلم پر مدد
کرنا اور اسباب ظلم کو اُنکے لیے مہیا کرنا ہے گویا خود اپنی جان سے اُنکی اعانت کی اسلیے اس چنگی سے بچے رہنے کے لیے کوئی تدبیر ضرور چاہیے اور
اگر ہو سکے تو بعض علما فرماتے ہیں کہ حج نفل کو نہ کرنا اور راستہ میں سے لوٹ آنا ان ظالموں کی اعانت کرنے سے بہتر ہے کہ یہ ظلم ایک بدعت نوپیدا
ہے اسکی اطاعت کرنے میں یہ خرابی ہے کہ وہ ایک دستور عام ہو جاویگا اور اُسکے قائم رہنے میں مسلمانوں کو ذلت اور خواری ہے کہ جزیہ دینا پڑتا ہے اور
واقع میں جو ان بزرگ نے فرمایا درست ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چنگی ہمسے بجبر لیجاتی ہے اور دینے میں ہم مضطر ہیں تو اُسکے کچھ معنی نہیں کیونکہ اگر
آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے یا راستہ سے لوٹ جاوے تو اُس سے کوئی کچھ نہیں لیتا بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جسکو کھاتا پیتا دیکھتے ہیں اُسی سے زیادہ
مانگتے ہیں اگر فقرا کے لباس میں ہو تو کوئی نہیں طلب کرتا اس سے معلوم ہوا کہ اس اضطرار کی حالت کو خود اپنی طرف کھینچ لیا ہے ادب
سوم توشہ زیادہ لیا اور بدون تنگی اور اسراف کے بخوشی خاطر میانہ روی کے طور پر دیا اور خرچ کرنا ہے۔ اسراف سے ہماری غرض یہ ہے کہ
عمدہ کھانے کھاوے اور اقسام آسایش سے جو بہتر ہو مالداروں کی طرح اُسی کو اختیار کرے اور داد و دہش کی کثرت سے اسراف نہیں ہوتا کیونکہ
کسی کا قول ہے کہ اسراف میں بہتری نہیں اور خیرات میں اسراف نہیں اور راہ حج میں توشہ کا دینا خداے تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے سو
ایک درم سات سو کے برابر ہوتا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی آدمی کے کرم میں سے ہے کہ سفر میں توشہ اچھا رکھے اور فرمایا کرتے کہ حاجیوں
میں سے افضل وہ ہے جسکی نیت سب سے خالص تر اور نفقہ پاکیزہ اور یقین بہتر ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الحج المبرور
لیس له جزاء الا الجنة قیل یارسول الله ما بر الحج فقال طیب الکلام واطعام الطعام ادب چہارم فحش اور بدکاری اور لڑائی کا ترک کرنا چاہیے
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج رفث میں سب طرح کے کلام لغو اور فحش داخل ہیں اور عورتوں سے باتیں اور
چہل کرنی اور صحبت کی حالت اور اُسکے لوازم کو ذکر کرنا بھی اسی میں داخل ہیں کیونکہ ان امور سے شوق ہمبستری کا ابھرتا ہے جو ممنوع ہے اور
ممنوع بات کا شوق دلانے والی چیز بھی ممنوع ہوتی ہے اور فسوق خداے تعالیٰ کی طاعت سے باہر نکلنا ہے کسی طرح کا ہو اور جدال اسکو
کہتے ہیں کہ خصومت اور بات کاٹنے میں یہانتک مبالغہ کرے کہ کینہ کا موجب ہو اور سر دست ہمت میں پریشانی آجاوے اور حسن خلق کے
مخالف پڑے حضرت سفیان ثوری رح نے فرمایا ہے کہ جو شخص حج میں فحش بکے اُسکا حج خراب ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اچھی طرح گفتگو کرنے اور کھانا کھلانے کو حج کے مقبول ہونے کے لیے فرمایا ہے اور بات کاٹنا طیب کلام کے مخالف ہے اسلیے ضرور ہوا کہ آدمی حج
کی راہ میں اپنے ساتھی اور سارباں وغیرہ یاروں پر بہت اعتراض نہ کرے بلکہ جتنے بیت اللہ کے جانے والے ہوں سب سے دبا رہے اور حسن خلق
کو اپنے اوپر لازم کرلے اور حسن خلق یہی نہیں ہے کہ کسی کو ایذا نہ دے بلکہ یہ ہے کہ اوروں کی ایذا برداشت کرے۔ اور بعض کا قول ہے کہ سفر کو
اسی لیے سفر کہتے ہیں کہ وہ آدمیوں کے اخلاق کو ظاہر کر دیتا ہے اور اسی جہت سے جب ایک شخص نے حضرت عمر رضہ کے سامنے ذکر کیا کہ میں
فلاں شخص سے واقف ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تو کبھی اُسکے ساتھ سفر میں رہا ہے جس سے مکارم اخلاق معلوم ہو جایا کرتے ہیں اُسنے عرض کیا
کہ ایسا تو نہیں ہوا آپ نے فرمایا کہ میری دانست میں تو اُس سے واقف نہیں ادب پنجم یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو حج پیادہ کرے کہ نہایت افضل ہے
حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ نے اپنی موت کے قریب اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ بیٹو پیادہ حج کرنا کہ پیادہ حاجی کو ہر قدم پر حرم کے حسنات میں سے
سات سو حسنات ملتے ہیں اُنسے کسی نے پوچھا کہ حرم کے حسنات کیا ہیں فرمایا کہ ایک نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر اور راستہ کی نسبت کہ اعمال حج میں اور مکہ سے

محمد وعلی آل محمد ولا تجعلہ آخر العہد بنبیک حطا وارزقنا زیارتہ واحفظنی سے سفری السلامۃ ویسر رجوعی الی اہلی ووطنی سالماً یا ارحم الراحمین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مجاوروں کو جو کچھ بقدر مقدور ہو دیوے اور جو مسجدیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں انکو تلاش کرے اور ان میں نماز پڑھے اور وہ بیس جگہ ہیں۔

خاتمہ سفر سے لوٹنے کی سنتوں کے ذکر میں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ یا حج وغیرہ سے لوٹتے تو ہر ایک زمین بلند پر تین بار اللہ اکبر کہتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علے کل شیٔ قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وہزم الاحزاب وحدہ اور بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں وکل شیٔ ہالک الا وجہہ لہ الحکم والیہ ترجعون تو آدمی کو چاہیے کہ سفر سے لوٹنے میں اس طریقہ مسنون کا استعمال کرے اور جب اپنی بستی نظر آنے لگے تو سواری کو چلاوے اور کہے اللہم اجعل لنا بہا قراراً ورزقاً حسناً پھر اپنے گھر کسی شخص کو خبر کے لیے بھیجدے تاکہ دفعۃً نہ جا پہونچے پہلے سے آنے کی اطلاع کر دینی سنت ہے اور رات کے گھر رات کو نہ آنا چاہیے جب شہر میں داخل ہو تو اول مسجد میں جاوے اور دو رکعتیں پڑھے کہ مسنون ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کیا کرتے تھے اور جب اپنے گھر میں جاوے تو کہے توباً توباً لربنا اوباً لا یغادر علینا حوباً جب مکان میں رہنے لگے تو چاہیے کہ جو انعام اللہ تعالیٰ نے اسپر کیے ہیں کہ اپنے گھر اور حرم کی زیارت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت روزی فرماوے انکو بھولے نہیں اور اس سے غفلت کرکے کھیل اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ان انعاموں کا ناشکر نہ ہو کہ حج مقبول کی یہ پہچان نہیں بلکہ اسکی علامت یہ ہے کہ حج سے جو واپس آوے تو دنیا میں زاہد اور آخرت میں راغب ہو اور بعد زیارت بیت کے زیارت صاحب بیت کے لیے تیاری کرے۔

تیسری فصل۔ حج کے آداب دقیق اور اعمال باطنی کے ذکر میں اور اس فصل میں دو بیان ہیں۔

بیان اول آداب دقیق کے ذکر میں جو شمار میں دس ہیں **ادب اول** یہ ہے کہ نفقہ حلال کا ہو اور ہاتھ ایسی تجارت میں نہ لگا ہو جس سے دل بٹے اور ہمت پراگندہ ہو بلکہ ہمت خاص خدائے تعالیٰ کے لیے ہو اور دل محض اُسکے ذکر اور اسکے شعائر کی تعظیم کی طرف راغب اور مطمئن رکھنے والا ہو ایک حدیث میں طریق اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ جب آخر زمانہ ہوگا تو لوگ حج کو چار قسم کے ہو کر نکلیں گے بادشاہ سیر تماشا کو اور تونگر تجارت کو اور فقیر مانگنے کو اور قاری شہرت کو اس حدیث میں دنیا کی ان تمام غرضوں کی طرف اشارہ ہے جو حج میں مل سکیں اور یہ سب امور ایسے ہیں کہ حج کی فضیلت کے مانع ہیں اور خاص لوگوں کے حج کے زمرہ سے خارج کر دیتے ہیں خصوصاً جب یہ امور ہیں خاص حج ہی سے وابستہ ہوں مثلاً مزدوری لے کر غیر کے لیے حج کرے تو اس صورت میں آخرت کے کام پر دنیا کا طالب ہوگا اور پرہیزگار اور اہل دل اس امر کو برا جانتے ہیں ہاں اگر کسی شخص کی نیت مکہ معظمہ میں رہنے کی ہو اور اسکے پاس سامان وہاں تک پہونچنے کا نہو تو اس نیت سے کچھ لینے کا مضائقہ نہیں غرضکہ دین کو ذریعہ وصول دنیا کا نہ کرے بلکہ دنیا کو ذریعہ دین کے حاصل کرنے کا بناوے اس صورت میں چاہیے کہ نیت خانہ کعبہ کی زیارت کی اور اپنے مسلمان بھائی کے اوپر سے فرض ساقط ہونے میں مدد کرنے کی کرے اور ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے معنوں پر محمول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک حج کے سبب تین آدمیوں کو جنت میں داخل کریگا اول جسنے اسکی وصیت کی ہو دوم جسنے اسکو جاری کیا ہو سوم جسنے اپنے بھائی کیطرف سے اسکو ادا کیا ہو۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ جب آدمی فرض اسلام اپنے ذمہ سے ساقط کر چکے تو اب اسکو حج کے لیے اجرت لینی ناجائز اور حرام ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اور نہ اس امر کو اپنا پیشہ اور تجارت مقرر کرے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ دین کے باعث سے دنیا دیدیتا ہے اور دنیا کے باعث سے دین عنایت نہیں کرتا اور اجرت جس طرح پر مباح ہے اسکی مثال حدیث شریف میں ... مذکور ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہو اور مزدوری لیتا ہو اسکی مثال حضرت موسیٰ کی ماں کی طرح ہے کہ اپنے بچہ کو دودھ ...

حد طاقت سے خارج ہو اور اُمیر سوار اُسکو تکلیف دیتا ہو اور گراں گذرتا ہو اہل تقویٰ کا دستور تھا کہ اونٹوں پر سوتے نہ تھے صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ جایا کرتے تھے اور چوپایوں پر بہت دیر تک بیٹھتے نہ تھے اُترتے چڑھتے جاتے تھے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اپنی سواریوں کی پیٹھ کو چوکیاں مت بناؤ اور مستحب ہو کہ صبح اور شام کو سواری کے آرام دینے کے لئے اُتر پڑے کہ یہ امر سنت ہو اور اس باب میں اکابر سلف سے بھی آثار وارد ہیں اور بعض بزرگ کرایہ اس شرط پر کرتے تھے کہ سواری سے نہ اُترینگے اور کرایہ پورا دینگے پھر اُتر پڑتے تاکہ جانور کو آرام ملے اور اس بات کا ثواب اپنے نامۂ اعمال میں ہو مالک کے اعمال میں نہ ہو اور جو شخص کسی چوپایہ کو ایذا دیگا اور اُسکی طاقت سے زیادہ لادیگا تو قیامت میں اُس سے مطالبہ اس امر کا ہوگا حضرت ابو الدرداء کا ایک اونٹ تھا اُسکے مرتے وقت اپنے اونٹ سے کہا کہ مجھ سے اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑا مت کرنا میں نے تیری طاقت سے زیادہ کبھی تجھ پر نہیں لادا۔ حاصل یہ کہ ہر ایک جاندار چیز میں ثواب ہوتا ہو اسلئے چوپایہ کے حق کو اور کرایہ کرنے والے کے حق کو لحاظ رکھنا چاہیے اور ایک ساعت کے اُتر پڑنے میں جو چوپایہ کو بھی آرام ملتا ہو اور مالک کا دل بھی خوش ہوتا ہو ایک شخص نے حضرت ابن مبارک رح کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرا خط لیتے جائیے اور مکتوب الیہ کو پہونچا دیجیے آپ نے فرمایا کہ میں اونٹ والے سے پوچھ لوں تو لیلونگا کہ میں نے اونٹ کرایہ کیا ہو دیکھنا چاہیے کہ خط کے لیجانے سے بھی احتیاط کی تسہیں کچھ دور نہیں ہوتا اور تقویٰ کے باب میں احتیاط کا طریق یہی ہو اسلیئے کہ اگر کم کی راہ کھلی ہو تو بتدریج زیادہ تک بھی نوبت پہونچ جاتی ہو ادب ششم یہ کہ جانور کے ذبح کرنے سے تقرب کرے گو اُسپر واجب ہو اور اسبات میں کوشش کرے کہ جانور نفیس اور موٹا ہو اور اگر یہ قربانی نفل ہو تو خود اُسمیں سے کھاوے اور اگر واجب ہو تو نہ کھاوے بعض لوگوں نے ومن یعظم شعائر اللہ کی تفسیر میں فرمایا ہو کہ شعائر اللہ کی تعظیم سے مراد عمدہ اور موٹی قربانی کرنا ہو اور ہدی کا لیجانا بشرطیکہ کچھ دقت اور مشقت نہو میقات سے افضل ہو اور ہدی کے خریدنے میں دام گھٹانے کا فکر نہ کرے کہ اکابر سلف میں چیز دل کی گراں قیمت دیا کرتے اور کمی قیمت کے دربے نہوتے اول ہدی دوم قربانی سوم غلام لونڈی کے مول لینے میں کیونکہ اُن میں سے افضل وہی ہو جسکا دام زیادہ ہو اور مالک کے نزدیک نفیس تر ہو اور حضرت ابن عمر رض نے حضرت عمر رض سے روایت کی ہو کہ آپ نے ایک بہت عمدہ نسل اونٹنی ہدی میں روانہ کی لوگوں نے اُسکے تین سو اشرفیوں کو مول لینی چاہی آپ نے آنحضرت صلعم سے اُسکے باب میں عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اُسکو بیچ کر اُسکے دام سے بہت سے اونٹ لے لوں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں اُسی کو ہدی میں روانہ کرو اور یہ اسوجہ سے کہ عمدہ چیز کم ہو بہت سی چیز دل حقیر نفیس سے بہتر ہو اور تین سو اشرفیاں قیمت تیس اونٹوں کی تھیں اور اُن میں گوشت کی کثرت ہوتی مگر قربانی میں گوشت مقصود نہیں بلکہ نفس کو بخل سے پاک و صاف کرنا اور زیور تعظیم الٰہی سے آراستہ کرنا منظور ہو چنانچہ خود اللہ تعم ارشاد فرماتا ہو لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقویٰ منکم اور یہ بات قیمت کی نفاست سے ہوتی ہو شمار جانوروں کا کم ہو خواہ زیادہ اور کسی شخص نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ حج کی مقبولیت کیا ہو آپ نے فرمایا کہ لبیک پکار کر کہنا اور بدنہ کا نحر کرنا اور حضرت عائشہ رض نے روایت کی ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہو ما من عمل آدمی یوم النحر احب الی اللہ عز وجل من ہراقۃ دما وانہا لتاتی یوم القیامۃ بقرونہا واظلافہا وان الدم لیقع من اللہ عز وجل بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بہا نفسا اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا لکم بکل صوفۃ من جلدہا حسنۃ وکل قطرۃ من دمہا حسنۃ وانہا لتوضع فی المیزان فابشروا ادب ہفتم یہ ہو کہ جو کچھ زاد و دہش اور ہدی میں خرچ کرے اُس سے دل میں خوش ہو اسیطرح اگر کچھ نقصان یا مصیبت مالی خواہ بدنی ہو پہونچے تو اُس سے دل خوش رہے کہ یہ علامتیں حج کے قبول ہونے کی ہیں اسلیئے کہ راہ حج میں مصیبت ہونی ایسی ہو جیسے راہ خدا میں ایک درم دینے سے سات سو کے برابر ہوتا ہو اسطرح حج میں بھی کا ہو یا سر لہ جہاد کی راہ میں سختی پہونچے کے ہو کہ جو ایذا اور نقصان پہونچے سب میں ثواب ہوتا ہو اور اللہ تعم کے یہاں اُس سے کوئی تلف نہیں ہوتی۔ اور کہتے ہیں کہ قبول حج کی علامات میں سے یہ بھی ہو کہ جو گناہ پیشتر کرتا تھا اُنکو چھوڑ دے اور نکمے یاروں کے بدلے میں نیکبختوں سے بھائی چارہ کرے اور کھیل اور غفلت کی مجلسوں کے عوض ذکر اور ہوشیاری کی مجالس اختیار کرے

دوسرا بیان اعمال باطنی کے ذکر میں اور نیت میں اخلاص کی صورت اور مقامات متبرکہ سے عبرت حاصل کرنے کے طریق میں اور اس بات میں کہ

شروع حج سے آخر تک اعمال کے اندر فکر کرنا اور اُسکے اسرار و معانی کو یاد کرنا کسطرح چاہیے تو واضح ہو کہ حج میں سب سے اول یہ سمجھنا ہے کہ دین میں اسکا رتبہ کیا ہو پھر اُسکی طرف شوق کا ہونا پھر ارادہ کرنا پھر حج کے موانع ہیں اُنکو برطرف کرنا پھر احرام کا کپڑا مول لینا پھر توشہ کا خریدنا پھر سواری کا کرایہ کرنا پھر اپنے وطن سے باہر ہونا پھر جنگل میں چلنا پھر میقات پر سے لبیک کے ساتھ احرام باندھنا پھر مکہ میں داخل ہونا پھر بموجب بیان گذشتہ اعمال حج کو پورا کرنا ہو اور ان باتوں میں سے ہر ایک میں یاد کرنے والے کے لیے تذکرہ ہو اور عبرت حاصل کرنے والے کے لیے عبرت ہو اور مرید صادق کے واسطے تنبیہ اور دانا آدمی کے لیے تعریف اور اشارہ ہو اب ہم انکی کلیدون کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جب اُنکا دروازہ کھلجاویگا اور اُسکے اسباب معلوم ہوجاوینگے تو ہر ایک حاجی کو بقدر اُسکے دل کی صفائی اور باطن کی طہارت اور فہم کی کثرت کے اُسکے اسرار معلوم ہوجاوینگے اب ہر ایک کو تفصیل سنا چاہیے **فہم** جاننا چاہیے کہ جبتک آدمی شہوات سے پاک ہو اور ضروری چیزوں پر اکتفا کرکے لذات سے باز نہ رہے اور تمام حرکات و سکنات میں خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو رہے تب تک خدا تعالیٰ تک اُسکی رسائی نہیں ہوسکتی اور اسی وجہ سے پہلے ملتوں کے لوگ خلق سے تنہا ہوکر راہب ہوگئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اُنس حاصل کرنے کو خلق سے وحشت اختیار کی اور اُسی کی خاطر موجود لذتوں کو چھوڑ کر آخرت کی طمع میں اپنی نفسوں پر سخت مجاہدے لازم کیے اور خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُنکی ثنا فرمائی چنانچہ ارشاد ہو ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ پس جب یہ بات پرانی پڑگئی اور خلق شہوات کی پیروی پر متوجہ ہوئی اور عبادت الٰہی کے لیے خاص ہو رہنے کو چھوڑ کر عبادت میں سستی اختیار کی تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طریق آخرت کے زندہ کرنے اور پہلے رسولوں کے طریقہ پر چلنے کی تجدید کے لیے مبعوث فرمایا ملتوں کے لوگوں نے آپ سے رہبانیت اور سیاحت کا حال پوچھا کہ آپ کے دین میں ہیں یا نہیں آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کے عوض ہمکو دو چیزیں بدل دیں یعنی جہاد اور بلندی پر تکبیر کہنا جس سے مراد حج ہو اور سائحین کو کسی نے آپ سے پوچھا تو فرمایا کہ وہ لوگ روزہ دار ہیں سو خدا تعالیٰ نے اس امت پر انعام فرمایا کہ حج کو اُسکے لیے رہبانیت کردیا پھر خانہ کعبہ کو کتنے شرف عنایت فرمائے کہ اُسکو اپنی ذات پاک کی طرف منسوب کیا اور اپنے بندوں کا مقصود اُسکو ٹھہرایا اور اُسکے گرد کی زمین کو اُسکی عظمت اور سنان کے لیے حرم بنایا اور عرفات کو ایسا کردیا جیسے حرم کے سامنے میدان ہوتا ہو پھر اس جگہ کی حرمت کی تاکید زیادہ کی کہ اُسکے شکار اور درخت کو حرام کر دیا اور اُسکو ایسا بنادیا جیسے بادشاہوں کا دربار ہوتا ہو کہ زیارت کرنے والے دور دور راہوں سے ژولیدہ مو غبار آلود رب البیت کے لیے انکسار کرتے اور اُسکے جلال و عزت کے سامنے خضوع و خشوع سے دبتے چلے آویں اور باوجود اسکے اس بات کے مقر ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے منزہ ہو کہ کوئی گھر اُسکو گھیرے یا کوئی شہر اُسکو اپنے درمیان میں لیوے تاکہ اس بات سے اُنکی غلامی اور بندگی بڑھ جاوے اور فرمانبرداری اور انقیاد کامل تر ہوجاوے اور اسی لیے بندوں پر حج میں وہ اعمال مقرر فرمائے جنکے ساتھ نفس مانوس نہوں اور اُنکی وجہوں کو عقلیں نہ پاسکیں مثلاً پتھروں پر کنکریں مارنا اور صفا مروہ کے درمیان چند بار آمد و رفت کرنا وغیرہ اور ان جیسے اعمال سے کمال غلامی اور بندگی ظاہر ہوتی ہو کیونکہ دوسرے اعمال میں کچھ نہ کچھ نفس کا حظ ہو جیسے زکوٰۃ میں مثلاً وجہ ہو اور اُسکی علت معلوم ہو کہ بخل طبیعت میں نہ رہے اور عقل کو اُسکی طرف رغبت ہو اور روزہ میں کسر شہوت ہو جو شیطان کا آلہ ہو اور دوسرے شغلوں سے باز رہ کر عبادت کے لیے فارغ ہوجانا ہو اور نماز میں سجدہ اور رکوع کرنا خدا تعالیٰ کے لیے تواضع کی صورت کے اعمال کرنے سے انکسار کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے نفسوں کو اُنس ہوتا ہو مگر سعی کی پھیروں اور کنکروں کے پھینکنے اور دوسرے اسیطرح کے اعمال میں نہ تو نفس کو کچھ حظ ہو نہ طبیعت کو اُلفت اُس سے نہ عقل اُنکی وجہوں کی طرف راہ پاتی ہو اس صورت میں ان اعمال کی بجا آوری کا باعث بجز تعمیل ارشاد اور کچھ نہیں کہ امر واجب الاتباع ہو اسکا ماننا چاہیے اس باب میں عقل کا تصرف بالائے طاق ہوجاتا ہو اور نفس و طبیعت کو اُنکے اُنس کے محل سے پھیرنا پڑتا ہو کیونکہ جنکی چیزوں کے معانی عقل سمجھ جاتی ہو تو اُنکی طرف کچھ ایک طبیعت کی رغبت ہوتی ہو اور یہی رغبت اس امر پر مددگار اور اُسکی تعمیل پر ابھارتی ہو اسی وجہ سے ایسے اوامر کی بجا آوری سے کمال غلامی اور اطاعت ظاہر نہیں ہوتی کہ انکا میلان طبیعت کا بھی پرستا ہو

تو بیہوش ہو کر سواری پر سے گر گئے اور حج کے پورا کرنے تک یہی کیفیت آپ کی رہی اور احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان دارانی کے ساتھ تھا جب انہوں نے احرام باندھا ایک میل تک اُسی طرح چلے آئے اور لبیک نہ کہا پھر اُنکو غش آ گیا اور افاقہ کے بعد فرمایا کہ اے احمد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ظالموں سے کہدو کہ میرا ذکر کم کریں کیونکہ اُن میں سے جو مجھکو یاد کرتا ہے میں اُسکو لعنت کے ساتھ ذکر کرتا ہوں اے احمد میں نے ایسا سنا ہے کہ جو شخص بوجہ ناجائز حج کرتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا لبیک ولا سعدیک جبتک تو ان چیزوں کو نہ چھوڑے جو تیرے ہاتھ میں ہیں سو ہم کو بھی خوف نہیں اس سے کہ کہیں ہمکو بھی نہ کہا جاوے اور لبیک کہنے والا جب میقات میں لبیک پکار کر کہے اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کی پکار کا جواب دیتا ہوں کہ اُسنے فرمایا کہ واذن فی الناس بالحج تو دھیان کرے کہ صور کے پھکنے سے لوگ اسیطرح پکارے جاوینگے اور قبروں سے اُٹھکر میدان قیامت میں جمع ہونگے اور اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دینگے اور اُنکی بہت سی قسمیں ہونگی کوئی مقرب ہونگے کسی پر غصہ ہو گا بعضے مقبول ہونگے اور بعضے مردود اور ابتدا میں خوف و رجا کے درمیان متردد ہونگے جیسے میقات میں حاجیوں کو تردد ہوتا ہے کہ معلوم نہیں حج کا پورا کرنا اور اُسکا مقبول ہونا میسر ہو گا کہ نہیں اور مکہ میں داخل ہونے کے وقت یہ دھیان کرے کہ اب حرم امن میں پہنچ گیا اور خدا تعالیٰ سے توقع کرے کہ اسمیں داخل ہونے کی بدولت عذاب سے محفوظ رکھیگا اور اس بات کا خوف کرے کہ مبادا قرب کا اہل اگر میں نہوا تو حرم میں آنے سے گناہگار مستحق غضب ٹھہرونگا مگر سب وقتوں میں رجا غالب ہونی چاہیے کہ اُسکا کرم عام ہے اور خانہ کعبہ کی شرافت نہایت بڑی اور آنے والے کے حق کی رعایت کیا ہی کرتے ہیں اور پناہ مانگنے والے اور دُہائی دینے والے کی حرمت ملف نہیں کیا کرتے اور کعبہ پر نظر کرنے کے وقت اُسکی عظمت دل میں حاضر کرے اور فرض کرے کہ گویا رب البیت کو دیکھ رہا ہے اور توقع کرے کہ خدا نے جسطرح اپنے بیت عظیم کا دیکھنا روزی کیا ہے اُسیطرح اپنی ذات پاک کی طرف دیکھنا نصیب کریگا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اُسنے اس مرتبہ پر پہنچایا اور اپنے پاس آنے والوں کے زمرہ میں داخل فرمایا اور اُسوقت یہ بھی دھیان کرے کہ قیامت میں سب لوگ جنت کی طرف واقع اسمیں داخل ہونے کے اسیطرح چلینگے پھر اُنکے دو فرق ہو جاوینگے کہ بعض کو اجازت اندر جانے کی ہوگی اور بعض لوٹا دیے جاوینگے جیسے حاجیوں کے دو فریق ہیں کہ بعض کا حج مقبول ہے اور بعض کا نامنظور۔ اور جو احوال حج میں پیش آویں اُنکو دیکھکر امور آخرت کی یاد سے غفلت نہ کرنی چاہیے اسلیے کہ حاجیوں کے سب حالات پر آخرت کے حالات دلالت کرتے ہیں اور کعبہ کے طواف کو نماز تصور کرنا چاہیے اسی لیے دل میں طواف کے وقت تعظیم اور خوف اور رجا اور محبت کو اسطرح حاضر کرنا چاہیے جیسا کہ باب اسرار الصلوٰۃ میں ہم مفصل لکھ آئے ہیں اور واضح ہو کہ آدمی طواف کی جہت سے اُن مقرب فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے جو عرش کے گرد جمع ہو کر طواف کرتے ہیں اور یہ مت خیال کرنا کہ طواف سے مقصود یہ ہے کہ جسم خانہ کعبہ کا طواف کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ آدمی کا دل ذکر رب البیت کا طواف کرے یہاں تک کہ ذکر کا آغاز اور انجام اُسی پر ہو جیسے طواف کی ابتدا اور انتہا بیت پر ہوتی ہے اور جاننا چاہیے کہ عمدہ طواف دل کا طواف گرد حضرت الوہیت کے ہے اور خانہ کعبہ عالم ظاہری میں اُس دربار کا نمونہ ہے کیونکہ وہ عالم باطنی میں ہے اور آنکھ سے محسوس نہیں ہوتا جیسے عالم ظاہری میں بدن دل کا نمونہ ہے کہ دل عالم غیب میں ہے اور آنکھ سے نہیں محسوس ہوتا اور یہ بھی خیال کو کہ عالم ظاہری عالم غیب کا زینہ ہے اُس شخص کے حق میں کہ اللہ تعالیٰ یہ دروازہ اُسکے لیے کھول دے اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس قول میں کہ بیت المعمور آسمان میں کعبہ کے مقابل ہے اور فرشتے اُسکا طواف اسیطرح کرتے ہیں جیسے انسان کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور چونکہ اکثر خلق کا رتبہ اس جیسے طواف سے قاصر ہے لہذا اپنے مقدور بھر اُن فرشتوں کی مشابہت کے لیے اُنکو حکم ہوا اور وعدہ ایسے ہو گیا کہ جو کوئی کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہو گا اور جو شخص فرشتوں کے سے طواف پر قادر ہے تو وہ ایسا شخص ہے کہ کہہ سکتے ہیں کہ کعبہ اُسکی زیارت اور طواف کرتا ہے چنانچہ بعض مکاشفہ والوں نے بعض اولیاء اللہ کا حال ایسا ہی دیکھا ہے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت یہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ سے اُسکی طاعت پر بیعت کرتا ہوں اور اپنا ارادہ پختہ کرے کہ اس عہد کو پورا کرونگا کیونکہ جو شخص بیعت میں دغا کرتا ہے مستحق غضب ہوتا ہے

جب اپنے نفس میں یہ خواہش پاوے کہ کسیطرح خرچ بہت سا ہو اور راہ و توشہ سفر دور دراز کیلیے رہے اور منزل مقصود تک پہونچنے سے پیشتر اسمیں خرابی اور
تبدیل ہو جانا چاہیے کہ یاد کرے کہ سفر آخرت اس سفر کی نسبت کہیں دراز ہے اور اسکا توشہ تقوی ہے اور تقوی کے سوا جس چیز کو توشہ جانا ہے وہ مرنے کے
وقت سب پیچھے رہجاویگا اور اس سے دغا کریگا جیسے پکا کھانا مارے کہ سفر کے پہلے ہی منزل میں سڑ جاتا ہے اور پھر بھوک کے وقت آدمی حیران اور محتاج
رہجاتا ہے کہ کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی تو اسلیے ضرور ہوا کہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں ایسا ہو کہ اعمال جو آخرت کا توشہ ہیں موت کے بعد اپنے ساتھ نہ رہیں
اور ریا اور شہرت کی آمیزش اور قصور کی کدورت سے خراب ہو جاویں۔ اور سواری جسوقت سامنے آوے اسوقت اپنے دل میں خدا تعالی
کی نعمت کا شکر کرے کہ چوپایوں کو ہمارا مسخر کر دیا کہ ہمکو تکلیف نہ ہو اور مشقت ہلکی ہو جاوے اور یہ یاد کرے کہ دار آخرت کی سواری بھی ایک روز اسیطرح
سامنے آجاویگی یعنی جنازہ کی تیاری ہوگی کہ اسپر سوار ہو کر دار آخرت کا کوچ کرنا پڑیگا غرضکہ حج کا حال کچھ ایک مشابہ سفر آخرت کے ہے تو ضرور لحاظ کر لینا چاہیے
کہ حج کی سواری پر سفر کرنا اس قابل ہے کہ سفر آخرت کی سواری کا توشہ ہو سکے کیونکہ سفر آخرت آدمی سے بہت ہی قریب ہے کیا معلوم ہے کہ موت قریب ہے
اور اونٹ کی سواری سے پیشتر تابوت پر سوار ہو جاوے اور تابوت کی سواری یقینا ہوگی اور سامان سفر کا مہیا ہو جانا مشکوک امر ہے تو کسو کو سفر میں احتیاط کرنا
اور توشہ اور سواری سے مدد لینی اور یقینی سفر سے غافل رہنا کب زیبا ہے اور احرام کے دونوں چادروں کے خریدنے کے وقت اپنے کفن کو اور اسمیں اپنے
لپٹنے کو یاد کرے کیونکہ احرام کی چادر اور تہہ تو اسوقت باندھیگا کہ خانہ کعبہ کے نزدیک ہوگا اور کیا عجب ہے کہ یہ سفر پورا ہو اور خدا تعالی سے ملاقات کفن میں لپٹے ہوئے
ہوئی بیشک ہے تو جسطرح کہ خدا تعالی کے گھر کی زیارت بدون مخالف لباس اور ہیئت معمولی کے نہیں ہوتی اسیطرح خدا تعالی کی زیارت بھی مرنے کے بعد اسی صورت سے
ہوگی کہ دنیا کے لباس کے مخالف لباس ہو اور احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ بھی ہے کہ سیا ہوا نہیں ہوتا اور جب شہر سے نکلے تو یہ جانے کہ میں اپنے اہل و وطن سے
جدا ہو کر ایسے سفر میں خدا تعالی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو دنیا کے سفروں کے مشابہ نہیں تو اسوقت اپنے دل میں یہ سوچنا چاہیے کہ میں کیا ارادہ کرتا ہوں اور کہاں جاتا ہوں اور
کسکی زیارت کو متوجہ ہوا ہوں اور یہ سمجھے کہ میں بادشاہ کی طرف اسکی زیارت کرنے والوں کے زمرہ میں متوجہ ہوں جو اسکے ساتھ حاضر ہوئے اور جنکو شوق دلایا گیا تو مشتاق
ہوگئے اور جنکو جانے کا حکم ہوا تو علاقوں کو قطع کر اور خلقت کو چھوڑ خدا تعالی کے گھر کی طرف جسکی شان عظیم اور قدر رفیع اور امر جسیم ہے متوجہ ہوئے تاکہ رب البیت
کی زیارت کے عوض اسکے گھر کی زیارت سے دل بہلاویں یہانتک کہ انکو انکی نہایت آرزو میسر ہو اور اپنے مولا کے دیدار سے اپنی مراد پاویں اور اپنے
دل میں توقع رسائی اور قبول کی کرے نہ اسطرح کہ اپنے اعمال پر بھروسا ہو کہ ہم اتنی دور سے گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں بلکہ خدا تعالی کے فضل پر بھروسا
کرے اور چونکہ اسنے اپنے گھر کے زیارت کرنے والوں کے حق میں وعدہ فرمایا ہے تو توقع کرے کہ وہ اپنے وعدہ کو سچا کریگا اور یہ توقع کرے کہ اگر میں کعبہ
تک نہ پہونچا اور اثنائے راہ ہی میں لقمہ اجل ہوا تو خدا تعالی سے ملاقات اسی حال میں ہوگی کہ اسکے پاس جا رہا ہوں کیونکہ وہ خود فرماتا ہے ومن یخرج من
بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ اور جنگل میں گھسکر میقات تک گھاٹیوں کے دیکھنے میں وہ احوال یاد کرے جو موت
کے باعث دنیا سے نکلکر میقات قیامت تک ہونگے اسکے ہر ایک حال کو اسکے ہر کیفیت سے مناسبت کرے مثلا رہزنوں کی دہشت سے منکر نکیر کے سوال کی
دہشت یاد کرے اور جنگل کے درندوں سے قبر کے سانپ بچھو اور کیڑے دھیان کرے اور اپنے گھر بار اور اقارب سے علیحدہ ہونے سے قبر کی وحشت اور سختی اور
تنہائی سوچے غرضکہ اپنے اعمال اور اقوال میں جو خوف کرے اسکو قبر کے خوفوں کے لیے توشہ کرلے اور میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ جانے کہ
لبیک کے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالی کی پکار پر یہ کہنا کہ میں حاضر ہوں تو اسوقت یہ توقع کرے کہ یہ جواب مقبول ہوا اور خوف کرے کہ کہیں یہ نہ کہدیا
جاوے کہ لا لبیک ولا سعدیک اسلیے ضرور ہوا کہ خوف و رجا کے درمیان متردد رہے اور اپنی تاب و طاقت سے علیحدہ ہو جاوے اور اللہ تعالی کے
فضل و کرم پر تکیہ کرے اسلیے کہ لبیک کہنے کا وقت ہی حج کا شروع ہے اور وہ خطرہ کی جگہ ہے سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایکبار حضرت امام زین العابدین
علیہ السلام نے حج کیا جب آپ نے احرام باندھا اور سواری پر جم کر بیٹھے تو رنگ زرد ہو گیا اور لرزہ تمام بدن پر آگیا اور طاقت نہ رہی کسی
نے پوچھا کہ آپ لبیک کیوں نہیں کہتے فرمایا کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں جواب میں یہ نہ کہا جاوے لا لبیک ولا سعدیک پھر جب آپ نے لبیک کہا

یہ کہو کہ حضرت ابراہیمؑ پر تو شیطان ظاہر ہوا تھا اور آپ نے اسکو دیکھا تھا اسلیے اسکو مارا تھا اور ہمکو تو شیطان ظاہر ہوا نہیں پھر کنکروں کے مارنے سے کیا غرض ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ شیطان کی طرف سے ہے اور اسی نے اسکو تمہارے دل میں ڈالا ہے تاکہ تمہارا ارادہ کنکریں مارنے کا سست پڑ جاوے اور تمہارے خیال میں یہ آوے کہ یہ فعل ایسا ہے جسمیں کچھ فائدہ نہیں ایک کھیل کی سی صورت ہے اسمیں کیوں مشغول ہوتے ہو پس خوب کوشش اور مضبوطی کے ساتھ شیطان کو ذلیل کرنے کی نیت سے کنکریں مار کر اسی نفس پر سے دفع کرو اور جانو کہ ہر چند ہم کنکریں بظاہر پتھر پر مارتے ہیں لیکن واقع میں شیطان کے منھ پر مارتے ہیں اور اسکی پیٹھ توڑتے ہیں کیونکہ اسکی ذلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالے کے ایسے حکم کی بجا آوری کریں جسکی تعمیل میں نفس اور عقل کو کچھ حظ نہیں صرف اسکی تعظیم ملحوظ ہے اور ہدی کے ذبح کرنے کے وقت یہ جانو کہ یہ فعل بسبب امتثال امر کے باعث تقرب ہے اسی لیے اسکو اور اسکے اجزا کو پورا دیکھ لینا چاہیے اور یہ توقع کرنی چاہیے کہ اللہ تعالے اسکے ہر جزو کے عوض میں ہمارے ہر جزو کو آگ سے آزاد کر دیگا کیونکہ وعدہ اسیطرح ہوا ہے پس جسقدر ہدی بڑی ہوگی اور اسکے اجزا بہت ہونگے اسیقدر آگ دوزخ سے رہائی کی صورت زیادہ متصور ہے اور مدینہ منورہ کی دیواروں پر جب نگاہ پڑے تو یہ دھیان کرنا چاہیے کہ یہ وہ شہر ہے کہ اللہ تعالے نے اسکو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پسند فرمایا اور اسکو آپ کا دار الہجرۃ بنایا یہ وہ مکان ہے جسمیں آپ نے اللہ تعالے کے فرائض اور سنن مشروع فرمائے اور اسکے دشمن کے ساتھ جہاد کیا اور اسکے دین کو ظاہر کیا یہانتک کہ اللہ تعالی نے آپ کو اپنی جوار رحمت میں بلا لیا پھر آپ کی قبر اسمیں مقرر کی اور آپ کے دو وزیروں کی قبر جو آپ کے بعد بجا آوری حق میں رہے اسی میں ٹھہرائی پھر اپنے دل میں تصور باندھو کہ آپ کے قدم مدینہ منورہ میں چلتے پھرتے پڑتے ہونگے اور کوئی پاؤں رکھنے کی جگہ ایسی نہیں جہاں آپ کے قدم مبارک نہ آئے ہوں اس خیال کے بعد جو پاؤں رکھو وہ وقار اور خوف کے ساتھ رکھو اور سوچو کہ اسیطرح آپ ہر گلی کوچہ میں نکلتے ہونگے اور پھر رفتار میں آپ کی فروتنی اور وقار کا تصور کرو اور یہ کہ اللہ تعالے نے اپنی معرفت کس درجہ کو آپ کے دل میں ودیعت رکھی تھی اور آپ کے ذکر کو کیسا اونچا کیا کہ اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر ملا دیا اور جو شخص آپ کی تعظیم نہ کرے گو آپ کی آواز پر اپنی آواز ہی اونچی کرنے سے کیوں نہو اسکے عمل باطل کر دئے پھر یہ دھیان کرو کہ اللہ تعالے نے اُن لوگوں پر بڑا احسان کیا جنھوں نے آپ کی صحبت پائی اور مشاہدہ جمال اور استماع اقوال سے سعادت حاصل کی اور اپنے حال پر نہایت افسوس کرو کہ یہ دولت ہمکو نہ ملی اور نہ آپ کے اصحاب رضہ کی صحبت نصیب ہوئی پھر یہ دھیان کرو کہ ہمکو دنیا میں تو آپ کی زیارت روزی نہوئی اور آخرت کے دیکھنے میں شبہ ہے شاید آپ کی زیارت نگاہ حسرت ہی سے ہو کہ اعمال بد کے باعث ہمکو قبول نہ فرماویں چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ لوگ میرے سامنے لائے جاوینگے اور وہ کہینگے یا محمد یا محمد میں کہونگا کہ الٰہی یہ میرے اصحاب ہیں حکم ہوگا کہ تمکو معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انھوں نے کیسا کام کیا تب میں کہونگا کہ الگ ہو اور دور ہو پس اگر تمنے بھی آپ کی شریعت کی توقیر نہ کی ہوگی گو ایک ہی دقیقہ میں کیوں نہوں تو تم بھی اس بات سے مامون نہیں ہو کہ تمہارے اور آپکے درمیان میں دوری ہو جاوے اور آپ کے طریق سے علیحدہ پڑ جاؤ اور باوجود اسکے زیادہ توقع یہی رکھو کہ اللہ تعالے تمہارے اور آپکے درمیان میں دوری نہ ڈالے کہ تمکو ایمان روزی کیا اور آپ کی زیارت کے لیے تمکو تمہارے وطن سے اٹھا کھڑا کیا کوئی تجارت یا حظ دنیاوی تمکو مقصود نہ تھا صرف آپ کی محبت اور آپ کے آثار شریفہ کے دیکھنے کا شوق ہوا اسلیے کہ جب آپ کا دیکھنا تمکو نصیب نہوا تو تمہارے نفس نے اسی پر قناعت کی کہ آپ کی قبر کی دیوار ہی نظر پڑ جاوے جب خدا تعالی نے یہ سامان تمہارے لیے کر دیے تو اُس کی رحمت کے شایاں یہی ہے کہ تمہاری طرف نظر رحمت سے دیکھے اور جب تم مسجد نبوی میں پہنچو تو یہ دھیان کرو کہ یہ وہ جگہ ہے کہ اسکو خدا تعالی نے اپنے نبی صلعم اور مسلمانوں میں سے اول اور افضل لوگوں کے لیے تجویز کیا اللہ تعالے کے فرائض اول اسی مقام میں ادا ہوے یہی زمین ہے جسمیں تمام مخلوق سے افضل لوگ حالت حیات میں بھی اور حالت موت میں بھی جمع ہیں اسصورت میں ایسی جگہ کے داخل ہوتے ہوے تمکو بڑی توقع کرنی چاہیے کہ اللہ تعالے تم پر رحم ہی کریگا پھر مسجد میں خشوع اور تعظیم سے داخل ہو اور یہ خطۂ پاک اسی بات کے شایاں ہے کہ ہر ایماندار دل سے خشوع کا طالب ہو چنانچہ ابو سلیمان نقل کرتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رضہ نے حج کیا اور مدینہ منورہ میں داخل ہوے جب مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوے تو لوگوں نے کہا کہ قبر شریف آنحضرت صلعم کی یہ ہے آپ سنتے ہی غش کر گئے اور جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ مجھکو یہاں سے نکالو کہ مجھکو وہ شہر اچھا معلوم نہیں ہوتا جسمیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا الحجر الاسود یمین اللہ عز وجل فی الارض یصافح بہا خلقہ کما یصافح الرجل اخاہ اور پردہ کعبہ کو پکڑنے اور ملتزم سے چمٹنے کے وقت یہ نیت کرے کہ بیت اور رب البیت کی محبت اور شوق میں قرب کا طالب ہوں اور بدن کے لگنے کو برکت جانے اور یہ توقع کرے کہ جو عضو بدن کعبہ سے ملحق ہوگا وہ آگ سے محفوظ رہیگا اور پردہ پکڑنے میں یہ نیت ہو کہ طلب مغفرت اور درخواست اماں میں الحاح کرتا ہوں جیسے کوئی خطاوار جسکا قصور کرتا ہو اسکے دامن میں لپٹا ہو اور عفو قصور کے لئے اسکے سامنے انکسار کرتا ہو اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرا ملجا اور ماوا بجز تیرے اور کہیں نہیں اور بدوں تیرے کرم اور عفو کے اور کہیں ٹھکانا نہیں اور اب میں تیرا دامن نہ چھوڑونگا جبتک کہ خطا معاف نہ کردے اور آیندہ کو امن نہ دے دے اور سعی صفا اور مروہ کے درمیان خانہ کعبہ کے چوک کے اندر ایسی ہے کہ جیسے غلام بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس غرض سے کہ خدمت میں اپنا خلوص ظاہر کرے اور اس امید سے کہ نظر رحمت سے سرفراز ہووے یا جیسے کوئی بادشاہ کے پاس داخل ہوا اور پھر باہر نکلے اور نہ جانتا ہو کہ بادشاہ میرے باب میں کیا حکم کریگا منظور فرماویگا یا نامنظور تو دربار کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہو اس امید سے کہ اول دفعہ میں اگر رحم نہ کریگا تو دوسری بار میں مرحمت فرماویگا ع دو بار اگر آید کسے بخدمت شاہ ۔ سوم ہر آئینہ در وے کند بہ لطف نگاہ ۔ اور صفا اور مروہ کے درمیان آمد و رفت کرنے کے وقت یہ خیال کرے کہ میدان قیامت میں میزان کے دونوں پلوں کے بیچ میں اسیطرح پھرتا ہوگا صفا کو حسنات کا پلہ سمجھ لے اور مروہ کو برائیوں کا اور پھر خیال کرے کہ دونوں پلوں کے درمیان اسیطرح آتا جاتا ہوگا کہ دیکھیے کونسا پلہ غالب رہتا ہے اور کونسا مغلوب اور عذاب اور مغفرت میں تردد ہوگا کہ کسکا مستحق ہوتا ہوں **اور عرفات** پر ٹھہرنے میں جب لوگوں کا ازدحام اور آوازوں کا بلند ہونا اور زبانوں کا اختلاف اور مشاعر کی آمد و رفت میں ہر ایک فرقہ کا اپنے اپنے اماموں کے قدم بہ قدم چلنا نظر پڑے تو یہ یاد کرے کہ میدان قیامت میں بھی تمام امتیں مع انبیا کے اسی طرح اکٹھی ہونگی اور ہر امت اپنے نبی کی پیروی کرے گی اور انبیا کی شفاعت کی طمع کریگی اور اس میدان میں مقبولیت اور عدم مقبولیت کے باب میں حیران رہیگی اور جب آدمی کو عرفہ میں یہ خیال گذرے تو چاہیے کہ اپنے دل کو انکسار اور اللہ کی طرف رجوع کرنا لازم کردے تاکہ فلاح والوں اور مرحوم فرقہ کے ساتھ حشر ہو اور اس جگہ اپنی رجا کو قبول ہی سمجھے کیونکہ یہ میدان شریف ہے اور رحمت الٰہی دربار جلال سے تمام خلق پر نازل ہوتی ہے اور اسکے آنے کا ذریعہ دلہائے عزیز زمین کے اوتادوں کے ہوتے ہیں اور یہ میدان ابدال اور اوتاد کے گروہ سے کبھی خالی نہیں رہتا اور صالحین کے گروہ بھی اسمیں ضرور ہوتے ہیں پس جب ان لوگوں کی ہمتیں جمع ہو کر انکے دل انکسار و زاری کرتے ہیں اور ہاتھ اللہ تعالی کی طرف پھیلاتے ہیں اور گردنیں اسکی طرف کو کھنچتی ہیں اور ایک ہمت کے ساتھ طلب رحمت کے لیے آسمان کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو پھر یہ گمان مت کرنا کہ وہ اپنی امید میں محروم رہیں اور انکی کوشش بیکار جاوے بلکہ ایسی وہ رحمت نازل ہوتی ہے کہ سب کو ڈھانپ لے اور اسیواسطے کہتے ہیں کہ بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی عرفات میں موجود ہو کر یہ گمان کرے کہ خدائے تعالے نے میری مغفرت نہیں کی اور حج کا راز اور غایت مقصود بھی ہے کہ ہمتوں کا اجتماع ہو اور جو ابدال و اوتاد کہ شہروں کے اطراف سے مجتمع ہوتے ہیں انکے پاس ہونے کے سبب جمع ہمت میں سہارا لیجئے سو جیسا کہ رحمت الٰہی کے اتارنے کا طریق اسکے برابر اور کوئی نہیں کہ ہمتیں اکٹھی ہوں اور ایک وقت میں ایک زمین پر دل ایک دوسرے کی مدد کریں اور کنکروں کے پھینکنے میں یہ قصد کرے کہ غلامی اور بندگی کے ظاہر کرنے کے لیے امر کی طاعت کرتا ہوں اور صرف تعمیل ارشاد کے لیے اٹھتا ہوں بدون اسکے کہ اس فعل میں کچھ عقل یا نفس کا حظ ہو پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشابہت کا قصد کرے کہ اس مقام پر آپکو شیطان مردود ظاہر ہوا تھا تاکہ آپکے حج میں کچھ شبہہ ڈالدے یا کسی معصیت میں مبتلا آپکو [illegible] اللہ تعالے نے حکم فرمایا کہ اسکے دفع کرنے کو اور اسکی امید منقطع کرنے کو [illegible]

سارلت

ا وسعيد بن ابي عمرو قالا نا ابو

بن عطاء انا سعيد عن قتادة عن الحسن في قوله فنادى

في الظلمات قال ظلمة الليل وظلمة البحر وظلمة بطن الحوت ان لا اله

الا انت سبحانك اني كنت من الظالمين قالت الملائكة صوت معروف في ارض غريبة

واخبرنا ابو بكر احمد بن الحسن القاضي انا ابو سهل بن زياد القطان نا ابو عون عبد الرحمن

بن مرزوق البزوري نا يحيى بن ابي كثير نا شعبة بن الحكم عن مجاهد ظن ان لن نقدر

عليه قال ان لن نعاقبه **اخبرنا** ابو الحسين بن بشران العدل انا اسمعيل محمد

الصفار نا احمد بن منصور نا عبد الرزاق انا معمر قال قال لي الزهري الا احدثك بحديثين

عجيبين اخبرني حميد بن عبد الرحمن عن ابي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال

اسرف رجل على نفسه فلما حضره الموت اوصى بنيه فقال اذا انا مت فاحرقوني ثم اسحقوني

ثم اذروني في الريح في البحر والله لئن قدر علي ربي ليعذبني عذابا ما عذبه احدا قال ففعلوا

به فقال الله عز وجل للارض ادي ما اخذت فاذا هو قائم فقال له ما حملك على ما صنعت

فقال خشيتك يا رب او قال مخافتك فغفر له قال وحدثني حميد بن عبد الرحمن عن

ابي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال دخلت امرأة النار في هرة ربطتها فلا هي

اطعمتها ولا هي ارسلتها تأكل من خشاش الارض حتى ماتت قال الزهري في ذلك لئلا يتكل

احد ولا ييأس احد **رواه** مسلم في الصحيح عن محمد بن رافع وعبد بن حميد عن عبد الرزاق واخرجه

البخاري من وجه اخر عن معمر **اخبرنا** ابو عبد الله الحافظ قال اخبرني ابو [illegible]

ابو عبد الله محمد بن ايوب انا ابو الوليد نا ابو عوانة عن قتادة عن عقبة بن عبد الغافر عن ابي سعيد

الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ان رجلا ممن سلف من الناس رغسه الله مالا

وولدا فلما حضره الموت قال لبنيه اي اب كنت لكم قالوا خير اب قال فانه والله ما ابتأر عند الله

خيرا قط وان يقدر الله عليه يعذبه فاذا انا مت فاحرقوني ثم ذروني في ريح عاصف قال فاخذ

مواثيقهم على ذلك ففعلوا فلما احرقوه سحقوه ثم ذروه في ريح عاصف قال الله له كن

فاذا رجل قائم قال ما حملك على ما صنعت قال لا الا مخافتك او خشيتك قال فوالذي

نفسي بيده ان تلقاه غيران غفر له **رواه** البخاري في الصحيح عن ابي الوليد **ورواه** مسلم عن محمد

حضور صلعم خاک کے اندر ہوں اور آنحضرت صلعم کی زیارت اُسیطرح کھڑا ہو کر کرنی چاہیے جیسے ہم لکھ آئے ہیں اور آپ کی زیارت موت کے بعد اُسی طرح کرو جیسے زندگی میں کرتے اور آپ کی قبر شریف کے اتنا ہی قریب ہو نا چاہیے جیسے آپکے جسم مبارک سے حالت میں قریب ہوتے اور جسطرح کہ تمہیں کی روک تھا میں آپ کے جسم پاک کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے میں اختلاف تعظیم اور سوء ادب جانتے بلکہ دور سے کھڑے ہوئے آپ کی طرف کو مائل رہتے اسیطرح اب بھی کرنا چاہیے کیونکہ زیارات کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا نصاریٰ اور یہود کی عادت ہے اور جان لینا چاہیے کہ آنحضرت صلعم کو تمہارے آنے اور کھڑے ہونے اور زیارت کرنے کا علم ہوتا ہے اور تمہارا درود و سلام آپ کی خدمت مبارک میں پہونچتا ہے پس زیارت کے وقت تم آپ کی صورت کریم کو یوں خیال کرو کہ تمہارے سامنے لحد میں موجود ہے اور پھر اپنے دل میں آپکے مرتبہ عظیم کو تصور کرو اور درود و سلام کا آپ کا پہونچنا اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے آپ کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے وہ آپ کو آپ کی امت کے لوگوں کو سلام پہونچایا کرتا ہے اور یہ بات اُس شخص کے حق میں جو آپ کی قبر شریف پر حاضر ہوا ہو تو جو شخص آپ کی زیارت کے شوق میں قبر کی زیارت پر اکتفا کرنے کے ارادہ سے وطن کو چھوڑ اور جنگلوں کو طے کر حضور کی میں حاضر ہو گا اُسکا سلام کیسے نہ پہونچیگا۔ اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا تو یہ بدلہ تو صرف زبان سے درود کہنے کا ہے تو جس صورت میں کہ آپ کی زیارت کرنے تمام بدن سے حاضر ہوا اُسکا بدلہ کیسا کچھ ہو گا پھر آنحضرت صلعم کے منبر شریف کے پاس آؤ اور یہ خیال کرو کہ آپ منبر پر چڑھے کھڑے ہیں اور مہاجر اور انصار آپ کے گرد حلقہ کیے ہیں اور آپ اُنکو اپنے خطبہ میں خدا تعالی کی طاعت پر رغبت دلاتے ہیں اور اللہ تعالے سے درخواست کرو کہ قیامت میں تمہارے اور آپ کے درمیان میں جدائی نہ کرے غرضکہ حج کے اعمال میں دل کا وظیفہ یہ جو مذکور ہوا جب اعمال حج سے سب سے فارغ ہو چکے تو چاہیے کہ اپنے دل پر رنج اور خوف کا التزام کرے اور یہ کہ معلوم نہیں کہ ہمارا حج مقبول ہوا اور مخصوص لوگوں کے زمرہ میں رہے یا حج نامنظور ہوا اور نکالے ہوؤں میں ملائے گئے اور یہ امر اپنے دل اور اعمال سے معلوم کرے یعنی حج کے بعد اگر اپنے دل کو پائے کہ دنیا سے زیادہ کنارہ کرنے لگا اور انس باللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوا ہے اور اعمال شریعت کی میزان کے موجب سنجیدہ سرزد ہوتے ہیں تو قبول ہونے کا اعتقاد کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالے اسی شخص کا حج قبول کرتا ہے جسکو دوست رکھتا ہے اور جسکو دوست رکھتا ہے اُسکا مولی ہوتا ہے اور اپنی محبت کے آثار اُسپر ظاہر کرتا ہے اور اپنے دشمن ابلیس مردود کا داؤ اُسپر سے ہٹا دیتا ہے تو جب اسطرح کی باتیں ظاہر ہونگی تو معلوم ہو گا کہ حج قبول ہوا اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو عجب نہیں کہ اس سفر سے آدمی کو بجز مشقت اور سختی کے اور کچھ وصول ہو معاذ اللہ منہا باب اسرار حج تمام ہوا اسکے بعد باب آداب تلاوت مذکور ہو گا والحمد للہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علی کل مصطفے

آٹھواں باب آداب تلاوت قرآن کے بیان میں

رہائی منظور اگر تجھے ہو قرب یزداں	ترتیل سے دن رات پڑھا کر قرآن
دیکھ اقرأ وارتق ورتل کی حدیث	جو مرتبے قاری کے ہیں تجھ پر ہوں عیاں

واضح ہو کہ اللہ تعالے کا بڑا احسان بندوں پر یہ ہوا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنکو مشرف بخشا اور اپنی کتاب منزل سے اُنکی گردنوں میں طوق منت ڈالا یہ وہ کتاب ہے کہ اُسکے آگے اور پیچھے سے باطل اُسپر نہیں آتا اہل فکر کو اس سے گنجائش ہو گئی کہ اُسکے قصے اور خبروں سے عبرت حاصل کریں اور چونکہ اُسمیں تفصیل احکام اور تفریق حلال و حرام کی بخوبی ہے اس نظر سے سیدھے راستے اور طریق عمدہ کا چلنا اس سے واضح ہو گیا حقیقت میں ضیا اور نور وہی ہے اور اُسی کے باعث مغالطہ سے نجات ہوتی ہے اور اُسمیں ایمان و توحید دل کو شفا ہے جبارون میں سے جو اُسکے مخالف ہوئے اُنکی کمر اللہ نے توڑی اور جس نے اُسکے سوا دوسری کتاب میں علم کو طلب کیا وہ حکم الٰہی سے گمراہ ہوا جبل متین اور نور مبین اور عروۃ وثقیٰ اُسکا نام اور قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر پر حاوی ہونا اُسکا کام ہے اُسکے عجائب و غرائب کوئی نہایت نہ اہل علم کے نزدیک اُسکے فوائد کی کوئی حد و غایت تلاوت والوں کے نزدیک زیادہ پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی بلکہ ہر بار لذت جدید دیتی ہے اور اولین اور آخرین کو وہی ہدایت کرتی ہے یہ وہ کتاب ہے کہ جب اُسکو جنوں نے سنا تو

من سطر قوله لئن قدر الله علي ٢١

الله من التقدير لا من القدرة كما قلنا في الآية وقال

رحمه الله وفي غير هذه الرواية فاذروني في الريح فلعلي اضل الله يريد

لعلي افوت الله يقال ضل الشيء اذا فات وذهب ومنه قول الله عز وجل قال علمها عند ربي

في كتاب لا يضل ربي ولا ينسى اي لا يفوته قال وقد يسأل عن هذا فيقال كيف يغفر له

وهو منكر للبعث والقدرة على احيائه وانشائه فيقال انه ليس بمنكر انما هو رجل جاهل ظن

انه اذا فعل به هذا الصنيع ترك فلم ينشر ولم يعذب الا تراه يقول فجمعه فقال له لم فعلت

ذلك فقال من خشيتك فقد بين انه رجل مؤمن بالله عز وجل فعل ما فعل خشية من

الله عز وجل اذا بعثه الا انه لجهله حسب ان هذه الحيلة تنجيه مما يخافه اخبرنا الحديث

الذي ذكره ابو سليمان رحمه الله شيخنا ابو عبد الله الحافظ قال نا ابو بكر احمد بن سلمان الفقيه قال

قرئ على احمد بن مسلمة الواسطي وانا اسمع قال نا يزيد بن هرون قال انا بهز بن حكيم بن معوية

بن حيدة القشيري قال حدثني ابي عن ابيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

يقول كان فيمن كان قبلكم عبد آتاه الله مالا وولدا فذكر الحديث وقال فيه فذروني في ريح عاصف لعلي اضل

الله قال ففعلوا ورب محمد حين قال فجيء به احسن ما كان فعرض على الله تعالى فقال ما حملك على النار قال

خشيتك اي رب قال اسمعك راهبا فتيب عليه قال الشيخ الامام ابو بكر احمد بن الحسين

البيهقي رضي الله عنه هذا آخر ما سهل الله تعالى نقله في اسماء الله تعالى وصفاته وما يحتاج

الى تأويله من التأويل وقد تركت من الاحاديث التي رويت في امثال ما اوردته ما دخل

اسناده في ما نقلته او وجدته باسناد ضعيف لا يثبت مثله خشية التطويل والله الموفق

للصواب وبه العياذ من الخطاء والزلل وهو حسبي ونعم الوكيل وصلواته على سيدنا محمد

خاتم النبيين وعلى آله واصحابه وازواجه وسلامه وسلم تسليما وعلى آل كل نبي وملك

والحمد لله رب العالمين اولا وآخرا وظاهرا وباطنا وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه

وازواجه وذريته وسلم تسليما كثيرا والحمد لله رب العالمين

تمت نسخه